

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا ابوالفضل محمد درویش صاحب دہلی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد ہفتم نمبر چہارم

ترجمہ حقیقت گو معارف پتہ و ارباب بیت حضرت شاہ عبدالقادر بریلوی دلی اللہ تعالیٰ تعالیٰ توفیق

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور

سندھ، پاکستان

بہار تہذیب و تمدن نمبر ۳۵۳ مہران بنگلہ قلم و کلام لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

الحمد لله والحمد لله المستتمه درین زمان مبینات اقتران تفسیر سر پانویز گنجینه حقائق و معارف
خزینہ اسرار و لطائف کشف مشکلات قرآنیہ و وصف مخدرات فرقانیہ
مستفی بہ

مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

تألیف
شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً شَيْخُ الْحَدِيثِ جَامِعَةِ أَشْرَفِيَّةِ لَاهُورِ

جلد پنجم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹

○

به ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور
سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت النجم ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۷
 نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
 مکمل سیٹ :- ۸ جلد
 صفحات جلد ۵ :- ۶۱۲
 کتابت متن قرآن کریم :- خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
 کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
 کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
 تعداد طبع اول :- ۱۳۱۹ھ (گیارہ سو)
 تعداد طبع دوم :- ۱۴۲۲ھ
 پریس :- القادر پرنٹنگ پریس کراچی
 ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان
 فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس - المنظر پارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
 نزد سبیلہ چوک کراچی - پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
 لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
 شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔
 لہذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ
 اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

اہم نوٹ



خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۵

فہرست مضامین معارف القرآن جلد پنجم

مشمول برپارہ (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹)

بقیہ سورۃ کہف - مریم - طہ - انبیاء - حج - مؤمنون - نور، فرقان - شعراء - نمل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	آغاز پارہ ۱۶	
۱	قَالَ الْكَفُّ	۱
۲	بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام باخضر علیہ السلام	۱
۳	بیان تاویلات واقعات مذکورہ	۲
۴	تاویل واقعہ اول	۳
۵	تاویل واقعہ دوم	۴
۶	تاویل واقعہ سوم	۵
۷	لطائف و معارف	۶
۸	پہلی اور دوسری دلیل	۷
۹	تیسری دلیل	۸
۱۰	قصہ ذوالقرنین	۹
۱۱	سفر اول	۱۰
۱۲	سفر دوم	۱۱
۱۳	سفر سوم و تعمیر سد آہنی برائے السداد خروج یا جوج و ماجوج	۱۲
۱۴	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۱۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴	دیوار ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذکر	۲۵
۱۵	دیوار اول — دیوار چین	۲۵
۱۶	دیوار دوم — دیوار سمرقند	۲۵
۱۷	دیوار سوم — دیوار آذربائیجان	۲۶
۱۸	دیوار چہارم — دیوار تبت	۲۶
۱۹	دیوار پنجم	۲۶
۲۰	دیوار مذکور کے دس اوصاف	۲۷
۲۱	یاجوج ماجوج کون ہیں	۲۸
۲۲	مرزائے قادیان کا ہڈیان	۳۰
۲۳	تتمہ قصہ ذوالقرنین - ذکر انہدام دیوار ذوالقرنین و خروج یاجوج و ماجوج و نفع صور	۳۱
۲۴	خاتمہ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت	۳۲
۲۵	شان نزول	۳۶
۳۸	تفسیر سورہ مریم ؑ	۳۸
۲۶	فائدہ متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ	۳۸
۲۷	قصہ اول حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام	۴۱
۲۸	تتمہ واقعہ	۴۶
۲۹	قصہ دوم حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام	۴۹
۳۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آٹھ صفات کا ذکر	۵۲
۳۱	پہلی صفت - عبدیت	۵۲
۳۲	دوسری اور تیسری صفت	۵۵
۳۳	چوتھی - پانچویں - چھٹی - ساتویں صفت	۵۶
۳۴	آٹھویں صفت	۵۷
۳۵	قول مبرم و فیصلہ محکم در بارہ حقیقت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ نبینا و علیہما وبارک وسلم	۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶	لطائف و معارف بسلسلہ بحث سابق	۶۵
۳۷	حدیث ذبح موت	۶۸
۳۸	قصہ سوم حضرت ابراہیم علیہ السلام	۷۰
۳۹	نکتہ	۷۳
۴۰	قصہ چہارم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۷۷
۴۱	قصہ پنجم حضرت اسمعیل علیہ السلام	۷۵
۴۲	قصہ ششم حضرت ادریس علیہ السلام	۷۶
۴۳	ذکر وصف عام جنس انبیاء کرام علیہم السلام	۷۷
۴۴	ذکر حال و مال اہل سعادت و اہل شقاوت	۷۹
۴۵	ذکر احاطہ علم و قدرت و اثبات وحدانیت و بیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت و طاعت	۸۱
۴۶	نکتہ	۸۲
۴۷	اثبات معاد و بیان حال و مال اہل طاعت و اہل معصیت	۸۴
۴۸	کفار کے ایک مغالطہ کا جواب	۸۸
۴۹	جواب دیگر	۸۹
۵۰	جواب دیگر	۹۰
۵۱	منکرین حشر کے ایک تکبر اور تمسخر کا جواب	۹۱
۵۲	ابطال عقیدہ ابنیت و بیان ضلال و وبال منکرین و حدانیت و قیامت برائے تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۹۲
۵۳	خاتمہ سورت مشتمل بر بشارت اہل ایمان و طاعت و نذارت اہل طغیان الخ	۹۷
۵۴	فائدہ (مقبولیت اور شہرت میں فرق)	۹۸
تفسیر سورہ طہ		۹۹
۵۵	تقریر رسالت و وحدانیت	۱۰۰
۵۶	تفصیل قصہ موسیٰ علیہ السلام	۱۰۳
۵۷	نکتہ	۱۰۵
۵۸	عطار خلعت نبوت و رسالت	۱۰۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۰۷	نکتہ	۵۹
۱۰۸	عطائے معجزات	۶۰
۱۰۹	پہلا معجزہ	۶۱
۱۱۰	فائدہ - نکتہ	۶۲
۱۱۱	دوسرا معجزہ	۶۳
۱۱۵	تذکیر انعامات و احسانات	۶۴
۱۱۶	پہلا احسان	۶۵
۱۱۷	دوسرا احسان	۶۶
۱۱۸	تیسرا احسان	۶۷
۱۱۹	چوتھا احسان	۶۸
۱۲۰	پانچواں احسان	۶۹
۱۲۱	چھٹا احسان	۷۰
۱۲۲	ساتواں احسان	۷۱
۱۲۳	آٹھواں احسان	۷۲
۱۲۴	نکتہ	۷۳
۱۲۵	ربوبیت خداوندی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ	۷۴
۱۲۶	تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر	۷۵
۱۲۷	بیان مبداء و معاد	۷۶
۱۲۸	ذکر مذاکرہ دیگر در بیان موسیٰ علیہ السلام و فرعون لعین	۷۷
۱۲۹	میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب	۷۸
۱۳۰	نکتہ	۷۹
۱۳۱	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۸۰
۱۳۲	مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب	۸۱
۱۳۳	بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور فرعون کا تعاقب اور اسکی غرقابی	۸۲
۱۳۴	ربط دیگر ربط بہ مضمون سابق	۸۳
۱۳۵	موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گنوا سالہ پرستی کا واقعہ	۸۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۵	لطائف و معارف بر سلسلہ مضمون سحر	۱۵۲
۸۶	سحر اور معجزہ کی تعریف	۱۵۲
۸۷	سحر اور معجزہ میں فرق	۱۵۳
۸۸	حکایت مشتمل بر بیان فرق در میان سحر و معجزہ	۱۵۳
۸۹	مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب	۱۵۴
۹۰	اثبات رسالت محمدیہ و تہدید معاندین و ترہیب از عذاب آخرت	۱۵۶
۹۱	منکرین آخرت و مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب	۱۵۹
۹۲	ذکر قصہ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین و مستکبرین	۱۶۵
۹۳	نکتہ (حضرت آدم علیہ السلام کو غادی و عاصی کہنا)	۱۶۸
۹۴	نکتہ	۱۷۱
۹۵	لطائف و معارف	۱۷۱
۹۶	تہدید و تنبیہ اہل غفلت بر عدم عبرت از ہلاک امم سابقہ مع مشاہدہ آثار ہلاکت در آثار سفر تجارت	۱۷۴
آغاز پارہ ۱۷۱ اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ		
تفسیر سورۃ انبیاء		
۹۷	خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت	۱۸۱
۹۸	بیان توحید و ابطال شرک	۱۸۸
۹۹	دلیل تمانع کی پہلی تقریر	۱۹۳
۱۰۰	اتفاق کی دوسری صورت	۱۹۴
۱۰۱	اختلاف کی صورت - پہلی صورت	۱۹۵
۱۰۲	دوسری صورت	۱۹۶
۱۰۳	تیسری صورت	۱۹۶
۱۰۴	برہان تمانع کی دوسری تقریر	۱۹۷
۱۰۵	پہلی صورت	۱۹۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۶	دوسری صورت	۱۹۸
۱۰۷	توحید اور اسلام	۱۹۹
۱۰۸	دلائل توحید	۲۰۰
۱۰۹	دلیل ۱ ۲ ۳	۲۰۱
۱۱۰	دلیل ۴ ۵ ۶ ۷ ۸	۲۰۲
۱۱۱	فائدہ علمیہ و نحویہ	۲۰۳
۱۱۲	بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت	۲۰۸
۱۱۳	قسم اول	۲۰۹
۱۱۴	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۱۰
۱۱۵	قسم دوم	۲۱۱
۱۱۶	فائدہ	۲۱۱
۱۱۷	قسم سوم	۲۱۱
۱۱۸	قسم چہارم	۲۱۱
۱۱۹	قسم پنجم	۲۱۱
۱۲۰	قسم ششم	۲۱۱
۱۲۱	ایک شبہ مع جواب	۲۱۲
۱۲۲	بیان فناء عالم و رجوع ہمہ لبوسے خلاق عالم و جواب از شہادت اعداد	۲۱۳
۱۲۳	شان نزول	۲۱۳
۱۲۴	بیان انجام استہزار و تمسخر بارگاہ رسالت و تہدید بہ عذاب آخرت	۲۱۴
۱۲۵	تفصیل احوال انبیاء سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین برائے اثبات توحید و رسالت و قیامت	۲۲۰
۱۲۶	قصہ اول موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام	۲۲۰
۱۲۷	قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام	۲۲۲
۱۲۸	ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام	۲۲۹
۱۲۹	لطائف و معارف	۲۳۰
۱۳۰	حکایت	۲۳۲
۱۳۱	کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب	۲۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۲	بادشاہ حقیقی کے حکم سے بادشاہ مجازی کو آگ کا جواب دینا	۲۳۵
۱۳۳	ایک کرامت	۲۳۷
۱۳۴	قصہ لوط علیہ السلام	۲۳۸
۱۳۵	قصہ نوح علیہ السلام	۲۳۹
۱۳۶	قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام	۲۴۱
۱۳۷	ذکر بعض معجزات و کرامات حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام	۲۴۲
۱۳۸	قصہ ایوب علیہ السلام	۲۴۵
۱۳۹	قصہ حضرت اسمعیل و حضرت ادریس و حضرت ذوالکفل علیہم السلام	۲۴۷
۱۴۰	قصہ یونس علیہ السلام	۲۴۸
۱۴۱	فوائد	۲۵۰
۱۴۲	قصہ زکریا علیہ السلام	۲۵۱
۱۴۳	قصہ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام	۲۵۲
۱۴۴	بیان اجماع انبیاء کرام علیہم السلام بر توحید خداوندانام	۲۵۳
۱۴۵	بیان قرب قیامت و خروج یاجوج و ماجوج و فناء عالم	۲۵۵
۱۴۶	و بیان ذلت و غاری اہل غفلت و بیان کرامت اہل سعادت	۲۵۶
۱۴۷	آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول	۲۵۷
۱۴۸	آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول	۲۵۸
۱۴۹	لطائف و معارف	۲۵۹
۱۵۰	مرزائے قادیان کا ایک استدلال مع جواب	۲۶۰
۱۵۱	(مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا) پہلا واقعہ	۲۶۱
۱۵۲	دوسرا واقعہ	۲۶۱
۱۵۳	تیسرا واقعہ	۲۶۲
۱۵۴	چوتھا واقعہ	۲۶۳
۱۵۵	پانچواں واقعہ	۲۶۴
۱۵۶	چھٹا واقعہ	۲۶۴
۱۵۷	مرزائیوں سے ایک سوال	۲۶۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۸	بشارت وراثت برائے عباد صالحین	۲۶۸
۱۵۹	شیعہ کیا کہتے ہیں	۲۷۱
۱۶۰	اہل سنت و الجماعت کیا کہتے ہیں	"
۱۶۱	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۷۲
۱۶۲	خاتمہ سورت براتمام حجت بہ تنزیل کتاب ہدایت و بعثت رسول رحمت علیہ السلام	۲۷۴
۲۷۶	تفسیر سورۃ الحج	
۱۶۳	آغاز سورت بحکم تقویٰ کہ آں بہترین زاد آخرت است الخ	۲۷۷
۱۶۴	زلزلہ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال - قول اول - قول دوم - قول سوم	۲۷۸
۱۶۵	قول چہارم	۲۷۹
۱۶۶	اثبات حشر و نشر و ابطال شبہات مجادلین و منکرین قیامت	۲۸۲
۱۶۷	دلیل اول	"
۱۶۸	دوسری دلیل	۲۸۳
۱۶۹	مذمت مذہبین و مترددین در بارہ دین متین	۲۸۵
۱۷۰	بیان فلاح اہل ایمان و خیبت و خسران دشمنان بدگمان	۲۸۷
۱۷۱	بیان فیصلہ اختلاف ملل و امم در روز قیامت	۲۹۱
۱۷۲	صابقین کے بارے میں تین قول - پہلا قول	"
۱۷۳	دوسرا قول - تیسرا قول	۲۹۲
۱۷۴	مسئلہ	۲۹۳
۱۷۵	مذمت کفار نام بر مزاحمت اہل اسلام و زیارت مسجد حرام الخ	۲۹۸
۱۷۶	سَوَافِی الْعَاكِفُ میں اقوال	۲۹۹
۱۷۷	قول اول	"
۱۷۸	قول دوم	"
۱۷۹	فائدہ ۱ (طواف کی تین قسمیں)	۳۰۱
۱۸۰	فائدہ ۲ (خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہنے کی وجہ)	۳۰۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۱	شعار	۳۰۳
۱۸۲	تتمہ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)	۳۰۵
۱۸۳	اجازت جہاد و وعدہ نصرت و تمکین برائے دین	۳۰۷
۱۸۴	فائدہ (اس آیت کا نام آیت تمکین ہے)	۳۱۰
۱۸۵	نکتہ (آیت استخلاف)	۳۱۰
۱۸۶	تسلیم رسالت مآب و تہدید کفار براستعمال عذاب و وعدہ مغفرت و رزق کریم برائے اہل طاعت الخ	۳۱۳
۱۸۷	ذکر فتنہ شیطان برائے امتحان مخلصان و منافقان	۳۱۷
۱۸۸	شان نزول	۳۱۸
۱۸۹	اس قصہ کے بارے میں علماء کے دو گروہ	۳۱۹
۱۹۰	گروہ اول	۳۱۹
۱۹۱	لفظ تسمیٰ کی وضاحت	۳۲۳
۱۹۲	لفظ القضاء کی وضاحت	۳۲۴
۱۹۳	آیت کی تفسیر اول	۳۲۴
۱۹۴	آیت کی دوسری تفسیر	۳۲۷
۱۹۵	تیسری تفسیر	۳۲۹
۱۹۶	آیت لہذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ	۳۲۹
۱۹۷	دوسری اور تیسری تفسیر	۳۳۲
۱۹۸	تتمہ بیان سابق	۳۳۲
۱۹۹	بشارت مہاجرین و مجاہدین و نعمائے آخرت و وعدہ فتح و نصرت و تنبیہ بر کمال قدرت و حکمت ..	۳۳۴
۲۰۰	بیان بعض دلائل کمال قدرت و حکمت بالغہ و کمال تسخیر	۳۳۶
۲۰۱	دلیل اول	۳۳۶
۲۰۲	دلیل دوم	۳۳۷
۲۰۳	دلیل سوم	۳۳۷
۲۰۴	دلیل چہارم	۳۳۷
۲۰۵	دلیل پنجم	۳۳۷
۲۰۶	دلیل ششم	۳۳۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۷	تہدید مجادلین در بارہ احکام شریعت	۳۴۰
۲۰۸	بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک	۳۴۲
۲۰۹	خاتمہ سورت بر ترغیب اعمال و تانکید اعتصام بملت اسلام	۳۴۴
	آغاز پارہ ۱۵ قَدْ اَفْلَحَ	۳۴۷
	تفسیر سورۃ مؤمنون	۳۴۷
۲۱۰	صفات مؤمنین مفلحین	۳۴۸
۲۱۱	اول صفت : خشوع	۳۴۹
۱۲	دوسری صفت : اعراض عن اللغو	۳۴۹
۱۳	تیسری صفت : ادار زکوٰۃ	۳۴۹
۱۴	چوتھی صفت : عفت و عصمت	۳۴۹
۱۵	فائدہ (حرمت متعہ پر استدلال)	۳۵۰
۱۶	پانچویں اور چھٹی صفت : ادار امانت و ایفائے عہد	۳۵۰
۱۷	ساتویں صفت : نماز کی پابندی	۳۵۱
۱۸	ذکر مبدء و معاد و دلائل توحید	۳۵۲
۱۹	قسم اول	۳۵۲
۲۰	قسم دوم	۳۵۲
۲۱	قسم سوم	۳۵۵
۲۲	قسم چہارم	۳۵۵
۲۳	قصہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام	۳۵۸
۲۴	قصہ قوم عاد یا قوم ثمود	۳۶۱
۲۵	فائدہ	۳۶۲
۲۲۶	قصہ بعض و دیگر امم سابقہ بطریق اجمال	۳۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۷	قصہ موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام	۳۶۴
۲۲۸	قصہ مریم و عیسیٰ علیہما السلام	۳۶۵
۲۲۹	اتحادِ رسل دربارہ حکم توحید و تقویٰ الخ	۳۶۶
۲۳۰	ذکر صفات اہل صدق و ایمان	۳۶۸
۲۳۱	ترغیب اعمال خیر و بیان حال مآل اہل طغیان	۳۷۰
۲۳۲	بیان اسباب جہالت و ضلالت متکبرین و معرضین	۳۷۲
۲۳۳	تذکیر انعامات و ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت	۳۷۷
۲۳۴	دلیل اول	۳۷۸
۲۳۵	دلیل دوم	۳۷۸
۲۳۶	دلیل سوم	۳۷۸
۲۳۷	دلیل چہارم	۳۷۸
۲۳۸	دلیل دیگر	۳۸۰
۲۳۹	تلقین دعا و ادب تبلیغ و دعوت و ذکر احوال و اہوال آخرت برائے تخویف اہل شقاوت	۳۸۲
۲۴۰	خاتمہ سورت بر تہدید اہل غفلت از حساب آخرت	۳۸۷
۲۴۱	فائدہ جلیلہ (افحسبتوا الخ) کی فضیلت	۳۸۷
تفسیر سورۃ النور		
۲۴۲	خلاصہ و ربط	۳۸۹
۲۴۳	تمہید اجمالی احکام سورت دربارہ عفت و عصمت	۳۹۱
۲۴۴	حکم اول - حد زنا	۳۹۲
۲۴۵	نکتہ	۳۹۶
۲۴۶	حکم دوم - نکاح زانی و زانیہ	۳۹۶
۲۴۷	مسئلہ	۳۹۸
۲۴۸	حکم سوم - حد قذف	۳۹۹
۲۴۹	فائدہ	۳۹۹

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۰۲	حکم چہارم۔ لعان۔	۲۵۰
۴۰۳	اختلاف روایات در شان نزول	۲۵۱
۴۰۴	بیان برادرت و نزاہت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و تہمت و نصیحت مؤمنین و فضیلت منافقین	۲۵۲
۴۱۲	نکتہ	۲۵۳
۴۱۳	فائدہ	۲۵۴
۴۱۴	نکتہ	۲۵۵
۴۱۴	حکم پنجم۔ استیذان	۲۵۶
۴۱۴	حکم ششم۔ متعلق بہ نظر و بصر	۲۵۷
۴۲۰	تنبیہ	۲۵۸
۴۲۱	زینت کے معنی	۲۵۹
۴۲۱	نکتہ	۲۶۰
۴۲۳	مسئلہ (خلوت بالا جنبہ کی ایک صورت)	۲۶۱
۴۲۴	فائدہ (عورت کی آواز کا حکم)	۲۶۲
۴۲۵	لطائف و معارف	۲۶۳
۴۲۸	حکم ہفتم بابت نکاح مجرداں	۲۶۴
۴۲۹	حکم ہشتم۔ صبر و ضبط نفس برائے حفاظت عفت	۲۶۵
۴۲۹	حکم نہم۔ مکاتبت و اعانت مملوک	۲۶۶
۴۳۰	حکم دہم۔ ممانعت از اکراہ و اجبار علی الزنا	۲۶۷
۴۳۱	خاتمہ احکام عشرہ مذکورہ براستیان ہدایت و نصیحت	۲۶۸
۴۳۳	آیت نور در بارہ تمثیل نور ہدایت و ظلمت فسق و فجور الخ	۲۶۹
۴۳۹	نکتہ	۲۷۰
۴۴۰	فائدہ (عبادت و تجارت کا اجتماع ممکن ہے)	۲۷۱
۴۴۱	اعمال کفار کی دو مثالیں	۲۷۲
۴۴۱	مثال اول	۲۷۳
۴۴۲	دوسری مثال	۲۷۴
۴۴۳	لطائف الاشارات	۲۷۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۶	ذکر تسبیح کائنات	۲۲۵
۲۷۷	قسم اول	۲۲۶
۲۷۸	قسم دوم	۲۲۷
۲۷۹	قسم سوم	۲۲۸
۲۸۰	ذکر مہتدین و غیر مہتدین یعنی مخلصین و منافقین	۲۵۲
۲۸۱	بشارت حکومت و وعدہ خلافت برائے اہل ایمان و طاعت	۲۵۵
۲۸۲	تین وعدے	۲۵۷
۲۸۳	فوائد و لطائف	۲۶۵
۲۸۴	خاتمہ کلام و تذکرہ المرام	۲۶۶
۲۸۵	حضرات شیعہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات (آیت بالا میں شیعہ کی تاویلیں اور جوابات)	۲۶۶
۲۸۶	تاویل اول - جواب	۲۶۷
۲۸۷	تاویل دوم - جواب	۲۶۸
۲۸۸	تاویل سوم - جواب	۲۶۸
۲۸۹	فائدہ جلیلہ	۲۶۸
۲۹۰	اعتراض - جواب	۲۶۸
۲۹۱	تتمہ	۲۶۸
۲۹۲	حکم یازدہم - متعلق براستیذان	۲۶۸
۲۹۳	حکم دوازدہم - متعلق بہ تسبیح	۲۶۸
۲۹۴	حکم سیزدہم - متعلق باہمی اکل و شرب	۲۶۸
۲۹۵	حکم چہار دہم - متعلق بہ سلام اہل خانہ	۲۶۸
۲۹۶	حکم پانزدہم - متعلق باآداب مجلس نبوی	۲۶۸
۲۸۰	تفسیر سورۃ الفرقان	۲۸۰
۲۹۷	توحید و رسالت و قیامت	۲۸۲
۲۹۸	فائدہ	۲۸۲

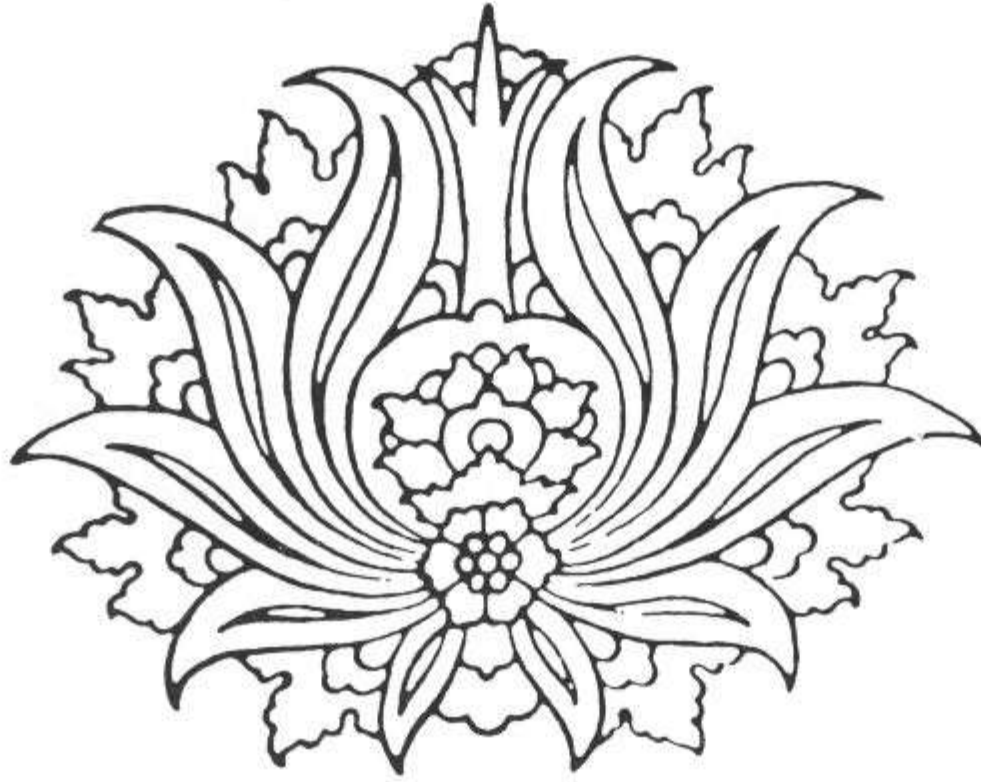
نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۹	منکرین نبوت کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۴۸۴
۳۰۰	منکرین نبوت کا پہلا شبہ اور اس کا جواب	۴۸۵
۳۰۱	منکرین نبوت کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب	۴۸۹
۳۰۲	منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب	۴۹۰
۳۰۳	تفصیلی جواب	۴۹۱
۳۰۴	تنبیہ بر منشار انکار رسالت و بیان بعض احوال و اہوال روز قیامت	۴۹۲
آغاز پارہ ۱۹ دَقَالَ الَّذِیْنِ		
۳۰۵	منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب	۵۹۵
۳۰۶	تنبیہ	۵۹۸
۳۰۷	منکرین نبوت کا پانچواں شبہ اور اس کا جواب	۵۹۹
۳۰۸	نکتہ	۵۰۱
۳۰۹	ذکر قصص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	۵۰۲
۳۱۰	قصہ اول - موسیٰ علیہ السلام با قوم او	۵۰۳
۳۱۱	قصہ دوم - قوم نوح علیہ السلام	۵۰۴
۳۱۲	قصہ سوم - مشتمل بذکر قصہ عاد و ثمود و اصحاب رس و دیگر ائم	۵۰۵
۳۱۳	قصہ چہارم - قوم لوط علیہ السلام	۵۰۹
۳۱۴	تشبیہ کفار بر استہزاء سیدالابرار صلی اللہ علیہ وسلم	۵۱۲
۳۱۵	ذکر دلائل توحید و عجائب قدرت و صنعت	۵۱۳
۳۱۶	قسم اول : استدلال بنظر در حالت سایہ	۵۱۴
۳۱۷	آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول	۵۱۵
۳۱۸	قول اول	۵۱۶
۳۱۹	قول دوم	۵۱۷
۳۲۰	آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول	۵۱۸
۳۲۱	قسم دوم : از دلائل توحید	۵۱۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۲	قسم سوم : از دلائل توحید	۵۱۴
۳۲۳	قسم چہارم : از دلائل توحید	۵۱۵
۳۲۴	آیت ہذا کی دوسری تفسیر	۵۱۶
۳۲۵	قسم پنجم : از دلائل توحید - استدلال بر خلقت انسانی	۵۱۷
۳۲۶	بیان جہالت مشرکین و منکرین نبوت	۵۱۷
۳۲۷	تمتہ دلائل توحید	۵۱۸
۳۲۸	مدح عباد الرحمن و ذکر شمائل اہل ایمان و عرفان	۵۲۲
۵۲۸	تفسیر سورۃ الشعراء	
۳۲۹	ذکر حقانیت کتاب مبین و تہدید معاندین و مستہزئین	۵۳۰
۳۳۰	قصہ اول : حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۵۳۳
۳۳۱	ذکر عطائے منصب نبوت و رسالت و حکم تبلیغ و دعوت	۵۳۳
۳۳۲	فرعون کے دوسرے الزام کا جواب	۵۳۵
۳۳۳	مکالمہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام با فرعون در بارہ ربوبیت خداوندگون	۵۳۷
۳۳۴	موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب	۵۳۸
۳۳۵	فرعون کا جواب	۵۳۹
۳۳۶	موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا جواب	۵۴۰
۳۳۷	فرعون کا جواب	۵۴۱
۳۳۸	موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا جواب	۵۴۱
۳۳۹	فرعون کی حیرانی و پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید	۵۴۲
۳۴۰	ساحران فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ	۵۴۵
۳۴۱	نکتہ	۵۴۷
۳۴۲	ذکر کرشمۂ قدرت خداوند جلیل در نجات بنی اسرائیل و غرقابی فرعون در دریائے نیل	۵۴۹
۳۴۳	لطائف و معارف	۵۵۱
۳۴۴	فلاسفہ کے اشکال و جواب	۵۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴۵	قصہ دوم - حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او	۵۵۴
۳۴۶	قصہ سوم - حضرت نوح علیہ السلام با قوم او	۵۵۹
۳۴۷	قصہ چہارم - حضرت ہود علیہ السلام با قوم او	۵۶۲
۳۴۸	قصہ پنجم - حضرت صالح علیہ السلام با قوم او	۵۶۵
۳۴۹	قصہ ششم - حضرت لوط علیہ السلام با قوم او	۵۶۸
۳۵۰	قصہ ہفتم - اصحاب الایکہ	۵۷۰
۳۵۱	خاتمہ سورت بمضمون حقانیت قرآن برائے اثبات رسالت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم	۵۷۴
۳۵۲	ابطال کہانت	۵۷۷
۳۵۳	تمتہ ابطال کہانت	۵۷۹
۳۵۴	ابطال شاعری	۵۸۰
۳۵۵	حکایت	۵۸۱
۳۵۶	شان نزول	۵۸۱
۳۵۷	لطائف و معارف	۵۸۲
تفسیر سورۃ النمل		
۳۵۸	حقانیت قرآن و اثبات رسالت و ترغیب بر اعمال آخرت	۵۸۵
۳۵۹	قصہ اول حضرت موسیٰ علیہ السلام	۵۸۸
۳۶۰	نکتہ	۵۹۰
۳۶۱	قصہ دوم داؤد علیہ السلام اجمالاً و سلیمان علیہ السلام تفصیلاً	۵۹۲
۳۶۲	ذکر قصہ شکر دیگر	۵۹۴
۳۶۳	نکتہ	۵۹۶
۳۶۴	قصہ سوم ملکہ سبا بروایت ہد ہد	۵۹۹
۳۶۵	فائدہ ۱	۶۰۰
۳۶۶	فائدہ ۲	۶۰۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۶۰۵	نکتہ	۳۶۷
۶۰۶	لطائف و معارف	۳۶۸
۶۰۸	قصہ چہارم حضرت صالح علیہ السلام با قوم او	۳۶۹
۶۱۰	قصہ پنجم حضرت لوط علیہ السلام با قوم او	۳۷۰
۶۱۱	خاتمہ قصص بر حمد و شکر بر ہلاکت اعدائے تمام و سلام بر برگزیدگان خداوندانام	۳۷۱
۶۱۲	خاتمہ پارہ ۱۹	۳۷۲

کتابت: ع. م. شہدادپور



قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۴۵

بولا ، میں نے تجھ کو نہ کہا تھا ؟ تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا ۔

قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصِيبْنِي ۚ

کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے پیچھے ، پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیں ۔

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝۴۶ فَاَنْطَلَقَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا

تو اتار چکا میری طرف سے الزام ۔ پھر دونوں چلے ، یہاں تک کہ

أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ ۖ اسْتَطَعَا أَهْلُهَا فَابْوَا ۖ أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا

پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک ۔ کھانا چاہا وہاں کے لوگوں سے وہ نہ مانے کہ ان

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ ۖ فَاقَامَهُ ۖ قَالَ

کو مہمان رکھیں پھر پائی اس میں ایک دیوار گرا چاہتی تھی اُس کو سیدھا کیا ۔ بولا

لَوْ شِئْتُ لَتَّخَذْتُ عَلَيْهِ جُرًّا ۝۴۷ قَالَ هَذَا فِرَاقُ

(موسیٰ) اگر تو چاہتا لیتا اس پر مزدوری ۔ کہا اب جدائی

بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

ہے میرے تیرے بیچ ۔ اب جتنا ہوں تجھ کو پھر ان باتوں کا جس پر تو

عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۴۸ أَمَّا السَّفِينَةُ ۖ فَكَانَتْ لِمُسْلِكِينَ يَعْمَلُونَ

نہ ٹھہر سکا ۔ وہ جو کشتی تھی سو تھی کتے محتاجوں کی محنت کرتے

فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ

تھے دریا میں سو میں نے چاہا کہ اُس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے تھا

يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۴۹ وَأَمَّا الْغُلَامُ ۖ فَكَانَ أَبَوَاهُ

ایک بادشاہ لے لیتا ہر کشتی چھین کر ۔ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے

مُؤْمِنِينَ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۸۰ فَأَرَدْنَا

ایمان پر ، پھر ہم ڈرے کہ اُن کو عاجز کرے زبردستی اور کفر کرے ۔ پھر ہم نے

أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱

چاہا کہ بدل دے اُن کو ان کا رب۔ اس سے بہتر ستھرائی میں اور نگاؤ رکھنا محبت میں ۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَ

اور وہ جو دیوار تھی سودو یتیم لڑکوں کی تھی ، رہتے اس شہر میں اور

كَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ

اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا اور انکا باپ تھا نیک ۔ پھر چاہا

رَبُّكَ أَنْ يُبْلَغَا أَشَدَّهُمَا وَيُخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً

تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنے زور کو اور نکالیں اپنا مال گڑا مہربانی

مِّنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۖ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ

سے تیرے رب کی ۔ اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے یہ پھر ہے ان

مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲

چیزوں کا جن پر تو نہ ٹھہر سکا ۔

بقیہ قصہ موسیٰ علیہ السلام باخضر علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ۔ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا... ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا
موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے یکایک ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو مار ڈالا۔
تو ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور بے اختیار کہہ اٹھے۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا۔ (آپ نے تو بڑی ہی بے جا
اور ناپسندیدہ حرکت کی) تو حضرت خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا۔ اے موسیٰ کیا میں نے تم سے پہلے ہی

اول مصاحبت میں یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے اول بار کہہ دیا تھا۔ چوں کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دوبارہ عہد شکنی تھی اس لیے حضرت خضرؑ نے اس مرتبہ مزید تنبیہ کے لیے لفظ لگ اور بڑھا دیا یعنی تم ہی سے تو کہا تھا پھر کیوں بھول گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اس قسم کے تخیل خیز واقعات پر صبر کرنا اور خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہنا بہت پیڑھی کھیر ہے اس لیے آخری بات کہہ دی خیر اب تو جانے دیجئے لیکن اگر اس مرتبہ کے بعد آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا بے شک آپ میری طرف سے عذر کی حد اور انتہا کو پہنچ چکے ہیں آپ ایسا کرنے میں معذور ہوں گے اور میری طرف سے آپ کو کوئی الزام نہ ہوگا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقعہ دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کو خضرؑ علیہ السلام کی بار بار مخالفت سے شرم آئی۔ اور ان کی ملامت سے ڈرے اس لیے ان سے یہ آخری بات کہہ ڈالی کہ اگر تیسری بار آپ سے پوچھوں تو آپ کو جفا کرنے کا اختیار ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔

پھر دونوں آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں پر پہنچے اور ان سے ملے اور کہا کہ ہم مسافر ہیں اور تمہارے مہمان ہیں تو اس بستی والوں سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ صبر کیا اور بھوکے پڑے رہے۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ یعنی جھکی ہوئی تھی۔ گرنے کے قریب تھی پس خضرؑ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ خضرؑ نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ دیوار سیدھی ہو گئی۔ یہ خارق عادت امران کی کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر خضرؑ علیہ السلام سے کہا کہ آپ نے ایسے سنگ دل اور بے مروت اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور مفت ان کا کام کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ آپ اگر چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور اس سے ہم کھانا کھا لیتے آپ نے ایسے بخیلوں اور تنگ دلوں سے جنہوں نے مہمان مسافر کا کوئی حق نہ سمجھا۔ اجرت کیوں نہ لے لی جس سے ہمارا کھانے پینے کا کام چل جاتا۔

حضرت خضرؑ علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا وقت ہے تم نے خود کہہ دیا تھا کہ اگر میں پھر پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ لہذا آپ حسب وعدہ مجھ سے علیحدہ ہو جائیے آپ کا میرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت سے خبردار کیے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ ”اس مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو۔ یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیر دی کہے تو اس کا بھلا ہو۔ حضرت خضرؑ کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیر دی بن نہ آئے“ (موضح القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علوم کی کوئی حد نہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعض بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائکہ بنایا۔ واللہ اعلم۔

بیان تاویلات واقعات مذکورہ

خضر علیہ السلام نے یہ ارادہ فرمایا کہ جدا ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہر فعل کی مصلحت سے آگاہ کر دیں اور ان تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں جن پر موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ نے ان کو بُرا جانا۔

بیان تاویل واقعہ اول

وہ جو کشتی تھی وہ چند محتاجوں کی تھی جو سمندر میں کرایہ پر چلاتے تھے اور اس کے ذریعہ دریا میں محنت اور مزدوری کرتے تھے اور اسی پر ان کی گزران تھی۔ سو میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کر دوں تاکہ کوئی غاصب اس کو عیب دار سمجھ کر نہ پھینے اور عیب کو دیکھ کر اس پر دست اندازی نہ کرے اور ان لوگوں کے آگے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر صحیح سالم کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار ہونے کی وجہ سے غصب نہ کر سکے اور یہ مساکین بعد میں تختہ لگا کر اس کشتی کو درست کر لیں گے۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست - صد درستی در شکست خضر ہست

یہ باعث تھا میرے اس کشتی توڑنے کا جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

بیان تاویل واقعہ دوم

اور وہ جو لڑکا تھا جس کو میں نے مار ڈالا تھا سو بات یہ ہے کہ اس کے ماں باپ ایماندار تھے اور اللہ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا اگر بڑا ہوتا تو کافر ہوتا اور ماں باپ کو اس سے غیر معمولی محبت تھی سو ہم کو اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر میں گرفتار کر دے۔ یعنی جب بالغ ہو تو والدین کو بھی کفر پر مجبور کرے اور وہ اس کی خوبصورتی اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں۔ اور کفر اخفیا کر بیٹھیں اور ہلاکت دائمی میں گرفتار ہوں پس اس طرح لڑکے کا مارا

جانا ان کے حق میں مصیبت بنا اور باطن میں اللہ کی رحمت بنا۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تو تمام کر دیا جائے اور ان کا پروردگار اس نالائق اور بدبخت بیٹے کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ جو ازراہ پاکیزگی اس لڑکے سے بہتر ہو یعنی کفر اور شرک اور معصیت اور بد اخلاقی اور بد اعمالی سے پاک ہو اور ایمان اور توحید اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہو اور ازراہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔ اور احسان اور صلہ رحمی کرنے والی ہو۔ چنانچہ اس لڑکے کے مارے جانے کے بعد ان دونوں نیک بختوں سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور وہ ایک نبی سے بیاہی گئی اور اس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہونے جس سے اللہ تعالیٰ نے ایک اُمت کو ہدایت دی اس طرح سے یہ نیک بخت لڑکی اس بدبخت لڑکے کا بدلہ ہو گئی ہر سچے ابتداء اگرچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر بعض مرتبہ خارجی اثرات کی وجہ سے بعض آدمیوں کی شروع سے ہی بنیاد بُری پڑ جاتی ہے مگر اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوتا اس لڑکے کی بابت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ کر دیا کہ اس بچہ کی افتاد اور بنیاد بُری ہے بڑا ہو کر خود بھی گمراہ ہوگا اور ماں باپ کو بھی گمراہی میں مبتلا کرے گا اگر یہ زندہ رہا تو اس کے سبب اس کے ماں باپ ہلاک اور تباہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے والدین کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی۔ اس لیے ان کی ماہ سے اس روضہ کو نکال دیا گیا اور حضرت خضر کا اس لڑکے کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وحی سے تھا۔

تاول واقعہ سوم

اور رہی وہ دیوار جس کو میں نے مفت سیدھا کر دیا وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی جن سے اجرت لینا مناسب نہ تھا اور اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے واسطے ایک خزانہ گڑا ہوا تھا اگر وہ دیوار گر جاتی اور خزانہ ظاہر ہو جاتا تو لوگ اس خزانے کو لوٹ لے جاتے اور ان کو بسبب صغیر سنی اور کمزوری کے کچھ نہ ملتا اور ان دونوں کا باپ ایک مرد صالح تھا خدا تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلہ میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی سو تیرے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی قوت یعنی عقل اور بلوغ اور جوانی کو پہنچ جائیں اور اس وقت اپنا خزانہ اور دینہ نکالیں از روئے مہربانی پروردگار نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا اور ایک اشارہ میں سیدھی ہو گئی اس لیے میں نے اللہ کے حکم سے یہ دیوار مفت سیدھی کر دی اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا اور جو کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا جائے اس پر مزدوری نہیں لینی چاہیے۔

خاتمہ کلام | جب خضر علیہ السلام نے تمام واقعات کی تاویلات بیان کر دیں تو اخیر میں یہ کہا لیجئے یہ ہے باطنی حقیقت ان چیزوں کی کہ جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ میں صبر کی طاقت نہ رہی۔ آپ شریعت کے ظاہری احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے۔ شریعت میں اس قسم کے

افعال کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور اور معذور تھا۔ ذلکَ رَجَعْتُمْ اَنْتُمْ مَوْلٰیہَا اور حسب وعدہ میں نے آپ کو ان واقعات کے تاویلات سے آگاہ کر دیا چنانچہ اس کے بعد موسیٰ ان سے رخصت ہوئے۔

لطائف و معارف

(۱) خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن مَلکان تھا اور کنیت ان کی ابوالعباس تھی اور خضر بفتح خاء اور کسر ضاد۔ ان کا لقب تھا۔ شاہی خاندان سے تھے دنیا کو ترک کیا اور زہد اور درویشی کی راہ اختیار کی۔ ظاہر میں ذوالقرنین کے وزیر تھے لیکن درپردہ فقیر اور درویش تھے اور خضر اس لیے ان کا نام ہو گیا کہ ایک صاف اور چٹیل زمین ان کے بیٹھنے سے سرسبز ہو گئی اور مجاہد کہتے ہیں کہ خضر کو اس لیے خضر کہا گیا کہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے ارد گرد کی زمین سرسبز ہو جاتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ”عابر“ یا ”خضرون“ تھا اور صحیح اور رائج قول یہ ہے کہ ان کا نام بلیا بن مَلکان تھا۔

(دیکھو فتح الباری ص ۳۰۹ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

(۲) جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلیٰ فرزند ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام منجملہ فرشتوں کے ایک فرشتہ تھے بنی آدم میں سے نہ تھے (مزید اقوال کی تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام دیکھیں)۔

یہ ناچیز کہتا ہے کہ حقیقت حال تو اللہ کو معلوم مگر خضر علیہ السلام کے جو افعال حق تعالیٰ نے ذکر فرمائے تو وہ ملائکہ مدبرات امر سے یعنی کارکنان قضاء و قدر سے ملتے جلتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ کرام کا علم اور قسم کا ہے اور انبیاء و مرسلین کا علم اور قسم کا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھلادیا کہ ہمارے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح ہمارے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ درپردہ کیا ماجرا ہے۔ خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کیے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کیے گئے اور عجب نہیں کہ اسی غلبہ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب و مستور کر دیئے گئے ہوں جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں۔ مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم اس لیے ہوا کہ وہاں جا کر دیکھیں کہ خضر کو جو علم دیا گیا ہے وہ دوسری قسم کا ہے تم اس سے واقف نہیں بلکہ وہ ایسا علم ہے جو بظاہر علوم نبوت اور علوم شریعت کے خلاف ہے اور تم اس کو دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے بلاشبہ اے موسیٰ تم ہمارے رسول عظیم اور

کلیم ہو اور بلاشبہ اس وقت تمام روئے زمین پر تمہارا ہی مرتبہ سب سے بلند ہے مگر اس بات کو ہر وقت مستحضر رکھو کہ تمہارا علم محیط نہیں تم ہمارے مقرب خاص بندے ہو۔ تمہیں خاص طور پر احتیاط لازم ہے مبادا تمہاری زبان سے کوئی لفظ ایسا نکل جائے کہ جس میں خلاف حقیقت کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ یا دھمکہ بھی نکل سکے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا ہے وہ خدا کے دریائے بے پایاں کا ایک قطرہ ہے جب سوال کیا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو ادب کا تقاضا ہے کہ خدا کے علم محیط پر محمول کر دیا جائے۔ (۳۴) علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں یا ولی ہیں جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ ولی تھے نبی نہ تھے اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ نبی تھے پھر نامعلوم کہ وہ رسول تھے یا رسول نہ تھے صرف نبی تھے علماء کا جو گروہ ان کی نبوت کا قائل ہے وہ حجت اور استدلال میں چند امور ذکر کرتا ہے۔

پہلی دلیل یہ کہ حق تعالیٰ خضر علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں وَاتَّيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے رحمت عطا کی اور رحمت سے نبوت مراد ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول، وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

جواب نبوت بے شک اللہ کی رحمت ہے مگر ہر رحمت کا نبوت ہونا ضروری نہیں جس طرح نبوت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اسی طرح ہدایت اور ولایت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

دوسری دلیل تاملین نبوت دوسری دلیل پیش کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا ہے وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ اللہ تعالیٰ نے خود خضر علیہ السلام کو بلا واسطہ معلم کے تعلیم دی اور یہ شان نبی کی ہے۔

جواب علم لدنی اور الہام ربانی سے نبی ہونا لازم نہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِبِي عَلَیْهِ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف اللہ کی وحی اور الہام کا ذکر ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں اور علیٰ ہذا قرآن کریم میں حضرت مریمؑ سے فرشتوں کا کلام اور خطاب اور بشارت مذکور ہے مگر وہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

تیسری دلیل حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ نے خضر علیہ السلام سے درخواست کی حالانکہ نبی کو غیر نبی سے علم سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور غیر نبی کو نبی کے اتباع اور پیروی کی ضرورت ہے۔

جواب نبی کو علوم نبوت اور علم ہدایت اور علوم شریعت میں غیر نبی کی تعلیم اور اس کے اتباع کی ضرورت نہیں مگر یہ جائز ہے کہ نبی ماسوائے علوم نبوت کے کوئی دوسرا علم غیر نبی سے حاصل کرے اور اس دوسرے علم میں اس کی پیروی کرے یہ نبوت کے منافی نہیں ہے جن علوم سے نبوت

کو تعلق نہ ہو تو اگر نبی کو ان میں سے کسی علم کی ضرورت اور حاجت ہو تو وہ غیر نبی کے اتباع سے حاصل کر سکتا ہے اور حدیث جس میں خضر کا واقعہ ہے اس کی توثیق ہے۔

(۴۷) نیز علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھایا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہر حال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں

حافظ ابو عمر بن صلاح اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اور اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق یہی ہے اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ ایک جا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بہر حال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے جن میں ابو یعلیٰ حنبلی اور قاضی ابوبکر بن عربی اور ابوبکر بن عباس اور ابن جوزی اور ابن تیمیہ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ضرور حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کے ہمراہ جہاد کرتے حالانکہ یہ امر کہیں ثابت نہیں۔ نیز آیت وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِن قَبْلِكَ الْخَالِدِينَ سے استدلال کرتے ہیں کہ کسی بشر کے لیے خلود اور دوام نہیں اور نیز بخاری کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل یہ ارشاد فرمایا لَا يَبْقَى مَن هُوَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ إِلَى مِائَةِ سَنَةٍ كَمَا هُوَ الْيَوْمَ اس وقت روئے زمین پر زندہ ہیں وہ سو سال کے بعد باقی نہ رہیں گے اور وفات کے قول کو امام بخاری کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں واللہ اعلم۔

مگر اہل علم پر مخفی نہیں کہ یہ استدلال نہایت ضعیف اور کمزور ہے یہ استدلال اگر صحیح ہو جائے تو اس سے تو ملائکہ اور جنات اور شیاطین سب کی وفات بھی ثابت ہو سکتی ہے بلکہ دجال کی موت بھی ثابت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بالاجماع زندہ ہے اور ایک جزیرہ میں مجوس ہے۔

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ طویل العمر ہیں۔ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور وہ ولی کامل ہیں۔ معمر (طویل العمر) اور محبوب عن الابصار یعنی عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کا متعدد احادیث میں ذکر آیا ہے جن کا حافظ عسقلانی نے فتح الباری ص ۳۱۱ جلد ۶ میں ذکر کیا۔ وہ روایتیں اگرچہ زیادہ مستند نہیں لیکن موضوع

اور بے اصل بھی نہیں اور اس بارہ میں زیادہ مشہور حدیث تعزیت ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک سفید ریش بزرگ حضور پر نورؐ کے جنازہ پر آئے اور روئے اور لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور غائب ہو گئے ان کے جانے کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے لوگوں سے کہا کہ یہ خضر تھے اور یہ حدیث مستدرک حاکم میں جابر بن عبد اللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (دیکھو تحفۃ الذکرین شرح حصن حصین للشوکانی ص ۲۶۱) اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے فقال ابوبکر وعلیٰ هذا الخضر (ابوبکرؓ اور علیؓ نے کہا یہ خضر ہیں) (دیکھو فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۶ ذکر حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام)

اور کعب اجماع سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لیے امان ہیں ان چار میں سے دو زمین میں ہیں خضر علیہ السلام اور ایسا علیہ السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دونوں تو زمین میں ہیں اور دونوں آسمان پر زندہ ہیں اور یس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶) حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام (دیکھو تفسیر منظمی ص ۶۲ جلد ۶ پر مجد و صاحب کا کلام نقل کیا ہے۔ جو لطیف ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ موجود ہیں اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اسی پر متفق ہیں اور متفقہ طور پر حضرت خضرؑ سے اپنی ملاقاتوں کو بیان کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی یہ حکایتیں حدیث تواتر کو پہنچی ہیں جو شمار سے باہر ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۱۰ ج ۶) اور یہ امر قطعی۔ اور بدیہی اور مسلم ہے کہ اولیاء کرام اہل کشف اور اہل الہام ہیں اور بلاشبہ یہ گروہ صادقین اور سچوں کا گروہ ہے۔ اس گروہ صادقین کے متفقہ مشاہدات اور مکاشفات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیائے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکوینیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور سبجوز اور لایجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکوینیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور انفعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت و لد باب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلاشبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے اری رؤیا کم قد تو اطمئت علی العشر الاواخر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرۃ اخیرہ پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا خواب کاذب

نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیئے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکوینیہ میں سے ہے۔ لہذا اس بارہ میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

(۵) موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون جب مقام مجمع البحرین پہنچے تو دونوں مچھلی کو بھول گئے اور وہ بھی ہوئی مچھلی خدا کی قدرت سے زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی اور وہاں اس نے اپنے لیے سرنگ اور طاق بنالیا موسیٰ علیہ السلام کے یہ دو معجزے ہوئے ایک تو بھی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو جانا اور دوسرا یہ کہ پانی کا منہ ہو جانا اور مچھلی کے لیے ایک طاق بن جانا مردہ کا زندہ ہو جانا اور پھر دریا میں خشک راہ کی طرح سرنگ بن جانا یہ سب آیات قدرت اور دلائل نبوت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ملنے کی جگہ ہی نشانی بتلائی تھی کہ جہاں وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہو جائے اور یہی ان کے ملنے کی جگہ ہے اس قسم کا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کا سورۃ بقرہ میں گذر چکا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُوا الْبَقَرَةَ... إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى -- فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّئُ اللَّهُ الْمَوْتَى وَبُرُوكُمْ آيَاتِهِ كَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔
اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اس کے کسی ٹکڑے کو مقتول پر لگا دو خود ہی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کا معجزہ عطا کیا گیا تھا جو زمین برد ڈالنے سے اڑدھا بن جاتا تھا یہ بھی ایک قسم کا احیاء موتی تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور مچھلی کے زندہ ہو جانے کی نظیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بھی موجود ہے کہ فتح خیبر کے بعد خیبر کی ایک یہودیہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور ایک بھی ہوئی بکری لاکر آپ کے سامنے رکھی جس میں زہر ملایا ہوا تھا آپ نے اس میں سے ایک دست کو لیا تو اس نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے نہ کھائیے مجھ میں زہر ملایا گیا ہے آں حضرت کا یہ معجزہ مچھلی کے معجزہ سے بڑھ کر ہے۔ وہ تو فقط زندہ ہو گئی اور اس بکری کے دست نے آپ سے باتیں کیں اور دشمنوں نے جو زہر اس میں ملایا تھا اس سے آپ کو آگاہ کر دیا اور علیٰ ہذا ستون حسانہ کا رونا اور پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا اور درختوں کا آپ کے حکم سے رواں ہونا یہ ایک مردہ کے فقط زندہ ہو جانے سے بڑھ کر ہے کیونکہ یہ جمادات زندہ ہو کر رول رہے ہیں اور آپ کی نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔ امام بیہقی نے دلائل نبوت میں سواد بن عمروؓ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اللہ نے

علہ۔ قیل کان الحوت الممشوی و حیاتہ بما ذکر معجزۃ موسیٰ او خضر علیہما السلام کذا فی شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاری علی صحیح البخاری من کتاب العلم ص ۲۷۲ جلد ۱۔ (و کذا فی شرح القسطلانی ص ۱۷۲۲۷)

جو معجزات آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے سواد بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے امام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو باذن الہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر تیار ہو گیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ کی مفارقت کے صدمہ سے رونایا اسکی کمال محبت کی دلیل ہے اور کمال معرفت کی دلیل ہے اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنالینا اور مچھلی کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہو جانا اور اس کے لیے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لیے خشک راستے ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمیؒ کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمیؒ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام و نشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہو گیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لیے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمیؒ نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ کلمات پڑھے۔ یا علی۔ یا عظیم۔ یا علیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ پڑھ کر گزر دو اور پار ہو جاؤ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہو گئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمیؒ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہو کر خشکی پر آ گئے اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیب ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲)

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو - کہہ اب پڑھتا ہوں تمہارے

مِنْهُ ذِكْرًا ۖ إِنَّا مَكْنَانَا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ

آگے اس کا کچھ ذکر۔ ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں، اور دیا تھا ہر

كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۚ فَاتَّبِعْ سَبَبًا ۝۸۵ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ

چیز کا اسباب - پھر پیچھے پڑا ایک اسباب کے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا

مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۚ وَ

سورج ڈوبنے کی جگہ ، پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں

وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۚ قُلْنَا يَا الْقَارِئِينَ

اور پائے اس کے پاس ایک لوگ ، ہم نے کہا اے ذوالقرنین ! یا

إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ

لوگوں کو تکلیف دے ، اور یا رکھ ان میں

حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ إِمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ

خوبی - بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اس کو مار دیں گے پھر اٹا

إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكَرًا ۝۸۷ وَإِمَّا مَنْ آمَنَ

جاوے گا اپنے رب کے پاس ، وہ مار دے گا اس کو بُری مار - اور جو کوئی یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحَسَنَىٰ وَسَنُقُولُ لَهُ مِنْ

لایا اور کیا بھلا کام ، سو اس کو بدلے میں بھلائی ہے ، اور ہم کہیں گے اس

أَمْرًا يُسْرًا ۝۸۸ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۹ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

کو اپنے کام میں آسانی - پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے - یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِنْ

کی جگہ ، پایا کہ وہ نکلتا ہے ایک لوگوں پر کہ نہیں بنادی ہم نے ان کو اس

دُونَهَا سِتْرًا ۝۹۰ كَذٰلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝۹۱

سے درے کچھ ادھ - یوں ہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر -

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۙ (۹۲) حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ

پھر لگا ایک اسباب کے پیچھے ۔ یہاں تک کہ جب پہنچا دو آڑ کے بیچ ، پائے

مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۙ (۹۳) قَالُوا

ان سے ورے ایک لوگ لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ۔ بولے

يٰۤاَلْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاجُوجَ وَ مَا جُوجَ مَفْسِدُونَ فِي

اے ذو القرنین یہ یا جوج و ما جوج ! دھوم اٹھاتے ہیں

الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا

ملک میں ، سو کہے تو ہم ٹھہرا دیں تجھ کو کچھ محصول اس پر کہ بنا دے تو ہم

وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۙ (۹۴) قَالَ مَا مَكْنٰى فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ

میں ان میں ایک آڑ ۔ بولا جو مقدور دی مجھ کو میرے رب نے وہ بہتر ہے سو

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ رَدْمًا ۙ (۹۵) اَتُوْنِیْ زَبْرَ الْحَدِیْدِ

مدد کرد میری محنت میں ، بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا (اوٹ) پکڑاؤ مجھ کو تختے لوہے کے ۔

حَتَّىٰ اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ اَنْفُخُوْا حَتّٰی

یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دو پھانکوں تک پہاڑ کے ، کہا ، دھونکو ۔ یہاں تک کہ

اِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۙ قَالَ اَتُوْنِیْ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۙ (۹۶) فَمَا

جب کر دیا اس کو آگ ، کہا لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا تانبا ۔ پھر نہ

اَسْطَاعُوْا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا اِلَیْهِ نَقْبًا ۙ (۹۷)

سکے کہ اس پر چڑھ آویں ، اور نہ سکے اس میں سوراخ کرنا ۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهُ

بولا یہ ایک مہر ہے میرے رب کی ، پھر جب آدے وعدہ میرے رب کا ، گرا دے

دَكَاءٌ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝۹۸ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ

اس کو ڈھا کر۔ اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔ اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن

يَسُوجٍ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۝۹۹ وَ

ایک دوسرے میں دھنستے، اور پھونک مارے صور میں، پھر جمع کر لائیں ہم ان کو سارے۔ اور

عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝۱۰۰ الَّذِينَ

دکھا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے۔ جن کی

كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا

آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے، اور نہ

يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝۱۰۱

سکتے تھے سنا۔

قِصَّةُ ذِي الْقُرْنَيْنِ

بودشاہے در زمان پیش زیں

ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

قال الله تعالى - وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقُرْنَيْنِ --- الى --- وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا -

(ربط) شروع سورت میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا جو قریش کے دوسرے سوال کا جواب تھا۔

اب اخیر سورت میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جو قریش کے تیسرے سوال کا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ

ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی

اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے ظاہر میں وہ بادشاہ

تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیروں پرورش تھا بادشاہت اور ولایت۔ امیری اور

فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ ذیل کے دونوں کناروں (مشرق و مغرب) پر پہنچ گیا اور مشرق سے لیکر مغرب تک دنیا کا فرمانروا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کیے گئے تھے۔
(فتح الباری ص ۲۴۲ ج ۲ و عمدۃ القاری ص ۳۲۷ ج ۷)

یہ ناچیز کہتا ہے۔ دونوں تو جہیں درست ہیں ظاہر کے اعتبار سے تو وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کے دونوں کناروں پر پہنچ گیا اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور باطنی اور معنوی طور پر یہ وجہ بھی درست ہے کہ اس کو علم ظاہر اور باطن دونوں عطا ہوئے تھے اس لیے اس کو ذوالقرنین کہا گیا اور ظاہر کے تحت ایک بطن ہوتا ہے اور یہ باطن اس ظاہر کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے کہ ذوالقرنین اگرچہ ظاہر میں بادشاہ تھا مگر باطنی اور معنوی طور پر روئے زمین کو خانقاہ بنائے ہوئے تھا۔

اصحاب کہف کا فرد ظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین یا جوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کہ فتنہ و فساد برپا نہ کر سکے اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

ذوالقرنین کا یہ قصہ جس طرح اس کی سلطنت اور شان و شوکت کے بیان پر مشتمل ہے اسی طرح اس کی کرامتوں اور خارق عادت کارناموں کے بیان پر بھی مشتمل ہے جو اس کے دلی کامل ہونے کے دلائل ہیں بلکہ اس کے احوال اور اعمال پر نظر کرنے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ذوالقرنین بھی خضر علیہ السلام کی طرح نمونہ ملامکہ ہو جس میں شان ملکیت بکسر اللام بمعنی بادشاہت اور شان ملکیت بفتح لام بمعنی فرشتہ ہونے کی کچھ صفت اور شان اس میں ودیعت کردی گئی ہو اور یہ خیال اس لیے ہوا کہ بعض علماء نے خضر علیہ السلام کی طرح ذوالقرنین کو بھی فرشتہ بتایا ہے اور صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین فرشتہ تو نہ تھا بلکہ فرشتہ صفت انسان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی قوت اور قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا۔

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق و مغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمائی

علم گزشتہ قصہ کے ساتھ ربط اور مناسبت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قصہ میں یہ مذکور تھا وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْسِيَ غَرْابًا قَدْ كُنْتُ الْكَافِرَ

اور ہیبت کا لباس پہنا یا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے قریش نے یہود کی تلقین سے حضور پُر نورؐ سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا بادشاہ ہے جس نے مشرق و مغرب کا سفر کیا اور اس کا قصہ کیا ہے ان آیات میں ان کے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ ایک بادشاہ تھا اور مرد صالح تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کی حکومت اور خارق عادت شان و شوکت سے نوازا تھا اور ہر طرح کے ساز و سامان اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّا مَكْنٰ لَهُ رِیْیَ الْاَرْضِ وَ اَتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے اقطار ارض اور جوانب عالم کو مسخر کر دیا تھا اور تمام راستوں کا علم اس کو عطا کر دیا تھا۔ (عمدة القاری ص ۳۳۸ جلد ۴، و زاد المیسر ص ۱۸۴ جلد ۵)

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین اور سلیمانؑ تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے، اور پانچویں فرما نردا امام مہدیؑ ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ اُمم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امت محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدیؑ) ہوں گے۔ لِيُظْهِرَ عَلَى الدِّیْنِ کَلِمَہ۔

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا۔ سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لیے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر یا تدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا مشرق و مغرب تک نہ پہنچا تھا اور نہ اس نے یا جوج ماجوج کے روکنے کے لیے کوئی دیوار بنائی تھی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر کیا ہے نہ کہ سکندر یونانی کا لہذا دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (دیکھو عمدة القاری ص ۳۳۷ ج ۴، و فتح الباری ص ۲۴۰ جلد ۶ و قسطلانی ص ۱۱۱ جلد ۵، و تفسیر ابوداؤد) اور اس ذوالقرنین کا زمانہ سلطنت نمرودؑ کے بعد ہے دیکھو روح البیان ص ۲۹ جلد ۵ اور روح المعانی ص ۲۷ جلد ۶۔

علہ۔ قال الآکوسی و استشکل کون ذی القرنین فی زمن ابراہیم علیہ السلام بان نمرود کان فی زمانہ ایضاً۔ و رایت فی بعض الکتب القول بان ذالقرنین ملک بعد نمرود و یخل بہ الاشکال کذا فی روح المعانی ص ۲۷ جلد ۱۶۔ و قال الشیخ اسماعیل الحقی و کان ذوالقرنین بعد نمرود فی عهد ابراہیم علیہ السلام علی مایاتی الخ (کذا فی روح البیان ص ۲۹ ج ۵)

یایوں کہو کہ گزشتہ قصہ میں طلب علم کے لیے سفر کا بیان تھا اب اس قصہ میں انتظام مملکت اور قیام معدلت اور مغرورین و متکبرین اور مفسدین کی سرکوبی کے لیے سفر کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بادشاہ کامل وہ ہے جو خدا کے ماننے والوں کے ساتھ نرمی کرے اور ظالموں اور مفسدوں کو سزا دے۔

چنانچہ فرماتے ہیں لے نبی! قریش مکہ یہود کے کہنے سے امتحاناً آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں کہ شاید آپ کی نبوت میں قدح کرنے کا کوئی بہانہ مل جائے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ میں عنقریب تمہارے سامنے اس کا مختصر حال ذکر کروں گا اب آگے اس کا قصہ شروع ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ ایک جلیل القدر بادشاہ تھا تحقیق ہم نے اس کو زمین میں بڑی قدرت اور غلبہ دیا تھا یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت اور عنایت سے روئے زمین کی حکومت عطا کی تھی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کو اس کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے جو حکمرانی اور ملکی فتوحات اور دشمنوں کی سرکوبی میں کام آسکیں۔ زاد المسیر ص ۸۴ جلد ۵ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا کہ ابر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور ہر قسم کے اسباب و وسائل اس کے لیے مہیا کر دیئے تھے اور زمین کی اطراف و جوانب اور اس کے راستوں کا علم بھی اس کو عطا کر دیا تھا (دیکھو عمدۃ القاری ص ۳۳۸ جلد ۴) غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو وہ تمام چیزیں عطا کیں جو سلطنت کے لیے درکار ہوتی ہیں اور ہم نے اس کو وہ تمام اسباب و وسائل عطا کیے تھے اور زمین کی تمام راہیں اس کے لیے آسان کر دیں کہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکے۔ مشرق سے مغرب تک کا سفر اس کے لیے آسان کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں ریل اور ہوائی جہاز اور تار برقی عجیب عجیب چیزیں خدا کی قدرت سے انسان کے لیے مہیا ہو گئیں تو کیا عجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے کسی مقبول بندے کے لیے اس سے بڑھ کر عجیب عجیب سامان مہیا کر دیئے ہوں جو کسی صنعت اور کاریگری کے محتاج نہ ہوں جیسے احادیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں امام مہدی تمام روئے زمین کے مالک اور فرماں روا ہوں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ کسی کو تمام روئے زمین کا مالک بنادے اور اس کے لیے اسباب و وسائل مہیا فرمادے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر ضرورت کی چیز مہیا کر دی تھی۔ زمین اس کے لیے لپیٹ دی گئی تھی۔ دم کے دم میں ہزاروں میل طے کر لیتا تھا جو خدا اس کیے اور روس کے لیے سامان مہیا کر سکتا ہے وہ ذوالقرنین اور سلیمانؑ کے لیے بھی مہیا کر سکتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ ذوالقرنین نے اپنی عمر کے تین سفر کیے ایک مغرب کی طرف دوسرا مشرق کی طرف اور تیسرے سفر کی سمت اور جہت بیان نہیں کی ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا آئندہ آیات میں ان تین سفروں کا بیان ہے۔

سفر اول

قال تعالى: فَاتَّبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ... إِلَى... وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا
پس جب حق تعالیٰ نے ذوالقرنین کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کر دیا جس سے وہ اپنے عزائم کو پورا کر سکے تو اس نے سفر شروع کیا۔ پہلا سفر اس کا یہ ہوا کہ اس نے بارادہ فتوحات ملک مغرب کی راہ لی اور ایسا راستہ اختیار کیا کہ جو اسے مغرب تک پہنچا دے یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے اور درمیانی ممالک کو فتح کرتے کرتے سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا۔ یعنی سمت مغرب میں منتہائے آبادی میں پہنچا جہاں آبادی ختم ہوتی تھی تو اس نے سورج کو سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا یعنی ظاہر نظر میں اس کو ایسا دکھائی دیا جیسے سمندر کا مسافر غروب کے وقت یہ دیکھتا ہے کہ آفتاب سمندر میں ڈوب رہا ہے حالانکہ آفتاب آسمان پر ہوتا ہے مگر سمندر میں ڈوبتا ہوا محسوس ہوتا ہے اسی طرح ذوالقرنین نے اس جگہ پر پہنچ کر سورج کو اپنی نگاہ میں ایسا پایا کہ وہ کیچڑ کے سیاہ چشمہ میں ڈوب رہا ہے ورنہ عقلاً یہ کیسے ممکن ہے کہ آفتاب جیسا جسم عظیم جو زمین سے کئی ہزار گنا بڑا ہے اور زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین کے ایک چشمہ میں ڈوب جائے۔ نیز آفتاب تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے آفاق پر سے گزرتا ہے کہیں اس کا طلوع ہوتا ہے اور کہیں اس کا غروب ہوتا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین جب ساحل غربی پر پہنچا تو وہ ایسی جگہ تھی کہ وہ دلدل اور کیچڑ تھی کسی آدمی کا وہاں گزرنہ تھا آگے زمین نہ تھی یہ جگہ زمین کا کنارہ تھی آگے سوائے پانی کے کچھ نہ تھا اس لیے اس کو ایسا نظر آیا کہ سورج کیچڑ کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس وقت اس کی نگاہ میں سوائے کیچڑ اور دلدل کے کچھ نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا وَجَدَهَا تَغْرُبُ یعنی اپنی نگاہ میں سورج کو ایسا پایا اور یہ نہیں فرمایا کہ کَأَنْتَ تَغْرُبُ۔ کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر نہیں دی کہ سورج فی الواقع کیچڑ میں ڈوب رہا تھا بلکہ یہ بتلایا کہ ذوالقرنین نے اس کو ایسا پایا۔ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ سورج فی الواقع سیاہ کیچڑ میں گھس گیا تھا یا اس کے اندر اتر گیا تھا یا اس میں جا کر چھپ گیا تھا کیچڑ کے ایک چشمہ میں اتنی گنجائش کہاں سے آئی کہ وہ آفتاب جیسے جرم عظیم کو اپنے اندر سما سکے آفتاب تو زمین سے بہت بلند ہے وہ زمین سے ملاصق اور ملا ہوا نہیں اور اس قدر بڑا ہے کہ زمین کے چشمہ میں نہیں آسکتا اور اس میں اتر سکتا ہے۔

فائدہ ایک قرأت میں عَيْنِ حَمِيَّةٍ کے بجائے عَيْنِ حَامِيَّةٍ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ گرم پانی کے چشمہ میں آفتاب کو غروب ہوتے ہوئے پایا اور اس کو ایسا نظر آیا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوا اور یہ دونوں قرأتیں معروف ہیں معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی منافات نہیں بہر حال مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین برابر چلتا

رہا یہاں تک کہ جب خشکی کی حد ختم ہو گئی اور جہاں تک آدمی جاسکتا تھا وہاں تک ذوالقرنین پہنچ گیا تو اس جگہ پہنچ کر ذوالقرنین نے آفتاب کو سیاہ کیچڑ یا گرم پانی کے چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس سے آگے جانے کا ذکر نہیں فرمایا ظاہر تو یہ ہے کہ اس سے آگے نہیں گیا اور ممکن ہے کہ شاید آگے بھی گیا ہو واللہ اعلم۔ اور پھر اس جگہ جہاں پانی کی کیچڑ میں اس کو سورج ڈوبتا ہوا نظر آیا وہاں اس نے ایک قوم کو آباد پایا جو کا فر تھی جیسا کہ اگلی آیت وَأَمَّا مَنْ ظَلَمَ الخ اس پر دلالت کرتی ہے تو ہم نے ذوالقرنین سے بطور الہام یا کسی نبی کے ذریعے یہ کہا ہے ذوالقرنین تجھ کو اس کا فر قوم کے بارہ میں اختیار ہے یا تو ان کا فروں کو سزا دے یعنی ان کو کفر کی سزا میں قتل کرے یا قید کرے یا غلام بنا دے یا یہ کہ تو ان پر احسان کرے کہ فدیہ لے کر ان کو زندہ چھوڑ دے بہر حال تجھ کو اختیار ہے ان دو باتوں کے درمیان۔ ذوالقرنین نے عرض کیا کہ میں اول اس قوم کو ملت ابراہیمی کی دعوت دوں گا لیکن اس دعوت کے بعد جو شخص کفر اور شرک کرے اپنی جان پر ظلم کرے گا سو عنقریب ہم یعنی میں اور میرے ارکان دولت اور حکام حکومت دنیا میں اس کو سزا دیں گے یعنی اس کو قتل کریں گے یہ سزا تو دنیا میں ہوگی پھر وہ مرنے کے بعد آخرت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا جائے گا پھر اللہ عزوجل اس کو دوزخ کی سزا دے گا اور میری دعوت کے بعد جو ایمان لے آئے گا اور نیک عمل کرے گا تو آخرت میں اس کو نیک بدلے گا۔ اور ہم بھی دنیا میں اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ کریں گے یعنی اس کو مشقت اور محنت میں نہ ڈالیں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ رعایت اور نرمی کا معاملہ کریں گے اور جو میری دعوت سے روگردانی کرے گا وہ مستوجب سزا ہوگا۔ عادل فرماں روا کی یہی راہ ہے کہ بُروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔

سفر دوم

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ... الخ... بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۱۔
پھر اس سفر سے فارغ ہو کر اور مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ایک دوسری راہ چلا یعنی مغرب الشمس سے مطلع الشمس کی راہ لی تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کرے اور ان کو دین حق کی دعوت دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کو ذلیل و خوار کرے پس برابر چلتا رہا یہاں تک کہ جب مسافت قطع کر کے زمین کے اس مقام پر پہنچا جہاں اول طلوع آفتاب سے دھوپ پڑتی ہے۔ یعنی جہت مشرق میں منہٹائے آبادی پر پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے دیکھا جن کے لیے ہم نے سورج سے درے کوئی پردہ اور بچاؤ نہیں رکھا تھا یعنی وہ لوگ جنگلی اور وحشی تھے۔ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے خیمے اور مکانات نہیں رکھتے تھے۔ کوئی ستر اور لباس نہیں رکھتے تھے ننگے رہتے تھے ان کا لباس ہی آفتاب تھا گھر بنانا نہیں جانتے تھے کہ سورج کی دھوپ سے بچ سکیں۔ زیر زمین سرنگیں بنا رکھی تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان میں گھس جاتے۔

اور زوال کے بعد طلب معاش کے لیے غاروں سے باہر نکلتے اور الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جو ہم نے بتلادیا ہے اور باقی اس ذوالقرنین کے پاس جو لشکر اور ساز و سامان تھا ہم اس سے پورے باخبر ہیں ہمارا علم اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے ہمارے سوا کسی کو کیا معلوم مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلادیا باقی تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ یقینی نہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پاسکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔

سفر سوم

ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّيِّدَيْنِ ... إِلَى ... وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا

ذکر تعمیر سد آہنی برائے انسداد خروج یا جوج و ما جوج

پھر مشرق و مغرب کے سفر سے فارغ ہو کر مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف ایک تیسری راہ کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ جب وہ چلتا چلتا دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا جس کی پشت پر یا جوج و ما جوج کی زمین تھی تو ان پہاڑوں کے پیچھے اس نے عجیب و غریب قوم پائی جو کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کے سمجھنے کے قریب بھی نہ پہنچتے تھے یعنی غیر زبان ہونے کی وجہ سے تو بات نہیں سمجھتے تھے اور وحشی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے سمجھنے کے قریب بھی نہیں پہنچتے تھے ورنہ عاقل آدمی قرائن سے کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا ہے پھر غالباً انہوں نے کسی ترجمان کے ذریعہ سے یا اشاروں اور کنایوں کے ذریعے سے ذوالقرنین سے عرض کیا کہ شاہ ذوالقرنین بے شک یہ یا جوج و ما جوج کی قوم جو اس درہ کے پیچھے رہتی ہے یہ بڑے ہی مفسد اور فتنہ پرداز لوگ ہیں جو زمین میں تباہی اور اودھم مچانے والے ہیں جن کا کام ہی لوٹ مار اور قتل و غارت ہے۔

مردم خور ہیں آدمیوں کو بھی کھا جاتے ہیں اور کھیتوں کو بھی ہضم کر جاتے ہیں۔ (زاد المسیر صفحہ ۱۹۱ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ ہم جیسے انسان ہیں مگر درندگی میں وہ درندوں سے بڑھ کر ہیں ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں سو کیا آپ ہم کو اجازت دیں گے کہ ہم لوگ آپ کے لیے کچھ چندہ جمع کریں گے اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایسی مضبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں کہ جو ان کو ہماری طرف آنے سے روک دے۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو دسترس عطا کی ہے وہ تمہارے اس چندہ سے کہیں بہتر ہے مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی جسمانی اور عملی قوت سے میری مدد کرو جس طرح سلیمان علیہ السلام نے فرمایا تھا اَتَصِدُّونَ بِمَالٍ فَصَا اِنَّا فِی اللّٰهِ خَيْرٌ مِّمَّا اَتَكُمُ۔

اسی طرح ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میں تم سے مال نہیں چاہتا۔ ہاتھ پیر کے کام میں میری مدد کرو میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آسکیں انہوں نے کہا کہ آپ ہم سے کس قسم کی قوت و اعانت چاہتے ہیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ مزدور اور عمدہ معمار اور سامان عمارت انہوں نے کہا کہ وہ سامان عمارت کیا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ تم لوگ بجائے پتھروں کے میرے پاس لوہے کے ٹکڑے اور لوہے کی چادریں اور لوہے کی سلیں لاؤ جن کی قیمت ہم تم کو عطا کر دیں گے چنانچہ انہوں نے لوہے کی سلیں اور چادریں اور ٹکڑے لا کر حاضر کر دیئے اور موٹی موٹی لکڑیاں بھی لا کر موجود کر دیں اور بجائے پتھروں کے لوہے کے ٹکڑوں کو چن دیا اور سچے میں لکڑیاں اور کوئلے رکھ دیئے اس طرح پہاڑ کی چوٹی تک ان کو چن دیا۔ یہاں تک کہ جب ان دونوں پہاڑوں کے کناروں کا درمیانی خلا پر کر کے برابر کر دیا تو حکم دیا کہ اس میں آگ لگا کر پھونک مارو یعنی خوب دھونکو یہاں تک کہ جب دھونکتے دھونکتے ان لوہے کے ٹکڑوں کو آگ اور انگارہ بنا دیا تو کہا میرے پاس بگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں گرم لوہے پر اس کو بہا دوں تاکہ وہ اس کے درازوں میں گھس کر اس کو بالکل ہموار اور ایک شے بنا دے اور عجب نہیں کہ اس عظیم مقدار میں تانبے کا بگھلنا ذوالقرنین کی کرامت ہو جیسے داؤد علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا تھا کما قال تعالیٰ وَالنَّالَةُ الْحَدِيدَ۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے بگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْلُكْهُ عَيْنَ الْغَطْرِ۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ ذوالقرنین کے لیے بطور کرامت اور بطریق خرق عادت تانبے کو بگھلا دیا ہو واللہ اعلم بالصواب۔

چنانچہ ان کے حکم کے مطابق وہ تانبا لایا گیا اور آلات کے ذریعے یا بطور کرامت اور خرق عادت اوپر سے اس پر چھوڑ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ تانبا اس لوہے سے پیوست ہو گیا اور پہاڑ کی مانند ایک آہنی دیوار بن گیا ہو گئی جس کا طول و عرض خدا ہی کو معلوم ہے روئے زمین پر اب تک ایسی بلند اور چکنی دیوار نہیں بنی تھی پھر چونکہ یہ دیوار نہایت بلند اور چکنی اور چوڑی اور مضبوط تھی۔ اس لیے یا جوج و ما جوج کے لیے یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر ادھر سے ادھر آسکیں یا سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ سکیں اور پھر اس سے دوسری جانب اتر سکیں اور وہ دیوار اس قدر سخت تھی کہ اس میں سوراخ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

پس جب قیامت کے قریب خروج یا جوج و ما جوج کی بابت میرے پروردگار کا وعدہ آئے گا تو اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو ہموار کر دے گا یعنی اس سد آہنی کو یا جوج و ما جوج کی راہ سے ہٹالے گا۔ اور اس روک کو ان سے ہٹا دے گا۔ اور میرے پروردگار کا وعدہ بالکل صحیح اور درست ہے یعنی میرے پروردگار کا یہ وعدہ ہے کہ یہ دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور قیامت کے قریب یا جوج و ما جوج اس دیوار کو توڑ کر ایک دم آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور دریا کے دریا پی کر خشک کر دیں گے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب خروج یا جوج و ما جوج کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور بلاشبہ ہونے والا ہے اور

سَد کو توڑ کر یا جوج و ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے انشاء اللہ سورۃ انبیاء کے اخیر میں اس کا ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ علامت قیامت کے قریب ظاہر ہوگی اور احادیث صحیحہ میں یا جوج و ماجوج کے خروج کو علامات قیامت میں سے قرار دیا گیا ہے اور یہ احادیث درجہ تواتر کو پہنچی ہیں اور تمام صحابہ و تابعین کا اس پر اجماع ہے اور جس طرح قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح علامات قیامت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور جو بات قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہو اس کا انکار بلاشبہ کفر ہے اور ایسی قطعیات میں تاویل کرنا الحاد اور زندقہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ذوالقرنین نے لوگوں کی فرمائش پر ایک آہنی دیوار بنادی قرآن اور حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آہنی دیوار قیامت تک قائم رہے گی اور یا جوج و ماجوج اس کے پیچھے بند رہیں گے قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی تب وہ یا جوج و ماجوج وہاں سے نکلیں گے اور ان کا یہ نکلنا نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال کے بعد ہوگا بالآخر یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مریں گے۔ جس کی تفصیل احادیث میں ہے اب رہا یہ امر کہ وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار دنیا کے کس خطہ میں ہے اور وہ پہاڑ کہاں واقع ہے سو وہ خدا ہی کو معلوم ہے اور جس چیز کی خدا خبر دے اس پر ایمان لانا فرض ہے جس خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق سے پورا باخبر ہے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمیں اپنے مکان اور باغ کی خبر نہیں اور جن لوگوں نے دیوار ذوالقرنین کا مقام معین کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں محض ان کے خیالات اور تخمینے ہیں یا عیسائیوں یا یہودیوں کے لکھے ہوئے جغرافیہ میں خدا اور اس کے رسولؐ نے اس کے بارے میں کوئی تعین نہیں فرمایا جس سے یقینی طور پر اس دیوار کا مقام اور محل متعین کیا جاسکے اور ظن اور تخمینہ اہل عقل کے نزدیک تسلی بخش نہیں۔

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔ (ذوالقرنین کا قصہ یہاں ختم ہوا)

اب آئندہ آیت میں دنیا کے فناء و زوال کا ذکر ہے کہ یہ دیوار قیامت کے قریب تک قائم رہے گی اور جب قیامت قریب ہوگی تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور اس کے پیچھے سے یا جوج و ماجوج نکل پڑیں گے۔

ایک شبہ آج کل سائنس دان اور ماہرین انکشافات اور فضلائے جغرافیہ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا ہے مگر ہم کو کہیں اس دیوار کا پتہ نہ ملا اور نہ کہیں یا جوج و ماجوج کا پتہ لگا۔

جواب اس شبہ کے جواب میں ہمارے ان مصنفین نے جو مغربی علوم اور تحقیقات سے مرعوب ہیں اس دیوار کا پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور انکل کے تیر چلے ہیں

مگر خود ان کو اپنے لکھے ہوئے پر یقین اور اطمینان نہیں لیکن اس شبہ بلکہ اس دوسرے کا صحیح جواب وہ ہے جو علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حسین جسر طرابلسیؒ نے الحصون الحمیدہ میں دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس دیوار کی اور جس قوم کی حق تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ صحیح اور درست ہے اور اس پر ایمان

لانا واجب ہے اور اس کی تصدیق فرض ہے مگر ہم کو اس دیوار کا موقع اور محل معلوم نہیں۔ بلاشبہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے سمندر اور بڑے بڑے پہاڑ حائل ہوں اور فضلاء جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا اور ہم بر اور بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر چکے ہیں اور اب کوئی جگہ ہم سے بچی ہوئی نہیں رہی سو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے قابل تسلیم نہیں ساری زمین کو چھان ڈالنا اور دیکھ ڈالنا تو بڑی بات ہے ابھی تک پوری آباد زمین کو بھی نہیں دیکھا جاسکا زمین کا بہت سا حصہ ابھی ایسا باقی ہے جہاں تک ان کا قدم نہیں پہنچا ابھی تک اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور وادیاں ایسی موجود ہیں کہ ان تک فضلاء جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ بارہ کی جانب ایسی زمین موجود ہے جہاں آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے پس ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین شمال کی طرف ہے اور جو لوگ نقشہ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمانہ میں کوئی ان پر سے نہیں گزر سکتا اور ان پہاڑوں کے اس طرف زمین موجود ہے جو منہائے عرض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے نیچے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنا کم رہتا ہو کہ آدمی وہاں رہ سکے اور وہیں یا جوج ماجوج کی قوم آباد ہو اور ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بڑے برفانی پہاڑ اور سمندر حائل ہوں اور ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں یا جوج ماجوج کی اس طرف آمد کے لیے کسی دادی سے کوئی راستہ ہو کہ وہ لوگ پہاڑوں کی طرف سے آکر آس پاس کی قوموں کو قتل و غارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس دادی کا راستہ سد کے ذریعے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی جانب ان کو دھکیل دیا ہو اور پھر اس سد کی وجہ سے ان کا ادھر آنا بند ہو گیا ہو پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو ممکن ہے کہ جوی اور رضی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یا جوج ماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقع مل جائے اور سد کو توڑ کر وہ قومیں اسی راستے یا کسی اور راستے سے دنیا کے آبادی کی طرف نکل پڑیں اور یہاں آکر ادھم مچائیں اور فساد برپا کریں جیسا کہ آیات اور احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔

بہر حال قرآن اور حدیث نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ عقلاً اور عادتاً محال نہیں اور قدرت خداوندی کے تحت داخل ہیں۔ پس جو امور عقلاً ممکن اور جائز الوقوع ہوں اور نصوص شرعیہ سے ان کا وجود اور وقوع ثابت ہو ان کی تصدیق فرض اور لازم ہے اس لیے ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ قیامت کے قریب یا جوج ماجوج سد ذوالقرنین کو توڑ کر نکلیں گے اور فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات کا یہ دعویٰ کہ ہم پوری زمین سے اچھی طرح واقف ہیں اور ہو چکے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جو قابل تسلیم نہیں امریکہ اور روس کے متصل ہی ایسے جزیرے ہیں گے کہ جنکی ان ماہرین اکتشافات کو بالکل خبر نہیں یا پوری خبر نہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے زمین و آسمان کا چکر لگایا ہے اور ہم کو نے کو نے سے واقف ہو گئے ہیں زبان سے اس قسم کا دعویٰ کر دینا بہت آسان ہے لیکن ثابت کر دکھانا بہت مشکل ہے۔

سائنس کے تجربوں سے دن بدن یہ ثابت ہوتا جاتا ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا انکو بھی پورا نہیں دیکھا تھا روزمرہ کا تجربہ بتلا رہا ہے کہ سائنس یہ کہتی ہے کہ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے ذرا اور آگے بڑھ آئندہ چل کر تجھے کو اپنی بار بار دیکھی ہوئی چیزوں کے وہ خواص اور آثار معلوم ہوں گے جو موجودہ علم اور تجربہ سے بالا اور کہیں بالا ہوں گے عرض یہ کہ ہر فلسفی اور سائنس دان ہمہ دانی کا نعرہ لگاتا ہے اور قدم قدم پر جدید تجربہ اور جدید انکشاف ہمہ دانی کے دعوے پر ایک تازیانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے مدعی ہمہ دانی اس جدید انکشاف نے تجھ پر واضح کر دیا کہ تیرا گزشتہ دعویٰ غلط تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ قصہ ذوالقرنین قطعاً ثابت ہے اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت جو علماء توریت اور انجیل موجود تھے ان میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ یہ قصہ متواترہ ہے قطعاً ثابت ہے اس قصہ کے تواتر کے لیے فقط اتنی بات کافی ہے کہ علماء اہل کتاب نے بطور امتحان آپ سے اس قصہ کا سوال کیا اور علیٰ ہذا جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ بھی حق اور صدق ہے اگرچہ اس کا ہمیں موقعہ اور محل معلوم نہیں اب اگر کوئی شخص محض اس بناء پر انکار کرے کہ ہمیں اس دیوار کا علم نہیں یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو وہ ایک جنگلی پہاڑی کی طرح ہے کہ جس نے کبھی ریل اور تار اور ٹیلیفون اور ہوائی جہاز نہ دیکھا ہو اور کوئی شخص اس کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کرے اور وہ سُن کر یہ کہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک گھنٹہ میں چالیس سپاس میل یا پانچ سو میل کی مسافت کیسے قطع ہو سکتی ہے یا ہزار یا دس ہزار میل پر ٹیلیفون سے کیسے باتیں ہو سکتی ہیں اس قسم کی باتیں اس کے غافل اور جاہل ہونے کی دلیل ہیں لیکن اس کی ان باتوں سے ٹیلیفون کا عدم ثابت نہیں ہو سکتا کیا عقلاً یہ جائز نہیں کہ جس طرح آج سے پانچ سو برس پہلے ان سائنسدانوں کو دنیا کے چوتھے براعظم یعنی امریکہ کا پتہ نہ چلا اور یہ طویل و عریض آبادی ان لوگوں سے مخفی اور پوشیدہ رہی اور فلاسفہ اور سائنسدان اس کے وجود سے واقف نہ ہوئے کیا اس طرح یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کوئی پانچواں براعظم موجود ہو جہاں یا جوج و ماجوج کے مڈی دل رہتے ہوں اور ہمارے اور ان کے درمیان سد ذوالقرنین کے علاوہ ایسے بروج و بحر حائل ہوں کہ جہاں اب تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی انکشافات جدیدہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی وسعت کی کوئی حد نہیں اور روز بروز عجیب و غریب امور منکشف ہو رہے ہیں تو کیا عجب ہے کہ آئندہ چل کر اس دیوار کا اور قوم یا جوج و ماجوج کا انکشاف ہو جائے خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کے خالق نے اور اس کی وحی سے اس کے برگزیدہ نبی برحق اور مخبر صادق نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ عقلاً ایک امر ممکن ہے اس پر ایمان لانا واجب اور لازم ہے اور خدا اور اس کے رسول نے جس چیز کی خبر دی ہے وہ بلاشبہ حق اور صدق ہے ضرور اپنے وقت پر ظاہر ہوگی اور محض اپنی لاعلمی اور نادانیت اور عدم وجدان اور عدم علم اور عدم معرفت کی بنا پر کسی چیز کے وجود سے انکار کرنا جہالت اور نادانی ہے اور اگر باوجود کامل تلاش کے مثلاً اگر کسی کو زید نہ ملے تو اس سے زید کا معدوم ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال مخبر صادق جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب اس نے دیوار کے

وجود کی خبر دی ہے تو ہم پر اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے خواہ وہ چیز ملے یا نہ ملے جس خدا نے اس زمین کو پیدا کیا اور پھر ایک نیک بندہ ذوالقرنین کو پیدا کیا اور اپنی زمین پر اس کو فرماں روا بنایا تو کیا فضلاء جغرافیہ اور ماہرین اکتشافات زمین کے بارہ میں خدا سے زیادہ باخبر ہو گئے کہ جس زمین کو خدا نے پیدا کیا وہ تو ایک خطہ زمین اور ایک قوم کے وجود کی خبر دے رہا ہے اور یہ فضلاء جغرافیہ نہایت ڈھٹائی سے اس کا انکار کر رہے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک انسان ضعیف البنیان کا کسی چیز کو نہ پانا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ شے فی الواقع موجود نہیں کسی چیز کا نہ پانا اس چیز کے عدم کی دلیل بلکہ نہ ملنے کی وجہ سے کسی چیز کے وجود کا انکار کر دینا جہالت اور کوتاہ نظری کی قطعی دلیل ہے۔

دیوارِ ذوالقرنین اور دنیا کی پانچ بڑی دیواروں کا ذکر

قرآن کریم نے دیوارِ ذوالقرنین کا ذکر کیا مگر اس کا موقع اور محل نہیں بتایا کہ وہ کس جگہ بنی تھی۔ مورخین اور جغرافیہ نویسوں نے تاریخی واقعات کے ذیل میں دنیا کی چند بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے اور اپنے خیالات اور تخمینہ سے اس کو دیوارِ ذوالقرنین قرار دیا مولانا عبدالحق صاحب دہلویؒ مفسر تفسیر حقائق نے اپنی تفسیر میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اس سلسلہ میں پانچ دیواروں کا ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جس کو تفصیل درکار ہو وہ اصل تفسیر حقائق کی مراجعت کرے۔

دیوارِ اول _____ دیوارِ چین

جس کو بقول مورخین نغفور چین نے حضرت مسیح بن مریمؑ سے تخمیناً دو سو پینتیس برس پہلے بنایا تھا جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے جس کے پیچھے کچھ وحشی قومیں آباد تھیں جو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتی تھیں ان کو یا جوج و ما جوج سے تعبیر کرتے تھے چونکہ یہ دیوار اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اور ایک کافر کی بنائی ہوئی ہے جو حضرت مسیح بن مریمؑ سے دو سو پینتیس برس پہلے گزرا ہے اس لیے یہ دیوارِ سدّ ذوالقرنین نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دیوارِ آہنی تھی نیز ذوالقرنین حضرت مسیحؑ سے دو ہزار برس پہلے گزرا ہے اور وہ مردِ مؤمن تھا کافر نہ تھا اور نغفور با خدا اور موحّد نہ تھا اس کو ذوالقرنین قرار دینا قطعاً غلط ہے۔

دیوارِ دوم _____ دیوارِ سمرقند

یعنی وہ دیوار جو سمرقند کے قریب ہے یہ ایک مستحکم دیوار ہے جو لوہے کی چادر وں اور اینٹوں سے بنائی گئی ہے نہایت مستحکم اور بلند ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔

خلیفہ معتمد نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا وہ اس دیوار کو دیکھ کر آئے اور اس کا حال بیان کیا یہ دیوار جبل الطی کا درہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی بعض لوگ اس دیوار کو سد ذوالقرنین کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اس دیوار کو مین کے کسی حمیری بادشاہ نے بنایا تھا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ حمیری بادشاہ ذوالقرنین تھا اور تبع یمانی اس کی اولاد میں سے تھا جس پر اس کو فخر تھا لہذا بعض علماء کا خیال ہے کہ یہی دیوار ذوالقرنین ہے۔ واللہ اعلم۔

دیوار سوم _____ دیوار آذربائیجان

جو آذربائیجان کے سرے پر بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ کو بند کرنے کے لیے اور غیر قوموں کی آمد کو روکنے کے لیے بنائی گئی تھی یہ دیوار آذربائیجان اور آرمینیہ کے دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ دیوار پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اس دیوار کو نوشیرواں نے بنایا یہ دیوار اب تک قائم ہے بعض علماء نے اسی دیوار کو سد ذوالقرنین بتلایا ہے۔

دیوار چہارم _____ دیوار تبت

یہ دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ جگہ خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک کنارہ ہے جس سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر اس کو بند کر دیا یہ دیوار بلا اتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ یہ دیوار نزول قرآن کے بعد بنائی گئی۔

_____ دیوار پنجم

دنیا کی پانچویں بڑی دیوار وہ ہے کہ جو بحیرہ روم کے مشرقی کنارہ پر ایشیائے کوچک کے جزائر میں سے کسی جزیرہ میں واقع ہے یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار کب بنی اور اب تک قائم ہے یا نہیں یہ دیوار بھی بلا اتفاق وہ دیوار نہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

غرض یہ کہ یہ سب تاریخی قصے ہیں جو ہرگز قابل اعتماد و اعتبار نہیں۔

بہر حال یہ دنیا کی پانچ مشہور دیواریں ہیں جن کا تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں ذکر ہے اور مصنفین نے اپنے اپنے خیال اور تخمینہ سے سد ذوالقرنین کے مصداق بتلانے کی بڑی کوشش کی ہے کسی نے کسی دیوار کو اور کسی نے کسی دیوار کو۔ مگر سوانے اپنی خیالی قیاس آرائیوں کے۔ دلیل کسی کے پاس نہیں ہر ایک نے اپنی اپنی کہی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس سد (دیوار) کی قرآن عزیز نے خبر دی ہے قرآن اور حدیث میں اس کے کیا اوصاف ذکر کیے گئے ہیں تاکہ اس سے تعین مصداق کا فیصلہ ہو سکے وہ اوصاف حسب ذیل ہیں۔

اول اس سد (دیوار) کا بانی خدا تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اور مرد صالح اور مرد مؤمن ہے جو ایمانداروں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو جزاء حسنیٰ کی بشارت سناتا ہے اور کافروں اور ظالموں کو عذاب خداوندی سے ڈراتا ہے۔

دوم اس کا بانی ایسا جلیل القدر بادشاہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک کا فرماں روا ہے اور حکومت اور سلطنت کے تمام اسباب ظاہری اور باطنی منجانب اللہ اس کے لیے مہیا ہیں۔ کما قال تعالیٰ رَاْنَا مَکْنَالَہٗ فِی الْاَرْضِ وَآتَیْنَاہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فرمانروائے مشرق و مغرب ایسا سعادت مند ہے کہ تا ئید ربانی اور تمکین یزدانی اس کے ساتھ ہے اور فتح و کامرانی کا جھنڈا اس کے آگے آگے ہے کسی میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں شاہان عالم اس کی عظمت و ہیبت کے سامنے دم بخود ہیں۔

سوم وہ دیوار آہنی ہے پگھلے ہوئے تانبے سے تیار ہوئی ہے اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی۔

چہارم یہ کہ اس دیوار کے دونوں سرے دو پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں اور وہ دیوار بہت بلند اور مستحکم ہے اور بطور خرق عادت اور بطریق کرامت تیار ہوئی ہے اس لیے کہ اتنی بلند دیوار جواز اول تا آخر لوہے کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہو اور اس میں اس طور سے آگ سلگائی گئی ہو کہ اس کے سب ٹکڑے آگ بن گئے ہوں اور پھر ان میں ہزاروں من بلکہ ہزاروں ٹن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا گیا ہو بظاہر یہ تمام امور اسباب ظاہری کے دائرہ سے باہر ہیں ایسی دھکتی ہوئی آگ کے قریب تو کوئی جاندار نہیں جا سکتا اور ایسی آگ میں پھونک مارنا اور پگھلے ہوئے تانبے کا اس پر ڈالنا ظاہر اسباب میں ممکن نہیں لہذا سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عجیب و غریب دیوار اس نیک دل بادشاہ کی کرامت تھی یا اس نبی برحق کا معجزہ تھا جس کے ہاتھ پر ذوالقرنین نے بیعت کی تھی کہ جب اس قدر طویل و عریض لوہے کی دیوار آگ ہو جائے تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کے پاس بھی جاسکے اور پاس جا کر اس میں پھونک مار سکے اور اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال سکے یہ اللہ کی رحمت تھی کہ اس نے ناخنیں (پھونک مارنے والوں) کے ابدان و اجسام کو اس شدید گرمی اور حرارت سے محفوظ رکھا اور انہوں نے اپنا کام کیا۔

پنجم یہ کہ یا جوج و ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں نہ وہ اس پر چڑھ سکتے ہیں نہ اس پر کوئی سیڑھی لگا کر ادھر سے اُدھر اُتر سکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں البتہ قیامت کے قریب زمانہ میں یہ لوگ اس دیوار میں نقب لگانے پر قادر ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

ششم یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس دیوار میں کچھ تھوڑا سا سوراخ ہو گیا ہے

ہفتم یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یا جوج و ماجوج ہر روز اس دیوار کو چھیلتے ہیں اور پھر

وہ دیوار بحکم الہی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی دبیز اور موٹی ہو جاتی ہے مگر قیامت کے قریب ایک روز وہ انشاء اللہ کہہ کر اس دیوار کو پھیلے گے تو انشاء اللہ کی برکت سے اس میں وسیع سوراخ کھل جائے گا اور اگلے روز اس دیوار کو توڑ کر باہر نکل سکیں گے۔

ہشتم | یہ کہ یاجوج ماجوج باوجود انسان ہونے کے عام انسانوں سے قوت میں بہت زیادہ ہیں اور عددی کثرت میں تو اس قدر زیادہ ہیں کہ ان میں اور عام بنی آدم میں وہ نسبت ہے جو ایک اور ہزار میں ہے اور سب کافر ہیں اور جہنمی ہیں۔

نہم | یہ کہ ان کا خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوگا اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاص لوگوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے اور باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے۔

دہم | یہ کہ یاجوج ماجوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعۃً بغیر معمولی موت مر جائیں گے ان کی گردنوں میں اللہ تعالیٰ ایک نُغْفُ (طاعونی کیرا) پیدا کر دے گا جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ دس اوصاف ہیں جن میں سے اول کے پانچ اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ اور مشہورہ میں مذکور ہیں۔

پس جو شخص ان اوصاف کو ملحوظ اور پیش نظر رکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مورخین نے جن دیواروں کا پتہ بتایا ہے مجموعی طور پر یہ اوصاف کسی دیوار میں بھی نہیں پائے جاتے پس مورخین نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ صحیح نہیں اور ان دیواروں میں سے کوئی دیوار دیوار ذوالقرنین کا مصداق نہیں اور احادیث صحیحہ و مرسلہ کا انکار گمراہی ہے اور ان میں تاویل کرنا الحاد اور بے دینی ہے لہذا یہی کہا جائے گا کہ جس دیوار کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی صحیح اور واقعی جگہ اسی کو معلوم ہے ہم اس کی خبر پر یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی تعیین کو اس کے علم کے حوالہ اور سپرد کرتے ہیں جیسا کہ ہم علامہ آلوسیؒ کا کلام روح المعانی سے نقل کر چکے ہیں۔

یاجوج ماجوج کون ہیں | لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں جہور علماء تفسیر و حدیث کا قول یہ ہے کہ یاجوج ماجوج بنی نوع انسان کی

دو قوموں یا دو قبیلوں کا نام ہے آدمؑ اور حواءؑ کی اولاد سے ہیں اور یافت بن نوحؑ کی نسل سے ہیں جو ترک کا جد اعلیٰ ہے اور ترک اس خاندان کی ایک شاخ ہے جو سد ذوالقرنین کے اس طرف ترک کر دیئے گئے تھے یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے۔ گویا کہ لفظ ترک متروک سے مشتق ہے، اور یہ لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں اور اس قدر کثیر اور بے شمار ہیں کہ ان میں اور اہل بہشت ہیں وہ نسبت ہے کہ جو ایک اور ہزار میں ہے۔ اہم سابقہ دلائل میں سے جس قدر افراد دوزخ میں جائیں گے ان تمام کے مقابلہ میں اکثریت یاجوج ماجوج کی ہوگی۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام کو حکم دیں گے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کیجیے عرض کریں

گے کہ کس قدر ارشاد ہوگا۔ ہر ہزار سے ایک کم ہزار۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے تو ہیں مگر حوا کے پیٹ سے نہیں گویا کہ وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہیں۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات سوائے کعب جبارؓ کے اور کسی سے منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج ترکوں کے دو قبیلے ہیں۔

صحیح قول یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں ہیں اور یافث بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں جو بطن تواء سے پیدا ہوئی اور ان کے حالات اور صفات کے بارہ میں جو آثار اور اخبار وارد ہوئے ہیں ان پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج اگرچہ نسل آدم سے ہیں اور ظاہری صورت اور شکل کے اعتبار سے آدمی اور انسان ہیں لیکن طبعی اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے وحشی درندہ اور حیوان ہیں اور افعال اور اعمال کے اعتبار سے جنات سے ملتے جلتے ہیں۔ گویا کہ قوم یاجوج و ماجوج تمام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے جو فتنہ اور فساد پھیلانے میں جنات کا نمونہ ہے عام انسان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے وہاں کے باشندوں نے ذوالقرنین سے درخواست کی کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی آہنی دیوار قائم کر دیں جس سے ان کا راستہ بند ہو جائے اور ہم ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں چنانچہ ذوالقرنین نے ایک آہنی دیوار بنا کر ان کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل دیا۔

قرآن کریم میں یاجوج و ماجوج کا ذکر اجمالاً اور مختصراً آیا ہے اور احادیث میں کچھ تفصیل آئی ہے بہر حال قرآن اور حدیث سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ یاجوج و ذوالقرنین کی بنائی ہوئی آہنی دیوار کے پیچھے بند ہیں قیامت سے پہلے اس سے باہر نہیں آسکتے جس طرح دجال اکبر ایک جزیرہ میں محبوس اور مقید ہے اور اخیر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نزول میں اس کا اپنے جزیرہ سے خروج ہوگا اسی طرح یاجوج و ماجوج اس آہنی دیوار کے پیچھے محبوس ہیں ان کا خروج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوگا اس وقت یہ مفسد قوم دنیا پر خروج کرے گی اور دنیا میں اودھم مچائے گی بالآخر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی دعا سے دفعۃً غیر معمولی موت مر جائے گی اور اس شان اور صفت اور اس طاقت کی کوئی قوم اب تک ظاہر نہیں ہوئی اور نہ اب تک کسی کو اس قوم کا پتہ لگ سکا ہے حسب وعدہ خداوندی قیامت کے قریب اس قوم کا ظہور اور خروج ہوگا۔ خروج دجال کے بعد قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہوگا۔ اور اس زمانہ کے بعض روشن خیال مصنف یہ خیال کرتے ہیں کہ یاجوج و ماجوج سے چینی یا روسی یا دوسری وحشی قومیں مراد ہیں جو کہ منگولیا اور منچوریا یا کوریا کے قریب آباد ہیں یا وہ تاتاری اور چنگیز لوگ مراد ہیں جنہوں نے خلافت بغداد کو درہم برہم کیا یا وہ وحشی قومیں مراد ہیں جو آرمینیا کے پہاڑوں کے قریب رہتی ہیں ان مصنفین کا خیال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ان وحشی اور درندہ صفت قوموں کو یاجوج و ماجوج کہا جاتا ہے مگر اب وہ تعلیم یافتہ اور تمدن ہو گئے ہیں اور اب وہ یاجوج و ماجوج نہیں رہے اور نہ وہ اب کسی دیوار کے پیچھے بند ہیں وہ آہنی دیوار یا تو ختم ہو گئی ہے یا ان یاجوج و ماجوج نے اپنے خروج کے لیے کوئی دوسرا راستہ نکال لیا ہے اور اب باقاعدہ پاسپورٹ لے کر ہمارے

ملکوں میں آ جا رہے ہیں یہ سب خرافات ہے قرآن اور احادیث میں یا جوج و ما جوج کی جن صفات کا ذکر ہے وہ صفات ان قوموں پر منطبق نہیں ہوتیں۔

از روئے قرآن و حدیث یا جوج و ما جوج اس دیوار کے پیچھے بند ہیں وقت معین سے پہلے ہمارے ملکوں میں نہیں آ سکتے۔ اور جو وحشی ہمارے ملکوں میں آتے جلتے ہیں وہ اصل میں یا جوج و ما جوج نہیں اور جو اصلی اور واقعی یا جوج و ما جوج ہیں وہ دیوار کے پیچھے بند ہیں اور یہ متہدین جن کو یا جوج و ما جوج خیال کرتے ہیں وہ یہ یا جوج و ما جوج نہیں جن کی قرآن و حدیث میں خبر دی گئی ہے تا تاہر یوں اور وحشیوں کو یا جوج و ما جوج سمجھ لینا ایک خام خیال ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

مرزائی یہ کہتے ہیں کہ یا جوج و ما جوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور

مرزائے قادیان کا ہذیان

جب ان کا خروج ہو چکا تو اس کے لیے مسیح کی آمد ضروری ہے اور وہ مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی ہے تھوڑی دیر کے لیے اگر قادیان کے اس ہذیان اور دلخراش سماعت کو بادل ناخواستہ برداشت کر لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ احادیث صحیحہ اور صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ یا جوج و ما جوج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دفعتاً ہلاک ہو جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں دفعتاً کوئی طاعونی کیڑا نمودار ہوگا جس سے سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور تمام دنیا مستغفن اور بدبودار ہو جائے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بڑی لمبی گردن والے پرندے بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے اور بعد ازاں ایک بارش ہوگی جس سے زمین دھل جائے گی یہ مضمون بے شمار حدیثوں سے ثابت ہے۔

مرزائی بتلائیں کہ اگر یا جوج و ما جوج سے انگریز اور روس مراد ہیں اور مرزا صاحب مسیح موعود ہیں تو مرزا صاحب نے انگریز اور روس کے لیے کب بد دعا کی اور کس شہر کے انگریز اور روسی لوگ مرزا صاحب کی بد دعا سے ایک رات میں ہلاک ہوئے اور صبح ہوتے ہی سب کے سب مردہ پائے گئے اور کس مہینہ اور کس سال میں لمبی گردن والے پرندوں نے ان کی لاشوں کو کون سے سمندر میں لے جا کر ڈالا۔

مرزا قادیان تو یا جوج و ما جوج (عیسائی اقوام) کی عروج اور ترقی کے لیے دعا ہی کرتا ہوا مر گیا اور اپنے مریدوں کو ان کی وفاداری اور دعا کی وصیت کر گیا۔

۱۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی ص ۴۲ جلد ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ ویعلم ما تقدم و مما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ بطلان ما یزعمہ بعض الناس من انهم التاتار الذین اکثر الفساد فی البلاد وقتلوا الاخیار والاشرار و لعمری ان ذلک الزعم من الضلالة بمکان وان کان بین یا جوج و ما جوج و اولئک الکفرة مشابهة تامة لا تخفی علی الواقفین علی اخبار ما یکون وما کان ابطال ما یزعمہ بعض الناس من انهم التاتار۔ انتہی۔

کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسیح زماں اور مہدی دوراں یا جوج و ماجوج کے عروج اور بقا کیلئے دعا کرے گا اور اپنی امت کو ان کے لیے دعا کا حکم دے گا نیز مرزا قادیان کے نزدیک دجال سے با اقبال قومیں مراد ہیں تو سوال یہ ہے کہ مرزائے قادیان جو مدعی مسیحیت ہے یہ بتلائے کہ اس نے با اقبال قوموں میں سے کس دجال کو قتل کیا نزول مسیح کا اہم مقصد قتل دجال ہے۔ خود مرزا ازالۃ الادہام صفحہ ۱۴۷ میں لکھتا ہے نکل دجال عیسیٰ (دیکھو افادۃ الافہام ص ۵۰ جلد ۲) حیرت کا مقام کہ مرزا با اقبال قوموں کو دجال بتاتا ہے اور بجائے ان کے مقابلہ اور قتل کے انکی دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہے۔

تتمہ قصۃ ذوالقرنین

و ذکر انہدام دیوار ذوالقرنین و خروج یا جوج و ماجوج و نفع صور

قال اللہ تعالیٰ۔ وَ تَرْکُنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَمُوجٌ فِیْ بَعْضٍ... الی... لَا یَسْتَطِیْعُونَ سَمْعًا (ربط گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا یہ قول نقل فرمایا تھا۔ هَذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّیْ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلْهُ دُکَّاءً کہ یہ دیوار اللہ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر جب خروج یا جوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ یا جوج و ماجوج کی قوم جو اب اس سد کے پیچھے بند ہے نکل پڑے گی۔

اب آئندہ آیات میں خروج یا جوج و ماجوج کے وعدہ کا وقت ذکر فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت کے قریب پورا ہوگا اور اس کے چند روز بعد صور پھونک دیا جائے گا اور بساط عالم پیٹ دی جائے گی۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں ذوالقرنین کا قول نقل کیا کہ یہ دیوار اگرچہ کتنی ہی مضبوط اور مستحکم کیوں نہ ہو مگر فناء سے کوئی چیز محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اب حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین نے جو کہا وہ ٹھیک کہا اور واقعی ایک روز ہم اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دیں گے اور یا جوج و ماجوج کا بند کھول دیں گے اس روز جو حالت پیش آئے گی آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اس آہنی دیوار کے انہدام اور یا جوج و ماجوج کے خروج کا وقت موعود آئے گا اور جب وعدہ یہ مفسد قوم اس دیوار کو توڑ کر نکل پڑے گی تو اس روز ہم اس مفسد قوم کو ایسی حالت میں کر چھوڑیں گے کہ وہ کثرت ازدحام سے ایک دوسرے میں خلط ملط اور گڈمڈ ہو جائیں گے۔

یعنی اس دیوار کے منہدم ہوتے ہی اتنی کثیر تعداد میں نکل پڑیں گے کہ کثرت ازدحام کی وجہ سے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑیں گے اور ایک دوسرے میں گھس پڑیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہے کہ یہ دیوار بن گئی اور یہ روک قائم ہو گئی۔ اسی کی رحمت سے یہ دیوار اور روک ایک میعاد معین تک قائم رہے گی۔

البتہ قیامت کے قریب جب خروج و ما جوج کے وعدہ کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ روک ہٹا دی جائے گی اور یا جوج و ما جوج دنیا میں پھیل پڑیں گے اور خوب قتل و غارت کریں گے اور دنیا ان کے مقابلہ سے عاجز ہوگی۔

اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو غیبی و باری سے ہلاک کر دے گا جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے اور ان کے اس تموج اور اضطراب کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا۔

حتیٰ کہ اول بار صور بھونکا جائے گا جس سے سارا عالم فناء ہو جائے گا پھر چالیس سال بعد دوبارہ صور بھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے جمع کریں گے کہ کوئی باقی نہ رہے گا اور اس روز حساب و کتاب اور فیصلہ سے پہلے دوزخ کو کافروں کے رو برو کر دیں گے۔ تاکہ داخل ہونے سے پہلے اس کو دیکھ لیں کہ وہ کیسی ہے اور جان لیں کہ یہی وہ جہنم ہے جس کو ہم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اور اب ان کو اسی میں داخل ہونا ہے اور یہ کافر جن کی آنکھوں کے سامنے دوزخ کر دی جائے گی وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھیں دنیا میں ہماری یاد سے پردہ میں تھیں یعنی ہماری آیات قدرت کے دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے تھے کہ حق کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور بہرے بھی بنے ہوئے تھے کہ بغض اور عداوت کی وجہ سے حق کو سن بھی نہ سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا کہ وہ سوائے جہنم کے اور کس لائق ہے اور آیت میں آنکھ اور کان سے عقل کی آنکھ اور کان مراد ہیں اصل آنکھ اور کان دل کے ہیں اور سر کے آنکھ اور کان اس کے تابع ہیں۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي

اب کیا سمجھے ہیں منکر؟ کہ ٹھہرا دیں میرے بندوں کو

مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

میرے سوا حمایتی - ہم نے رکھی ہے دوزخ

لِلْكَافِرِينَ نَزُلًا ۝۱۰۲ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝۱۰۳ ط

منکروں کی مہانی - کہہ ہم بتادیں تم کو کن کے کیے بہت اکارت۔

الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ

جن کی دودھ بٹک رہی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے ہیں کہ

أَنَّهُمْ يَحْسِنُونَ صُنْعًا ۝۱۰۳ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ

خوب بناتے ہیں کام - وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے

رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبَّطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ

رب کی نشانیوں سے اور اس کے ملنے سے سوٹ گئے ان کے کیے، پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان

الْقِيَمَةِ وَزَنَّا ۝۱۰۴ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَ

کے واسطے قیامت کے دن تول - یہ بدلہ ہے ان کا دوزخ، اس پر کہ منکر ہوئے

أَتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝۱۰۵ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

اور ٹھہرائیں میری باتیں اور میرے رسول ٹھٹھا - جو لوگ یقین لائے ہیں

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝۱۰۶

اور کیے ہیں بھلے کام اُن کو ہیں ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی -

خُلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝۱۰۷ قُلْ لَّوْ كَانَ

رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی - تو کہہ اگر دریا

الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ

سیاہی ہو کہ لکھے میرے رب کی باتیں، بیشک دریا نہڑ چکے ابھی

تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جَنَّا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝۱۰۸ قُلْ

نہ نہڑیں میرے رب کی باتیں، اور اگر دوسرا بھی لادیں ہم ویسا اس کی مدد کو - تو کہہ

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ

میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمہارا صاحب ایک صاحب

وَإِحْدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا

ہے - پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے، سو کرے کچھ کام

صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۱

نیک اور ساجھا نہ رکھے اپنے رب کی بندگی میں کسی کا ۔

خاتمہ سورت بر توحید و رسالت و تذکیر آخرت

قال الله تعالى: أَحْسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ... وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝۱۱ (ربط، سورت کا آغاز توحید اور رسالت اور تذکیر آخرت سے ہوا تھا اب سورت کو انہی تین مضامین پر ختم کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ازراہ ترد و سرکشی، احکام خداوندی کے قبول کرنے سے اعراض کیا تھا ان پر تہدید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدا کے بشمار علوم پر مشتمل ہے اور اخیر میں قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ سَيِّئَاتُ النَّاسِ فَكَذَّبُوا بِآيَاتِي فَكَانُوا كَاذِبِينَ سے کہہ دیجئے کہ مجھے خدا نہ سمجھ لینا میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں خدا اور فرشتہ نہیں مگر خدا تعالیٰ کا رسول برحق ہوں۔ صاحب وحی ہوں احکام شریعت میں میری اطاعت کرو مگر خدا تعالیٰ کی عبادت اور بندگی میں ظاہر اور باطناً ذرہ برابر کسی کو شریک نہ کرو اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے سمندروں کی بھی ایک حد ہے مگر اللہ کے کلمات اور اس کے علوم کی کوئی حد نہیں اور بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل ہے۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ لہذا کسی توریت اور انجیل کے عالم کو اپنے علم پر فخر اور ناز کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا پھر ان کافروں نے یہ گمان کیا ہے کہ مجھ کو چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرشتوں کو اور مسیح اور عزیرؑ کو اپنا کارساز ٹھہرا لیا ہے۔ کیا ان کا گمان یہ ہے کہ ان کو کچھ نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت اور شفاعت کریں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ قیامت کے دن تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے خوب سمجھ لیں کہ تحقیق ہم نے دوزخ کو کافروں کی مہمانی کے لیے تیار کیا ہے وہاں پہنچتے ہی طرح طرح کے عذاب سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں ان لوگوں کی کہ جو باعتبار اعمال کے خسارہ اور گھٹائے میں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کرمی کرائی محنت اور جدوجہد بیکار گئی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت سے کافر بہت سے اعمال اپنے گمان میں اچھے سمجھ کر کرتے رہے ہیں اور یہ سمجھتے رہے کہ ہم کو ہمارے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔ مگر ان کا یہ گمان غلط ہے کفر کی نحوست سے وہاں سب اعمال بے کار ثابت ہوں گے اور ان کی دنیاوی زندگی کی تمام کوشش اکارت جائے گی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔ یعنی دلائل توحید کا انکار کیا اور قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا یعنی قیامت اور دار آخرت کا انکار کیا اور اگر کچھ مانا بھی تو شریعت کی ہدایت اور منشاء کے مطابق نہ مانا۔ اور اپنے زعم اور خیال کے مطابق،

آخرت کو مانا پس اس کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے یعنی جو کام ظاہر میں نیک معلوم ہوتے ہیں وہ سب جبط اور ضبط ہو جائیں گے۔ اور بالکل خالی ہاتھ رہ جائیں گے اور ایک دم امیدوں پر پانی پھیر جائے گا۔ پس قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی۔ بے جان اور بے روح ہوں گے اور اپنے اندر کوئی وزن نہ رکھیں گے اور جب وزن کے لیے لائے جائیں گے تو ان کا کچھ وزن نہ ہوگا اور جن اعمال کو وہ اپنے زعم میں نیک اور موجب ثواب سمجھتے تھے وہ سب بے وزن ثابت ہوں گے دنیا میں ان اعمال کی ظاہری صورت سے شبہ ہوتا تھا کہ ان اعمال میں کچھ وزن ہے لیکن قیامت کے دن حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب بے جان اور بے وزن ہیں میزان اعمال تو قیامت کے دن نیک و بد۔ مؤمن و کافر سب کے لیے قائم ہو جائے گی۔ مگر کافر جب اپنے اعمال کو لے کر آئیں گے اور ان کو تولی جائے گا تو ان میں کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ ایمان اور اخلاص سے خالی ہونے کی وجہ سے تمام اعمال مردہ اور بے جان ہوں گے۔ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی (کافر) لایا جائیگا اور اس کو تولی جائیگا مگر وہ مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا ہوگا۔ یہ بیان کر کے حضرت ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ فَلَا نَقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خود کافروں کا بھی کوئی وزن نہ ہوگا اور نہ ان کے اعمال میں کوئی وزن ہوگا۔ کیونکہ وہ اعمال ایمان سے خالی ہوں گے بدی کے پتہ میں ان کے کفریات اور سیئات کو رکھا جائے گا اور ان کے قائل کرنے کے لیے ان کے گمان کے مطابق جو ان کے نزدیک ان کی نیکیاں تھیں ان کو بھی نیکیوں کے پتہ میں رکھ دیا جائے گا۔ مگر ان میں کوئی وزن بھی نہ ہوگا لہذا یہ پلہ ہلکا رہے گا اور کفر کا پتہ بھاری رہے گا بلکہ وہی رہے گا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تولے بغیر ہی انہیں جہنم میں جانے کا حکم دے دیا جائے گا اس لیے کہ اعمال کا تولنا اس لیے ہوتا ہے کہ نیکیوں اور بدیوں کی مقدار الگ الگ معلوم ہو جائے اور جن کے پاس سوائے کفریات اور سیئات کے کچھ نہ ہو تو تولنے کی کیا ضرورت ہے ایسے لوگ تو بغیر وزن ہی کے دوزخ کے مستحق ہیں۔ اس تقدیر پر میزان اعمال صرف ایمانداروں کے لیے ہوگی مگر صحیح قول وہ ہے جو پہلے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن مؤمن اور کافر سب کے اعمال کا وزن ہوگا جس سے مقصود عدل و انصاف کا ظاہر کرنا ہوگا اور لوگوں کی حجت اور معذرت کو قطع کرنا ہوگا کافروں کے اعمال بھی میزان اعمال میں تولنے کے لیے رکھے جائیں گے مگر ان کا کوئی وزن اور ثقل نہ ہوگا لقولہ تعالیٰ وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ الْآیہ۔ یعنی ان کے اعمال کا اکارت ہونا اور ان کا بے وزن ہونا یہ ان کی سزا ہے یعنی جہنم ان کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کا اور ہمارے رسولوں کا مذاق اڑایا لہذا اب اس کفر اور استہزاء کا مزہ چکھو۔ اب ان کے مقابلہ میں اہل ایمان اور اہل اخلاص کا حال بیان کرتے ہیں۔

تحقیق جو لوگ ہماری آیتوں اور ہمارے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے مطابق انہوں نے نیک کام کیے تو ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی ان کو نکالے گا اور نہ وہاں سے اکتا کر جگہ بدلنا چاہیں گے۔ بعض مرتبہ انسان ایک جگہ طویل قیام سے اکتا جاتا ہے ان لوگوں کو ہر دم تازہ نعمتیں ملیں گی اس لیے کبھی اس بات کی خواہش نہ کریں گے کہ ہم کو یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے۔ اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے علوم کا غیر محدود اور لامتناہی ہونا بیان کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے اگر سمندر میرے پروردگار کے علم و حکمت کی باتوں کے لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے جس سے خدا کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ یعنی خدا تعالیٰ کے کلمات حکمت لکھنے کے لیے سمندر بھی کافی نہیں۔ اگرچہ ہم ویسا ہی سمندر اور اس کی مدد کیلئے آویں۔ سمندر کے سمندر ختم ہو جائیں گے مگر حق تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات حکمت غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

شان نزول یہود نے ایک مرتبہ مسلمانوں سے کہا کہ تم قرآن میں پڑھتے ہو وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ خیر کثیر دی گئی نیز تم یہ بھی پڑھتے ہو وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا یعنی تم کو جو علم دیا گیا وہ قلیل ہے یہ دونوں باتیں جمع کیسے ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ خود اس بات کے مقرر ہیں کہ ہم کو توریت دی گئی جو کتاب حکمت ہے اور حکمت خیر کثیر ہے تو پھر یہ کیسے کہا گیا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ توریت اگرچہ خیر کثیر ہے لیکن اللہ کے کلمات حکمت کے مقابلہ میں قلیل ہے تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے دریائے علم کے سامنے ایک قطرہ ہے بلکہ یہ بھی نہیں اللہ کا علم قدیم اور غیر متناہی ہے اور مخلوق کا علم حادث اور متناہی ہے۔

علم ہا از بحر علمش قطرہ
گر کسے در علم صد لقمان بود
ایں چوں خورشید است و آنہا ذرہ
پیش علم کا ملش ناداں بود

اور اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا آدمی ہوں فرشتہ نہیں اور غیب سے واقف نہیں البتہ اللہ کا نبی ہوں اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے اور تمہارے سوال پر جو میں نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بیان کیا سو اللہ نے مجھ کو بذریعہ وحی کے اس پر مطلع کیا۔ منجملہ دلائل نبوت۔ یہ بھی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے لہذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک سے توبہ کرو اللہ کی طرف سے میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اس کا بندہ ہوں۔ عبدیت اور بشریت میں تمہارے ساتھ شریک ہوں مگر نبوت اور رسالت کے اعتبار سے سب سے بلند اور برتر ہوں حتیٰ کہ جبرائیل اور میکائیل بھی میرے وزیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے ظاہری طور پر میں تمہاری طرح بشر ہوں اور مخلوق ہوں مگر باطنی طور پر متعلق باخلاق الہی ہوں اور اندازہً بشری سے

خارج ہوں۔ نصاریٰ کی طرح میری توصیف میں مبالغہ مت کر دو کہ مقام نبوت کو مقام الوہیت کے ساتھ ملا دو
خدا ہے میں اس کا بندہ ہوں لہذا تم صرف اس کو پُجو اور مجھ کو صرف اس کا بنی مانو میں تم کو اس کا حکم سناتا
ہوں سو جس شخص کو اپنے پروردگار سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا اور خوشنودی اس کو مقصود ہو تو
اس کو چاہیے کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور اس کی شریعت کے مطابق کچھ نیک کام کرے جس
سے صرف خدا تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے اگرچہ وہ
مشرک کتنا ہی صغیر اور خفی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ الوسع ہر قسم کے شرک سے بچنا رہے ظاہراً اور باطناً کسی درجہ میں بھی
کسی کو اللہ کی عبادت میں شریک نہ کرے اور کوئی عمل کسی کو دکھانے اور سنانے کے لیے بناوٹ سے نہ کرے
اس لیے کہ ربا چھوٹا شرک ہے اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔

کلیدِ دوزخ است آن نماز کہ در چشم مردم گذاری دراز
شُرک کی دو قسمیں ہیں ایک شرک جلی اور ایک شرک خفی۔ شرک جلی یہ ہے کہ آدمی خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں کسی کو شریک کرے اور شرک خفی یہ ہے کہ نمود اور شہرت کے لیے کام کرے اور بعض مرتبہ وہ شرک اس قدر خفی ہوتا ہے کہ اندھیری رات میں کوہ صفا پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اور جو کام خالص اللہ کے لیے ہو اور غیر اللہ کا اس میں شائبہ نہ ہو وہ اخلاص ہے۔ ع

چہیت اخلاص آنکہ از غیر خدا
حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔
عبادت باخلاص نیت نکو است
وگر نہ چہ آید ز بے مغز یوست
چہ ز نار مغ در میانست چہ دلق
کہ در پوشی از بہر پندار خلق
بروئے ریا خرقتہ سہلست ددخت
گوش با خدا در توانی فروخت
فرد آئی در خلاء در ملا

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَشْرَكَ بِكَ شَيْئًا وَإِنَّا أَعْلَمُ بِهِ، وَاسْتَغْفِرُكَ
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ————— نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الرِّيَاءِ فِي الْعَمَلِ
وَنَعْتَصِمُ بِهِ مِنْ وَقُوعِ الزَّلِيلِ ————— آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۹ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۸۹ھ۔ یوم پنجشنبہ قبل از مغرب سورۃ کہف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وِظَاهِرًا وِبَاطِنًا وَاٰخِرُ بَرَكَاتٍ
مُسْتَدْنًا مَحْمَدًا وَاٰلَهُ وَاَصْحَابَهُ اٰجَمِيْنَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمُ - يَا اَرْحَمَ
الرَّحِمِيْنَ وَيَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ .

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ مریم (علیہا السلام)

یہ سورۃ مکی ہے اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اور اس سورۃ کا نام سورۃ مریم ہے کیونکہ اس سورۃ میں حضرت مریم صدیقہ کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس لیے یہ سورت انہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب صحابہ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشیؓ سے ملے تو بادشاہ نے جعفر بن ابی طالب سے کہا کہ تمہارا رسول جو کچھ لایا ہے اس میں سے جو تمہارے پاس ہے مجھے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے اس سورت کی شروع کی آیتیں پڑھیں نجاشیؓ اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور اساقفہ یعنی علماء اہل کتاب اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ بھیگ گئیں۔ نجاشیؓ نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوٰۃ کے نور ہیں۔ (رواہ احمد والبیہقی وابن ابی حاتم)

نجاشیؓ صدق دل سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور جب اس کا انتقال ہو گیا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ عرصہ تک اس کی قبر پر نور دیکھا گیا۔

فائدہ متعلقہ بہ نماز جنازہ غائبانہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوا کہ آپؐ نے سوائے نجاشیؓ کے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہو۔ سو یہ نجاشیؓ کی خصوصیت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بطور معجزہ نجاشیؓ کا جنازہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

لہ عن عمران بن حصینؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی تو فی فقوموا صلوا علیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصفوا خلفہ فکبراربعاء وہم لا یظنون الا ان جنازۃ بین یدیہ رواہ ابن حبان کذا فی نصب الدایۃ فی روایۃ فصلینا خلفہ ونحن لانری الا ان الجنازۃ قد امنک۔ کذا فی فتح الباری صفحہ ۱۵۱ ج ۳

اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ (ربط) گزشتہ سورت میں عجیب عجیب واقعات کا ذکر تھا اس سورت میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ اس سورت میں سب سے پہلے حضرت زکریاؑ کی دعا اور حضرت یحییٰؑ کی ولادت کا قصہ ذکر فرمایا اس کے بعد دیگر انبیاء کرامؑ کے واقعات ذکر کیے جن سے توحید اور رسالت اور مہدائے اور معاد کا ثبات مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھ لو کہ خدا پرستوں پر دنیا میں کیسی رحمتیں اور کیسی نعمتیں مہذول ہوئیں اور کس طرح حق تعالیٰ نے اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی دستگیری فرمائی اور آخرت کی نعمتیں تو وہم و گمان اور تصور سے بالا اور برتر ہیں۔ دیکھ لو کہ خدا کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں ان کے نقش قدم پر چلو۔

آیاتہا ۹۸ : ۱۹ : سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعَاتُهَا ۶

سورہ مریم مکی ہے اور اس میں اٹھانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

كَهَيْعَصَ ۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۲ اِذْ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی مہر کا، اپنے بندے زکریا پر۔ جب

نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ

پکارا اپنے رب کو چھپی پکار - بولا اے رب میرے! بوڑھی ہو گئیں

مِیْ وَاشْتَغَلَ الرَّاسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ

بڈیاں اور ڈیگ نکلی سر سے بڑھاپے کی اور تجھ سے مانگ کر اے رب!

شَقِيًّا ۴ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیْ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتْ

میں محروم نہیں رہا۔ اور میں ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت

اَمْرًاۤیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۵ یَّرِثُنِیْ وَ

میری بانجھ ہے، سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانیوالا۔ جو میری جگہ

يَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کے اور کر اس کو اے رب! من مانتا -

يُزَكِّرُنَا إِنَّا بُدِّشِرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ

اے زکریا ہم تجھ کو خوشی سناویں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ - نہیں کیا ہم نے

لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنِّىْ يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ

پہلے اس نام کا کوئی! بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو لڑکا

وَكَانَتْ اَمْرًا لِّيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ

عَتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هَيِّئٍ وَّ قَدْ

اکڑ گیا - کہایوں ہی! فرمایا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨ قَالَ رَبِّ

تجھ کو بنایا میں نے پہلے سے، اور تو نہ تھا کچھ چیز - بولا اے رب

اجْعَلْ لِّيْ اٰیَةً ط قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ

ٹھہرا دے مجھ کو کچھ نشانی، فرمایا تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین

لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى

رات تک چنگا بھلا - پھر نکلا اپنے لوگوں پاس جڑے سے تو اشارت

اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ⑪ يٰحْيٰى خُذِ

اے کہا ان کو کہ یاد کرو صبح و شام - اے یحییٰ اٹھالے

الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَاتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ⑫ وَحَنَانًا

کتاب زور سے، اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکپن میں - اور شوق دیا

مَنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً طَوْفًا كَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

اپنی طرف سے اور ستھرائی ، اور تھا پرہیزگار ۔ اور نیکی کرتا اپنے ماں باپ

وَلَكُمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ

سے اور نہ تھا زبردست بے حکم ۔ اور سلام ہے اس پر جس دن پیدا ہوا

وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵

اور جس دن مرے اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو جی کر ۔

قصہ اول حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہما السلام

قال تعالیٰ: كَهَيْعَصَ، ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَہُ زَكَرِيَّا... الخ... وَيَوْمَ يُرْبَعُ حَيًّا۔
(رابط) حضرت زکریا علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ نجار (یعنی بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے کما کر کھاتے تھے ان کے کوئی فرزند نہ تھا اور اعزاء اور اقرباء کی طرف سے یہ کھٹکاتھا کہ میرے بعد دین حق میں تغیر و تبدل کر ڈالیں گے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا رہا۔ اس لیے انہوں نے پچھلی رات میں نہایت عجز و زاری کے ساتھ ایک فرزند کی دعا مانگی کہ جو میرے بعد تیرے دین کی حفاظت کر سکے اور دعا کا آغاز اپنے ضعف اور ناتوانی سے کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ ذٰہِنٌ الْعَظْمُ مِنِّیْ الخ لے میرے پروردگار میں بوڑھا ہو گیا۔ ہڈیاں کمزور ہو گئیں۔ اور سر کے بال سپید ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ کیونکہ بارگاہ خداوندی میں ضعف اور لاچارگی کا اظہار اجابت دعا کا بہترین ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: كَهَيْعَصَ اللہ تعالیٰ ہی کو اس کے معنی معلوم ہیں۔ یہ تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی خاص رحمت و عنایت کا اپنے خاص بندے زکریا پر جس وقت کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو آہستہ آواز کے ساتھ پکارا جو درد مندی اور نیاز مندی اور اخلاص سے معمور تھی۔ اس وقت جو اللہ کی خاص رحمت اور عنایت ان پر مبذول ہوئی ان آیات میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور پست آواز سے دعا اس لیے فرمائی کہ دعا کا ادب یہی ہے کہ وہ پست آواز سے ہو۔

كما قال تعالیٰ: اَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کیونکہ خدا تعالیٰ کے ہاں جہر اور اخفاء سب برابر ہیں۔ كما قال تعالیٰ: وَاِنْ تَجَاهَدْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ الْخُفْيَ اور شاید لوگوں سے اس دعا کا چھپانا مقصود ہو کہ لوگ یہ دعائیں کر مجھ کو احمق نہ بتلائیں کہ بڑھاپے میں کیا ہو گیا کہ اولاد کی دعا مانگ رہے ہیں اور وہ دعایہ کی کہ اے میرے پروردگار بڑھاپے کی وجہ سے میری ہڈیاں کمزور اور رست

ہو گئیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے آگ کی طرح چمک اٹھا اور میری یہ حالت اگرچہ اولاد کی دعا سے مانع ہے۔ مگر اے پروردگار آپ سے دعا مانگنے میں کبھی محروم اور بے ہرہ نہیں رہا۔ آپ کی یہ گزشتہ الطاف و عنایات باوجود ظاہری اسباب کے فقدان کے مجھے دعا پر آمادہ کرتی ہیں اور میری یہ دعا کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں جس میں یہ امکان اور احتمال ہو کہ انبیاء اور اصفیاء کی جو دعا کسی دنیوی غرض کے لیے ہو وہ بعض مرتبہ قبول نہیں ہوتی بلکہ میری یہ دعا خالص دینی غرض کے لیے ہے اور اس درخواست کی اصل وجہ یہ ہے کہ تحقیق میں اپنے مرنے کے بعد اپنے وارثوں اور رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں کہ وہ دین کی حفاظت میں اور اس کے قائم رکھنے میں سستی کریں یا دنیا میں پھنس کر دین کو خراب کریں اور تیری مرضی کے مطابق دین کی خدمت نہ بجالا سکیں۔ اے پروردگار تیرے دین کی خدمت اور حفاظت کا خیال مجھے اسی دعا پر آمادہ کر رہا ہے اور میری بیوی تو شروع جوانی ہی سے بانجھ ہے۔ اور اب تو اٹھانوے برس کی بڑھیل ہے ظاہر اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ پس اے پروردگار ایسی حالت میں تو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے بلا اسباب عادیہ کے ایک ایسا وارث یعنی ایسا بیٹا عطا کر جو علم و حکمت میں میرا بھی وارث ہو اور مرنے کے بعد میرا قائم مقام ہو اور میرے طریقہ ہدایت و ارشاد کو جاری رکھ سکے۔ اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو یعنی خاندان یعقوب کا سچا جانشین ہو اور تیرے دین کا پاس بان اور نگہبان ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار ایسا فرزند عطا فرما جو میرے علم کا اور آباء و اجداد کے علم کا وارث ہو اور اے پروردگار میرے اس فرزند کو مقبول اور پسندیدہ بنالے۔ جس سے تو بھی راضی ہو اور مخلوق بھی اس سے راضی ہو۔ یعنی ایسا فرزند عطا فرما کہ جو علم و حکمت کے ساتھ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے ساتھ بھی موصوف ہو تاکہ وہ تیرے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہو سکے۔ اور اولاد یعقوب کیلئے تو نے جس کرامت اور برکت کا وعدہ کیا ہے وہ اس کا وارث ہو سکے۔ اے پروردگار اہل دنیا کی طرح مطلق فرزند کا طلب گار نہیں بلکہ ایسے وارث کا آرزو مند ہوں جو تیرے نزدیک پسندیدہ اور برگزیدہ ہو اور تیرے دین کی حفاظت کرے۔

شیعہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری ہوتی ہے مگر ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے اس لیے کہ اس آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ علم و حکمت کی وراثت مراد ہے۔ ۱۔ کیونکہ اس وقت یعقوب علیہ السلام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود تھی۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت زکریا کے ایک فرزند تنہا تمام اولاد یعقوب کے اموال و املاک کے وارث بن جائیں۔ حضرت یعقوب کو انتقال کیے ہوئے دو ہزار برس سے زیادہ گزر چکے تھے۔ کیا وہ مال اب تک بجنسہ غیر منقسم رکھا ہوا تھا۔

۲۔ نیز مال کی وراثت کی دعا کہ نافضول ہے ہر لڑکا اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی ہے لہذا

یَرِثُنِیْ کہنا بے کار اور لغو ہوا۔ معلوم ہوا کہ مال کی وراثت مراد نہیں۔

۳۔ نیز حضرت زکریاؑ تو نجار تھے جیسا کہ حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ جس سے وہ محنت کر کے روزانہ اپنی قوت لایموت حاصل کرتے تھے۔ ان کے پاس کون سا مال و دولت رکھا تھا جس کی وہ فکر میں تھے کہ میرے بعد اس دولت کا کون وارث ہوگا۔ یہ فکر تو دنیا داروں کو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد میرے مال کا کیا ہوگا۔

۴۔ مال کے وارث ہونے کے لیے اللہ سے بیٹا مانگنا شانِ نبوت کے بالکل منافی ہے مالی وراثت کی فکر تو دنیا داروں کو ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارا مال و دولت فرزند کو مل جائے۔ اور اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ کَمَالِ بَیْقَرَارِیْ دُبے تابی پر دلالت کرتا ہے کہ تولدِ فرزند کے لیے اس لیے بیتاب ہیں کہ بنی اعمام ان کے مال کے وارث نہ ہو جائیں تو یہ شانِ تو دنیا داروں کی ہے نہ کہ انبیاءؑ کی۔

۵۔ نیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاءؑ کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ انبیاء کرامؑ جو چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ اور وقف ہوتا ہے اور اس قسم کی روایت شیعوں کی کلینی میں بھی موجود ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں میراثِ نبوت مراد ہے مال کی وراثت مراد نہیں جیسا کہ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ ذَاؤِ دَیْنِ میراث سے میراثِ نبوت مراد ہے کہ جو داؤدؑ کی اولاد میں سے صرف سلیمان علیہ السلام کو ملی کیونکہ اگر میراث مالی مراد ہوتی تو تمام اولاد میں سے سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت تھی۔ نیز اس خبر دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے کہ تمام ملتوں اور شریعتوں میں یہ بات معلوم اور مقرر ہے کہ مال میں بیٹا باپ کا وارث ہوتا ہے۔ پس اگر وراثت مالی مراد ہوتی تو اس خبر دینے کی ضرورت نہ تھی اس کی خبر دینا لغو ہے اور کلام الہی لغو سے پاک ہے۔

وراثتِ انبیاءؑ کے مسئلہ کی تفصیل سورۃ نساء کے شروع میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے اور لفظِ وراثت اور میراث۔ مالی وراثت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کتاب و سنت میں میراثِ علمی پر بھی اس لفظ کا اطلاق بکثرت آیا ہے۔ جیسے آیت تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِ هُمْ خَلْفٌ ذُرِّیُّوْا اَلْکِتَابِ اور آیت ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفٰیْنَا میں وراثتِ علمی مراد ہے۔ وراثت کے اصلی معنی قائم مقام اور تسلط ہونے کے ہیں اور اس کے لیے مال لازم نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْهَا۔ وَ نَحْنُ الْوَارِثُوْنَ۔ خَیْرِ الْوَارِثِیْنَ۔ اس آیت میں میراثِ مالی کا مراد لینا ناممکن اور محال ہے بلکہ تسلط اور تصرف کے معنی مراد ہیں۔

حق جل شانہ کا یہ ارشاد ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِیْنَ اصْطَفٰیْنَا جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے وارث بنایا اپنی کتاب کا ان بندوں کو جن کو ہم نے چھانت لیا۔ اس جگہ وراثت مالی کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِ هُمْ خَلْفٌ ذُرِّیُّوْا اَلْکِتَابِ یہاں بھی وراثتِ کتاب سے علم کتاب کی وراثت مراد ہے۔ نیز اول آیت میں بَعْدِ عِبَادِنَا کے۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِیْهِ ۚ

وارد ہے اور دوسری آیت میں بعد کتاب کے یَا خُذُوا عَزْوَا لَآذِنِیْ وارد ہوا ہے۔ سو فَمِنْهُمْ کی تفریع سے ظاہر ہے کہ عطاۃ کتاب کے بعد لوگ تین حال پر ہو گئے کوئی ظالم رہا اور کوئی مقتصد اور کوئی سابق بالخیر۔

سو یہ تفریع کتاب کی وراثت علمی پر ہے نہ کہ اوراق کتاب اور اس کی قیمت پر شیعوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ لفظ وراثت دراصل وراثت مال کے لیے وضع ہوا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ وراثت کا اطلاق وراثت علم اور وراثت منصب اور وراثت تولیت اور وراثت خلافت بمعنی قائم مقامی و تسلط سب پر شائع اور ذائع ہے۔ قَالَ تَعَالٰی وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَظَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبِهَا الَّتِیْ بَارَکْنَا فِیْهَا اِس کتاب میں بنی اسرائیل کا قوم فرعون کا وارث ہونا یعنی ان کے ہلاک اور غرقابی کے بعد ان کا قائم مقام ہونا مراد ہے۔ مالی وراثت مراد نہیں مسلمان کا فر کا وارث نہیں ہوتا اور علیٰ ہذا القیاس اِنَّ الْاَرْضَ رِضْوٰی رَبِّہِ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ یہاں وراثت ارضی سے ان کا قائم مقام بنانا مراد ہے اور تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا سو اس آیت میں جنت کی وراثت سے قائم مقام ہونے کے معنی مراد نہیں بلکہ اہل ایمان کو حاوی اور مسلط کر دینے کے معنی مراد ہیں۔ اور حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء شیعوں کے نزدیک بھی مسلم ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وراثت سے علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے اور علیٰ ہذا وَ وَرِثَ مُسْلِمًا دَاوُدَ میں۔ علم و نبوت اور کمالات نفسانی کی وراثت مراد ہے۔

وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔ سب کے سب باپ کے وارث ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان کی وراثت کا ذکر فرمایا۔ وہ وراثت علم و نبوت ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے۔

حق تعالیٰ نے بواسطہ فرشتہ کے فرمایا اے زکریا ہم نے تمہاری دعا قبول کی ہم تجھ کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے کوئی ان کا ہمنام یا ہم صفت نہیں پیدا کیا۔ یعنی اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی کا نہیں رکھا یا یہ معنی ہیں کہ اس سے پہلے ہم نے اس صفت اور شان کا نہیں بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ صفت عفت اور پاکدامنی اور نزاہت میں ان کا مثل نہیں بنایا یعنی ان کی طبیعت کو عورتوں کی طرف نفسانی اور طبعی میدان سے پاک کر دیا۔

زکریا علیہ السلام نے جب یہ عظیم بشارت سنی تو فرط مسرت سے بطور تعجب عرض کیا اے میرے پروردگار میرے کہاں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیا میں جوان بنا دیا جاؤں گا۔ یا اسی بڑھاپے کی حالت میں بچہ ہوگا۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جب یہ عظیم بشارت ملی تو فرط مسرت سے مزید طمانینت کے لیے اور استلذاذ کے طور پر اس کے متعلق سوالات شروع کیے کہ کیسے ہوگا۔ اور کس طرح ہوگا۔ اور میری عورت تو مشروع ہی سے بانجھ ہے۔ اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ معلوم نہیں کہ بحالت موجودہ کس

طرح اولاد ہوگی۔

فرشتہ نے زکریا علیہ السلام کو جواب دیا کہ تعجب مت کرو۔ اسی طرح ہوگا۔ اور بحالت موجودہ تمہارے بیٹا ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور تحقیق اس سے پہلے میں تجھ کو پیدا کر چکا ہوں اور تو اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھا۔ پس جو خدا عدم محض سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسے بڑھاپے میں لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اختیار ہے کہ جس عمر میں چاہے اولاد عطا فرمادے۔ کسی خاص عمر میں اولاد کا پیدا ہونا مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے وہ تو بغیر ماں باپ کے بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ بوڑھے ماں باپ سے اولاد پیدا کرنا اسے کیا مشکل ہے۔

زکریا علیہ السلام کو جب اطمینان ہو گیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس وعدہ پر میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔ لیکن میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے جو تیری بشارت کی آمد کی علامت ہو جس سے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدہ کے ظہور کا وقت اب قریب آگیا ہے تاکہ تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن اور تین رات لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔ حالانکہ تو بھلا چنگا صحیح اور تندرست ہوگا۔ یعنی بات نہ کر سکا۔ کسی مرض اور عذر کی وجہ سے نہ ہوگا۔ بلکہ وہ حمل اور ولادت کی علامت ہوگی۔ یعنی باوجودیکہ تو نہ گونگا ہوگا اور نہ تیری زبان میں کوئی نقص اور عیب ہوگا۔ تو بلا کسی مرض اور علت کے تین رات تک ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے گا۔ تیری زبان بالکل بند ہو جائے گی اور تو لوگوں سے اشارے سے بات کر سکے گا۔ مگر باوجود اس کے اللہ کے ذکر پر تجھے قدرت ہوگی۔ اور یہ تیری عورت کے حمل کی نشانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ کے ذکر میں تو زکریا کی زبان چلتی مگر جب لوگوں سے کچھ کہنا چاہتے تو بند ہو جاتی۔ تین دن اور تین رات برابر یہی کیفیت رہی جب لوگوں سے بات کرتے تو اشارہ سے بات کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

پس جب وہ وقت آیا تو زکریا علیہ السلام مسجد کی محراب سے اپنی قوم کے سامنے برآمد ہوئے اور زبان گفتگو سے رک گئی سمجھ گئے کہ بشارت کا وقت قریب آگیا۔ باہر لوگ منتظر تھے دیکھا کہ چہرہ متغیر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے نبی اللہ تم کو کیا ہوا۔ تو اس وقت اپنی قوم کو آہستہ اشارہ سے بتایا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح پڑھا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ حسب سابق اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہو یا یہ مطلب ہے کہ اس جدید نعمت کے شکر میں مزید تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جاؤ۔ میں بھی اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول ہوں سب کو چاہیئے کہ میرے ساتھ مل کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں۔

غرض یہ کہ ہم نے حسب وعدہ اور حسب بشارت زکریا علیہ السلام کو ایک فرزند عطا کیا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ اور جب یحییٰ پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ہم نے ان سے کہا اے یحییٰ کتاب تورات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ یعنی اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرو اور ہم نے اس کو لڑکپن ہی سے فہم و دانش اور علم اور فراست صادقہ اور معرفت کاملہ دی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بچپن میں لڑکوں

نے آپ کو کھیلنے کے لیے بلایا۔ تو آپ نے یہ کہا کہ ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حکم سے حلم اور وقار اور سکون کے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یحییٰ علیہ السلام کو ہم نے بچپن ہی سے علم و حکمت عطا کیا تھا۔ تاکہ وہ احکام شریعت کو خوب سمجھ سکیں یہ ایک صفت ہوئی۔ اور دوسری صفت یحییٰ کو یہ عطا ہوئی کہ ہم نے اپنے پاس سے ان کو شفقت اور نرم دلی عطا کی یعنی بڑے رقیق القلب تھے۔ لوگوں پر شفقت فرماتے اور جب نماز پڑھتے تو زار و قطار روتے اور تیسری صفت ان کو یہ عطا کی کہ ان کو پاکیزگی اور پاک دلی عطا کی۔ زکوٰۃ سے طہارت قلب مراد ہے کہ دل گناہوں کے میدان سے پاک ہو جائے اور بعض کہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے عمل صالح مراد ہے۔ اور چوتھی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ طبعی اور جبلی طور پر ہمیز گار تھے خوف خداوندی کبھی ان کے دل سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اور پانچویں صفت ان کی یہ تھی کہ وہ اپنے والدین کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اللہ پاک کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں کما قال تعالیٰ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا لِي ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا اور چھٹی صفت ان کی یہ تھی کہ وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ یعنی تکبر اور نافرمانی کے شائبہ سے بھی پاک تھے۔ اور ساتویں صفت جو ان کو عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ ان پر اللہ کا سلام ہے۔ اور اس کی سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا۔ اور جس دن اٹھایا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اول تا آخر اللہ کی حفاظت میں محفوظ و مامون رہیں گے۔ اللہ کا سلام حضرت یحییٰ کے طرفین حیات کو محیط ہے۔ جو ان کی فضیلت کی خاص دلیل ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ پر تین سلام ذکر فرمائے۔ پہلا سلام تو سلام تربیت ہے اور دوسرا سلام، سلام عصمت ہے۔ اور تیسرا سلام، سلام فضل و مشاہدہ ہے۔

نتیجہ یحییٰ علیہ السلام بالاتفاق شہید ہوئے۔ یہود نے ان کو قتل کیا اور زکریا علیہ السلام کی وفات کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا وہ طبعی موت سے مرے۔ یا وہ بھی شہید ہوئے۔ دھبہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہود نے جب یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو زکریا علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی قتل کریں۔ زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو بھاگے۔ اور ایک درخت کے شکاف میں داخل ہو گئے۔ یہود نے آکر اس درخت پر آرا چلا دیا اور درخت کے ساتھ ان کے دو مکڑے کر دیئے زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور اُن تک نہ کی۔ (البدایہ والنہایہ ص ۵۱۴)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ

اور مذکور کر کتاب میں مریم کا۔ جب کنارے ہوئی اپنے

أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

لوگوں سے ایک شرقی مکان میں۔ پھر پکڑ لیا اُن سے

دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا

درے ایک پردہ - پھر بھیجا ہم نے اس پاس اپنا فرشتہ

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۙ ۱۷ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ

پھر بن آیا اس کے آگے آدمی پورا - بولی مجھ کو رحمن کی پناہ

مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۙ ۱۸ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ

تجھ سے اگر تو ڈر رکھتا ہے - بولا میں تو بھیجا ہوں تیرے رب کا -

لَا هَبَ لَكَ غُلَامًا زَكِيًّا ۙ ۱۹ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ

کہ دے جاؤں تجھ کو ایک لڑکا ستھرا - بولی کہاں سے ہو گا لڑکا ،

وَلَمْ يَمَسَّ سِنِيَّ بِشَرٍّ ۖ وَلَمْ أَكُ بِغِيًّا ۙ ۲۰ قَالَ كَذَلِكَ

اور چھوا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہ تھی - بولا بیوہی فرمایا

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْئٍ ۖ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَ

تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور اس کو ہم کیا چاہیں لوگوں کو نشانی، اور

رَحْمَةً مِّنَّا ۖ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۙ ۲۱ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ

مہر ہماری طرف سے - اور ہے یہ کام ٹھہر چکا - پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر کنارے

بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۙ ۲۲ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ

ہوئی اس کو لے کر ایک پر سے مکان میں - پھر لے آیا اُس کو جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ

النَّخْلَةِ ۖ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا

میں - بولی کسی طرح میں مر چکتی اس سے پہلے اور ہو جاتی

مِّنْسِيًّا ۙ ۲۳ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ

بھولی بھری - پھر آواز دی اس کو اس کے نیچے سے کہ غم نہ کھا کر دیا تیرے

رَبِّكَ تَحْتَكَ سِرِّيًّا ۚ وَهَزَيْتَنِي إِلَيْكَ بِجَذَعِ النَّخْلَةِ

رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ - اور ہلا اپنی طرف سے کھجور کی جڑ اس

تُسْقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا ۚ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي

سے گریں گی تجھ پر پکی کھجوریں - اب کھا اور پی اور آنکھ

عَيْنًا فَمَا تَرَيْنِ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ

ٹھنڈی رکھ - سوکھی تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے

لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۚ فَآتَتْ

رحمن کا ایک روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے - پھر لائی

بِهِ قَوْمَهَا تَحِيْلَةً ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا

اس کو اپنے لوگوں پاس گودیں - بولے، اے مریم! تو نے کی یہ چیز

فَرِيًّا ۚ يَا خُتَّ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَ

طوفان - اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ بُرا آدمی اور

مَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ۚ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ

نہ تھی تیری ماں بدکار - پھر ہاتھ سے بتایا اس لڑکے کو - بولے ہم کیونکر

نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي السَّهْدِ صَبِيًّا ۚ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ

بات کریں اس شخص سے کہ وہ ہے گود میں لڑکا - وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا -

أَتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۚ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا آيِنَ

مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو نبی کیا - اور بنایا مجھ کو برکت والا جس

مَا كُنْتُ وَأَوْصِنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ

جگہ میں ہوں - اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں

حَيًّا ۳۱ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَكَمْ يَجْعَلُنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۳۲

جیتا ۔ اور سلوک والا اپنی ماں سے اور نہیں بنایا مجھ کو زبردست بد بخت ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۳۳

اور سلام ہے مجھ پر، جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں ، اور جس دن

اُبْعَثُ حَيًّا ۳۳

کھڑا ہوں جی کر ۔

قصہ دوم حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام

قال تعالیٰ - وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ --- الی --- وَكَيَْوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا (ربط، حق تعالیٰ نے گزشتہ رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ بحالت پیری ایک پیرناواں اور ایک بانجھ اور بوڑھی بیوی سے بلا سبب ظاہری ایک مبارک فرزند یعنی یحییٰ علیہ السلام کا تولد ہوا۔ اب اس سے زیادہ عجیب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ اس لیے کہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونا اگرچہ عجیب ہے۔ مگر والدین سے بچہ کا پیدا ہونا عادتاً قریب الی العقل ہے اور بغیر باپ کے محض ماں سے بچہ پیدا ہونا بہت ہی عجیب و غریب ہے جو اللہ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بغیر باپ کے بھی بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے ولادت خواہ کسی طرح ہو وہ کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء پر موقوف نہیں۔ صرف اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے جس طرح چاہے پیدا کرے اور کوئی مولود معبود نہیں ہو سکتا۔ حق جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کی تردید اور اصلاح کے لیے بیان فرمایا اس لیے کہ یہود تو حضرت مسیح بن مریمؑ کو معاذ اللہ ولد الزنا بتاتے تھے اور نصاریٰ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بتلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ولادت کی مفصل کیفیت بیان کی تاکہ خوب واضح ہو جائے کہ یہ مولود مسعود اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت کی نشانی ہے۔ معاذ اللہ ولد الزنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود مسعود کو خلاف عادت محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مبارک مولود قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے معبود نہیں چنانچہ اس مولود مسعود نے پیدا ہونے کے بعد جو پہلا کلام کیا سب سے پہلے اپنی عبدیت کا اقرار کیا۔

قَالَ اِنِّیْ تَعَبَّدُ اللّٰہَ اور اس کے بعد اپنی صفات بیان کیں جن میں اپنی نبوت کا اور اپنی برکت کا اور اپنی عبادت کا یعنی نماز اور زکوٰۃ کا اور اپنی تواضع اور اطاعت کا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوپر سلامتی کا ذکر فرمایا تاکہ سننے والے سن لیں کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور جو لوگ مجھے بے باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہتے ہیں وہ سب غلط ہے ولادت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔ بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ من جانب اللہ عزت اور کرامت کی دلیل ہے۔ اور پھر شیرخوارگی کی حالت میں اپنے معجزانہ کلام کو وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَوْمَ وُلِدْتَ وَ یَوْمَ اُمِّیْتُ وَ یَوْمَ اُرْبُعْتُ پر ختم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام تہمتوں اور عیبوں سے سلامتی عطا فرمائی ہے۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح بن مریمؑ خدا نہیں کیونکہ خدا کو کسی کی سلامتی کی ضرورت نہیں نیز خدا ولادت اور موت اور بعثت سے پاک اور منزہ ہے۔ اور ان تین وقتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ تین وقت انسان پر بہت سخت اور نازک ہیں۔ ان تین وقتوں میں انسان اللہ کی سلامتی کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی اس سورت میں مریم کا قصہ لوگوں کو پڑھ کر سنائیے۔ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ غسل کے لیے گئیں۔ سو اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس پردہ کی آڑ میں غسل کر سکیں اور کوئی اس پردہ کے اندر نہ آ سکے پس جب غسل کر چکیں اور کپڑے پہن لیے تو اس وقت ہم نے اس کے پاس ایک اپنا فرشتہ یعنی جبریل امینؑ کو بھیجا۔ پس وہ پورا آدمی بن کر مریم کے سامنے نمودار ہوا۔ یعنی حضرت جبریل ایک نہایت حسین و جمیل اور خوبصورت نوجوان کی صورت میں مریم کے سامنے ظاہر ہوئے آدمی کی صورت میں اس لیے نظر آئے تاکہ مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈرے نہیں اور ان کا کلام سنیں اگر فرشتہ کی صورت میں نظر آتے تو مریمؑ ان کو دیکھ کر ڈر جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں۔ اور عجب نہیں کہ اس صورت میں مریم صدیقہؑ کی عفت اور پاک بازی کا امتحان بھی مقصود ہو غرض یہ کہ مریمؑ نے جب غسل خانے میں ایک اجنبی اور بیگانہ آدمی دیکھا تو گھبرا گئیں اور بولیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو مرد متقی ہے۔ تو میں تیرے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ مریمؑ اس کو بشر سمجھ کر گھبرا ئیں اور خدا کا واسطہ دیا کہ سامنے سے ہٹ جائے تو اس وقت جبریل امینؑ نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کیا۔ اور کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں اس سے تم ڈر رہی ہو۔ میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ (بھیجا ہوا) فرشتہ ہوں تاکہ تجھ کو خدا کے حکم سے پاک اور پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مجھ سے ڈرنے اور پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں میں ایسا نہیں جیسا کہ تیرا گمان ہے۔ مریمؑ کو اس کی نورانی صورت سے اور القاء ربانی سے یہ یقین ہو گیا کہ بیشک یہ فرشتہ ہے مگر تعجب ہے کہ بغیر شوہر کے کیسے بچہ ہوگا اس لیے مریمؑ نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا اور مجھ کو تو کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ یعنی میرا کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ تھی میں کبھی بدکار جبریلؑ نے کہا یونہی ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ

تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا کرے گا۔ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ وہ (یعنی بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ اپنی تخلیق و تکوین میں آلات اور مواد اور اسباب کا محتاج نہیں۔ اسے بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنادیں۔ کہ اس کے حال کو دیکھ کر لوگ ہماری قدرت کو پہچانیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی جانب سے اسی بے باپ کے بچہ کو سامانِ رحمت بنائیں جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور قیامت کے دن شفاعت سے بہرہ یاب ہو یہ فائدہ خاص مومنین کے لیے ہے اور آیۃً لِلنَّاسِ یعنی قدرت کی نشانی ہونا یہ سب لوگوں کے واسطے ہے۔ اور اس بچہ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الہی میں طے شدہ امر ہے۔ حضرت مریمؑ فرشتے کی بات سے مطمئن ہو گئیں پھر اس گفتگو کے بعد جبریل امینؑ کے قریب آئے اور ان کے منہ میں یا گریبان میں پھونک ماری پس اسی وقت مریمؑ حاملہ ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سات مہینے حمل رہا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قرارِ حمل اور ولادت سب ایک ہی ساعت میں واقع ہوئے۔

فرشتے عورت کو چھوتے نہیں اس لیے جبریل امینؑ نے مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ قرآن کریم میں نفخ روح کا ذکر ہے۔ مگر اس کی کیفیت کا بیان نہیں۔ اس لیے بیان کیفیت سے سکوت ادلی ہے۔ پس جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے اس حمل کو لے کر کسی درجہ جنگل یا پہاڑ میں چلی گئیں۔ غالباً وہ جگہ بیت لحم ہے۔ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

بیت المقدس میں حضرت مریمؑ کی طرح ایک اور مرد صالح مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جس کا نام یوسف نجار تھا۔ اور وہ حضرت مریمؑ کا چچا زاد بھائی تھا۔ بڑا عابد و زاہد تھا۔ سب سے پہلے مریمؑ کے حمل کا حال یوسف نجار کو معلوم ہوا۔ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ اس عقیضہ اور پاکدامن کو کیا ہوا۔ ایک طرف تو ان کی عفت و برأت و طہارت و نزاہت کا اور ان کی کرامتوں کا خیال آتا اور دوسری طرف آثارِ حمل کو دیکھتا تو متحیر ہوتا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ زبان سے چُپ رہتا مگر اندر ہی اندر طرح طرح کے خیالات آتے بالآخر ایک دن حضرت مریمؑ سے تعریضاً اور کنایتاً یہ سوال کیا۔ اے مریمؑ تیرے بارہ میں میرے دل میں خیال پیدا ہوا ہے میں نے اس کو بہت چھپانا چاہا مگر وہ مجھ پر غالب آیا میں اس کو تجھ پر ظاہر کر کے اپنے دل کو شفا دینا چاہتا ہوں۔ مریمؑ نے کہا، کہو وہ کیا خیال ہے۔

قال هل یكون قط شجر
من غیر حب و هل یكون ذرع من
غیر بذر و هل یكون ولد
یوسف نجار نے کہا اے مریمؑ کیا کوئی درخت
بغیر گٹھلی کے اور کوئی کھیتی بغیر دانہ کے ہو سکتی
ہے اور کیا کوئی فرزند بغیر باپ کے

ہو سکتا ہے۔

من غیر اب۔

مریمؑ اس تعریض اور کنایہ کو سمجھ گئیں اور کہا کہ ہاں کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ خدا نے جب پہلی کھیتی کو پیدا کیا تو بیج کے بغیر پیدا کیا۔ اور پہلے درخت کو اپنی قدرت سے بغیر پانی کے پیدا کیا۔ اس نے اپنی قدرت سے پانی کو درخت کی زندگی کا ذریعہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پیدا کیا اور پھر ایک کو دوسرے کا سبب بنایا کیا تیرا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ بغیر پانی کی مدد کے درخت اگانے پر قادر نہیں۔

یوسفؑ نے کہا میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے۔ تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔

مریمؑ نے کہا کیا تجھے معلوم نہیں کہ تخم اور دانہ کا اور کھیتی کا اور پانی کا اور بارش کا اور درخت کا ایک ہی خالق ہے اور وہ درخت اگانے میں کسی پانی اور دانہ کا محتاج نہیں۔ یوسفؑ نے کہا کیوں نہیں بیشک وہ قادر مطلق ہے۔

پھر مریمؑ نے کہا کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اور اس کی عورت کو بغیر مرد کے اور بغیر عورت کے اور بغیر حمل کے پیدا کیا۔

حضرت مریمؑ کے یہ جوابات سنکر یوسفؑ نے دل مطمئن ہو گیا اور اس کے دل سے تمام شبہات دور ہو گئے۔ اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی امر غیبی ہے جو تہمت اور بدگمانی سے پاک ہے۔ بلکہ کرامت خداوندی ہے جس سے مریمؑ کو عزت دینی مقصود ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی صفحہ ۴۶ ج ۵ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۱۶ ج ۳۔ و تفسیر درمنثور از سورۃ آل عمران صفحہ ۲۴ ج ۱۲۔ و روح المعانی ص ۴۷ ج ۱۶)

پھر جب ولادت کا وقت قریب آیا تو دردِ زہ نے ان کو مضطر اور مجبور کیا کہ وہ کھجور کے تنے سے آکر سہارا لیں یہ درخت جنگل میں تھا اور بالکل خشک ہو گیا تھا۔ جب دردِ زہ شروع ہوا تو مریمؑ چاروں کنارے ایک درخت خرما کے تنے سے سہارا لے کر بیٹھ گئیں۔ پریشانی کا عجیب عالم تھا ایک طرف تو بے مرد سامانی اور دوسری طرف رسوائی اور بدنامی کا خیال اس لیے بولیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے ہی مرجاتی اور بھولی بھلائی ہو جاتی کہ کوئی میرا نام و نشان تک نہ جانتا فیضیت اور رسوائی کے خوف سے مریمؑ نے موت کی تمنا کی۔ شرم اور عار کے خیال نے فرشتوں کی بشارت کو فراموش کر دیا۔ پس اس وقت فرشتے نے مریمؑ کو نیچے کی جانب سے آواز دی کہ تو غم نہ کر اور موت کی تمنا نہ کر تیرے پردرد گارنے غیب سے یکایک تیرے نیچے ایک نہر جاری کر دی ہے اور تیرے کھانے پینے کا سامان کر دیا ہے۔ پینے کے لیے نہر جاری کر دی اور کھانے کے لیے خشک درخت کو میوہ دار کر دیا۔ پہلی مرتبہ جبریلؑ بشارت کے لیے آئے تو مریمؑ کے سامنے آئے اس وقت تسلی کے لیے آئے تو سامنے نہیں آئے بلکہ وادی کے نیچے سے آواز دی مریمؑ اس وقت ایک ٹیلہ پر تھیں۔

اور نیچے جبریلؑ تھے وہاں ایک خشک نہر بھی تھی اللہ نے اپنی قدرت سے اس میں پانی جاری کر دیا اور سوکھے درخت کو ہرا اور سرسبز کر دیا اسی دم اس پر پھل آگئے اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ اے مریمؑ اس کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلا وہ تجھ ہمہ پکی پکی تازہ کھجوریں گرائے گا۔ زچہ کے لیے سب سے زیادہ مفید تر کھجور ہے۔ اطباء نے لکھا ہے کہ عورت کے لیے ایام نفاس میں رطب تازہ کھجور سے بہتر کوئی غذا نہیں الغرض جبریلؑ نے حضرت مریمؑ کی تسلی اور تسکین کے بعد یہ کہا۔ پس اے مریمؑ! تو اس پھل کو کھا اور اس پانی کو پی اور اس فرزند دلبند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جو خدا بلا اسباب ظاہری خشک زمین سے پانی اور خشک درخت سے میوہ پیدا کر سکتا ہے وہ بغیر باپ کے لڑکا پیدا کرنے پر بھی قادر ہے حق تعالیٰ کی ان کرامتوں اور عنایتوں پر نظر کرو اور پریشانی اور غم دل سے نکال دو یکایک پانی کا جاری ہونا یہ تو پینے کا سامان ہوا اور خشک درخت سے یکدم تازہ کھجوروں کا گرنا یہ کھانے کا سامان ہوا۔ یہ تولدت جسمانی ہوئی۔ اور چونکہ پانی اور پھل کا ظہور بطور خرق عادت ہوا۔ اس لیے یہ کرامت لذت روحانی کا سبب بنی۔ پس اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی سے تو ڈر رہی ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر تو اس کے بعد کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا تو تم زبان سے کچھ نہ بولنا بلکہ اشارہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے رحمن کے واسطے ایسے روزہ کی نذر کی ہے۔ جس میں کلام کی ممانعت ہے۔ سو اس وجہ سے میں آج کسی آدمی سے زبان سے بات نہیں کروں گی۔ بنی اسرائیل میں روزہ کی حالت میں بولنا منع تھا ان لوگوں کا روزہ یہ تھا کہ کھانا اور پینا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے فَقُولِي اِنِّي نَذَرْتُ كَامَطْلَبِ يَهِيَ كَهَانَ سَكْحَه بَلَكْہ لوگوں کو اشارہ سے یہ بات سمجھا دینا اِنَّا

قول کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی اشارہ سے۔ غرض یہ کہ فرشتہ کے اس کلام سے حضرت مریمؑ کو تسلی ہو گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر جب مریمؑ کو ان بشارتوں اور کرامتوں سے سکون اور اطمینان ہو گیا تو مریمؑ اس بچہ کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے بیت اللحم سے چلیں اور اپنی قوم کے پاس اس کو لے کر آئیں تو قوم پر یہ بات بہت گراں گزری کہ جب مریمؑ کی کہیں شادی نہیں ہوئی تو یہ بچہ کہاں سے لائی سو کہنے لگے کہ اے مریمؑ یہ تو تو ایک عجیب اور انوکھی چیز لے کر آئی ہے۔ تیرے گھر والوں میں کبھی ایسا امر ہوا ہی نہ تھا۔ اس طرح بچہ کو بر ملا گود میں لے کر آنا بہت ہی شرم کا مقام ہے یہ تو کھلی بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ کوئی بُرا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی یہ اثر تجھ میں کہاں سے آیا۔ سچ بتا کہ کس کا ہے۔ مریمؑ کے باپ کا نام عمران تھا جو مسجد اقصیٰ کے امام تھے اور بڑے عابد و زاہد تھے اور ان کی ماں کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا جن کا قصہ قرآن میں مذکور ہے پس جب تیرے ماں باپ بھائی بدکار نہ تھے تو تو نے یہ نالائق حرکت کیسے کی۔ حدیث میں ہے کہ مریمؑ کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ جن کا زہد اور عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھا۔ اور حضرت مریمؑ کا زہد اور عبادت بھی اپنے بھائی ہارون

جیسا تھا اس بناء پر ان کو اختِ ہارون کہا گیا۔ اور ہارون نام حضرت ہارون پیغمبر کے نام پر رکھا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام پیغمبروں اور صالحین کے نام پر رکھتے تھے۔ جیسا کہ مسلمانوں میں ہزاروں آدمیوں کا نام محمد اور احمد رکھا گیا ہے اور اگر بالفرض ہارون سے مراد برادرِ موسیٰ علیہ السلام ہی ہوں تو بھی محاورہ عرب کے مطابق مریمؑ کو اختِ ہارون کہنا درست ہے۔ کیونکہ مریمؑ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں جیسے تیمی کو یا اخاتمیں اور ہمدانی کو یا آخا ہمدان کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ہے۔ **وَإِذْ كُنَّا أَخَا عَادٍ** اس طرح مریمؑ کو **يَا أُخْتُ هَارُونَ** کہنا صحیح ہے۔

پس مریمؑ علیہا السلام اپنی قوم کی طعن و تشنیع کی یہ باتیں سن کر حسبِ ہدایت خداوندی خاموش ہو گئیں اور کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ کہنا ہو وہ اس سے کہو یہ بچہ تمہیں جواب دے گا تو وہ لوگ برہم ہو کر بولے کہ ہم اس بچہ سے کیسے بات کریں جو ابھی ماں کی گود میں بچہ ہی ہے۔ جب حضرت مریمؑ نے بچہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم اس بچہ سے پوچھ لو تو اور غضبناک ہوئے کہ بجائے شرم کے ہم سے تمسخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شیر خوار بچہ سے پوچھ لو اور کہا جاتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی جھپٹے ہوئے آئے اور بچہ سے کہا کہ اگر تو من جانب اللہ ماور ہے تو اپنی حجت اور حقیقت بیان کر۔ عیسیٰ علیہ السلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بول اٹھے اور کہا کہ میں بلاشبہ اللہ کا بندہ ہوں خدا اور خدا کا بیٹا نہیں۔ الغرض جب حضرت مریمؑ بچہ کو لے کر اپنی قوم میں آئیں تو بنی اسرائیل جمع ہو گئے اور حضرت مریمؑ پر طعن و تشنیع شروع کی اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پی رہے تھے اسی وقت دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں پہلو پر تکیہ لگا کر انگشت شہادت سے ان کی طرف اشارہ کیا اور جواب دینا شروع کیا اور کہا کہ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں (تفسیر قرطبی صفحہ ۱۱۲) اور اپنی ذات کے لیے آٹھ صفیں بیان فرمائیں جن میں تمام خیالات فاسدہ کا رد ہو گیا۔

پہلی صفت۔ عبدیت

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ

یعنی میں اللہ کا خاص بندہ ہوں بطور خرق عادت کے بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں معاذ اللہ ولد الزنا

۱۔ قیل کان المستنطق لعیسیٰ زکریاً۔ (کذا فی البحر المحیط ص ۱۸۷ ج ۷)

وقال الرازی وقیل ان زکریا علیہ السلام اتاہا عند مناظرۃ الیہود ایاہا فقال

لعیسیٰ علیہ السلام انطق بحجتک ان کنت امرت بہا فقال عیسیٰ علیہ السلام عند

ذلک إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ (تفسیر کبیر ص ۸۹)

۲۔ قیل کان عیسیٰ علیہ السلام یرضع فلما سمع کلامہم ترک الرضاعۃ و اقبل علیہم بوجہہ

واتکأ علی یسارہ و اشار الیہم بسابۃ الیمنی وقال إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ (تفسیر قرطبی ص ۱۱۲)

نہیں اور نہ معاذ اللہ میں عین خدا ہوں اور نہ خدا مجھ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ خالق معبود کا ایک جسم نومولود کے ساتھ متحد ہونا بداہتً محال ہے اس لیے کہ معبود قدیم ہے اور جسم نومولود حادث ہے۔ جو ابھی عدم سے وجود میں آیا ہے اور ظاہر ہے کہ قدیم نہ حادث کے ساتھ متحد ہو سکتا ہے اور نہ اس کا عین ہو سکتا ہے اور نہ اس میں حلول کر سکتا ہے۔

۱۔ کیونکہ۔ محل۔ حال کو محیط ہوتا ہے۔ اور اپنے اندر اس کو سمو لیتا ہے۔

۲۔ نیز محل اور ظرف۔ حال اور مظروف سے مقدار میں زیادہ ہوتا ہے۔

۳۔ نیز حال محل کا محتاج بھی ہوتا ہے اور اللہ ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔

عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک جسم حادث اور متغیر۔ قدیم اور واجب الوجود کا محل اور ظرف بن سکے اور اس کو اپنے احاطہ میں لے سکے۔ یا اس کا جز بن سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود اگرچہ اس کلام سے ماں سے تہمت دور کرنا تھا مگر عیسیٰ نے سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے تہمت کو دور کیا کہ کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا اس کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ خدا تعالیٰ پر اہتمام ہے۔ اور وہ اس تہمت سے پاک ہے اسی طرح میری ماں کا حال ہے لوگ اس پر زنا کی تہمت لگا رہے ہیں مگر وہ اس سے بالکل پاک ہے ایسا مبارک اور صاحب کمال بچہ کہیں زنا سے پیدا ہو سکتا ہے اور میری ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ معاذ اللہ خود اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں اس لیے کہ مولود معبود نہیں ہو سکتا لامحالہ عبد ہی ہوگا۔ اور اگر بقول نصاریٰ بطور فرض محال اس بات کو مان لیا جائے کہ ذات خداوندی کے ناسوت کا عیسیٰ میں حلول جائز اور ممکن ہے تو پھر کلمۃ اللہ کا حلول اور دخول زید اور ذات عمر میں بھی جائز ہونا چاہیئے۔ سب کو معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قدیم اور ازلی نہ تھے۔ بلکہ حادث تھے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ پس اگر ایک جسم حادث اور طفل مولود میں خداوند معبود کا حلول اور دخول ممکن ہے تو پھر جسم فرعون اور جسم نمرود میں اور جسم گوسالہ میں معبود کا حلول کیوں محال ہے۔

اور دوسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو کتاب یعنی انجیل دی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مجھ کو کتاب (انجیل) عطا کرے گا جو میری نبوت کی دلیل ہوگی اور نبوت الوہیت کے منافی ہے۔

اور تیسری صفت

یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ یعنی اللہ نے ازل میں فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ کو نبی بنائے گا۔ اور مجھ کو انجیل عطا کرے گا۔ اور چونکہ یہ فیصلہ قطعی ہے۔ ضرور اپنے وقت پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس آنے والے واقعہ کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ اسی وقت اللہ نے ان کو کتاب دے دی اور نبی

کر دیا۔ مگر یہ قول غایت درجہ بعید ہے۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں یہ حکم کر چکا ہے کہ آئندہ چل کر مجھ کو نبوت ملے گی اور مجھ پر انجیل نازل ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی تھا۔ حالانکہ آدمؑ ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔

اور چوتھی صفت

یہ ہے **وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ** یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا ہے جس جگہ بھی ہوں جہاں بھی رہوں اور جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ ہوگی اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں خدا کا مبارک بندہ ہوں۔

اور پانچویں صفت

یہ ہے **وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا** اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں دنیا میں زندہ رہوں۔ اس لیے کہ آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد بندہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں رہتا البتہ قیامت کے قریب جب آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے تو پھر حسب دستور احکام شرعیہ کے مکلف ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جو اس کے حکم کے مطابق اس کے مقررہ وقت پر ادا کی جائے گی اور ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اور عبادت دلیل عبدیت کی ہے۔ اور عبدیت اور الوہیت کا جمع ہونا عقلاً محال ہے۔

اور چھٹی صفت یہ ہے

وَبَرًّا بِوَالِدَيْ

اللہ تعالیٰ نے مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ میں بغیر باپ کے پیدا ہوا ہوں اور میری یہ والدہ عقیقہ اور طاہرہ اور مطہرہ ہے مجھ پر اس کی تعظیم و تکریم واجب ہے۔ بالفرض اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی باپ ہوتے تو خدمت اور احسان میں والدہ کی تخصیص نہ ہوتی بلکہ باپ کا بھی ذکر ہوتا جیسا کہ حضرت یحییٰؑ کے قصہ میں فرمایا **وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ** یعنی یحییٰ علیہ السلام اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور اپنی والدہ کی خدمت اور اطاعت دلیل عبدیت کی ہے۔

اور ساتویں صفت یہ ہے

وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا

اللہ نے مجھ کو سرکش اور بدبخت نہیں بنایا کہ اللہ کا حکم نہ مانوں بلکہ متواضع اور نیک بخت بنایا۔

اس لیے کہ معصیت شقاوت کا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا یا اپنی ماں کا نافرمان ہے وہ متکبر اور بد بخت ہے اور متواضع اور نیک بخت ہونا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے تھے۔

اور اٹھویں صفت یہ ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی يَوْمٍ وُلِدْتُ وَ يَوْمٍ اَمُوتُ وَ يَوْمٍ اُبْعَثُ حَيًّا

سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مردوں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ یہ صفت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ تھے کیونکہ خدا ولادت اور موت سے منزہ ہے اور کسی کی سلامتی اور حفاظت سے بے نیاز ہے۔

حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں وفات پائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روضہ اقدس میں مدفون ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا میں شیطان سے محفوظ رہا اور مرنے کے بعد سوال قبر وغیرہ سے محفوظ رہا اور قیامت کے دن قیامت کی ہول اور دہشت سے محفوظ رہوں گا۔ مجھے کہیں خوف و غم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں یہ خارق عادت کلام کیا اور اپنی خداداد خصال کمال کو نہایت بلاغت کے ساتھ بیان کیا۔

جب لوگوں نے ان کا یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس خارق عادت کلام کو سن کر لوگوں کو ان کی ماں کی برکت اور نزاہت معلوم ہو گئی اور اسی وجہ سے لوگوں نے مریمؑ پر زنا کی سزا قائم نہ کی اور مطمئن ہو گئے کہ یہ لڑکا معاذ اللہ ولد الزنا نہیں بلکہ قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔ اور خوب سمجھ گئے کہ یہ بچہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ اول تو ایک نومولود بچہ کا خارق عادت طریقہ پر اس طرح گفتگو کرنا اور نہایت فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایسا موثر کلام کرنا جس سے دشمن حیران اور سر بگرمیاں رہ جائیں۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نومولود نہایت مبارک اور مسعود ہے اور یہ اور اس کی ماں ہر قسم کی تہمت سے پاک اور منزہ ہے پھر یہ کہ جو مولود ایسی پاکیزہ خصال اور ایسی صفات کمال کے ساتھ موصوف ہو وہ کیسے ولد الزنا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ خود ان کے اقرار ما کانت ابولک امرا سوع و ما کانت امک بغیثا سے کہ فرع کو اصل کے مطابق دیکھنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ آخری کلام تھا یہ خارق عادت کلام سن کر لوگوں نے ان کی والدہ کی برکت معلوم کر لی اور خاموش ہو گئے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی یہ کلام کر کے شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے پھر انہوں نے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ اس مدت کو پہنچے جس میں بچے عادتاً باتیں کیا کرتے

ہیں اس کلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بولنا کہیں ثابت نہیں ورنہ ضرور نقل ہوتا غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کلام کے بعد شیر خوار بچوں کی طرح خاموش ہو گئے اور جب تک بولنے کی عمر تک نہ پہنچے اس وقت تک نہ بولے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱)

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا! سچی بات،

الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝۳۲ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ

جس میں جھگڑتے ہیں - اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ

وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ

پاک ذات ہے۔ جب ٹھہراتا ہے کچھ کام یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو،

فَيَكُوْنُ ۝۳۵ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا

وہ ہوتا ہے۔ اور کہا بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا، سو اسی کی بندگی کرو۔ یہ

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۳۶ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ

ہے راہ سیدھی - پھر کئی راہ ہو گئے فرقے ان میں سے -

۱۔ قال الامام القرطبي قد روى في قصص هذه الآية عن ابن زيد وغيره انه لما سمعوا كلام عيسى اذ عنوا وقالوا ان هذا الامر عظيم وروى ان عيسى عليه السلام انما تكلم في طفولته بهذه الآية ثم عاد الى حالة الاطفال حتى مشى على عادة البشر الى ان بلغ مبلغ الصبيان فكان نطقه اظهرا براءة امه لانه كان ممن يعقل في تلك الحالة وهو كما ينطق الله تعالى الجوارح يوم القيامة ولم ينقل انه دام نطقه ولا انه كان يصلي وهو ابن يوم او شهر ولو كان يدوم نطقه و تسبيحه ووعظه وصلاته في صغره من وقت الولاد لكان مثله مما لا ينكتم (صفحہ ۱۰۳ ج ۱۱) وقال السيوطي: ثم امسك عيسى عن الكلام حتى بلغ مبلغ الناس. (تفسير درمنثور ج ۲ ص ۲۶۶) واخرج ابن ابی شیبہ وابن ابی حاتم وابن عساکر من طريق مجاهد عن ابن عباس قال تكلم عيسى بعد الايات التي تكلم بها حتى بلغ مبلغ الصبيان. (تفسير درمنثور ص ۲۶۶)

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۷﴾ أَسْمِعْ

سو خرابی ہے منکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا - کیا سنتے

بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنَ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي

دیکھتے ہوں گے ؟ جس دن آویں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن

ضَلِيلٌ مُبِينٌ ﴿۳۸﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ

صریح بھٹکتے ہیں - اور ڈر سنا دے ان کو اس پچھتاوے کے دن کا، جب فیصل

الْأَمْرِ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾ إِنَّا

ہو چکے گا کام، اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے - ہم

نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾

دارت ہوں گے زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر، اور ہماری طرف پھر آویں گے۔



قول مبرم و فیصدہ محکم

در بارہ حقیقت عیسیٰ بن مریم صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا وعلیہا وبارک وسلم

قال الله تعالى - ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ - - - - - إِلَى - - - - - وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝

یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا تاکہ اصل حقیقت واضح اور منکشف ہو جائے۔ اب آگے حضرت عیسیٰ کے بارے میں یہود اور نصاریٰ کے اختلاف کا فیصلہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں، یہ ہیں عیسیٰ پسر مریم جو فقط عورت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں یہ فقط مریم کے بیٹے ہیں ان کا کوئی باپ نہیں ان کی صحیح شان اور صفت وہ ہے جو اد پر بیان ہوئی عیسیٰ بن مریم وہ نہیں جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نہ وہ ولد الزنا ہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں - میں بالکل سچی

بات بتلا رہا ہوں جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو ولد الزنا اور جھوٹا اور جادوگر کہتے ہیں اور نصاریٰ میں کوئی ان کو اللہ اور کوئی ان کو ابن اللہ کہتا ہے مگر وہ حقیقت میں اللہ کا بندہ ہے اور اس کا نبی ہے اور روح اللہ اور کلمہ اللہ ہے۔ سچی اور حق بات یہ ہے جو بتلا دی گئی۔ اور اس کے سوا سب جھوٹ ہے۔ گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ کی نبوت کو ثابت کیا اب آگے کی آیت میں نصاریٰ کے عقیدہ ابنیت کا رد فرماتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنے لیے کوئی فرزند بنائے اللہ اس سے پاک ہے اس لیے کہ یہ اس کے لیے نقص اور غیب ہے خدا تعالیٰ سب حاجتوں اور خواہشوں سے پاک ہے اور بیٹا باپ کے ہجنس ہوتا ہے اور خدا بے مثل اور بے چون و چگون ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ جب کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام ہو جاتا ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو بیٹے اور بیٹی کی کیا ضرورت ہے۔ اور اس کو بغیر باپ کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور منجملہ ان باتوں کے جو عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں لوگوں سے کہیں ایک بات یہ تھی کہ لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تحقیق اللہ میرا پروردگار ہے اور تم سب کا پروردگار ہے پس تم سب اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے جو اس راہ پر چلے گا وہ ہدایت پائے گا۔ پس اس حقیقت حال کے واضح ہو جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح حال ظاہر ہو چکا ہے جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں اس لیے کہ شیر خوارگی کی حالت میں حضرت عیسیٰ کے خارق عادت کلام سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے اور رسول برحق تھے۔ معاذ اللہ خدا یا خدا کا بیٹا نہ تھے خدا کا مولود اور شیر خوار ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے اور معاذ اللہ نہ وہ ولد الزنا تھے اور ان کی والدہ ماجدہ تہمت سے بالکل پاک اور بری تھیں مگر باوجود اس کے یہود تو یہ کہتے ہیں کہ وہ کاذب اور ساحر اور ولد الزنا تھا اور گہوارہ میں جو کلام کیا وہ سب جادو کا اثر تھا۔ اور دعویٰ نبوت کے بعد جس قدر معجزات دکھلائے وہ سب جادو تھے۔ اور

۱۔ قول الحق کے بارے میں دو قراءتیں ہیں عاصم اور ابن عامر کی قراءت میں قول الحق بفتح لام منصوب آیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ قراءت نصب کے بنا پر کیا ہے۔ کما قال الزجاج هو مصدر (اسی مفعول مطلق) ای قول قول الحق لان ما قبله يدل عليه وقيل مدح وقيل اغراء۔ اور باقی قراءت نے قول الحق کو بضم لام مرفوع پڑھا ہے اور تقدیر کلام یہ ہے هذا الكلام قول الحق اس قراءت پر ترجمہ یہ ہو گا کہ یہ کلام حق ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۰۵ ج ۱۱)

۲۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ان الله ربی و ربکم کا عطف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گزشتہ قول انی عبد اللہ پر ہے اور یہ کلام یعنی ان الله ربی و ربکم بھی حضرت عیسیٰ کے کلام کا تتمہ اور تکملہ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق واذکر فی المکتب مدیعو سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ لوگوں کو مریم کا حال سنا دیجیئے اور یہ بتلا دیجیئے کہ میرا اور تمہارا سب کا ایک ہی رب ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ (روح المعانی ص ۱۶۷ ج ۱)

نصاری میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ خدا تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ خدا کے فرزند تھے اور بعض نصاریٰ اہل اسلام کی طرح ان کو خدا کا بندہ اور رسول مانتے ہیں اور زیادہ تر نصاریٰ میں تین فرقے ہیں نسطوریہ اور یعقوبیہ اور ملکانیہ۔

فرقہ نسطوریہ تو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو خدا کا بیٹا بتاتا ہے کہ آسمان سے آیا تھا باپ نے اس کو پھر آسمان پر بلالیا اور اوپر اٹھالیا۔ اور فرقہ یعقوبیہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم بعینہ اللہ تعالیٰ تھا بعینہ خدا آسمان سے اُترا اور پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ اور فرقہ ملکانیہ یہ کہتا ہے کہ مسیح بن مریم تین خداؤں میں سے ایک خدا تھا اور نصاریٰ میں کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم خدا کے بندے اور اس کے رسول برحق تھے۔ اور صحیح نصرانی اور عیسائی یہی فرقہ ہے۔ اور یہی قول حق ہے جس کی قرآن اور حدیث نے مسلمانوں کو ہدایت کی اور یہی تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور نصاریٰ کا یہ فرقہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ اور رسول برحق مانتا تھا۔ نصاریٰ کے تمام فرقوں میں یہی فرقہ حق پر تھا جو توحید کا قائل تھا۔ اور تثلیث کا منکر تھا۔

پس ہلاکت اور بربادی ہے ان کافروں پر جو اللہ پر افتراء کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں، سو ایسے کافروں کے لیے شدید عذاب ہے۔ بُرے دن کی حاضری کے وقت یعنی قیامت کے دن اور یہ کافر جو آج دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں قیامت کے دن کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ جس دن ہمارے پاس آئیں گے اس دن آنکھیں بھی کھل جائیں گی اور کان بھی خوب کھل جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم لوگ آج تو کھلی گمراہی میں ہیں یعنی یہ کافر آج تو دنیا میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہیں۔ نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق کو دیکھتے ہیں مگر جب قیامت کے دن ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے لیکن اس وقت کا سُنا اور دیکھنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور اے نبی آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیے جس روز نیک و بد سب ہی پچھتا ئیں گے اور حسرت میں مبتلا ہوں گے بُرے آدمی تو اپنی برائیوں پر حسرت کریں گے کہ ہم نے یہ بُرے کام کیوں کیے اور نیک لوگ اس بات پر حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ لہذا آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کہ موت کو سب کے سامنے ذبح کر کے اہل جنت اور اہل جہنم کے لیے خلود اور دوام کا اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ موت کو چت کرے مینڈھے کی شکل میں لا کر جنت اور جہنم کے درمیان میں سب کے سامنے ذبح کیا جائے گا۔ اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔ اور فریقین یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کو خلود اور دوام کا حکم سُنا دیا جائے گا۔ تاکہ اہل جنت کو معلوم ہو جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں خلود اور دوام ہے اور کفار کو معلوم ہو

لے تفصیل کے لیے تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۲۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۸۵ ج ۱۴ دیکھیں۔

جائے کہ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں خلود اور دوام ہے موت اور فنا نہیں۔ رواہ البخاری و مسلم غیر ہما۔ سنن ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب موت کے مینڈھے کو پلصراط پر کھڑا کر کے اہل جنت اور اہل دوزخ کو آواز دی جائے گی تو اہل جنت تو ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھیں گے ان کو ڈر ہوگا کہ کہیں جنت سے نکلنے کا حکم تو نہیں ہوگا۔ اور اہل دوزخ خوش ہو کر دیکھیں گے کہ شاید ہم کو اس جگہ سے خروج اور رہائی کا حکم ہو جائے تو پھر سب کے سامنے موت ذبح کی جائے گی اور یہ اعلان کر دیا جائے گا۔ کلاہما خلود فیما تجدون لا موت فیہ ابداً۔ ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانہ میں ہمیشہ رہے گا کسی پر کبھی بھی موت نہ آئے گی۔ (فتح الباری صفحہ ۶۲ ج ۱۱)

اور وہ لوگ آج دنیا میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ لوگ یوم آخرت اور یوم حسرت پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن جب وہ دن سامنے آئے گا تو سوائے حسرت کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں جب تک حشر کا دن ہے۔ مسلمان دوزخ سے نکل کر بہشت میں جاویں گے۔ تب تک کافر بھی توقع میں ہوں گے۔ پھر موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر بہشت اور دوزخ کے بیچ سب کو دکھا کر ذبح کریں گے اور پکار دیں گے کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہو پڑے ہمیشہ کو وہ دن ہے کہ کافر ناامید ہوں گے۔ (موضع القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اب تک کافر دن کو بھی امید تھی کہ شاید گنہگار مسلمانوں کی طرح ہم بھی کسی وقت دوزخ سے نکل جائیں لیکن جب موت کو لا کر سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا تو اس وقت کافر بالکل ناامید ہو جائیں گے اور حسرت سے ہاتھ ملیں گے لیکن اب سمجھتا ہے کہ کیا فائدہ۔ وقت گزر چکا۔ جہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الحسرة سے وہ وقت مراد ہے کہ جس وقت موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر سب کے سامنے اس کو ذبح کیا جائے گا۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت ایک کبود (چت کبرے) مینڈھے کی صورت میں لائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی یہ ندا کرے گا اے اہل جنت! اس کی یہ آواز سن کر جنتی اپنی گردن اور اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھیں گے وہ کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو جنتی جواب دیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے۔ یعنی خوب پہچان لیں گے کہ یہ موت ہے۔ پھر منادی ندا کرے گا کہ اے اہل نار! یہ آواز سن کر دوزخی اپنی گردن اٹھا کر دیکھیں گے۔ وہ منادی کہے گا کہ تم اس کو پہچانتے ہو وہ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے اور وہ سب اس کو دیکھ لیں گے پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا پھر منادی ندا کرے گا۔ کہ اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ رہو کبھی تم کو موت نہیں اور اے دوزخیو! ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہو کبھی تم کو موت نہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَأَنْذَرَهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ

پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے دنیا کی طرف اشارہ فرمایا۔
اور یہی مضمون صحیحین میں عبداللہ بن عمر کی روایت میں آیا ہے اس وقت جنتیوں کو خوشی پر خوشی ہو گی۔ اور دوزخیوں کو غم پر غم ہوگا۔

ترمذی کی روایت میں اتنا اور زیادہ ہے کہ اگر کوئی خوشی سے مرتا تو جنتی مرجاتے اور اگر کوئی غم سے مرتا تو دوزخی مرجاتے (مگر موت کے ذبح ہو جانے کے بعد تو کسی کو موت نہیں) اسی لیے ایک روایت میں ہے کہ موت کے ذبح ہو جانے کے بعد دوزخ اور جنت کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر یہ کہے گا۔

یا اهل الجنة هو الخلود ابداً بالبدین لے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خلود
و یا اهل النار هو الخلود ابداً اور دوام ہے اور لے اہل دوزخ! اب ہمیشہ
الابدین (تفسیر ابن کثیر ص ۱۲۷ ج ۳) ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہنا ہے۔
اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

غرض یہ کہ موت کے ذبح سے اہل جنت اور اہل نار کو یہ اطلاع دینی مقصود ہوگی کہ اب ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔ اس بنا کو سن کر اہل جنت اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر کوئی خوشی سے مرجاتا تو وہ مرجاتے اور اہل دوزخ غم اور حسرت سے ایسی چیخ ماریں گے کہ اگر کوئی چیخ سے مرجاتا تو مرجاتے۔

اس لیے تمام اہل سنت والجماعہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی بھی جہنم سے نہیں نکلیں گے جیسا کہ اسی مسئلہ کی تفصیل پارہ ہشتم میں التَّارُ مَثْوً لَكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

نیز سورہ ہود میں خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اَلَا مَا شَاءَ رَبُّكَ کی تفسیر میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق گزر چکی ہے۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں ان احادیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

وَقَدْ ذَكَرْنَا ذَلِكَ فِي
كِتَابِ التَّذْكَرَةِ وَبَيْنَا
اَنْ الْكُفَّارَ مَخْلُودُونَ
بِهَذِهِ الْاَحَادِيثِ وَالْآيَاتِ
رَدَّ اَعْلٰی مَنْ قَالَ اَنْ صِفَةَ
الْغَضَبِ تَنْقَطِعُ وَاَنْ اِبْلِيسَ
وَمَنْ تَبِعَهُ مِنَ الْكُفَرَةِ
كَفَرَعُونَ وَهَامَانُ وَ

ہم نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث کو اپنی کتاب التذکرۃ بامور الآخرة میں ذکر کر دیا ہے۔ اور آیات اور احادیث سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان آیات اور احادیث کو ہم نے ان لوگوں کے رد کے لیے ذکر کیا ہے جن کا یہ گمان ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت غضب منقطع اور ختم ہو جائے گی اور ابلیس اور

قارون و اشباہہم یدخلون الجنة۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۱ ج ۱۱)

حافظ عسقلانی شرح بخاری شریف صفحہ ۳۶۳ ج ۱۱ میں لکھتے ہیں۔

قال القرطبی و فی هذه

الاحادیث التصريح بان خلود

اهل النار فيها لا الى غاية

امد و اقامتهم فيها على

الدوام بلا موت ولا حياة

نافعة ولا راحة كما قال

تعالى لا يقضى عليهم فيموتوا

ولا يخفف عنهم من عذابها

وقال تعالى كلما ارادوا ان

يخرجوا منها اعيذوا

فيها فن زعم انهم يخرجون

منها وانها تبقى خالية وانها

تفنى وتزول فهو خارج عن مقتضى

ما جاء به الرسول و اجمع

عليه اهل السنة۔ (فتح الباری

باب صفة الجنة والنار من كتاب الرقاق)

اس کی پیروی کرنے والے کافر جیسے فرعون

اور ہامان اور قارون ان جیسے جہنم سے

نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں

(یعنی ذبح موت کی احادیث میں) اس

کی تصریح ہے کہ دوزخیوں کے عذاب کی

کوئی حد اور انتہا نہیں کافر ہمیشہ ہمیشہ

جہنم میں رہیں گے۔ بغیر موت کے اور بغیر نافع

زندگی کے اور بغیر راحت و آرام کے جیسا کہ

حق تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی کہ کافروں پر

کبھی موت نہیں آئے گی۔ اور نہ وہ کبھی جہنم

سے نکلیں گے۔ اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ

دوزخی کچھ روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے

جائیں گے اور دوزخ خالی رہ جائے گی۔

یا یہ گمان کیا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی تو ایسا

گمان کرنے والا شخص اس شریعت کے دائرہ

سے خارج ہے کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم لے کر آئے نیز یہ شخص اہل سنت

والجماعت کے اجماعی عقیدہ سے باہر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس دن موت ذبح کی جائے گی وہ دن کافروں کے حق میں انتہائی حسرت کا ہوگا اور

مزید برآں حسرت کا ایک سبب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ہر نفس کو ایک گھر جنت کا اور ایک گھر جہنم کا دکھایا

جائے گا اور پھر یہ کہا جائے گا کہ اے کافر! اگر تم نیک عمل کرتے تو جنت کے اس گھر میں جاتے اور اے مسلمان!

اگر تم کفر کرتے تو دوزخ کے اس گھر میں جاتے۔ اللہ کا احسان ہوا کہ اس نے تم کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق

دی۔ یہ سنکر کافروں پر حسرت اور غم چھا جائے گا۔ یہ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے جو وعظ میں فرمایا کرتے

تھے۔ اب کافروں کے اس حسرت کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ تحقیق ہم ہی وارث ہوں گے۔ اس زمین

کے اور جو اس پر آباد ہے یعنی زمین کے جملہ ساکنین پر آخر ایک دن موت آئی ہے سب مر جائیں گے۔ کسی کا ملک

اور کسی کی ملک باقی نہ رہے گی۔ اور صرف ہم اکیلے باقی رہ جائیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث

ہوں گے۔ اور وہ آخرت میں ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دیں گے۔

لطائف معارف

۱۔ تمام اہل اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے اور یہودیہ کہتے ہیں کہ وہ عام انسانوں کی طرح مرد اور عورت سے پیدا ہوئے تھے مگر ان کا تولد ناجائز تھا اور یہود ان کو معاذ اللہ ولد الزنا اور ولد الحرام بتاتے ہیں۔ اور ملحد اور زندیق اور مرزائی اور قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عام انسانوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مرد کے نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا یوسف نجار سے نکاح تو ہو گیا تھا مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ایسی حالت میں میاں بیوی کا جمع ہونا شرعاً ممنوع نہ تھا۔ ایسے وقت میں اگر اولاد پیدا ہو تو وہ جائز اولاد منصوص ہوگی۔ مگر خلاف رسم ہونے کی وجہ سے یہ بات محبوب اور موجب خجالت و ندامت سمجھی جاتی تھی۔

حضرت مریمؑ پر یہودیوں کا اتہام اسی وجہ سے تھا۔ ورنہ یوسف نجار شرعاً مریمؑ کے شوہر تھے غرض یہ کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے نزدیک حضرت مسیحؑ یوسف نجار کے بیٹے تھے اور بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ اناجیل مروجہ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مریمؑ کے ساتھ یوسف نجار کا تعلق زوجیت کا تھا اور اسی تعلق سے اور بھی ان سے اولاد ہوئی۔ اور یوسف نجار مریمؑ صدیقہ کے شرعی شوہر تھے جیسا کہ اناجیل اور کتاب الاعمال کے مقامات ذیل میں صاف لکھا ہے کہ یسوع۔ یوسف کا بیٹا ہے۔ اور یوسف مریمؑ کا شوہر ہے۔

دیکھو متی ۱۶ لوقا ۲۲ و ۲۴ متی ۱۳ یوحنا ۶ و ۷ اعمال ۱۸ و نامہ ردیاں ۴۔ اس قسم کے نام نہاد مسلمان جو خوارق عادات کے منکر ہیں۔ وہ بغیر باپ کے تولد کے قائل نہیں وہ اپنے مزعومات اور خیالات کے لیے انجیل کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

یہ سب غلط ہے اور الحاد اور زندقہ ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مواضع میں حضرت مسیح بن مریمؑ کی ولادت کے قصہ کو اس درجہ تفصیل اور صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نہ اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی احتمال کی گنجائش ہے۔ آیات قرآنیہ سے بصراحت و وضاحت یہ امر واضح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا باپ کے پیدا ہوئے۔

۱۔ اس لیے کہ اس قصہ کا آغاز فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے ہوا جو در تک چلا گیا یہ تمام تفصیل اس بات کی صریح دلیل ہے کہ فرشتہ کی آمد محض اس لیے ہوئی تھی کہ وہ حضرت مریمؑ

کو بلا سبب ظاہری۔ من جانب اللہ ایک فرزند عطا کرے یہ سنکر حضرت مریمؑ کو تعجب ہوا اور بولیں کہ لَمْ يُمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا یعنی میرا تو کسی مرد سے تعلق ہی نہیں نہ حلال کا اور نہ حرام کا نہ نکاح کا نہ زنا کا مجھے تو آج تک کسی مرد نے ہاتھ بھی نہیں لگایا پھر میرے بچہ کیسے ہوگا۔ فرشتہ نے جواب دیا کہ یوں ہی ہو گا۔ یعنی بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہوگا۔ بعد ازاں حضرت مریمؑ کی تسلی کے لیے فرشتہ نے کہا کہ یہ بات تیرے پروردگار کے لیے کوئی مشکل نہیں تو مطمئن رہ، پس اگر واقع میں حضرت مریمؑ کا کوئی شرعی شوہر تھا تو ان کو اس قدر گھبرانے اور ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ورنہ منکوحہ عورت کو ولادت سے تہمت کا کیا ڈر۔

۲۔ نیز حضرت مریمؑ کے اضطراب میں فرشتہ کا یہ کہنا۔

وَلَنَجْجَعَنَّ اٰیَةً لِّلنَّاسِ تَاكِدُ بِهٖمْ اَسْمُوْدٌ مَّسْعُوْدٌ كُوْا بِنِشَانِیْ بِنَادِیْ۔

اس امر پر صراحت دلالت کرتا ہے کہ تولد مسیح قدرت خداوندی کی ایک خاص نشانی ہوگی اور لفظ آیت صرف ایسے ہی موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جو چیز بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری ظہور میں آئے جیسے اصحاب کہف اور ناقہ صالح علیہ السلام پر لفظ آیت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ولادت عجائب قدرت سے ہے۔ جس میں اسباب ظاہری کو دخل نہیں۔

۳۔ آیت اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَؑ میں حضرت مسیحؑ کی بلا باپ ولادت کو حضرت آدمؑ کی ولادت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا دلیل ان کی الوہیت کی نہیں اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا الوہیت اور ابنیت کی دلیل نہیں یہ آیت نصاریٰ کے اسی خیال کے رد کرنے کے لیے نازل ہوئی کہ جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اس قصہ میں حضرت مریمؑ کی کرامتوں کا ذکر ہے۔ جیسے یکا یک ایک خشک کھجور کا پھل دار ہو جانا اور یکدم اس کے قریب پانی کا چشمہ جاری ہو جانا اور حضرت مسیحؑ کا گہوارہ میں لوگوں سے خارق عادت طریقہ پر عجیب و غریب کلام کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ ولادت بطور خرق عادت بلا اسباب ظاہری قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ تھی لوگ ان کرامتوں کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ اور سمجھ گئے کہ ایسا مبارک مولود معاذ اللہ کبھی بھی ولد الزنا نہیں ہو سکتا شیر خوار بچہ کی اس خارق عادت گفتگو نے تمام تہمتوں اور بدگمانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بد زبانوں کی زبان بند کر دی اور ملاحدہ اور زنادقہ نے جو ان صریح آیات میں تاویلات اور تحریفات کی ہیں اور انا جیل کا سہارا پکڑا ہے سوان کی تردید کے لیے (اول) تو یہی کہہ دینا کافی ہے کہ انا جیل کا محرف ہونا قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اور علماء یہود و نصاریٰ کے اعتراف اور اقرار سے ثابت ہے۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں محرف کتاب کو کیسے حجت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ (دوم) یہ کہ انجیل متی کے باب اول درس ۱۸ سے لے کر اخیر تک اس کی تصریح ہے کہ عیسیٰ بن مریمؑ ایک کنواری سے پیدا ہوئے جس میں کا ایک جملہ یہ ہے۔

جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئیں۔

پھر انجیل لوقا کے باب اول درس ۲۶ سے لے کر درس ۳۸ تک یہی کلام چلا گیا ہے جس کے کئی جملوں میں قرآن کے موافق مریم کا فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ

”مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال سے کہ مرد سے واقف بھی نہیں اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالے گی“

اور صیغہ یسعیاہ کے باب ۷ درس ۱۴ میں ہے۔

”ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی“

پھر نامعلوم کہ یہ ملاحدہ اور زنادقہ مسلمانوں جیسے نام رکھ کر کہاں سے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور صریح آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں اور اس قسم کی ولادت کو خلاف سنت الہیہ کہہ کر محال بتلاتے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اللہ کی سنت اور اس کا قانون انبیاء اور اولیاء کے ساتھ اور ہے اور عوام اور دشمنوں کے ساتھ اور ہے۔

۲۔ نیز آیات قرآنیہ کا از اول تا آخر تمام سیاق و سباق صراحتہً اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ حضرت مسیح کا یہ کلام شیرخوارگی کی حالت میں تھا۔ اور ملاحدہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں تھا یا نبوت منے کے بعد تھا۔ کَبُوتٌ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ جس طرح لوگوں نے حضرت مسیح کی ولادت میں اختلاف کیا اسی طرح لوگوں نے حضرت مسیح کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف کیا۔

یہود بے یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب ہی پر مر گئے اور لغتی ہوئے۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے اور صلیب پر مرے اور تین دن کے واسطے تمام انسانوں کے گناہوں کا عذاب اٹھایا تا کہ سب کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور اس کے بعد وہ زندہ ہوئے اور جی اٹھے اور آسمان پر چلے گئے۔ اور اپنے باپ کے پاس جا بیٹھے اور تمام اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھائے گئے اور نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے بلکہ اسی جسم عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور جس جسم کو وہ قتل کرنا یا صلیب دینا چاہتے تھے اللہ نے اسی جسم کو زندہ اور صحیح سالم آسمان پر اٹھالیا۔ اور ایک شخص حضرت مسیح کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا۔ اور وہ ان کی جگہ ان کے شبہ میں مصلوب ہوا بعض فرقے بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور جو شخص حضرت مسیح کی جگہ مصلوب ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یہود تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام شمعون تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل سورۃ نساء کے اخیر میں گزر چکی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو تو خاموشی کا حکم دیا۔ اور حضرت مسیحؑ جو کلمۃ اللہ اور کلمۃ صدق تھے۔ ان کو گویا کر دیا تاکہ اللہ کی الوہیت اور اپنی عبدیت اور ماں کی طہارت و نزاہت ایسے خارق عادت طریقہ سے ظہور میں آئے کہ کسی کو مجال انکار کی نہ رہے اور چونکہ اللہ پاک کے علم میں تھا کہ حضرت مسیحؑ کے بارے میں طرح طرح سے الفاظ کفریہ کہے جائیں گے لہذا اوّل گویائی میں ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوائیں جو ہمہ قسم کفر کے رد کے لیے کافی ہوں۔

۴۔ حدیث ذبح موت | امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر ذبح جیسے اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا ذبح کیا گیا اور اس مینڈھے کے کبودی رنگ یا سیاہ اور سفید ہونے میں بہشتیوں اور دوزخیوں کی صفت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے کہ سفیدی اہل جنت کا رنگ ہے اور سیاہی اہل دوزخ کا رنگ ہے۔ اور حدیث میں موت کے مینڈھے کی صفت اَمْلَحٌ وارد ہوئی ہے۔ اور اَمْلَحٌ وہ ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی ملی ہوئی ہو۔ (دیکھو فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱ باب صفة الجنة والنار من کتاب الرقاق)

۵۔ امام قرطبیؒ نے بعض صوفیہ کرام سے نقل کیا ہے کہ اس موت کے مینڈھے کو سیحی بن زکریا علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے جس سے دوام حیات اور بقائے دائمی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام ذبح کریں گے۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۶۔ موت کے مینڈھے کے ذبح ہونے کے بعد ایک منادی ندا کرے گا۔ اے اہل جنت! اب تم کو موت نہیں۔ اور اے اہل دوزخ! اب تم کو موت نہیں۔ موت کے ذبح کے بعد یہ منادی اس لیے ہوگی کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ موت اب مردہ اور معدوم اور فنا ہوگئی اس کے بعد موت پھر کبھی نہیں آئے گی اور ظاہر ہے کہ موت اور فنا کے ذبح ہو جانے کے بعد سوائے بقا اور دوام کے اور کیا ہوگا۔ (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)

۷۔ موت کا مینڈھا ذبح ہونے کے بعد فریقین کے لیے یہ اعلان :
كَلَامُهُمَا خُلُودٌ فَيَمَّا تَجِدُونَ لَا مَوْتَ فِيهِ اَبَدًا (فتح الباری صفحہ ۳۶۲ ج ۱۱)
اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جس طرح اہل ایمان کا جنت میں خلود ابدی ہوگا اسی طرح کافروں کا خلود ابدی ہوگا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اس بارہ میں جمہور کا خلاف کیا اور یہ گمان کیا کہ کفار چند روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ یہ بالکل غلط ہے اور سیرۃ النبیؐ کے مصنف نے بھی اس غلطی میں ابن تیمیہ کی تقلید کی اور علامہ شبلیؒ کو اور ان کے پیروؤں کو اپنی مزعوم درایت پر بڑا ناز ہے اور اہل ندوہ اپنے تفرّد اور شدوّذ کو تحقیق سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ؑ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝

اور مذکور کتاب میں ابراہیم کا۔ بیشک تھا وہ سچا نبی۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا

بَصِيرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۚ يَا أَبَتِ إِنَّي قَدْ

دیکھے ، اور نہ کام آدے تیرے کچھ ۔ اے باپ میرے مجھ کو

جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ

آئی ہے خبر ایک چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل سو جہادوں

صِرَاطًا سَوِيًّا ۚ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ط إِنَّ

تجھ کو راہ سیدھی ۔ اے باپ میرے! مت پوج شیطان کو ۔ بے شک

الشَّيْطَانُ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۚ يَا أَبَتِ إِنَّي أَخَافُ

شیطان ہے رحمن کا بے حکم ۔ اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں

أَنْ يَمْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونُ لِلشَّيْطَانِ

کہیں آگے تجھ کو ایک آفت رحمن سے ، پھر تو ہو جادے شیطان کا

وَلِيًّا ۚ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ تَوَلَّيْتَنِي يٰ أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا

ساتھی ۔ وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو

لَمْ تَنْتَهُ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۚ قَالَ سَلَامٌ

نہ چھوڑے گا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دور جا ایک مدت ۔ کہا تیری سلامتی

عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۚ

رہے میں گناہ بخشواؤں کا تیرا اپنے رب سے ۔ بے شک وہ ہے مجھ پر مہربان ۔

وَأَعْتَزُّكُمْ وَمَا تَدْعُونُ مِن دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي ۚ

اور کنارہ پکڑتا ہوں تم سے ، اور جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ، اور پکاروں گا اپنے رب کو ،

عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۝۲۸ فَلَمَّا اعْتَرَاهُمُ

امید ہے کہ نہ رہوں گا، اپنے رب کو پکار کر محروم۔ پھر جب کنارے ہوا ان

وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ

سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اس کو اسحق اور

يَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۲۹ وَهَبْنَا لَهُمُ مِنْ رَحْمَتِنَا

یعقوب۔ اور دونوں کو نبی کیا۔ اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے،

وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۳۰

اور رکھا ان کے واسطے سچا بول اونچا۔

قصہ سوم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى۔ وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۖ... الی۔۔۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔
 ربط۔ اس سورۃ کا یہ تیسرا قصہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدا پرستی کا ذکر ہے کہ
 وہ کیسے خدا پرست تھے اور کس طرح انہوں نے اپنے باپ کو توحید کی دعوت دی اور کس طرح شرک
 اور بت پرستی کا بطلان ظاہر کیا اور اس دعوت اور تبلیغ میں اپنے باپ کے ادب اور احترام کو ملحوظ
 رکھا اور پھر کس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا اور اپنے آبائی وطن سے ہجرت
 کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجے بلند کیے اور ان کو اولاد صالح عطا فرمائی اور تمام امتوں اور قوموں میں ان
 کا ذکر خیر جاری رکھا۔ علامہ سیوطیؒ نے بحر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک سو پچھتر برس
 زندہ رہے اور ان کے اور آدم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور ان کے اور حضرت نوحؑ
 کے درمیان ایک ہزار برس کا فاصلہ ہے۔ نیز حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے قصہ میں ان مشرکین کا رد
 فرمایا جو کسی زندہ عاقل کو خدا کا شریک ٹھہرتے تھے اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ
 ذکر کر کے ان مشرکین کا رد فرماتے ہیں جو بے جان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اس قسم کے مشرک
 قیامت کے دن اپنی حماقت پر بہت ہی زیادہ حسرت کریں گے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب

سہ گزشتہ آیت وَانذَرُہُمْ یَوْمَ الْحُسْرَۃِ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۳

یعنی قرآن میں لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجیے کہ یہ عرب کے مشرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کے طریقہ کے خلاف شرک میں مبتلا ہیں بیشک ابراہیم نہایت راستباز تھے۔ صدق و راستی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ صدق و راستی ان کے جُزْجُز میں پوری طرح سرایت کیے ہوئے تھے اور پیغمبر تھے خدا کی طرف سے خبر دینے والے تھے یا یہ معنی ہیں کہ وہ عالی قدر اور بلند مرتبہ تھے مطلب یہ ہے کہ نبوت اور صدیقیت کے جامع تھے جب کہ انہوں نے اپنے باپ آزر سے جو بت پرست تھے۔ یہ کہا کہ اے میرے باپ کیوں پوجتا ہے اس چیز کو جو نہیں سنتی اور نہیں دیکھتی اور نہ کسی ضرورت میں تیری کفایت کر سکے۔ یعنی جس چیز میں یہ صلاحیت نہیں کہ تیری خدمت اور عبادت کر سکے۔ اور نہ تیری فریاد سن سکے اور نہ کسی نفع اور ضرر میں تیری کفایت کر سکے تو ایسی چیز کی عبادت سے کیا فائدہ کہ جس سے نہ نفع کی امید ہو اور نہ ضرر کا ڈر ہو اور یہ باتیں انتہائی ذلت کی ہیں اور معبود کے لیے نہایت عظمت چاہیے لہذا جب یہ بت نہ دیکھتے ہیں۔ اور نہ سنتے ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا اور نہ یہ کسی نفع اور ضرر کے مالک ہیں تو ان کی عبادت سے کیا فائدہ ان بتوں سے تو ان کی عبادت کرنے والے ہی بہتر ہیں کہ جو سنتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں ایسی ذلیل اور خوار اور بے کار چیز کو اپنا معبود بنانا انتہائی حماقت ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی دوسری بات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کی فہمائش کے لیے یہ کہی اے میرے باپ بلاشبہ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم پہنچا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ لہذا غیر عالم کو چاہیے کہ وہ عالم کا اتباع کرے۔ پس آپ میرا اتباع کیجیے میں آپ کو سیدھی راہ بتاؤں گا جو چلنے والے کو منزل مقصود پر پہنچا دے۔ اتباع کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے میرے باپ میرے پیچھے پیچھے چلو انشاء اللہ تعالیٰ میں تم کو خدا تک پہنچا دوں گا۔ بحق پدری و بمقتضائے محبت فرزندگی میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میرا اتباع کیجیے۔ مجھے اللہ کی طرف سے جو علم پہنچا ہے اس میں غلطی کا احتمال نہیں تو ایسے علم صحیح والے کا اتباع تو غفلت ضروری ہے۔

تیسری بات یہ کہی اے میرے باپ تم شیطان کی عبادت نہ کرو۔ کیونکہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ بتوں میں یہ صلاحیت اور لیاقت نہیں کہ وہ اپنی عبادت کی دعوت دے سکیں اور انبیاء اور اولیاء تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے چلے آئے۔ لہذا بتوں کی عبادت کا داعی سوائے شیطان کے کون ہو سکتا ہے۔ اور سب کو معلوم ہے کہ بلاشبہ شیطان اللہ کا انتہائی نافرمان ہے جس کو ارحم الراحمین نے اپنی رحمت سے ملعون اور مطرود کر دیا ہے پس جو اس ملعون اور مطرود کی اتباع کرے گا۔ اس کو بھی لعنت اور غضب سے حصہ ملے گا۔ خدا کا سب سے پہلا نافرمان یہی شیطان ہے جس نے آدمؑ کو مسجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

چوتھی بات یہ کہی اے میرے باپ بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم اسی کفر و شرک کی حالت میں

مرگئے تو تجھے رحمن کی طرف سے عذاب پہنچے گا۔ اور پھر تو دوزخ میں شیطان کا ساتھی بنے یعنی عذاب میں اس کا شریک بنے۔

حضرت ابراہیمؑ جب باپ کو نہایت نرمی اور تلافی کے ساتھ یہ نصیحت فرما چکے تو باپ نے اس کے برعکس درشتی سے یہ جواب دیا۔ اے ابراہیمؑ کیا تو میرے معبودوں سے منحرف اور برگشتہ ہے اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھ کو ضرور سنگسار کر دوں گا۔ اور ایک مدت دراز تک یعنی عمر بھر کے لیے تو مجھ سے دور ہو جا۔ تاکہ میں تیری شکل نہ دیکھوں۔ ورنہ میں تجھے مار ہی ڈالوں گا۔

ابراہیمؑ علیہ السلام نے کہا اچھا تم پر سلام ہو۔ لیجئے میں جاتا ہوں اور تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ظاہری اور باطنی آفت سے سلامتی عطا فرمائے۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ سلام تحیہ اکرام نہ تھا۔ بلکہ سلام رحمت تھا اور باپ کے لیے دعا کو متضمن تھا۔ البتہ میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا ہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ یعنی میں آپ سے جُدا ہوتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان کی توفیق دے جو ذریعہ مغفرت ہے۔ چلتے وقت باپ سے دعا مغفرت کا وعدہ کیا۔ شاید باپ نرم پڑ جائے۔ ابراہیمؑ علیہ السلام برابر اپنے باپ کے لیے دعا مغفرت کرتے رہے۔ جب ان کے باپ کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو ان سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورہ توبہ کے اخیر میں گزرا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْنِ هٰٓئِمٍ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَ هَا اٰیٰتًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ كَمَا اَتَتْهُ عَذَابُ اللّٰهِ تَبَيَّنَ اَمْنُهُ ، حضرت ابراہیمؑ کو پہلے سے علم نہ تھا کہ باپ کفر پر سرے گا ورنہ استغفار نہ کرتے۔ اور چھوڑ دوں گا میں تم سب کو یعنی باپ کو اور تمام خویش و اقارب کو اور سب اہل وطن کو اور چھوڑ دوں گا ان چیزوں کو یعنی ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی کہ میں تم سب کو چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں اور صرف اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں گا۔ جو مجھے دیکھتا ہے۔ اور میری دعا کو سُنتا ہے۔

امید ہے کہ میں اپنے رب کے پکارنے میں محروم نہ رہوں گا۔ جیسا کہ تم اپنے بتوں کے پکارنے میں محروم اور ناکام ہو۔ پس جب ابراہیمؑ ان سے اور ان چیزوں سے جن کی وہ پرستش کرتے تھے علیحدہ ہو گئے اور سب کو چھوڑ دیا۔ اور ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ تو ہم نے ان کو اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا بخشا۔ یعنی ان کو نیک اولاد عطا کی تاکہ ان کی وحشت دور ہو خدا کے لیے خویش و اقارب کو چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر عطا کر دیا۔ ایمان کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر فرزند صالح ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے

ندارد پدری بیچ بایستہ تر ، ز فرزند شائستہ تر

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اور ان تینوں کو ہم نے اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا۔ جو ان کی پشتہا پشت میں جاری و ساری رہی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کا نیک نام بلند کیا۔ کہ ہر کوئی ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثناء کرتے ہیں لسان صدق سے ثناء حسن مراد ہے۔ کیونکہ ثنا اور تعریف زبان سے ہوتی ہے اور

بخشش ہاتھ سے ہوتی ہے اور درود میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا ذکر یہ بھی لسان صدق میں داخل ہے اور اس جملہ یعنی وَجَعَلْنَا لِمُوسَىٰ صَدَقَ عَلَيْنَا میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو یہ دعا مانگی تھی۔ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ وہ دعا قبول ہوئی شاید حضرت اسمعیلؑ علیہ السلام کا ذکر اس جگہ اس لیے نہیں کیا کہ وہ اس سے پہلے عطا ہو چکے تھے۔ اور بحکم الہی ان کو اور ان کی والدہ باجرہ کو خانہ کعبہ کے قریب لاکر چھوڑ گئے تھے اس جگہ اس اولاد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزیز و اقارب کو چھوڑنے کے صلہ میں عطا کی تھی اور حضرت اسمعیلؑ شروع ہی سے ان کے پاس نہیں رہے تھے۔ بچپن ہی میں ان سے جدا ہو گئے تھے۔ نیز حضرت اسمعیلؑ کا مستقل طور پر آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

نکتہ سلاطین اور ملوک کی اگر تعریف کی جائے تو اس تعریف سے لوگوں کی نظر میں سلاطین کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ بخلاف حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کہ ان کی ثناء حسن سے ثنا کرنے والوں کا رتبہ بلند ہوگا کیونکہ ابراہیمؑ کی تعریف سر تا پا صدق اور حق ہوگی۔ اس لیے ان کی تعریف لوگوں کے حق میں موجب صد خیر و برکت ہوگی۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ

اور مذکور کتاب میں موسیٰ کا وہ تھا چنا ہوا اور تھا

رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۱ وَ نَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ

رسول نبی - اور پکارا ہم نے اس کو داہنی طرف سے طور

الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝۵۲ وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا

پہاڑ کے اور نزدیک بلایا اس کو بھید کہنے کو۔ اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہر سے

أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝۵۳

بھائی اس کا ہارون نبی -

قصہ چہارم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ - وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ - - - - - إِلَى - - - - - أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا -

یہ چوتھا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ خلیل اللہ کے قصے کے بعد کلیم اللہ کا قصہ ذکر فرماتے ہیں

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں۔

(۱) مخلص یعنی خدا کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ (۲) رسول اور نبی تھے۔ (۳) ان سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ (۴) ان کو اپنا مقرب بنایا۔ (۵) ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبی اس کتاب یعنی قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر لوگوں کو سناؤ۔ بیشک وہ خدا کے پیچیدہ اور برگزیدہ خالص اللہ کے لیے چنے ہوئے تھے۔ جن کی ذات و صفات میں اور اعمال و نیات میں غیر اللہ کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اور تھے وہ رسول اور نبی رسول کے معنی یہ ہیں کہ وہ فرستادہ خداوندی تھے اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے اور خبر دینے والے تھے۔ معتزلہ کے نزدیک ہر نبی رسول ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں متلازم ہیں اور جمہور اہل سنت کے نزدیک نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ رسول وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو یعنی کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو یا مکذبین اور معاندین کے مقابلہ میں معجزاتِ قاہرہ دے کر بھیجے گئے ہوں۔

اور نبی وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے خبر دے گا اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت نہ ہو۔ بہر حال نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ بظاہر مناسب یہ تھا کہ پہلے عام کو ذکر کرتے اور پھر خاص کو ذکر کرتے لیکن فاصلہ یعنی تافہ کی رعایت سے خاص کو عام یعنی نبی پر مقدم کیا جیسا کہ ظلم میں رَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ میں فاصلہ کی رعایت سے ہارون کو موسیٰ علیہ السلام پر مقدم کیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو کوہ طور کے دائیں جانب سے آواز دی اور یہ نداء نداء رسالت تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے۔ اور ہم نے ان کو قریب کر لیا راز کی باتیں سنانے کے لیے۔ اور بلا واسطہ ان سے کلام کرنے کے لیے۔ زجاج کہتے ہیں کہ آیت میں قرب سے قرب مسافت اور قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب منزلت اور قرب مرتبہ مراد ہے اور ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا کر عطا کیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا *وَاجْعَلْ لِّي ذُرِّيًّا قَاتِلًا* قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق ان کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنا دیا۔ پس اصل ہیمہ اور اصل عطیہ نبوت ہارونؑ کا تھا کہ ان کی دعا سے ہارونؑ کو نبوت ملی نہ کہ ذات ہارونؑ کا کیونکہ ہارونؑ علیہ السلام تو پہلے سے موجود تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

اور مذکور کر کتاب میں اسماعیل کا۔ وہ تھا وعدے کا سچا اور

وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۖ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ

تھا رسول نبی - اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو نماز

وَالزَّكَاةَ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝۵۵

اور زکوٰۃ کا اور تھا اپنے رب کے ہاں پسند ۔

قصہ پنجم حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى: وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ... الى... وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝
حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اول فرزند ہیں اور عرب حجاز کے جد اعلیٰ ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ان کے سلب سے ہوا اور ان کی شریعت بھی مستقل تھی اور عشق اور فدائیت میں ان کی خاص شان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قصہ کو ان کے باپ کے قصہ کے ذیل میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جداگانہ طریقہ سے ان کا ذکر فرمایا اور اس سلسلہ میں ان کی چارہ صفیں ذکر کریں ۔

(۱) صادق الوعد تھے (۲) رسول اور نبی تھے ۔ (۳) اہل وعیال کو جانی اور مالی عبادت کا حکم دیتے تھے اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اہل وعیال اور اہل خانہ سے اس کا آغاز کرے ۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَانذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَامُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔
(۴) وہ مرضی یعنی خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ تھے ۔ یہ انتہائی مدح ہے کہ حق جل شانہ ان سے من کل الوجوہ راضی تھے اور وہ ہر اعتبار سے خدا کے پسندیدہ تھے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذکر و قرآن میں قصہ اسماعیلؑ کا تحقیق وہ وعدے کے بڑے سچے تھے ۔ لوگوں سے جو وعدے کرتے اسے پورا کرتے ۔ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تو واپس آئے تو تیرے انتظار میں ہیں کھڑا رہوں گا وہ شخص تین دن کے بعد واپس آیا آپ برابر تین دن اسی جگہ کھڑے رہے سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنے باپ سے ذبح پر صبر کرنے کا وعدہ کیا ۔ اس کو پورا کر کے دکھایا اور تھے وہ رسول اور نبی ۔ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے عجب نہیں کہ مناسک اور وادی غیر ذی زرع کے متعلق کچھ خاص احکام اور خاص شریعت دی گئی ہو جن سے وادی غیر ذی زرع کے رہنے والوں کو آگاہ اور خبردار کرتے ہوں ۔ اور تھے اسماعیلؑ کہ خاص طور پر حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا یعنی اول اپنے اہل وعیال کو عبادت کا حکم کرتے تھے ۔
کما قال اللہ تعالیٰ وَانذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ - قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ۔ اور تھے اسماعیلؑ اپنے پردردگار کے نزدیک نہایت پسندیدہ قضا الہی پر راضی تھے اور بلا میں صبر کرتے تھے ۔ اور سخاوت میں کامل تھے ۔ اور وعدہ کے سچے تھے ۔

XXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXXX

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسُ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝۵۶

اور مذکور کر کتاب میں ادریس کا - وہ تھا سچ نبی -

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۷

اور اٹھایا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر -

قصہ ششم حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ - وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِذْ رِيسُ ... الی ... وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (ربط) یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے۔ چونکہ آپ کتابوں کو بکثرت پڑھتے تھے۔ اس لیے آپ کا یہ لقب ہوا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا ہے اور سلا ہوا کپڑا سب سے پہلے آپ ہی نے پہنا ہے۔ آپ سے پہلے لوگ حیوانات کی کھالیں پہنا کرتے تھے۔ کتابت اور قلم حساب اور ترازو، پیمانہ اور ہتھیار کے موجد بھی آپ ہی ہیں۔

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تین صفتیں ذکر فرمائیں۔ ایک صدیقیت دوم نبوت، سوم رفعت مکانی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ اس کتاب یعنی قرآن میں ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر لوگوں کو سنائیے بلاشبہ وہ بڑے راست کردار تھے۔ سرتاپا صدق تھے کذب کا کہیں آس پاس بھی گزر نہ تھا۔ اور نبی تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے اور اٹھایا ہم نے ان کو بلند مکان پر یعنی آسمان پر ابن عباسؓ اور مجاہدؓ سے مروی ہے کہ ادریس علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب بھی وہ آسمان میں زندہ ہیں۔ اور صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا اور وہاں ان سے ملاقات کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے رفیع کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں مگر وہ سب اسرائیلیات ہیں۔ جن پر ابن کثیرؒ نے تنقید کی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رَفَعْنَا هُ مَكَانًا عَلِيًّا میں رفعت مکانی مراد نہیں بلکہ رفعت مکانت یعنی علوم مرتبہ کے معنی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو قرب اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچایا تیس صحیفے ان پر نازل کیے اور بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

جمہور علماء کے نزدیک صحیح اور مختار یہ ہے کہ آیت میں رفعت سے مکان حسی کی بلندی مراد ہے۔

بلندی مرتبہ مراد نہیں۔ کیونکہ ظاہر الفاظ قرآنی سے یہی متبادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مکان یعنی آسمان پر اٹھایا۔ اور مرتبہ کی بلندی بھی اسی میں زیادہ ہے کہ ان کو آسمان پر اٹھایا گیا۔
امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مقام مدح کے یہی معنی مناسب ہیں۔ اس لیے کہ جو عظیم المرتبہ ہوتا ہے وہی آسمان پر اٹھایا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱) اور امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کا میدان بھی اسی معنی کی طرف ہے کہ آیت میں رفع سے مکان بلند یعنی آسمان کی طرف اٹھایا جانا مراد ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے ترجمہ میں اسی معنی کو اختیار کیا۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُم

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ

وہ لوگ ہیں، جن پر نعمت دی اللہ نے پیغمبروں میں،

ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ

آدم کی اولاد میں اور ان میں جن کو لادیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا

کی اولاد میں اور اسرائیل کی اور ان میں جن کو ہم نے سوجھ دی اور پسند کیا۔ جب

تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝٥٨

ان کو سنائے آیتیں رحمن کی، گرتے ہیں سجدے میں اور روتے۔

ذکر وصفِ عامِ جنسِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

کہ ہمہ اہل ہدایت و اہل کرامت و اہل نعمت و اہل قرب و منزلت بودند و
با ایں ہمہ در خشوع و خضوع بانتهار سیدہ بودند بودند =

قال اللہ تعالیٰ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ ... الی ... خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا
(ربط) شروع سورت سے یہاں تک خاص خاص انبیاء کے خاص خاص اوصاف بیان کیے گئے۔

اب تمام انبیاء کرام کا وصف عام بیان کرتے ہیں۔ جو تمام انبیاء میں مشترک ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جنس انبیاء کے تمام افراد اور تمام اشخاص خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار اور برگزیدہ بندے تھے جن کو حق تعالیٰ نے اپنی خاص ہدایت اور خاص نعمت اور کرامت اور قرب منزلت سے سرفراز فرمایا۔ مگر باوجود اس قدر علو مقام اور رفعت شان کے غایت درجہ متواضع تھے اور عبودیت اور بندگی میں کامل تھے کہ خدائے تعالیٰ کی آیتوں کو سن کر خشوع و خضوع کے ساتھ سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ پس تم ان کے طریقے پر چلو۔ اور اہل غفلت کے طریقہ پر نہ چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔ یہ لوگ جن کا اس سورت میں ذکر کیا علیہ السلام سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا۔ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ وہ ہمیں ہیں ان میں سے بعض صرف نسل آدم سے ہیں۔ جیسے ادریس علیہ السلام اور بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کہ وہ سام بن نوح کے اولاد میں سے ہیں۔ جو کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ جیسے اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی یعقوب کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور یہ سب حضرات ان لوگوں میں سے تھے۔ اور جن کو ہم نے ہدایت دی اور جن کو ہم نے برگزیدہ بنایا۔ یہ حضرات ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان پر رحمن کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو خوف و خشیت اور غلبہ شوق و محبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔ سماع قرآن کے وقت رونا اور خشوع و خضوع مستحب ہے یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا

پھر ان کی جگہ آئے ناخلف گنواۓ نماز اور پیچھے

الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ۝۵۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ

پڑے مزوں کے، سو آگے ملے گی گمراہی۔ مگر جس نے توبہ کی اور یقین

وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ

لایا، اور کی نیکی، سو وہ لوگ جادیں گے بہشت میں اور ان کا حق نہ

شَيْئًا ۝۶۰ جَنَّتِ عَدْنٍ ۖ إِنَّا لَنَنبِئُكَ وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ

رہے گا کچھ۔ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ دیا ہے رحمن نے اپنے بندوں

بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ۝۶۱ لَا يَسْمَعُونَ

کو بن دیکھے۔ بے شک ہے اس کے وعدہ پر پہنچنا۔ نہ سنیں گے وہاں

فِيهَا تَغَوَّارٌ سَلَامٌ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ رِزْقِهِمْ فِيهَا بُكْرَةٌ

بک بک سوا سلام۔ اور ان کو ہے ان کی روزی وہاں صبح

وَعَشِيًّا ۝۶۲ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ

اور شام۔ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں

كَانَ تَقِيًّا ۝۶۳

جو کوئی ہو گا پر ہیزگار۔

ذکر حال و مال اہل سعادت و اہل شقاوت

قال الله تعالى: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ... إِلَى... مَنْ كَانَ تَقِيًّا (ربط) گزشتہ آیات میں سلف صالحین اور انبیاء کرام کا ذکر تھا۔ جو سب دین حق پر تھے۔ اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے۔ اب ان آیات میں پچھلوں اور ان ناخلف لوگوں کا حال اور مال بیان کرتے ہیں کہ جنہوں نے انبیاء کرام کے اتباع سے انحراف کیا اور دنیاوی شہوات اور لذات کے پیچھے ہو لیے۔ اور ہوسنائیوں میں مبتلا ہو گئے اور نماز جیسی اہم العبادات کو ضائع کر دیا۔ سو ایسے لوگ حال اور مال کے اعتبار سے تباہ و برباد ہوئے۔ البتہ جو لوگ اپنی جہالت اور ضلالت سے تائب ہوئے اور انبیاء کرام پر ایمان لائے اور ان کے طریقہ پر چلے وہ اہل سعادت ہیں ان کو بارگاہ خداوندی سے انعام ملے گا۔ اس لیے اب ان آیات میں متبعین اور مبتدعین کے حال اور مال کو اور ان کی سعادت اور شقاوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ سعادت انبیاء کرام کے اتباع میں ہے اور شقاوت ان کے اتباع سے اعراض و انحراف میں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پھر ان اہل سعادت کے بعد بعض کچھ ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب آخرت میں بدی اور خسارہ میں مبتلا ہوں گے یعنی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور اچھے کام کیے سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے

اور ان کے حق میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی یعنی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ باغات خلود اور دوام میں داخل ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ برخلاف دنیاوی باغات کے کہ وہ فانی ہیں۔ یہ دائمی باغات ایسے ہیں جن کا رحمن نے غائبانہ وعدہ کیا ہے۔ یعنی وہ باغ بندوں کی نظروں سے غائب ہیں کچھ شک نہیں کہ اس کا وعدہ اس کے دوستوں کو ضرور آکر اور پہنچ کر رہے گا۔ ان باغوں میں سوائے سلام کے کوئی بیہودہ اور خراب بات نہیں سنیں گے۔ اللہ کا اور فرشتوں کا سلام سنیں گے۔ یا آپس کا سلام سنیں گے سلام سے وہ کلام مراد ہے جس سے سلامتی اور خوشی ظاہر ہو۔ یعنی جنت میں عمدہ اور خوشگوار باتیں سنیں گے۔ اور ہارزق تو ان باغوں میں ان کے لیے صبح و شام ان کا رزق موجود اور حاضر ہوگا۔ جنت میں صبح و شام نہیں مگر جتنی مقدار صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہے اتنی مقدار میں جنت میں ان کو رزق ملے گا۔ جیسا کہ دنیا میں ان کی عادت تھی ورنہ جنت میں دن رات نہیں وہاں ہر وقت نور ہی نور ہوگا۔ شاید وہ روشنی بدلتی رہے گی جس سے اوقات کا فرق معلوم ہوگا یا کوئی اور علامتیں ہوں گی۔ جن سے صبح و شام کی مقدار کو پہچانیں گے۔ جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا۔ اور پردے اٹھنے سے اور دروازوں کے کھلنے سے دن معلوم ہوگا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۱۳۱ ج ۱۶) واللہ اعلم

وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا وہ ہے جس کا ہم وارث بنادیں گے۔ اپنے بندوں میں سے اس شخص کو جو پرہیزگار ہوگا۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ جو برخلاف سیرت انبیاء کے تھے۔ اس سے اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے جنہوں نے اپنے دین مبین میں تحریف و تبدیلی کی۔ اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہوئے۔ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت نزول سورۃ مریم مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جو اوصاف مذکورہ آیت یعنی ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھی۔ اور شک نہیں کہ وہ جماعت مہاجرین اولین کی تھی۔ وہو المقصود۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا

اور ہم نہیں اُترتے، مگر حکم سے تیرے رب کے، اسی کا ہے جو ہمارے آگے اور جو

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۳﴾ رَبُّ

ہمارے پیچھے اور جو اس کے پیچھے - اور تیرا رب نہیں بھولنے والا - رب

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے نیچے ہے سو اسی کی بندگی کر اور ٹھہرا رہ



لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝۶۵

اس کی بندگی پر۔ کوئی پہچانتا ہے تو اس کے نام کا۔

ذکر احاطہ علم و قدرت و اثبات حدانیت بیان عبودیت ملائکہ برائے ترغیب عبادت طاعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ... الی ... هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا۔

(ربط) اد پر کی آیتوں میں انبیاء کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں ملائکہ کرام کی عبودیت اور بندگی کو بیان کرتے ہیں کہ فرشتے بھی اللہ کے حکم بردار بندے ہیں۔ ان کا آسمان سے زمین پر اترنا اللہ کے حکم کے تابع ہے بخاری وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے کہا کہ تم ہمارے پاس جلد جلد کیوں نہیں آتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم خدا کے حکم سے نازل ہوتے ہیں اور آپ ہمارے دیر سے آنیکا یہ سبب خیال نہ کریں کہ آپ کا پروردگار آپ کو بھول گیا ہے۔ خدا تعالیٰ بھول چوک اور نسیان اور غفلت سے پاک ہے اس کا علم اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے ہم اس کے حکم کے مطابق نازل ہوتے ہیں۔ تو جب فرشتے باوجود اس عظمت اور رفعت کے حکم الہی کے تابع ہیں۔ حکم الہی کے موافق وقت معین پر آتے ہیں تو ہم کو کیا ہوا کہ اسکی اطاعت نہ کریں (بایں کہو) کہ گزشتہ آیت میں جنت اور عالم قدس کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں عالم قدس کے رہنے والے اور وہاں کی خبریں لانے والے کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہم یعنی فرشتے نہیں اترتے زمین پر مگر تیرے پروردگار کے حکم سے سب اسی کی ملک ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آنا اپنے اختیار سے نہیں۔ جب خدا حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں ہمارا ماضی اور حال اور استقبال اور دنیا اور آخرت جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں وہ آپ کے حال سے آگاہ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیجتا ہے ہمارا نزول اور عدم نزول سب اس کے علم اور حکم سے ہے اور اس کے علم اور حکم میں سہو اور نسیان کا احتمال نہیں وہ مربی اور مدبر ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو چیز ان کے درمیان میں ہے پس جب تمام بلندی اور پستی اس کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہے تو پھر وہاں سہو و نسیان کیسے ممکن ہے پس اس کے مربی اور محسن ہونے کا اقتضاء یہ ہے تو تم اس کی عبادت کیا کرو اور اس کی بندگی میں لگے رہو اور اس کی عبادت پر جمے رہو۔

یعنی جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ پروردگار آپ کو بھولا نہیں تو پھر صبر اور استقامت پر جمے رہئے اور وحی کی تاخیر سے اور کافروں کے طعن سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئیے وہ آپ کا رب ہے۔ جب مصلحت ہوتی ہے تب آپ پر وحی نازل کرتا ہے وحی میں جو کبھی تاخیر ہوتی ہے وہ مصلحت کی بنا پر ہوتی ہے سہو و نسیان کی بنا پر نہیں ہوتی کیا تو خدا کا کوئی ہمنام اور ہم صفت جانتا ہے۔ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں وہ ذات و صفات میں یکتا ہے لہذا آپ صرف اسی کی عبادت میں لگے رہئے۔

اس آیت میں اول عبادت کا اور پھر اس پر صبر اور استقامت کا حکم دیا۔ اس لیے کہ یہاں دو درجہ ہیں ایک درجہ تو عبدیت یعنی غلام بننے کا ہے اور دوسرا درجہ ہے عبودیت اور غلامی پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کی عبدیت اور عبادت پر مداومت ضروری ہے ایک لمحہ کے لیے بھی جاوہ عبودیت سے قدم نہ ہٹاؤ۔ نیز اس آیت میں عبادت کے حکم سے پہلے رب السموات والارض فرمایا یہ عبادت کے متقنی کا بیان تھا کہ مرنی اور محسن ہونا عبادت کو متقنی ہے اور کھلے تعظم کہ سمیٹا میں رفع مانع کا بیان ہے۔ یعنی اگر کوئی اس کی مثل ہوتا تو یہ سوال ہو سکتا تھا کہ ہم اس دوسرے خدا کی کیوں نہ عبادت کریں۔ پس جب یہ مانع بھی موجود نہیں تو پھر اس کی عبادت سے کیوں اعراض کرتے ہو اور جب تم جانتے ہو کہ وہ بے مثل اور یکتا ہے تو اس کی عبادت پر جمے رہو۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِثُّ لَسَوْفَ أُخْرِجُ حَيًّا ۝۶۶

اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر گیا پھر نکلوں گا جی کر۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝۶۷

کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اس کو بنایا پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ

سو قسم ہے تیرے رب کی! ہم گھبر بلا دیں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر سامنے لا دیں گے

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝۶۸ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّمًا

گرد و دوزخ کے، گھٹنوں پر گرے۔ پھر جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے جو نسا ان میں

أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۝۶۹ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ

سخت رکھتا تھا رحمن سے اگر۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہیں جو

هُم أَوْلَىٰ بِهَا صِلًى ۝۴۰ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ

بہت قابل ہیں اس میں پیٹھنے کے (پہنچنے) اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر ہو چکا

عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝۴۱ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَ

نیرے رب پر ضرور مقرر - پھر بچا دیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور

نَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًا ۝۴۲ وَإِذَا تَلَّىٰ عَلَيْهِمْ آيَتُنَا

چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسی میں اوندھے گرے۔ اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی

بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

کہتے ہیں جو لوگ منکر ہیں ایمان والوں کو دونوں فرقوں میں

خَيْرٌ مَّقَامًا وَآحْسَنُ نَدِيًّا ۝۴۳ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

کس کا مکان بہتر ہے اور اچھی لگتی ہے مجلس۔ اور کتنی کھپا چکے ہم پہلے اُن سے

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِعْيًا ۝۴۴ قُلْ مَنْ كَانَ

سنگتیں وہ اُن سے بہتر تھے اسباب میں اور نمود میں۔ تو کہہ جو کوئی رہا

فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا ۝۴۵ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا

بھٹکتا، سو چاہیے اس کو کھینچ لے جاوے رخصت لمبا۔ یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ

جو وعدہ پاتے ہیں، یا آفت اور یا قیامت۔ سو تب معلوم کریں گے

مَنْ هُوَ شَرُّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ۝۴۶ وَيَزِيدُ اللَّهُ

کس کا بُرا درجہ ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔ اور بڑھاتا جاوے اللہ

الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبُقِيَّاتِ الصَّالِحَاتِ خَيْرٌ

سو جیسے ہوؤں کو سوچھ - اور رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں۔

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۴۶﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ

تیرے رب کے ہاں بدلہ، اور بہتر پھر جانے کو جگہ - بھلا تو نے دیکھا وہ جو منکر

يَاٰتِنَا وَقَالَ لَا تُؤْتِيَنَّ مَالًا وَلَا وَكْدًا ﴿۴۷﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ

ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملنا ہے مال اور اولاد - کیا جھانک آیا ہے غیب

أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ﴿۴۸﴾ كَلَّا طَسَنُكْتُبُ مَا يَقُولُ

کو یا لے رکھا ہے رحمن کے ہاں اقرار؟ یوں نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو کہتا

وَنَسُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۴۹﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَ

ہے اور بڑھاتے جاویں گے اس کو عذاب میں لمبا - اور ہم لے لیں گے اس کے مرے پر جو بتاتا

يَاٰتِنَا فَرْدًا ﴿۵۰﴾

ہے اور آدیگا ہم پاس اکیلا۔

اثبات معاد و بیان حال اہل طاعت و اہل معصیت

قال الله تعالى- وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَاتَ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا.. الخ.. وَيَاٰتِنَا فَرْدًا ه (اربط) گزشتہ رکوع میں اہل طاعت اور اہل معصیت یعنی نیکوں اور بدوں کا انجام ذکر فرمایا کہ مرنے کے بعد ان کا یہ حال ہوگا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کے شبہات کا جواب دیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں۔

اہل غفلت اور ارباب شہوت کا عموماً یہ طریقہ ہے کہ وہ حشر و نشر کے منکر ہوتے ہیں۔ اور تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجائیں گے تو پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہونے کو محال اور خدا کی قدرت سے خارج سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس نادان انسان کو یہ بات یاد نہیں رہی کہ یہ پہلے نیست اور نابود تھا۔ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا تو پھر ہم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ نیز گزشتہ آیات میں صبر اور عبادت کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ صبر اور عبادت کا پھل قیامت کے دن ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جو آدمی حشر و نشر کا منکر ہے وہ بطور استہزاء و تکذیب یہ کہتا ہے کہ بھلا جب میں سرگیا تو پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا۔ یہ کہنے والا ابی بن خلف جمعی تھا خدا تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ کیا یہ منکر حشر آدمی یہ نہیں سوچتا کہ ہم نے اس کو اول پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی عدم محض تھا۔ پس اس آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ جو خدا معدوم محض کے موجود کرنے پر قادر ہے کیا وہ پر اگندہ اور ریزہ ریزہ شدہ چیز کو جمع کرنے پر قادر نہیں جو ذات والا صفات نیست کو هست اور هست کو نیست کرنے پر قادر ہے وہ جمع اور تفریق پر بلاشبہ قادر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر تمام مخلوق حشر کی دلیل لانے پر جمع ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر کوئی دلیل نہیں لاسکتا۔ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم قیامت کے دن ضرور ان مشرکوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں جمع کریں گے جو حشر کے منکر تھے اور ان کے ساتھ ان شیاطین کو بھی جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر ان کو بہکا یا کرتے تھے۔ ہر ایک کافر کو اسی کے شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ کر ساتھ باندھ دیں گے۔ ہر مجرم کا شیطان اس کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ۔

پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرد اگر دکھنوں کے بل گھسٹتا ہوا حاضر کریں گے۔ پھر نکالیں گے ہر فرقہ میں سے جو انسان میں کا دنیا میں اللہ تعالیٰ کا شدید سرکش تھا۔ تاکہ پہلے سب سے بڑے مجرم کو اور پھر اس کے بعد والے مجرم کو دوزخ میں داخل کیا جائے۔ کفار علی حسب المراتب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر فرقہ سے اس شخص کو کھینچے گا جو ان میں زیادہ متمرّد اور سرکش ہو گا۔ پھر جب وہ جمع ہو جائیں گے تو ان کو جہنم میں پھینک دے گا۔ اور جو جس طبقہ کے لائق ہو گا وہاں ڈال دیا جائے گا۔ پھر یہ نہیں کہ اس جد کرنے میں ہم کو تحقیقات کی ضرورت پڑے کیونکہ البتہ تحقیق ہم خوب جاننے والے ہیں کہ ان میں سے دوزخ میں داخل کرنے کا سب سے زیادہ لائق اور سزاوار کون ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون پہلے دوزخ میں ڈالنے کے قابل ہے گناہوں کی کثرت اور کیفیت کا تفصیل کے ساتھ علم اللہ ہی کو ہے اس کو معلوم ہے کہ پہلے کس مجرم کو آگ میں ڈالا جائے گا۔

یہاں تک خاص کافر اور منکر حشر و نشر انسان کے بارے میں کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں عام انسانوں کو خطاب عام فرماتے ہیں جو مومن اور کافر سب کو شامل ہے غرض یہ کہ گزشتہ آیت میں خاص اس انسان کو خطاب تھا جو حشر و نشر کا منکر تھا۔ اب آئندہ آیت میں مطلق انسان کو خطاب فرماتے ہیں اور اے بنی نوع انسان نہیں ہے تم میں سے کوئی انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر نیکو کار ہو یا بدکار ہو مگر یہ کہ وہ دوزخ کے پاس پہنچنے والا اور اس پر سے ضرور گزرنے والا ہے لیکن جب مومن دوزخ پر سے گزریں گے تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔

یہ دوزخ پر سے گزرنا حسب وعدہ و بمقتضائے حکمت تیرے پروردگار پر لازم اور قطعی اور قضاء بحکم ہے ضرور بالضرور اپنے وقت مقررہ پر واقع ہو کر رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ یہ قطعی فیصلہ کر چکا ہے

کہ ہر شخص کو دوزخ کے اوپر سے یعنی پل صراط سے ضرور بالضرور گزرنا ہے۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے اہل ایمان اور اہل تقویٰ اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جاگریں گے۔ اور گنہگار مسلمان بھی اُلجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ لیکن کچھ مدت بعد اپنے اعمالِ صالحہ کی برکت سے اور انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ پھر آخر میں براہِ راست ارحم الراحمین اپنے دستِ رحمت سے ان گنہگاروں کو نکالے گا جنہوں نے سچے دل سے کلمہ پڑھا تھا اب اس کے بعد جہنم میں صرف کافر باقی رہ جائیں گے اور دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا جیسا کہ فرماتے ہیں پھر اس ورود اور مرور عبور کے بعد ہم نجات دیں گے۔ ان لوگوں کو جو خدا سے ڈرتے تھے۔ یعنی ہم اہل تقویٰ کو بقدر تقویٰ نجات دیں گے اور ان کو بچالیں گے۔ اور ان کو صحیح و سالم نکال کر لے جائیں گے اور جو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گر پڑا ہے اس کو بعد میں دوزخ سے نکال لیں گے۔ اور ظالموں کو ہم اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور اگر وہ ظالم کافر و مشرک ہے اور ظلم عظیم کا مرتکب ہے تو اس کو

ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں گے اور اگر گنہگار مسلمان ہے تو چند روز کے لیے چھوڑ دیں گے اور پھر اس کو نکال لیں گے۔ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ **وَرَأَى مَنَکُھُ** کا خطاب عام ہے جس کے مخاطب سارے عالم کے لوگ ہیں جس میں مؤمن اور کافر اور صالح اور طالح سب ہی داخل ہیں اور ورود کے معنی عبور اور مرور کے ہیں۔ یعنی کسی چیز کے پاس پہنچنے کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدَیْنٍ۔ وَارْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَاذَلُّوا** اور ورود سے پل صراط پر سے گزرنا مراد ہے۔ اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مؤمن اور کافر سب کو پل صراط پر سے ہو کر گزرنا ہے۔ جو جہنم کی پشت پر قائم کیا جائے گا۔ جنت میں جانے کا راستہ یہی پل صراط ہے۔ مؤمن تو اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے۔ اور کافر اسی میں گر پڑیں گے جیسا کہ بعد والی آیت اس معنی پر دلالت کرتی ہے کہ ہم مؤمنوں کو بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرا دیں گے۔ اور پل صراط پر سے گزرنے کی رفتار بقدر اعمال ہوگی۔ کوئی مثل برق (سجلی) کے گزرے گا۔ اور کوئی مثل تیز گھوڑے کے اور کوئی مثل شتر سوار کے اور کوئی مثل دوڑنے والے آدمی کے اور کوئی مثل معمولی رفتار کے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ورود سے عبور اور مرور کے معنی مراد ہیں خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ دوزخ کی پشت پر جو پل قائم کیا جائے گا تم سب کو اس پر سے گزرنا ہے جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی پشت کو جنت میں جانے کا راستہ بنایا ہے۔ اہل ایمان اور خدا سے ڈرنے والے اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے موافق اس سے صحیح و سالم گزر جائیں گے۔ اور گنہگار اور بدکار اُلجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے۔ پھر کچھ عرصے بعد گنہگار اہل ایمان انبیاء اور ملائکہ اور صالحین کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ اور پھر اخیر میں براہِ راست ارحم الراحمین کے دستِ رحمت سے وہ لوگ بھی دوزخ سے نکال لیے جائیں گے کہ جن میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اور صرف کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے جو ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ **وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔**

اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ **وَإِنْ مِنْكُمْ** کا خطاب خاص کفار کو ہے اور درود کے معنی دخول کے ہیں **كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا دَرَدُوهُمَا** اگر یہ بت معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ **وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى - يَتَقَدَّمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ**۔

اور جب درود کے معنی دخول کے ہوں گے تو یہ دخول ناکفار کے لیے مخصوص ہوگا۔ حضرت انبیاء و مرسلین اس حکم میں داخل نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا - وَهُمْ فِي نَرْعٍ قَبِيضٍ آمِنُونَ** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین مخلصین جہنم سے دور اور بالکلیہ اس سے مامون اور محفوظ رہیں گے۔

اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آیت میں درود سے دخول کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مومن اور کافر سب اس میں داخل ہو گئے۔ اور جابر نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں کی طرف دراز کیں اور کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنا ہو تو خدا کرے یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی نیک فرد باقی نہ رہیگا۔ مگر ضرور جہنم میں داخل ہوگا مگر وہ آگ مومن کے حق میں برد و سلام ہو جائے گی۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر ہو گئی تھی۔

(آخر جہا احمد والحکیم الترمذی والحاکم وصحہ)

اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت سے آگ کا کسی کے حق میں برد اور سلام ہو جانا کوئی محال نہیں اس لیے کہ احراق نار کا طبعی اور ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ آگ کا کسی کو جلانا اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ آخر جو فرشتے جہنم پر مقرر ہیں آگ ان کو نہیں جلاتی اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ ایک ہی پیالہ پانی کا قبطی کے حق میں خون ہو جاتا تھا اور وہی پیالہ سبطی یعنی اسرائیلی کے حق میں شیریں پانی ہو جاتا تھا نیز عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ جہنم کے وسیع علاقے میں کچھ حصے ایسے بھی ہوں جو آگ سے خالی ہوں اور مومن جہنم کا معائنہ کر کے صحیح سالم واپس آجائیں (تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۳/ ج ۵)

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ درود کے معنی دخول کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سب لوگ مسلمان ہوں یا کافر ایک مرتبہ دوزخ میں ضرور جائیں گے مگر اہل ایمان کے حق میں آتش دوزخ برد و سلام ہو جائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ درود کے معنی مرور اور عبور کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر سے مسلمان اور کافر سب گزریں گے بل صراط دوزخ کی پشت پر ہے سب کو اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان تو پار ہو جائیں گے اور کافر کٹ کر دوزخ میں گر جائیں گے۔

(اب رہا یہ سوال) کہ مومنین کے اس طرح دخول جہنم میں کیا حکمت ہے کہ آگ ان کے حق میں برد و سلام ہو جائے (سو جواب یہ ہے) کہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

ایک یہ کہ اہل ایمان کے سرور اور فرحت میں اضافہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہولناک مقام سے

خلاصی بخشی اور اس نعمتِ عظمیٰ پر اللہ کا شکر کریں۔

دومؑ یہ کہ کافروں کے غم اور حسرت میں اضافہ ہو کہ جن کو ہم نے دنیا میں ذلیل اور حقیر سمجھا تھا وہ تو آج عیش و عشرت میں ہیں اور ہم عذاب اور مصیبت میں گرفتار ہیں۔

سومؑ یہ کہ مسلمانوں کے دشمن ان کے روبرو فیضیت ہوں۔

چہارمؑ یہ کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ جس حشر و نشر کی ہم تکذیب کرتے تھے وہ ہی حق نکلا۔

پنجمؑ یہ کہ مسلمانوں کو جنت کی نعمت کی قدر معلوم اور اس کی لذت محسوس ہو اس لیے کہ کسی نعمت کی قدر و قیمت مقابلہ سے ہوتی ہے و بصدھا تتبیتن الاشیاء (تفسیر کبیر صفحہ ۵۴، ۵۵/۵۶)

اور علماء تفسیر کے اس گروہ کے نزدیک جو ورود کو معنی دخول لیتے ہیں آیت اُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ سے نفسِ جہنم سے بُعد اور دوری مراد نہیں۔ بلکہ اس کے عذاب سے دوری مراد ہے برگزیدہ حضرات کے حق میں

تھوڑی دیر کے لیے بطور معائنہ جہنم کے علاقہ میں داخل ہونا موجب رحمت و کرامت ہوگا۔ جیل خانہ میں مجرموں کا داخل ہونا اور نوع کا ہے اور حکام کا بطور معائنہ اس میں داخل ہونا یہ اور نوع کا ہے دونوں دخول میں زمین و

آسمان کا فرق ہے۔

گزشتہ آیات میں منکرینِ حشر کے ذلت آمیز عذاب کا ذکر

کفار کے ایک مغالطہ کا جواب

فرمایا کہ ان ظالموں کو ذلت و خواری کے ساتھ ہم اسی جہنم میں گرا دیں گے یہ ظالم جب اس قسم کی آیتیں سنتے جن میں ان کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا تو بطور استہزاء و تفاخر عزیز مسلمانوں سے یہ کہتے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم وہاں بھی تم سے اچھے رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم تم سے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے اعتبار سے بہتر ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا جواب دیتے ہیں اور ان ظالموں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قیامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کیے جاتے ہیں۔ اور وہ ان کے جواب سے عاجز آ جاتے ہیں تو ازراہ جہالت کا فرا ایمان داروں سے یہ کہتے ہیں کہ بتلاؤ تو سہی کہ ہم دونوں فریق میں سے کون سا فریق مرتبہ کے اعتبار سے بہتر ہے اور کون سا باعتبار مجلس کے عمدہ ہے منکرینِ حشر جب دلائل حشر کے جواب سے عاجز آتے تو یہ کہتے کہ بتلاؤ دنیا میں کون زیادہ معزز ہے اور کس کی مجلس اور موسائٹی بہتر ہے اور کون عمدہ مکانات اور موٹر اور بنگلوں کا مالک ہے اور کون ٹھاٹھ سے زندگی گزار رہا ہے پس جس طرح ہم یہاں راحت و عزت میں ہیں اور تم ذلت اور مصیبت میں اسی طرح ہم عالمِ آخرت میں معزز اور سر بلند ہوں گے اور تم اسی طرح پستی میں ہو گے اگر تم حق پر ہوتے اور ہم باطل پر ہوتے تو تمہارا حال ہم سے بہتر ہوتا اللہ تعالیٰ آئندہ آیت میں اسبات کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان کفار مکہ سے پہلے کتنی ہی امتیں اور جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں۔ جو سامانِ زندگی یعنی مال و متاع میں اور مال و دولت اور عزت و شوکت میں اور نمود اور منظر میں ان سے بہت تھے۔ جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی تو اللہ نے ان کو تباہ

اور برباد کر دیا معلوم ہوا کہ دنیا کی چند روزہ خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی مقبولیت اور محبوبیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان مغرور متکبر دولت مندوں اور عیش پرستوں کو دنیا میں تباہ و برباد اور ذلیل و خوار نہ کرتا ان کا مال و منال اور ان کی عزت و وجاہت ان کی ہلاکت اور ذلت کو دفع نہ کر سکتی۔

ف اثاث کے معنی ساز و سامان کے ہیں جو تمام اقسام کے اموال کو اور اونٹ اور گھوڑے اور حشم و خدم کو اور اسباب خانہ کو شامل ہے اور ریشمی کے معنی یہ ہیں کہ جو منظر اور ظاہری ہیئت میں خوبصورت ہو۔ اور دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہو جیسے آج کل بنگلوں کا سامان آرائش و زیبائش جسے قارون اور فرعون بھی دیکھ کر دنگ رہ جانے۔ ان کافروں کی نظر صرف دنیا پر تھی اہل مکہ کو کچھ عزت و وجاہت ملی اور کچھ مال و دولت ملا مست ہو گئے۔ اور اترنے لگے اور غریب اور نادار مسلمانوں کو حقیر سمجھنے لگے اپنی فراخی اور مسلمانوں کی تنگدستی کو اس بات کی دلیل ٹھہرانے لگے کہ ہم حق پر ہیں اور مسلمان باطل پر ہیں قریش مکہ کو یہ ہوش نہ آیا کہ نصاریٰ روم بھی ہمارے مخالف ہیں اور ایران کے مجوسی بھی ہمارے مخالف ہیں اور دونوں گروہ مال و دولت اور عزت و وجاہت میں مکہ کے بت پرستوں سے ہزار درجہ بڑھ کر تھے۔ تو کیا قریش مکہ کے نزدیک نصاریٰ اور مجوس کی یہ ہوش ربا مالداری ان کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے۔

جواب دیگر اب آئندہ آیت میں اسی شبہ کا دوسرا جواب دیتے ہیں۔ اور اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ اے نبی آپ ان کافروں سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ کی عادت یوں جاری ہے کہ جو شخص گمراہی میں غرق ہے۔ سورجمن اس کو ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے۔ خوب ڈھیل دینا۔ یعنی اس کو رجمن کی رحمت اور اس کے علم سے مہلت مل رہی ہے ورنہ اس کے جرم کا مقتضایہ تھا کہ فوراً ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ گمراہوں کو فوراً پکڑ لے وہ حلیم و کریم ہے۔ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سکوپل مہلت دیتا ہے اور اسی کو دراز کرتا ہے اور پے درپے اسکو نعمتیں پہنچاتا رہتا ہے تاکہ اس پر حجت پوری ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْهُمُ التَّذْيِيرُ وَقَالَ تَعَالَى اِنَّمَا نُمْسِيْكُمْ لِيَمْلِكُنَّ اَدُوًّا اِشْمًا يَعْنِيْ هُمْ اَن كُو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ کھول کر کفر کریں اور دل کی حسرتیں نکال لیں اس لیے دنیا ان پر خوب کشادہ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کا اللہ کی طرف سے وعدہ یا وعید کی گئی ہے۔ خواہ دنیاوی عذاب کو دیکھیں اور خواہ قیامت کو دیکھیں جو عذاب کی انواع و اقسام کا مجموعہ

۱۔ یہ فليَمْدُدْ لَهُ السَّخْنَ مَدًّا کا ترجمہ ہے۔ یہ صیغہ امر کا ہے مگر معنی اس کے خبر کے ہیں۔ معنی مرادی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا اور لفظی ترجمہ یہ ہے کہ چاہیے کہ دراز کرے رجمن اس کے لیے خوب دراز کرنا۔ اور خبر کو بصیغہ امر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اشارہ اس طرف ہے کہ مقتضائے حکمت اس مہلت کا واقع ہونا ضروری ہے۔

۲۔ اس تردید میں اشارہ اس طرف ہے کہ یوم عددون۔ وعدہ سے مشتق ہے یا وعید سے دونوں کی گنجائش ہے۔

ہے۔ تو اس وقت ان پر حقیقت حال کھل جائے گی۔ اور اس وقت جان لیں گے کہ کون بدتر ہے باعتبار جگہ اور ٹھکانہ کے یا باعتبار مقام اور مرتبہ کے اور کس کے مددگاروں کی فوج کمزور ہے۔ یہ ان کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے کہ دونوں فریقوں میں سے کس کے مکانات عمدہ اور کس کی مجلسیں شاندار ہیں۔ اور کس کے یار و مددگار زوردار ہیں وہاں ان کے لیے نہ کوئی ٹھکانہ ہوگا اور نہ کوئی یار و مددگار ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ ان گمراہوں سے جو اپنی مال و دولت کے نشہ میں مسلمانوں کو حقیر سمجھ رہے ہیں ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ علیم اور کریم ہے۔ سرکشوں کے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ضلالت کو مہلت دیتا ہے کہ اپنے غرور اور جہالت کی امنگیں پوری کر لیں جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دنیاوی یا اخروی عذاب میں پکڑتا ہے اس وقت وہ جان لیتے ہیں کہ ذی عزت اور صاحب منزلت کون ہے اور کون ذلیل و خوار ہے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور مال و دولت مدار فضیلت نہیں بلکہ عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ مدار فضیلت ہیں۔ کافر دنیا میں غرور اور فخر سے یہ کہتا تھا اَتَى الْفَرِیقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا۔ قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مقام بُرا ہے اور کس کی مجلس بُری ہے اللہ تعالیٰ کے حلم نے تم کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے

ہیں مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیر سخت گیرد مرترا

یہ کہ آیات بینات کی تلوادت سے گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان آیات بینات سے راہ راست اختیار کرنے والوں کے لیے ہدایت بڑھاتا ہے۔ جس قدر آیات بینات کو سنتے ہیں اسی قدر ان کے ایمان اور ہدایت میں زیادتی ہوتی ہے۔ آیات بینات سے مومنین کے ایمان اور ایقان میں زیادتی ہوتی ہے اور کافروں کی گمراہی میں زیادتی ہوتی ہے۔

دلدادگان دنیا جو بطور تمسخر اور استہزاء غریب مسلمانوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس طرح ہم دنیا میں باعتبار مال و دولت کے تم سے بہتر ہیں۔ اسی طرح ہم آخرت میں بھی تم سے اچھے رہیں گے۔ ان کی اس بات کے دو جواب پہلے گزر گئے۔ اب آگے ایک اور جواب دیتے ہیں۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی اعمال صالحہ اور اعتقادات حقہ تیرے پروردگار کے نزدیک باعتبار جزاء کے بھی بہتر ہیں اور باعتبار انجام اور ثمرہ کے بھی بہتر ہیں، باقیات صالحات سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آویں حدیث میں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا ہے۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمام اعمال صالحہ اس میں داخل ہیں۔ سورہ کہف کے چھٹے رکوع میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے اور

لہ اشارہ اس طرف ہے کہ مَنْ هُوَ شَرُّ مَکَانًا میں دو احتمال ہیں کہ مکان سے جگہ اور ٹھکانہ کے معنی مراد ہوں یا مقام اور مرتبہ کے معنی مراد ہوں واللہ اعلم۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آخرت میں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ عزت و راحت کا دار و مدار باقیات صالحات پر ہے اور اصلی دولت اعمالِ صالحہ اور اعتقاداتِ حقہ میں نہ کہ دنیاوی مال و دولت اور اس دار فانی کا ساز و سامان اور چند روزہ رونق و وہاں پہنچ کر معلوم ہوگا کہ خیرٌ مَقَامًا وَاَحْسَنُ نَدِیًا کا بہترین مقام کس کو حاصل ہے۔ اہل ایمان کو یا اہل کفر کو مرنے کے بعد مال و اولاد کام نہ آئیں گے صرف باقی رہنے والی نیکیاں کام آئیں گی۔

منکرینِ حشر کے ایک اور تکبر اور تمسخر کا جواب گذشتہ آیت کی طرح ان آیات میں بھی منکرینِ بعث و نشر

حق تعالیٰ نے کفار کے ایک قول کا ذکر کیا جو دنیا کی ظاہری رونق اور زینت پر فخر کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور قوت و شوکت اور کثرتِ اعوان و انصار پر اور عہدگی مکانات پر اتراتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا مُسکت جواب دیا۔ اب پھر اسی قسم کے غرور و تکبر کا ایک قول نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خباب بن ارت صحابی رضی اللہ عنہ آہنگری کا کام کرتے تھے جاہلیت کے زمانہ میں عاص بن وائل کافر نے ان سے ایک تلوار بنوائی جس کی قیمت اس کے ذمے قرض تھی زمانہ اسلام میں خبابؓ نے اس سے اپنے قرض کا تقاضہ کیا اس نے کہا کہ جب تک تو محمدؐ کی نبوت کا انکار نہ کریگا۔ اس وقت تک میں تیرا قرض نہیں دوں گا۔ خبابؓ نے کہا واللہ ہرگز ہرگز میں آپؐ کی نبوت کا انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرے اور پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے تو وہ بولا کہ جب میں سر کر زندہ ہوں گا۔ تو وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد سب کچھ ہوگا جیسا کہ اب ہے۔ پس اسی وقت تیرا سارا قرض چکا دوں گا۔ جلدی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی بدبخت کا قول نقل فرمایا اور اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بدبخت کو کیونکر معلوم ہوگا کہ وہاں بھی اس کو مال اور اولاد ملے گا۔ کیا یہ عالم الغیب ہے یا اس نے خدا سے اقرار کر لیا ہے ہم اس کی یہ سب باتیں لکھ رہے ہیں۔ قیامت کے دن باز پرس کریں گے اور سزا دیں گے چنانچہ فرماتے ہیں (۱۱۱) نبیؐ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہا کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو وہاں بھی مجھ کو مال اور اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کیا یہ کافر غیب پر مطلع ہو گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو سب کچھ ملے گا۔ ”اطلاع“ کے معنی بلند مقام پر چڑھ کر کسی چیز کو جھانکنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کیا اس کافر نے بلند مقام سے جھانک لیا ہے کہ وہاں مجھ کو یہ ملے گا یا اس نے لوح محفوظ پر نظر ڈال کر دیکھ لیا ہے کہ میں ضرور بہشت میں داخل ہوں گا۔ اور وہاں پہنچ کر مجھ کو مال و اولاد ملے گی یا اس نے اللہ سے اس بات کا عہد لے لیا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کو مال اور اولاد دے گا۔ ہرگز نہیں یہ سب غلط ہے وہاں کچھ نہیں ملے گا یہ کلمہ زجر ہے یعنی جھڑکی ہے جھڑکنے اور ڈانٹنے کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جھوٹا اور بدکار ہے اور سخت گستاخ ہے ضرور ہم اس کا یہ گستاخانہ قول اس کے اعمال نامہ میں لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اس گستاخانہ قول پر خاص طور پر سزا دیں گے۔ اور اس گستاخی و جرات کی وجہ سے ہم اس کے لیے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اول تو کفر اور پھر یہ گستاخی اس لیے

اس پر عذاب پر عذاب ہوگا۔ اور جس مال اور اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس کے ہم وارث ہوں گے اس کے مرتے ہی وہ سب اس سے چھین جائے گا اور وہ قیامت کے دن ہمارے پاس تنہا آئے گا۔ نہ اس کے ساتھ اس کا مال ہوگا۔ اور نہ اس کی اولاد ہوگی۔ قیامت کے دن کافر کو نہ مال کام آئے گا۔ اور نہ اولاد ساتھ دے گی بخلاف مسلمان کے کہ وہاں اس کو مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی کام آئے گی۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِيَكُونُوا

اور پکڑا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو پوجنا کردہ ہوں

لَهُمْ عِزًّا ۚ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

ان کی مدد۔ یوں نہیں! وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور ہو جاویں گے ان

ضِدًّا ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ

کے مخالف۔ تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان منکروں پر؟

تَوَزَّهُمْ أَزًّا ۚ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعِدُّ لَهُمْ

اچھالتے ہیں انکو ابھار کر۔ سو تو جلدی نہ کر ان پر ہم تو پوری کرتے ہیں ان کی

عَذَابًا ۚ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۚ

گنتی۔ جس دن ہم اکٹھا کر لادیں گے پرہیزگاروں کو رحمن کے پاس مہمان بلائے۔

وَنَسُوقُ الْمَجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وَرْدًا ۚ لَا يَمْلِكُونَ

اور ہانک لے جائیں گے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۚ وَ

لوگ سفارش کا مگر جس نے لیا رحمن سے اقرار۔ اور

قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۚ

لوگ کہتے ہیں رحمن رکھتا ہے اولاد۔ تم آگئے ہو بھاری چیز میں۔

تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ

ابھی آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے، اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں

الْجِبَالُ هَدًّا ۚ أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ وَ مَا

پہاڑ ڈھے کر - اس پر کہ پکارتے ہیں رحمن کے نام پر اولاد - اور نہیں

يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ إِنَّ كُلُّ مَنْ فِي

بن آتا رحمن کو کہ رکھے اولاد - کوئی نہیں

السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۚ لَقَدْ

آسمان و زمین میں، جو نہ آدے رحمن کا بندہ ہو کر - اُس پاس

أَحْصَاهُمْ وَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا ۚ وَ كُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

ان کا شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی - اور ہر کوئی ان میں آدے گا اُس پاس قیامت

فَرْدًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ

کے دن اکیلا - جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا

لَهُمُ الرَّحْمَنُ وَدًّا ۚ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِنُبَشِّرَ بِهِ

رحمن محبت - سو ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اس واسطے

الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لَّدُنَّا ۚ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ

کہ خوشی سنا دے تو ڈر والوں کو اور ڈرا دے جھگڑالو لوگوں کو - اور کتنی کھپا چکے ہم ان سے پہلے

قَرْنٍ ۚ هَلْ تَحْسُ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ

سنتیں، آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کا؟ یا سنتا ہے؟

لَهُمْ رِزْقًا ۚ

ان کی بھنگ



ابطال عقیدہ ابنیت

وبیان ضلال و وبال منکرین و حدانیت و منکرین قیامت برائے تسلیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ - وَاتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً -... الی -... اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (ربط) شروع سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبودیت اور بلا یاب کے ان کی ولادت کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی والدہ ماجدہ کی عصمت و نزاہت ثابت ہو جائے اور یہود بے بہبود کا رد ہو۔ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کو ولد الزنا اور ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں ان لوگوں کے زعم فاسد کا رد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں۔ اور اس پر گھمنڈ کرتے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں قیامت اور خدا پرستوں کا حال اور مال بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی جہالت اور ضلالت اور سوء عاقبت کو بیان کرتے ہیں جو مشرک ہیں اور خدائے تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے نصاریٰ اور یہ بتلاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ایسا جرم عظیم ہے کہ اندیشہ ہے کہ آسمان اور زمین نہ شق ہو جائیں اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو یہ گستاخ کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے۔

اور جب دنیا میں کفار اور مشرکین کی جہالت اور آخرت میں ان کی فحیحت بیان کر چکے تو سورت کو احوال مؤمنین صالحین پر ختم فرمایا اور یہ بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح کی برکات میں سے ایک برکت یہ ہے کہ من جانب اللہ لوگوں کے دلوں میں مومن کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ جس سے وہ محبوب خلائق ہو جاتا ہے اور سورت کو ایک موعظت بلیغہ پر ختم فرمایا۔ یعنی کُمْ أَهْلَكُنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَبْرِ پر سورت کو ختم فرمایا کہ یہ دنیا فانی اور آنی جانی ہے اپنے انجام کو سوچ لو۔ مال و دولت کے غرہ میں نہ رہو۔ اس سورت کو رحمت کے ذکر سے شروع فرمایا۔ اور انذار اور ترسب پر اس کو ختم فرمایا یہ انداز کلام خاص طور پر موجب لطیف ہے۔

نیز قریبی آیتوں میں ناخلف لوگوں کا حال اور مال بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں دوسرے ناخلف لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو خدا کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت پر تو گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنی جہالت اور ضلالت کو نہیں دیکھتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان نادانوں نے بنا لیے اللہ کے سوا اور معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں۔ تاکہ وہ معبود ان کے لیے اللہ کے یہاں عزت اور نصرت کا سبب بنیں اور اللہ کے یہاں ان کی شفاعت کریں اور ان کی شفاعت کی بدولت خدا کے یہاں عزت پائیں۔ ہرگز نہیں یعنی کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ان نادانوں کا محض سوداٹے خام ہے۔ جو انہوں نے اپنے خیال سے گھڑ

رکھا ہے کسی کو معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا وہ معبود خود ان کے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور تراشے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کیا نفع پہنچائیں گے اور ان کو کیا عزت بخشیں گے بلکہ قیامت کے دن یہی معبود خود ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے۔ اور بجائے معین و مددگار ہونے کے ان کے مخالف اور دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کی بندگی سے اپنی برائت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا کر دے گا۔ اور وہ بت ان کی عبادت کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں جن کو اپنا دوست یا مددگار سمجھتے تھے وہ مدد تو کیا کرتے اُن کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور بجائے عزت بڑھانے کے ذلت اور رسوائی کا سبب بنیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۖ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ مَا كَانُوا إِلَّا نَارًا يَعْْبُدُونَ ۚ فَالْقَوْلُ إِلَيْهِمُ الْقَوْلُ ۚ إِن كُنتُمْ تَكْفُرُونَ۔ پس جب یہ بت بھی ان سے بری اور بیزار ہو جائیں گے تو ان کی حسرت بہت ہی زیادہ ہو جائے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سَيَكْفُرُونَ کی ضمیر عابدوں یعنی مشرکوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب کافر اور مشرک قیامت کے دن کفر اور شرک کے بُرے انجام کا مشاہدہ کریں گے تو اپنے شرک سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے وَاللّٰهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ یعنی خدا کی قسم ہم تو کبھی مشرک ہوئے ہی نہیں۔ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر اپنے شرک سے مکر جائیں گے۔ اور صریح جھوٹ بول جائیں گے کہ ہم نے تو تیری عبادت میں کسی کو شریک ہی نہیں کیا۔

اد پر کی آیتوں میں کافروں کی گمراہیوں کا اور آخرت میں ان کی رسوائیوں کا بیان ہوا اب آئندہ آیات میں ان کی گمراہی کا سبب بیان کرتے ہیں کہ وہ تسلطِ شیاطین ہے کہ دنیا میں شیاطین ان پر مسلط تھے اور یہ لوگ ان کے اشاروں پر چل رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ آپ نے دیکھا نہیں کہ ہم نے بتقاضائے حکمت اور بغرض ابتلاء و امتحان شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان کو ہلاتے رہتے ہیں خوب ہلانا اور اچھالتے رہتے ہیں خوب اچھالنا اور اپنی انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں خوب نچانا تاکہ اہل عقل ان کی گمراہی کا تماشا دیکھیں۔

زجاج کہتے ہیں کہ ارسال کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جیسے کتا شکار پر چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ دیا ہے۔ انتہی کلام یہ اس کی قضا و قدر ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت ہے جس کو چاہے جس پر مسلط کر دے۔

اور تَوَّزَّهُمْ اَزَّا کے معنی تحریک اور ازعاج کے ہیں یعنی ہلانے اور جنبش دینے اور براہِ نیغہ کرنے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا بلکہ براہِ نیغہ کرتا ہے جیسے انبیا کریم اور ان کے وارث کسی کو اللہ کی اطاعت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ ایمان اور عمل صالح کی دعوت دیتے ہیں اسی طرح شیاطین کسی کو کفر اور معصیت پر مجبور نہیں کرتے بلکہ اس کو کفر اور معصیت کی

دعوت دیتے ہیں۔ جو عقل والے ہیں وہ انبیاء کرامؑ کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور جو شہوت پرست نفس کے بندے ہیں وہ شیطان کی دعوت کو قبول کرتے ہیں اور کھلم کھلا اللہ کی نافرمانی اور اس کے مقابلہ پر تل جاتے ہیں اور مستحق سزا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اے نبیؐ آپ ان بدبختوں کے لیے عذاب اور سزا کی جلدی نہ کیجیے۔ ہم ان کے جرم سے غافل نہیں ہم نے ان کی سزا کے لیے ایک وقت معین کر رکھا ہے۔ جزایں نیست کہ ہم ان کی مدت کو شمار کر رہے ہیں شمار کرنا جب وہ شمار پوری ہو جائے گی اس وقت ان پر عذاب آئے گا مطلب یہ ہے کہ آپ اگے عذاب میں جلدی نہ کیجیے ہم نے ان کو مہلت دے دی ہے اور ان کی باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دی ہے اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور ان کی میعاد کے دن ہم گن رہے ہیں جب دن پورے ہو جائیں گے تو ضرور عذاب آئے گا اور کسی طرح نہیں ملے گا اور ان مجرموں کو سزا اس روز ملے گی کہ جس روز ہم پر ہیزگاروں کو بارگاہِ رحمن کی طرف اعزاز و اکرام کے ساتھ وفد بنا کر سوار یوں پر لے جائیں گے۔ جیسے معزز و فود کو شہنشاہ کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔ اور مجرموں کو جانوروں کی طرح جہنم کی طرف پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر لے جائیں گے جس طرح پیاسے جانوروں کو گھاٹ کی طرف ہنکا کر لے جاتے ہیں۔ اسی طرح مجرموں کو پاپیادہ اور پیاسا ہنکا کر دوزخ کے گھاٹ لے جا کر اتار دیں گے۔

بے شمار روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ متقین اعزاز و اکرام کے ساتھ سوار یوں پر سوار کر کے جنت میں پہنچائے جائیں گے۔ اور مجرم لوگ پاپیادہ اور پیاسے جانوروں کی طرح ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہنکا کر لے جائیں گے۔ اور اس روز لوگ شفاعت کے مالک اور مختار نہ ہوں گے مگر جس نے رحمن سے کوئی پروا نہ لیا۔ یعنی اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ مگر جس کو اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو جیسے انبیاء و صلحاء اور جن کے لیے اجازت ہو بغیر اس کی اجازت کے کوئی زبان نہیں ہلا سکے گا۔ اور سفارش انہی لوگوں کی کر سکیں گے جن کے لیے سفارش کی اجازت ہوگی جیسے مسلمان اور کافروں کے لیے سفارش کی اجازت نہ ہوگی۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کا رد فرمایا اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ رحمن نے اپنے لیے اولاد بنائی یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ تم تینوں بڑی بھاری بات لائے ہو اور جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہو قریب ہے کہ تمہاری اس گستاخی سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین پھٹ جائے اور یہ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اور وہ ریزے اڑ کر ان کو لگ جائیں۔ جس سے یہ ہلاک یا زخمی ہو جائیں اس لیے کہ ان لوگوں نے رحمن کے لیے اولاد ٹھہرائی ہے۔ یہ ایسی بھاری بات ہے کہ اگر اس سے سارا عالم تہہ و بالا ہو جائے تو کچھ تعجب کی بات

نہیں۔ مگر وہ رحمنِ حلیم اور بردبار ہے۔ گستاخی اور نالائقی پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ كما قال الله تعالى
 إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَكِنْ كُنَّا إِتَّكَانَ أَمْسَكُهُمَا مِنْ أَحَدٍ
 مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا۔ غرض یہ کہ یہ کلمہ نہایت درجہ خراب اور بُرا ہے اور جس سے اللہ
 کا غضب اور قہر جوش میں آجاتا ہے اور زمین اور آسمان اس سے ٹھہرا جاتے ہیں اور اندیشہ ہوتا ہے کہ
 دنیا تباہ نہ ہو جائے۔ رحمن کی شان کے شایان نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ بیٹا باپ کا شبیہ اور نظیر ہوتا ہے۔
 اور کسی درجہ میں باپ کا مددگار بھی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شبیہ اور نظیر سے پاک ہے اور کسی کی مدد سے
 بے نیاز ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے وہ اس کے ردِ بر و ضرور بندہ اور غلام بن کر حاضر ہونے والا ہے
 تو اس کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بیٹا اور غلام ہونے میں تو منافات ہے۔

البتہ تحقیق اللہ نے سب کو اپنے علم اور قدرت کے احاطہ میں گھیر رکھا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ
 نہیں اور ہر ایک ان میں قیامت کے دن اس کے پاس تنہا حاضر ہونے والا ہے۔ نہ اس کے پاس مال ہوگا
 اور نہ اولاد ہوگی۔ غرض یہ کہ کل عالم اس کے سامنے مجبور اور مقہور ہے اور عاجز اور لاچار ہے اور اس کے
 علم اور قدرت کے احاطہ میں گھرا ہوا ہے پھر وہ خدا کا شریک یا اس کا فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔

خاتمہ سورت ۴

مشمول بر بشارت اہل ایمان و طاعت و نذارت اہل طغیان و

خصوصیتِ بدون آل از اعظم مقاصد نزول کتاب ہدایت و اغراض بعثت

(ربط) اوپر کی آیتوں میں متقین کے اعزاز و اکرام اور مجرمین کی ذلت و خواری کا ذکر تھا۔ اب اس
 سورت کو ابراہیم کی بشارت اور اشترار کی نذارت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تنزیلِ قرآن اور بعثتِ نبوی کا
 عظیم ترین مقصد ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے جو
 خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ اُخروی نعمتوں کے علاوہ دنیا ہی میں ان کو
 یہ نعمت عطا کرے گا۔ کہ نیک بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا۔ اور بدوں کے دل میں ان کی
 ہیبت ڈال دے گا۔ یعنی ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظر میں محبوب ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بدون سبب ظاہری لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا کر دیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ
 کافروں کے دل میں رعب ڈال دیتے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ
 اللہ ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا مخلوق کے دل میں ان کی محبت
 ڈال دے گا۔ (کذا فی موضح القرآن)

فائدہ جاننا چاہیے کہ مقبولیت و محبوبیت اور چیز ہے اور شہرت اور چیز ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ مقبولیت اور محبوبیت کی ابتداء نیک بندوں اور خدا پرستوں سے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے دل میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو قبول عام ہو جاتا ہے باقی محض اخباری شہرت یا کسی غلط فہمی کی بنا پر عوام الناس کا کسی لیڈر کی طرف جھک جانا یہ مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں۔ خوب سمجھ لو۔

پس اے نبی آپ لوگوں کو یہ بشارت دیجئے۔ کیونکہ اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اسی لیے آسان اور سہل کر دیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے بشارت سنائیں پر ہیزگاروں کو جنہوں نے کفر اور شرک سے کنارہ کیا۔ اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے۔ اور تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔ جھگڑالو قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق اور اہل حق سے جھگڑتے ہیں اور باطل اور اہل باطل کا ساتھ دیتے ہیں۔ جن کو حق سے عداوت ہے اور حق سے عداوت اور نفرت ہی ہمہ اقسام کفر و معصیت کی جڑ ہے۔ لہذا آپ اللہ کے عذاب سے اس جھگڑالو قوم کو ڈرائیے اور یہ بتلا دیجئے کہ ہم نے ان سے پہلی کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک کر دیا۔ جو حق سے نفرت اور عداوت رکھتے تھے اور اہل حق سے جھگڑتے تھے۔ کیا تو پتا ہے اور دیکھتا ہے ان ہلاک ہونے والوں میں سے کسی کو یعنی کیا ان میں سے کوئی تجھے دکھائی دیتا ہے یا ان میں سے کسی کی سنک اور بھنک سُننا ہے۔ ”دِکْنُکَ“ کے معنی لغت میں آہستہ آواز کے ہیں۔ حاصل یہ کہ ان ہلاک شدگان میں سے تجھے کسی کا جسم نظر آتا ہے یا کسی کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ سب ہی ہلاک ہو گئے کسی کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

لہذا عرب کے کافر اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی اور بربادی سے عبرت پکڑیں اور بُرے انجام سے ڈریں۔ اور آخرت کی فکر کریں اور قہر الہی سے ڈریں اور اللہ کی عادت یہ ہے کہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اور پھر جب جھگڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ صفت اور حالت تو کفار کی تھی۔ مگر اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ بہت سے مسلمانوں کا ظاہری اور عملی طور پر یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حالت پر رحم فرمائے اور ہم کو حسن اعمال کی توفیق دے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے آمین یا رب العالمین۔

الحمد للہ
آج بتاریخ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ یوم چہار شنبہ بوقت آٹھ بجے سورہ مریم کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

والحمد لله رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین
وعلینا معہم یا رحم الراحمین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۵

تفسیر سورۃ طہ

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ایک سو پینتیس آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کے شروع میں طہ کا لفظ آیا ہے اس لیے یہ سورۃ اس نام سے موسوم ہوئی اور اس سورت کا ایک نام الہیم بھی ہے۔ سورۃ مریم میں حق تعالیٰ نے متعدد انبیاء کرامؑ کے واقعات اور قصے ذکر کیے بعض تفصیل کے ساتھ، جیسے زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور بعض اجمال اور اختصار کے ساتھ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور باقی انبیاء کرامؑ کے قصوں کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ۔ الایات۔ اب اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور پھر اخیر سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی قدرے تفصیل کرتے ہیں جن کا سورۃ مریم میں محض نام ذکر فرمایا اُولَٰئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیِّیْنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ، اور اس سورت کے بعد سورۃ انبیاء میں ان انبیاء کرامؑ کے قصے ذکر فرمائے جن کے قصے سورۃ مریم میں ذکر نہیں فرمائے تھے۔ جیسے حضرت نوح اور لوط اور داؤد اور سلیمان اور ایوب، یسع اور ذاکفل اور ذوالنون علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور جن انبیاء کرامؑ کے قصے سورۃ مریم میں ذکر ہو چکے تھے سورۃ انبیاء میں ان کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت اسمعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصے اور سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صرف اتنا قصہ ذکر فرمایا جو قوم سے متعلق تھا اور جتنا قصہ ان کے باپ آذر سے متعلق تھا چونکہ اس کا ذکر سورۃ مریم میں ہو چکا تھا اس لیے سورۃ انبیاء میں اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

آیاتہا ۱۳۵ = ۲۰ = سورۃ طہ مکیہ = ۲۵ رکوعات ۸

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

طہ ۱ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی ۲ اِلَّا تَذِکْرًا

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے۔ مگر نصیحت کے واسطے

لَسَنَ يَخْشَى ۳ تَنْزِيلًا مِّنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ

جس کو ڈر ہے - اتارا ہوا اس شخص کا، جس نے بنائی زمین اور آسمان

الْعُلَى ۴ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۵ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اُدُنَجے - وہ بڑی مہر والا تخت کے اُدپر قائم ہوا - اسی کا ہے جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۶ وَ

اور زمین میں ہے اور ان دونوں کے بیچ اور نیچے سیلی زمین کے - اور

إِنْ تَجْهَرُوا بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۷ اللَّهُ

اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی - اللہ ہے

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۸

جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ اُس کے ہیں سب نام خاصے -

تقریر رسالت و حدانیت

قال الله تعالى: طه مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى... إلخ... لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى...
(ربط) گزشتہ سورت کے ختم پر نزول قرآن کا ذکر تھا۔ فَإِنَّمَا يَسْكُرُنَا ۚ بِلِسَانِكَ
لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ الخ یعنی ہم نے قرآن آپ کی زبان یعنی عربی میں اس لیے نازل کیا تاکہ
آپ کو متقین کی تبشیر اور معاندین کا انداز آسان ہو جائے اب اس سورت کے شروع میں انزال قرآن
کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے نازل کرنے سے ہمارا مقصود نصیحت اور موعظت اور بندوں
کی ہدایت ہے کہ ان کو زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل ہو اور سمجھیں کہ لائق
عبادت وہی معبود برحق ہے جس کی قدرت اور جس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے۔
ابتداء میں جب آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا تو آپ نماز تہجد میں
اس قدر طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک درم کر جاتے۔ بدبخت کا فروں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو کہنے
لگے کہ اس شخص پر قرآن کیا نازل ہوا یہ تو اور مشقت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

طہ واللہ اعلم بمرادہ بذالک لے نبی ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ایسی مشقت اور تعب میں پڑ جائیں لیکن یہ قرآن تو ہم نے اس شخص کی نصیحت کے لیے نازل کیا ہے جو خدا سے ڈرتا ہو۔ لہذا آپ کسی کے کہنے سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں جس کی قسمت میں ڈرنا اور ماننا ہے وہ مانے گا۔ جس قدر آپ کو آسان ہوا اتنا پڑھ لیا کیجیے۔ فَاَقْرَءْ وَاَمَّا تَشْتَرُ مِنْهُ اور اس قدر تعب اور مشقت میں نہ پڑیے۔ مشرکین یہ خیال نہ کریں کہ اللہ نے آپ پر کوئی مشقت اور تعب کی چیز نازل کی ہے بلکہ وہ ایک خیر کثیر اور کتاب حکمت اور موعظت ہے۔ اور مشعل ہدایت اور ابر رحمت اور سامان سعادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن رحمت کے لیے نازل کیا ہے نہ کہ زحمت کے لیے۔

یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہم نے آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ان سرکشوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے رنج اور حسرت میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے ان کو نصیحت کریں اور ان منکرین اور معاندین کی باتوں سے ملول اور تنگ دل نہ ہوں آپ ان کو تبلیغ اور نصیحت کر چکے۔ اب ان کو اختیار ہے کہ چاہیں ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ اور یہ مضمون اس قسم کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ فَلَكَذَلِكَ بَاخِعُ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ اَسَفًا فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی دعوت اور نصیحت میں جس قدر مشقت اٹھا سکتے تھے وہ آپ نے اٹھا لی۔ آپ ان کے رنج و غم میں اپنی جان ہلاک نہ کیجیے اور یہ قرآن آپ پر اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمن ہے جو عرش پر قائم اور جلوہ فرما ہے۔ بمقتضائے رحمانیت اس نے بندوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے اور آپ کے قلب مبارک کو اس نور ہدایت کے لیے کوہ طور سے بڑھ کر مضبوط اور محکم بنایا ہے ہر شخص کا دل ان انوار تجلیات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ استواء علی العرش کی مفصل تفسیر سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔ اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا مکان اور بلا جہت کے اور بلا حد اور بلا کیفیت کے عرش پر قائم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ عرش عظیم باری تعالیٰ کا جلوہ گاہ ہے۔ عرش اس کا مستقر اور جائے قرار نہیں اس لیے کہ وہ نہ مکان کا محتاج ہے اور نہ کسی تخت اور جہت کا محتاج ہے اور نہ عرش اس کو اٹھائے ہوئے ہے اور نہ تھامے ہوئے ہے بلکہ اللہ کی قدرت عرش عظیم کو تھامے اور اٹھائے ہوئے ہے عرش اللہ تعالیٰ کا مخلوق اور پیدا کردہ ایک جسم ہے جو محدود اور متناہی ہے اور یہ ناممکن اور محال ہے کہ کوئی شے خالق کو اٹھائے اور تھام سکے۔ عرش اور مکان بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ جس شان سے تھا عرش اور مکان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے ہے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا کوئی جسم نہیں۔ جو کسی دوسرے جسم پر مستقر اور متمکن ہو سکے۔ (نظم)

نے مکاں رہ یافت سوش نے زماں نے بیاں دارد خبر زو نے عیاں
 ایں ہمہ مخلوق حکم داور است خالق عالم ز عالم برتر است

اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔
 یعنی جو چیز زمین کی تہہ میں ہے وہ بھی اس کی ملک ہے۔ گیلی مٹی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ
 ہے کہ بلندی و پستی سب اسی کے قبضہ تصرف میں ہے اور سب پر اس کی نظر رحمت ہے۔

یہ تو اللہ کی قدرت ہوئی اور اللہ کے علم کی شان یہ ہے کہ اے مخاطب اگر تو کوئی بات پکار
 کر کہے تو اس کے سُننے میں تو کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سُننے میں کسی جہر کا اور کسی آواز کا محتاج نہیں وہ
 تو ایسا ہے کہ اس کو پوشیدہ بات کا اور پوشیدہ سے زیادہ پوشیدہ بات کا بھی علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ
 پر تو دل کے خطرات بھی پوشیدہ نہیں۔ سِر کے معنی آہستہ اور پوشیدہ بات کے ہیں جو دوسروں سے
 چھپا کر کرے اور اخفی وہ بات ہے جو اپنی دل میں رکھے اور کسی سے بھی ظاہر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا
 کوئی معبود نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات اور کمالات اسی کے لیے ہیں۔ ربوبیت اور خالقیت
 اور رزاقیت اور مالکیت اور تمام صفات فاضلہ اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کسی میں یہ صفات نہیں پائی
 جاتیں۔ اور یہ قرآن اسی ذات مقدس کی نازل کردہ کتاب ہے کہ جو تمام چیزوں کی مالک ہے اور
 تمام ظاہر و باطن کی عالم ہے، اور تمام کائنات کی مُرتبی ہے۔ پس جس پر ایسی مقدس اور مبارک کتاب
 نازل ہوگی۔ وہ مشقت اور مصیبت میں نہیں پڑ سکتا۔ اسی کتاب کو رحمن نے عرش عظیم سے نازل
 فرمایا ہے۔ اس کتاب کا نزول رحمت کی دلیل ہے نہ کہ زحمت اور مشقت کی علامت ہے۔

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۙ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی ؟ جب اُس نے دیکھی ایک آگ تو کہا

لَا هِلَٰهٖ اَمْكُتُوْا اِنِّیْٓ اَنْسَتْ نَارًا نَّعْلِیْٓ اَتِیْكُمْ مِنْهَا

اپنے گھر والوں کو ٹھہرو ! میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں

بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلٰی النَّارِ هُدًى ۙ فَلَمَّا اَتٰهَا

سے سسکا کر یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتہ - پھر جب پہنچا

نُوْدِیْٓ یٰمُوسٰی ۙ اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ۚ

آگ پاس آواز آئی اے موسیٰ ! میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں ،

إِنَّكَ بِأَلْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ

تو ہے پاک میدان طوی میں - اور میں نے تجھ کو پسند کیا

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا

سو تو سننا رہ جو حکم ہو - میں جو ہوں، میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوائے

فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ

میرے، سو میری بندگی کر اور نماز کھڑی رکھ میری یاد کو - قیامت مقرر آئی ہے میں

أَكَادُ أُخْفِيهَا لِيُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا

بچھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلہ ملے ہر جی کو جو وہ کما تا ہے - سو کہیں

يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ

تجھ کو نہ روک دے اُس سے وہ جو یقین نہیں رکھتا اس کا اور پیچھے پڑا ہے

هُوَ فَتَرْدَىٰ ۝

اپنے مزدوں کے، پھر تو پٹکا جاوے۔

تفصیل قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى - وَ هَكَذَا حَدِيثُ مُوسَىٰ - - الى - - وَ اتَّبَعَ هُوَ فَتَرْدَىٰ

(ربط) اور یہ کی آیتوں میں اللہ کی توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بیان تھا اب آگے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں کس طرح اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کیا۔ اور دلیل نبوت یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے کے لیے گئے اللہ کے فضل سے ان کو نبوت مل گئی اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کر دے تو کیا بعید ہے۔

نیز اس قصہ کے بیان سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی مقصود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی دعوت اور تبلیغ میں طرح طرح کی مصیبتیں اور مشقتیں پیش آئیں گی۔ آپ بھی ان کی طرح صبر کیجئے بالآخر اللہ تعالیٰ آپ کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور فرعون کی طرح ان متکبرین کی ظاہری شان و شوکت سب خاک میں مل جائے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور اے نبی بھلا آپ کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر بھی پہنچی ہے کہ کس طرح انہوں نے سختیوں پر صبر کیا۔ آپ بھی تحمل شدائد میں ان کی اقتدا کیجئے۔ کیونکہ توریت میں آپ کو موسیٰ کے مانند کہا گیا ہے۔ جس کو علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے موسیٰ علیہ السلام کو اس بات سے آگاہ کیا تھا کہ ”میں بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسمعیل) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا پس اسی مماثلت اور مشابہت کے ثابت کرنے کے لیے قرآن کریم میں جابجا موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ بلاشبہ وہی نبی ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ کے مانند کہا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک آگ دیکھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنے ماں باپ اور بھائی کو دیکھنے کے لیے مصر جانے کی اجازت چاہی تو شعیب علیہ السلام نے ان کو اجازت دے دی اور ان کی بیوی کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اندھیری رات تھی راستہ بھول گئے اسی پریشانی میں تھے کہ کوہ طور پر دور سے ایک آگ دیکھی تو اپنی بیوی سے جن کا نام صفورا۔ یا صفوریا۔ یا صفورہ تھا یا گھر والوں سے کہا شاید بیوی کے علاوہ کوئی خادم وغیرہ بھی ساتھ ہو یہ کہا کہ تم یہیں ٹھہرو میرے پیچھے پیچھے مت آنا۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں تمہارے واسطے اس آگ میں سے ایک شعلہ لاؤں یا شاید پاؤں آگ کے پاس راستہ کا اہل پتہ یعنی شاید وہاں کوئی شخص ایسا مل جائے جو مجھے راستہ بتا دے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی صفورا دختر شعیب علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیے مدین سے مصر کو واپس آ رہے تھے جاڑوں کا موسم اور رات کا وقت تھا بیوی کو حمل تھا۔ آج کل میں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ کوہ طور کے قریب جا پہنچے۔ سردی کی وجہ سے بے قرار تھے یکایک دور سے ایک آگ نظر آئی حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ نور الہی تھا جو آگ کی صورت میں نظر آیا اور موسیٰ علیہ السلام اس کو آگ سمجھے۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دراصل نار نہ تھی بلکہ نور الہی کی ایک شعلہ تھی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نار (آگ) کی تلاش میں نکلے تھے اور آگ ہی ان کا مطلوب اور مقصود تھا۔ اس لیے نور الہی بصورت نار متجلی اور نمودار ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس نور الہی کو نار سمجھے اس لیے اس نور کو نار سے تعبیر کیا گیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقتہً آگ تھی اور بارگاہ خداوندی کے حجابات میں سے ایک حجاب تھی جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ من جملہ حجابات خداوندی۔ اللہ کا ایک حجاب آگ ہے۔ اگر اللہ اس حجاب کو اٹھالے تو اس بے چون و چگون دجہ (منہ) کے سبحات جلال یعنی انوار و تجلیات جہاں تک پہنچیں سب کو جلا کر بھسم

کر دیں۔ (رواہ مسلم)

نکتہ

موسیٰ علیہ السلام کا اپنی اہلیہ اور اہل کو بلفظ اُمُكْتُوْا بصیغہ جمع مذکر خطاب کرنا بطریق تکریم تھا۔ جیسے رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ میں بصیغہ جمع مذکر خطاب تکریم ہے۔ اور جیسے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا میں ازواج مطہرات کو بصیغہ جمع مذکر بغرض تکریم خطاب کیا گیا ہے۔

پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس پہنچے تو منجانب اللہ آواز دی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا رب ہوں جو تجھ سے کلام کر رہا ہوں اور دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے تُوْدِي مِنْ شَا طِطِي السَّوَادِي الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يَّامُوْسٰى اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اس مبارک دادی میں درخت کے قریب پہنچے تو یہ آواز سنی کہ اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں گویا کہ یہ درخت بلاشبہ و تمثیل ایک غیبی ٹیلیفون تھا۔ جس میں سے یہ آواز سنائی دے رہی تھی۔ امام احمد نے دہب سے نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز سنی یَمُوْسٰى اے موسیٰ! تو فوراً لبیک کہا کئی بار یہ آواز سنی اور ہر بار یہی جواب دیا لبیک لیکن ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ پکارنے والا کون ہے اس لیے بولے کہ لے پکارنے والے میں آواز سننا ہوں اور تیری جگہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں ہے اور کدھر ہے پکارنے والے نے جواب دیا کہ میں تیرے اوپر اور تیرے ساتھ اور تیرے آگے اور تیرے پیچھے اور تیرے تجھ سے زیادہ قریب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو جان لیا۔ اور یقین کر لیا کہ یہ پکارنے والا اللہ عز وجل ہے کیونکہ یہ صفات مذکورہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں نہیں۔

نیز روایت کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام جمیع جہات سے اور تمام اجزاء بدن سے سنا گویا کہ تمام اعضاء بدن کان ہی کان تھے۔ اس لیے بدیہی طور پر جان لیا کہ یہ شان اللہ کے کلام کی ہی ہو سکتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۱۳ ج ۴ و روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۱۶)

پس چونکہ میں تیرا رب ہوں اور تجھ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس لیے ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ تو اپنی دونوں جوتیاں نکال دے کیونکہ تو ایک پاک دادی میں ہے۔ جس کا نام طویٰ ہے۔ اس لیے سلف صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ برہنہ پاخانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تواضع اور ادب کا طریقہ یہی ہے کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتے پہن کر نہیں جاتے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جوتیاں مردار گدھے کے چمڑے کی تھیں یا ان میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی تھی۔ اس لیے ان کے نکالنے کا حکم ہوا اس حکم کا منشا بھی وہی ادب اور احترام ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ جوتیاں اتارنے کا حکم ادب اور احترام کی بنا پر دیا گیا ہے کہ مقامات متبرکہ و مقدسہ کا ادب یہی ہے کہ آدمی ننگے پاؤں ہوتا کہ وہاں کی مٹی کی برکت پاؤں کو پہنچے جیسا کہ خانہ کعبہ کا ادب یہ ہے کہ اس میں برہنہ پا داخل ہو اور ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہ کو دیکھا کہ جوتے پہنے ہوئے قبروں کے درمیان سے گزر رہے ہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا كنت في مثل هذا المكان فاخلع نعليك قال فخلعتهما۔
اے بشیر جب تو ایسی جگہ میں ہو تو جوتے اتار دیا کر بشیر کہتے ہیں کہ میں نے فوراً جوتے اتار دیئے۔

حضرت علیؓ اور سعید بن جبیرؓ اور حسن بصریؓ اور ابن جریرؓ سے بھی یہی منقول ہے کہ ادب اور تواضع کا تقاضا یہی ہے کہ دعا اور مناجات کے وقت جوتے اتار دینے چاہئیں۔ تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ص ۱۴۳ ج ۱۱ دیکھیں۔

عطاۃ خلعت نبوت رسالت

یہ ابتداء وحی اور آغاز تکلم خداوندی کا بیان تھا۔ اب آگے خلعت نبوت و رسالت کے عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اے موسیٰ میں نے تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا برگزیدہ بنایا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے اِنِّیْ اصْطَفٰیْتُكَ عَلٰی النَّاسِ بِرِسَالَتِیْ وَ بِكَلِمَتِیْ اَعْنٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی نے اَدل موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور اسی وقت اور اسی مکان میں ان کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا فرما دیا کہ ہم نے تم کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی؛ پس اے موسیٰ خوب غور سے سنو اس وحی کو جو تمہاری طرف کی جائے اس کے سننے کے لیے ہم تن گوش بن جاؤ۔ اور وحی یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز کو قائم و دائم رکھو۔ اس لیے کہ تحقیق قیامت اپنے مقرر وقت پر ضرور آنے والی ہے۔ اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر ملے گا۔ اس کے لیے تیار رہو۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے وقت کو تمام خلایق سے مخفی اور پوشیدہ رکھوں اور کسی کو اس پر مطلع نہ کروں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے اور قیامت قائم کرنے اور اس کے وقت کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی سعی اور جدوجہد کا معاوضہ اور بدلہ وقت مقررہ پر مل جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا و سزا کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا تاکہ لوگ اس دن کے لیے تیار رہیں مگر اس کو وقت کسی کو نہیں بتلایا۔ اس لیے کہ جب انسان کو اپنی موت کا یا قیامت کا وقت معلوم ہو جائے گا۔ تو بے فکری کے ساتھ معاصی میں مشغول رہے گا اور سمجھے گا کہ جب موت کا وقت قریب آئے گا اس وقت توبہ کر لوں گا اور اس کو یہ معلوم نہیں کہ توبہ بھی اس کے اختیار میں نہیں۔ جب بے باکی کے ساتھ معاصی کا ارتکاب کرے گا تو دل سیاہ ہو جائے گا اور ایمان اور عمل صالح سے متنفر ہو جائے گا تو توبہ کیسے کرے گا۔

پس تم قیامت کے لیے تیار رہو۔ مبادا تم کو قیامت کی تصدیق سے یا اس کے مراقبہ یا اس کی تیاری سے یا اس کے فکر سے وہ شخص باز نہ رکھے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتا۔ اور اپنی نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا ہے جدھر اس کی نفسانی خواہش اس کو لے جاتی ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے۔ پس مبادا اس شخص کی طرح تو بھی ہلاک ہو جائے۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے مگر مقصود سننا اوروں کو ہے۔ یعنی ان کی راحت مراد ہے کہ قیامت سے غفلت اور بے فکری کا انجام ہلاکت اور بربادی ہے۔

نکتہ | اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو توحید کا حکم دیا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا۔ اس لیے بندوں پر اول واجب اور اول فرض اللہ کی معرفت اور اس کی توحید ہے پھر اس کے بعد عبادت کا حکم دیا۔ فَاَعْبُدْنِیْ فَرَمَیَا اس لیے کہ فاتعقیبہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ توحید کے بعد اللہ کی عبادت فرض ہے اور تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے جس کا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ میں حکم دیا۔ اس کے بعد اِنَّ السَّاعَةَ اَتِیَتْہَا میں ایمان بالآخرۃ کا ذکر فرمایا اور سب سے آخر میں معاد کا ذکر فرمایا۔ آخرت کی تیاری کا حکم دیا اور آخرت سے غفلت اور بے فکری کی ممانعت فرمائی فَلَا یُصَدِّکُ عَنْہَا مَنْ لَا یُؤْمِنُ بِہَا فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتلادیا کہ شہوات نفسانی اور لذات دنیاوی کا اتباع موجب ہلاکت ہے وَاتَّبِعْ هَوَاکَ فَتَرَدٰی اشارہ اس طرف ہے کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تمام اخلاق رذیلہ کی جڑ ہے۔

وَمَا تِلْكَ بَیْمِیْنُکَ یٰمُوسٰی ۱۷ قَالَ ہِیَ عَصٰی

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ - بولا یہ میری لٹھی ہے۔

اَتَوَكَّوْا عَلَیْہَا وَاَهْشٰ بِہَا عَلٰی غَمٰی وَلِیْ فِیْہَا

اس پر ٹیکتا ہوں ، اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے ، اپنی بکریوں پر اور میرے اس

مَا رَبُّ اٰخِرٰی ۱۸ قَالَ اَلْقِہَا یٰمُوسٰی ۱۹ فَاَلْقٰہَا

میں کتے کام ہیں اور - فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ ! تو اس کو ڈال

فَاِذَا ہِیَ حَیَّۃٌ ۲۰ تَسْعٰی ۲۱ قَالَ خُذْہَا وَلَا

دیا، پھر تب ہی وہ سانپ ہے دوڑتا فرمایا پکڑ لے اس کو اور نہ

تَخَفْ ۲۲ سَنَعِیْدُہَا سِیْرَتَہَا الْاُولٰی ۲۱ وَاَضْمُمْ یَدَکَ

ڈر - ہم پھیر دیں گے اس کو پہلے حال پر - اور لگا اپنے ہاتھ اپنے

إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ۚ

بازو سے کہ نکلے چٹا ہو کر نہ کچھ بُری طرح، ایک نشانی اور۔

لِنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ۚ إِذْ هَبُّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

کہ دکھاتے جاویں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی۔ جا طرف فرعون کے اُس نے

طَغَىٰ ۚ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ وَيَسِّرْ لِي

سُراٹھایا۔ بولا اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔ اور آسان کر

أَمْرِي ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۙ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۚ

میرا کام۔ اور کھول گرہ میری زبان سے۔ کہ بوجھیں میری بات۔

وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۚ هَارُونَ أَخِي ۙ اشْدُدْ

اور دے مجھ کو ایک کام بٹانے والا میرے گھر کا۔ ہارون میرا بھائی۔ اس سے

بِهِ أَزْرِي ۙ وَاشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۚ كَىٰ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۚ

بندھا میری کر۔ اور شریک کر اس کو میرے کام کا۔ کہ تیری پاک ذات کا بیان کریں ہم

وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۚ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۚ قَالَ قَدْ

بہت سا۔ اور یاد کریں تجھ کو بہت سا۔ تو تو ہے ہم کو خوب دیکھتا۔ فرمایا ملا

أَوْتَيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ۚ

تجھ کو تیرا سوال اے موسیٰ۔

عطائے معجزہ

قال الله تعالىٰ - وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسَىٰ - الی - قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسَىٰ ہ
(ربط) گزشتہ آیات میں کلام خداوندی اور منصب نبوت و رسالت کے دیئے جانے کا ذکر تھا۔

جس سے موسیٰ علیہ السلام پر دہشت اور ہیبت طاری ہو گئی۔ اب آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دہشت اور جبرت دور کرنے کے لیے عطائے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں جو اُن کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے باعث سکینت و طمانینت ہیں۔ ایک معجزہ عصا کا عطا فرمایا کہ اس کے ڈالنے سے ایک جماد۔ حیوان بن جاتا تھا۔ اور دوسرا معجزہ ید بیضاء کا عطا کیا کہ جس سے ایک جسم کثیف ایک جسم لطیف اور نورانی بن جاتا تھا۔ نیز پہلی آیت میں تکلم وغیرہ کا جو قصہ ذکر فرمایا اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ خاص سے تھا اور اس آیت میں جن دلائل نبوت اور براہین رسالت کا ذکر کیا ان کا تعلق امت اور عام خلایق سے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خلعتِ نبوت و رسالت عطا فرما دیا تو یہ ارادہ فرمایا کہ ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو اس زمانے کے مناسب حال ہوں اور وہ خارقِ عادت امور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل و براہین ہوں اس لیے عطائے معجزات کا آغاز سوالِ محبت و موافقت سے فرمایا کہ مبادا دفعۃً ان خوارقِ عادات اور ان عجیب و غریب امور کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام گھبرا نہ جائیں اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر یہ سوال کیا اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس لاٹھی کا جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ سانپ بنانا منظور تھا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان سے سوال کیا اور یہ سوال، سوالِ انبساط تھا۔ کہ اے موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ تاکہ وہ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور دل سے رعب اور ہیبت جاتی رہے پھر جب وہ سانپ بن جائے تو جان لیں کہ یہ معجزہ ہے اور کرشمہ خداوندی ہے موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میرا عصا ہے جس پر کبھی میں سہارا لیتا ہوں اور کبھی اس کو درخت پر مار کر اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس کے علاوہ اس میں اور بھی ضروریات کے منافع ہیں حق جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کے اُنس کے لیے سوال کیا وَمَا تَلَّكَ بِیْمَنِیْكَ یٰمُوسٰی تاکہ وہ مانوس ہو جائیں اور ان کی ہیبت و دہشت دور ہو۔ اور خوب جان لیں کہ کلام کرنے والے حق جل شانہ ہیں اور اس استفہام اور سوال سے مقصود تنبیہ ہے کہ ہوشیار رہیں اور دیئے جانے والے عجائب قدرت کو دیکھ کر گھبراہٹیں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں چار چیزیں ذکر کیں تین چیزیں تو تفصیل کے ساتھ بیان کیں اور چوتھی چیز یعنی وَرَیٰ فِیْہَا مَا رِیُّ الْاُخْرٰی کو اجمالاً ذکر کیا۔ اصل جواب تو ھٰی عَصَاکِ پر پورا ہو گیا تھا۔ لیکن اس شوق میں کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کلام میں طول ہو جائے تو جواب میں طول دیا۔

پہلا معجزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اچھا اپنے اس عصا کو زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ پردہ غیب سے

کیا چیز نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ عصا کس طرح معجزہ بن جاتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو زمین پر ڈال دیا یکایک وہ ڈالتے ہی قدرتِ خداوندی سے ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ ابتداء میں وہ سانپ بنا بعد میں وہ اڑدھا ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے **فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ** موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ ابھی تک حقیقتِ حال منکشف نہ ہوئی تھی۔ اس لیے یکایک اس ہولناک منظر کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ دم کے دم میں ایک عصا سانپ اور اڑدھا بن کر دوڑنے لگا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ ڈرو مت تمہیں اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اور بطور لطف و عطف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا۔ اے موسیٰ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لو اور اس کی ظاہری صورت سے تم کسی قسم کا کوئی خوف نہ کرو۔ ہم اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی جب تم اس کو پکڑو گے تو ہم اس کو اسی وقت پہلے کی طرح عصا کر دیں گے۔ عصا کی یہ ظاہری صورت تمہارے ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور کے لیے ہے۔

دہب بن نمبر کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن پر (صوف) بالوں کا قبض تھا۔ اپنے ہاتھ پر اس کو لپیٹا اس پر فرشتہ نے کہا کہ اے موسیٰ اگر اللہ اسی چیز کو جس سے تو ڈرتا ہے اس کی اجازت دے کہ وہ تیرے ڈنگ مارے تو کیا یہ تیرا صوف کا کرتہ اس کو دفع کر سکے گا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کچھ نہیں لیکن میں ضعیف ہوں اور ضعف سے پیدا ہوا ہوں اس پر اپنا ہاتھ کھول دیا۔ پھر اس سانپ کے منہ پر رکھا تو اس کے داڑھوں اور دانتوں کی آواز سنی پھر اس کو پکڑا تو وہی عصا تھا جو ہمیشہ ہاتھ میں رہتا تھا۔

فائدہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے کبھی ایسا حال مشاہدہ نہ کیا تھا۔ اس لیے ڈرے اور ان کا یہ خوف اس بات کی دلیل تھی کہ وہ ساحر اور جادوگر نہیں۔ اس لیے کہ ساحر اپنے سحر سے نہیں ڈرتا۔

نکتہ شیخ جلال الدین محلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کو اس لیے دکھلایا تاکہ جب یہ عصا فرعون کے روبرو سانپ اور اڑدھا بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام اُسے دیکھ کر گھبرانے جائیں یعنی ایسا نہ کریں کہ اس کو نہ پکڑیں تو مخلوق تباہ ہو جائے۔

دوسرا معجزہ

یہاں تک پہلے معجزہ یعنی معجزہ عصا کا ذکر تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی ایک برہان تھی اب آئندہ آیت میں رسالت کی دوسری برہان عطا کیے جانے کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ پہلے معجزہ کے ساتھ مل کر آپ کی نبوت و رسالت کے دو گواہ ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بغل یا بائیں بازو کے ساتھ ملا دو اور پھر اس کو نکالو تو وہ چاند کی طرح سفید ہو کر بلا کسی عیب کے نکل آئے گا۔

یعنی یہ سفیدی کسی مرض اور عیب کی بنا پر نہ ہوگی جیسا کہ برص ایک مرض ہے جس سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں یعنی جب وہ ہاتھ بغل میں سے نکلے گا تو سفید اور روشن ہوگا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ مثل آفتاب اور ماہتاب کے چمکتا ہوا نکلتا اور اے موسیٰ ہم نے تم کو نبوت و رسالت کی یہ دوسری نشانی عطا کی جو علاوہ معجزہ عصا کے ہے۔ جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر بائیں بغل کے نیچے لے جاتے اور نکالتے تو مثل آفتاب و ماہتاب چمکتا ہوا نکلتا اور پھر جب اس کا اعادہ کرتے تو ہاتھ کا رنگ حسب سابق پہلے جیسا ہو جاتا اور یہ دو عظیم الشان نشانیاں ہم نے آپ کو اس لیے عطا کیں تاکہ ہم تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے اس وقت دو بڑی نشانیاں دکھلائیں۔ ایک عصا اور ایک ید بیضاء اور یہ دونوں نشانیاں آپ کی نبوت کی بڑی نشانیاں ہیں لہذا فی الحال تم یہ نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ تحقیق وہ حد سے گزر گیا ہے۔ اور ایسا سرکش اور مغرور ہو گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ جا کر اسے تبلیغ کرو اور توحید کی دعوت دو اور اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو اپنی نبوت کی یہ دو روشن نشانیاں دکھاؤ اور میری عبادت کی طرف اس کو بلاؤ اور میرے عذاب سے اس کو ڈراؤ اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کے طغیان اور سرکشی کو واضح کرو اس وقت روئے زمین پر فرعون سے بڑھ کر کوئی کافر نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کا یہ حکم پہنچا تو ڈرے اور یہ خیال کیا کہ اس سرکش جبار اور ظالم کا مقابلہ تو بہت سخت ہے تو عرض کیا کہ اے پروردگار میرا سینہ کھول دیجیئے کہ اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور کوئی خوف تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت سے مجھے نہ روک سکے اور میرا یہ کام تبلیغ و دعوت۔ میرے لیے آسان فرما دیجیئے بغیر آپ کے تیسیر اور تاکید کے دشمنان حق سے مقابلہ اور مجاہدہ بہت دشوار ہے اور میری زبان سے لکنت کی گہرہ کھول دیجیئے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ بچپن میں زبان جل گئی جس کی وجہ سے صاف نہیں بول سکتے تھے۔ گہرہ سے یہی لکنت مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ لکنت پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ آیۃ اُخْرٰی فعل محذوف کا مفعول ہے جیسا کہ زجاج سے منقول ہے قال الزجاج المعنی اتیناک آیۃ اُخْرٰی او نو تیک لانہ لما قال تخرج بیضاء من غیر سوء دل علی انہ قد اتاک آیۃ اُخْرٰی (تفسیر قرطبی ص ۱۹۱ ج ۱۱)

۲۔ اس ترجمہ میں اشارہ ہے اس طرف کہ الکبریٰ ایتنا کی صفت ہے اور مِنْ ایتنا کا مِنْ تبعیضیہ ہے بمعنی بعض ہے۔ جو لُتْرِیک کا مفعول ثانی ہے اور اس آیت میں اور بھی وجوہ اعراب ہیں۔ (تفصیل کے لیے رُوح المعانی ص ۱۶۲ ج ۱۴ دیکھیں)

میں آگ کی ایک چنگاری اپنے منہ میں ڈال لی تھی۔ جس کے سبب زبان میں لکنت آگئی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے لکنت کے کچھ دفع کرنے کی دعا کی تھی چنانچہ وہ کم ہو گئی تھی اگر وہ بالکل دفع ہونے کی دعا کرتے تو وہ بھی قبول ہو جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام نے صرف اس قدر دعا مانگی کہ وہ لکنت اتنی شدید نہ رہے کہ جوابات کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنے۔

موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے چند سوال کیے جن کے بغیر رسالت کا اٹھانا دشوار تھا۔

پہلا سوال یہ کیا کہ اے اللہ میرا سببہ کشادہ کر دے تاکہ باہر رسالت اٹھا سکوں۔ اور منکرین کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دے سکوں یہ بات بدون شرح صدر کے ممکن نہیں۔

دوسرا سوال تیسرا امر کا کیا یہ سوال نہایت ضروری تھا بدون تیسرا الہی و تائید غیبی دشمنان خدا سے مقابلہ کرنا ممکن نہیں، بعد ازاں چونکہ تبلیغ و دعوت کے لیے فصاحت لسانی بھی ضروری ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں:

تیسرا سوال یہ کیا کہ اے پروردگار میری زبان کھول دیجئے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

چوتھی درخواست یہ کی کہ اے اللہ میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بناد دیجئے۔ جو میرا بوجھ اٹھائے تاکہ وہ میرا شریک کار ہو کر میری مدد کر سکے۔

ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اور اس وقت بجز ہارون کے کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا اس لیے خصوصیت سے اپنے بھائی ہارون کے لیے یہ درخواست کی کہ اے اللہ ہارون کو میرا وزیر بناد دیجئے اور ان کے ذریعے میری کمر کو مضبوط کر دیجئے اور ان کو میرے اس کام یعنی نبوت و رسالت اور تبلیغ و دعوت میں میرا شریک کر دیجئے۔ تاکہ تبلیغ و دعوت کے کام میں مجھے ان سے مدد ملے۔ تاکہ ہم دونوں مل کر تیری پاکی بیان کریں، اور کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ کیونکہ تیری تسبیح و تقدیس اور کثرت سے تیرا ذکر دل کی طماننت اور جمعیت کا وسیلہ ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔ اللہ کا ذکر مومن کا ہتھیار ہے ہم دونوں مل کر یہ ہتھیار چلائیں گے اور تیرے دشمن کا مقابلہ کریں گے اور مل کر کام کرنے سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچے گی اور برکت اور نورانیت میں زیادتی ہو گی اور کفر کی ظلمت اس سے دور ہوگی یا مغلوب ہوگی۔

بلاشبہ تو ہم کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی تو خوب آگاہ ہے کہ ہم صرف تیری رضا مندی چاہتے ہیں اور تو ہی داتا ہے کہ تبلیغ و دعوت میں ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تیری درخواست منظور کی گئی۔ یعنی جو تو نے ہم سے مانگا وہ ہم نے تجھ کو دے دیا۔



وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ (۳۷) إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ

اور احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک بار اور - جب حکم بھیجا ہم نے

أَمَّاكَ مَا يُوْحَىٰ ۖ (۳۸) أَنْ اقْدِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْدِفِيهِ

تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں - کہ ڈال اس کو صندوق میں ، پھر اس کو ڈال دے

فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّحْلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

پانی میں ، پھر پانی اس کو لے ڈالے کنارے پر ، اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا

وَعَدُوٌّ لِّلَّهِ ط وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةٌ

اور اس کا - اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف

مِّنِّي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۖ (۳۹) إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ

سے - اور تا تیار ہو تو میری آنکھ کے سامنے - جب چلنے لگی تیری بہن -

فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ط فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ

اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو ایک شخص کہ اس کو پالے ؟ پھر پہنچا یا ہم نے تجھ کو

أَمَّاكَ كَي تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ط وَقَتَلْتَ نَفْسًا

تیری ماں پاس کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھا دے - اور تو نے مار ڈالی ایک جان

فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۖ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي

پھر نکالا ہم نے تجھ کو اس غم سے ، اور جانچا تجھ کو ایک ذرہ جانچا - پھر ٹھہرا تو کئی برس

أَهْلِ مَدْيَنَ ۖ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يُّمُوسَىٰ ۖ (۴۰) وَ

مدین والوں میں ، پھر آیا تو تقدیر سے یا موسیٰ - اور

اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۖ (۴۱) إِذْ هَبَّ آنتَ وَآخُوكَ بِالْيَتَىٰ

بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے - جا تو اور تیرا بھائی لے کر میری نشانیاں

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ۚ اِذْ هَبَا اِلَى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰ ۝۴۳

اور سستی نہ کر د میری یاد میں - جاؤ طرف فرعون کے اس نے سراٹھایا -

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لِّیْنَا لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝۴۴

سو کہو اس سے بات نرم، شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے - بولے

رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ یَّفْرِطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ۝۴۵

اے رب ہمارے! ہم ڈرتے ہیں کہ بھگے ہم پر یا جوش میں آدے - فرمایا

لَا تَخَافَا اِنِّیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی ۝۴۶

نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سنتا ہوں اور دیکھتا - سو جاؤ اس پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنٰی اِسْرَآءِیْلَ ۝۴۷

ہم دونوں بھیجے ہیں تیرے رب کے سو چلا دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل - اور نہ

تُعَذِّبُهُمْ ۚ قَدْ جِئْنَاکَ بِاٰیۃٍ مِّنْ رَبِّکَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلٰی

ستا ان کو، ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے رب کی - اور سلامتی ہو اس کی

مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی ۝۴۸

جو مانے راہ کی بات - ہم کو حکم ہوا ہے کہ عذاب اس پر ہے

عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلٰی ۝۴۹

جو جھٹلاوے اور منہ پھیرے - بولا پھر کون ہے صاحب تم دونوں کا اے موسیٰ!

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ هَدٰی ۝۵۰

کہا صاحب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سوچائی -

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاَوَّلٰی ۝۵۱

بولا پھر کیا حقیقت ہے ان پہلی سنگتوں کی - کہا ان کی خبر میرے رب کے

رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝۵۲ الَّذِي

پاس رکھی ہے ، نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے ۔ وہ ہے جس

جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا ۖ وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

نے بنادی تم کو زمین بچھونا ، اور چلا دیں تم کو اس میں راہیں

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ

اور اتارا آسمان سے پانی ، پھر نکالا ہم نے اس سے بھانت

نَبَاتٍ شَتَّىٰ ۝۵۳ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

بھانت سبزہ ۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو البتہ اس میں

لَايَةٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝۵۴ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ

پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝۵۵

اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار ۔

تذکیر انعامات و احسانات

قال الله تعالى وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ... الى ... وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝
(ربط) یہاں سے حق تعالیٰ اپنے وہ انعامات اور احسانات موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہیں کہ جنہوں
سے پہلے ان پر کیے تھے تاکہ ان کا دل مضبوط ہو جائے اور سمجھ لیں کہ جب نبوت سے پہلے حق تعالیٰ نے مجھ
پر اتنے احسانات کیے اور طرح طرح کے مصائب سے مجھ کو بچایا تو اب بدرجہ اولیٰ میری حفاظت فرمائیں گے۔
چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس واقعہ سے پہلے بھی ہم آپ پر آپ کے بلا سوال اور بلا درخواست
کے بار بار احسان کر چکے ہیں تو اب تجھے سوال اور درخواست کے بعد کیوں محروم کریں گے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ
نے آٹھ احسان ذکر فرمائے۔

پہلا احسان

جب کہ ہم نے تیری ماں کی طرف وحی بھیجی تھی جو اب تیری طرف بھیجی جاتی ہے جو اس لائق اور قابل ذکر ہے کہ آپ کی طرف بھیجی جائے اور آپ کو سنائی جائے اور وحی سے وحی الہام مراد ہے۔ وحی نبوت مراد نہیں جیسا کہ کَوْحِی رُبُّکَ اِلَی الْخَلِّیْلِ میں وحی سے الہام مراد ہے اور وہ وحی یہ تھی کہ اس موسیٰ کو جلاؤں سے بچانے کے لیے صندوق میں لٹا کر اس صندوق کو دریائے نیل میں پھینک دے۔ پھر وہ دریا اس کو کنارہ پر لے جا کر ڈال دے۔ جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک پہنچتی ہے جب یہ صندوق وہاں پہنچ جائے تو اس کو ایسا شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے۔ یعنی فرعون اس کو اٹھالے گا۔ اس طرح وہ پکڑے جانے سے بچ جائے گا۔ اور بعد میں ہم تجھے واپس کر دیں گے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کو اور اس کی سلطنت کو غارت کرے گا۔ اس لیے بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا فرعون اس کو قتل کر دیتا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ محترمہ کو (جن کا نام یوحنا تھا)۔ خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی اگر خبر پادیں گے تو بچہ کو مار ڈالیں گے خدا تعالیٰ نے ان کو یہ الہام کیا کہ اس بچہ کو ایک صندوق میں لٹا کر اور اس کو مقفل کر کے دریائے نیل میں ڈال دے۔ ہم اس کو اپنے اور اس کے دشمن فرعون سے ملوائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریائے نیل کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں جاتی تھی وہ صندوق بہتا بہتا اس باغ میں پہنچ گیا۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ سمیت نہر کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ جب وہ صندوق اس کی نظر پڑا تو اس کو نکلوا یا کھول کر دیکھا تو اس میں ایک خوبصورت لڑکا پایا۔ فرعون کو اور اس کی بیوی کو دونوں کو اس سے محبت ہو گئی بیٹا بنا کر اس کو پالا جس سے خدا کی قدرت اور اس کی غیبی حفاظت کا کرشمہ ظاہر ہوا۔

در بہ بستان و دشمن اندر خانہ بُود
قصہ فرعون زین افانہ بُود

دوسرا احسان

اور اے موسیٰ ایک احسان میں نے تجھ پر یہ کیا کہ اپنی جانب سے تجھ پر محبت ڈال دی جو تجھے دیکھے وہ تجھ پر ایسا فریفتہ ہو جائے کہ صبر بھی نہ کر سکے۔

تیسرا احسان

اور تاکہ تو میری آنکھ کے سامنے پرورش کیا جائے یعنی تاکہ تیری پرورش میری نگہبانی اور نگہبانی میں ہو۔

چوتھا احسان

اس وقت کا ہے کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں تیرا حال معلوم کرنے کے لیے فرعون کے گھر چلی جا رہی تھی پھر فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کہو تو میں تم کو ایسی عورت بتا دوں جو اس بچہ کی پرورش کی کفیل ہو جائے۔

جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بالہام خداوندی موسیٰ علیہ السلام کے صندوق کو دریا میں ڈال دیا تو بمقتضائے بشریت رنجیدہ اور غمگین ہوئیں کہ معلوم نہیں کہ بچہ کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا کہ وہ صندوق فرعون کے محل پر پہنچ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں سے نکال لیے گئے اور یہ قرار پایا کہ ان کو بیٹا بنالیا جائے تو حضرت آسیہ کی توجہ سے دودھ پلانے کے لیے دایم کی تلاش شروع ہوئی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی دایہ کا دودھ نہ پیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَ حَرَّ مَنَا عَکِیْہِ الْصَّرَاضِعَ یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو ان پر حرام کر دیا۔ اب آسیہ کو یہ فکر ہوئی کہ اب اس لڑکے کو کس طرح پالیں اور ادھر یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ان کی تلاش میں وہاں جا پہنچیں جن کو اتنا کی تلاش تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیتے تو اس وقت ان کی بہن بولیں کہ کیا میں تم کو ایسے گھرانے کا پتہ نہ بتا دوں کہ جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں۔ فرعون کے گھر والوں نے کہا کہ لاؤ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے ان کی والدہ کو لے جا کر حاضر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پستان کو قبول کر لیا۔ فرعون کے گھر والے بہت خوش ہوئے موسیٰ کی والدہ نے کہا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی اگر آپ اجازت دیں تو اپنے گھر پر دودھ پلا سکتی ہوں۔ آسیہ نے اس کو منظور کر لیا اور کہا کہ اچھا کبھی کبھی لاکر مجھ کو دکھلا دیا کرو۔ موسیٰ کی والدہ نے اس کو مان لیا اور آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو انکی گود میں دے دیا اور وہ ان کو اپنی گود میں لے کر وہاں سے چلیں۔

پس اس تدبیر سے ہم نے اے موسیٰ تم کو تہاری ماں کی طرف لوٹا دیا۔ تاکہ تیرے دیدار سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو۔ اور تیرے فراق سے غمگین نہ ہو۔ اس طرح اولاد کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا کوئی معمولی چیز نہیں جس پر صدمہ اور غم نہ ہو۔

لہ کذا فی روح المعانی ص ۱۴۷ -

پانچواں احسان

اور بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا وہ یہ کہ تم نے ایک جان کو مار ڈالا۔ یعنی ایک قبیلے کو جب وہ اسرائیلی کو مارتا تھا تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبیلے سرگیا پس ہم نے تم کو قصاص کے غم سے نجات دی اس طرح سے کہ تم کو مصر سے مدین پہنچا دیا۔

پھٹا احسان

اور طرح طرح سے تم کو قسم قسم کے فتنوں اور آزمائشوں میں ڈالا اور پھر سب سے تم کو خلاصی دی۔

ساتواں احسان

پھر جب تو قبیلے کو قتل کر کے مصر سے مدین پہنچا تو کئی سال امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہا مدین شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ مصر سے آٹھ منزل پر ہے۔ جب قصاص کے ڈر سے مدین بھاگے تو وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا نصیب ہوا۔ شعیب علیہ السلام نے اس شرط پر کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی بکریاں چرائیں۔ اپنی صاحبزادی صفوراء سے ان کا عقد کر دیا۔ پھر مصر واپس آئے۔ یہ سب حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام پر انعام تھا۔

آٹھواں احسان

پھر اے موسیٰ تو اللہ کی تقدیر اور اس کے اندازہ کے مطابق جو اللہ نے مقرر کیا تھا۔ ایک میدان میں پہنچا وہاں ہم نے تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو اپنی ذات کے لیے خاص کر لیا۔ یعنی تجھ کو نبوت و رسالت اور کلام اور وحی کے لیے منتخب کیا اور تجھ کو اپنا محبوب اور مخلص بنا لیا تاکہ تو میری مرضی کے مطابق میرا کام انجام دے۔ میں نے تجھ کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان اپنا سفیر اور ترجمان بنایا اور تجھ کو نشانات اور معجزات عطا کیے۔ لہذا تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ اور ان کو دعوت و تبلیغ کرو اور میری یاد میں سستی نہ کرو۔ کسی وقت میری یاد سے غافل نہ ہو یعنی پوری مستعدی کے ساتھ تبلیغ کرو۔ اور اس میں سستی نہ کرو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ تحقیق وہ دعویٰ ربوبیت

کر کے حد سے گزر گیا ہے۔ پھر تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرو۔ اس کے ساتھ سختی کے ساتھ بات نہ کرو اور اس کے حق پر درش کی رعایت کرو۔ اور اس کی ظاہری بادشاہت کے ادب کو ملحوظ رکھو اور نرمی عموماً نصیحت میں مفید ہوتی ہے۔ اور سختی سے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ شاید وہ نصیحت پکڑ لے یعنی ایمان لے آئے یا کم از کم عذاب الہی سے ڈر جائے۔ یہ دعوت و تبلیغ کے دستور العمل کی طرف اشارہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ لَّهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ خدا تعالیٰ کو قطعی طور پر معلوم تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا لفظ لَعَلَّ جس کے نکتہ معنی شاید کے ہیں وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی نسبت سے ہے ان کو معلوم نہ تھا۔ ان کے اعتبار سے کلمہ اُمید فرمایا اور خدا تعالیٰ نے باوجود علم ازلی کے فرعون ایمان نہیں لائے گا۔ پھر اس کو دعوت دینا اتمام حجت کے لیے تھا کہ قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکے کہ میرے پاس کوئی رسول نہیں آیا۔

الغرض جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم اپنی بے سرو سامانی کی وجہ سے اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ تبلیغ و دعوت سے پہلے ہی عقوبت میں جلدی نہ کر بیٹھے کہ نہ تیرا پیغام سنا سکیں اور نہ کوئی معجزہ ہی دکھلا سکیں اس سے پہلے ہی وہ ہم کو ہلاک کر دے۔ یا تکلیف اور ایذا رسانی میں حد سے گزر جائے۔ حتیٰ کہ تیری بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں بالکل نہ ڈرو تحقیق میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی میری حفاظت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہاری دعا سننا ہوں۔ اور تمہارا حال دیکھتا ہوں۔ تم سے جدا اور غافل نہیں۔ تم بے فکر رہو کچھ غم نہ کرو۔ پس بے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ پھر کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام اور حکم لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس اول تو ہم پر ایمان لانا کہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر تو اپنے ظلم و ستم سے باز آ جا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ان کو ان کے آبائی وطن ملک شام میں لے جائیں۔ اور ان کو مت ستا۔ فرعون بنی اسرائیل سے مشقت اور ذلت کا کام لیتا۔ جیسے نہر کھودنا اور کوڑا کرکٹ ان سے اٹھوانا اور طرح طرح سے ان سے بیگار لینا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہ لوگ۔ اس کی ربوبیت کو نہیں مانتے تھے اور دین ابراہیمؑ اور اسحقؑ اور یعقوبؑ اور یوسفؑ پر قائم تھے۔ اس عداوت میں بنی اسرائیل کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچاتا اور ذلیل و خوار کرتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم ارض مقدس میں واپس چلے جائیں جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

الغرض ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں جن کا بے چون و چرا اتباع تجھ پر واجب ہے پس اولاً تو ہم پر ایمان لا اور ہم کو پروردگار کا رسول برحق مان اور پھر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ تحقیق ہم اپنی نبوت و رسالت کے لیے تیرے پروردگار کے پاس سے ایک روشن نشان اور واضح

برہان لے کر آئے ہیں۔ یعنی ایک معجزہ لے کر آئے ہیں۔ جس کے مقابلہ سے تو عاجز ہوگا اور یہ معجزہ ہمارے دعویٰ نبوت و رسالت کی نشانی ہوگی اور سلامتی ہے اس شخص پر کہ جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی۔ یعنی جو ایمان لایا اور حق کا پیرو بنا اور صراطِ مستقیم پر چلا۔ تحقیق ہم پر ہمارے پروردگار کی طرف سے یہ وحی بھیجی گئی کہ عذاب ہے اس شخص پر جس نے حق کو جھٹلایا اور حق سے منہ موڑا۔ القصہ دونوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔

ربوبیت خداوندی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ مکالمہ

پس یہ دونوں حضرات حسب حکم خداوندی فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ تو اس پر فرعون بولا اے موسیٰ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے جس نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام حق تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس گئے اور جا کر اس سے یہ کہا اِنَّا رَسُوْلُكَ رَبِّكَ یعنی ہم دونوں تیرے رب کے رسول اور فرستادہ ہیں۔ تو فرعون نے یہ سوال کیا۔ فَمَنْ رَبُّكُمَا یٰمُوسٰی یعنی اچھا تم دونوں یہ بتاؤ کہ تمہارا رب کون ہے جس کے تم فرستادہ اور پیغمبر ہو اور جس کے عذاب سے تم مجھ کو ڈراتے ہو کیونکہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ فرعون خالق اور معبود کے وجود کا منکر تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو رب نہیں جانتا اور اے موسیٰ تیرا رب بھی میں ہی ہوں۔ تو نے میرے گھر میں پرورش پائی ہے۔

فرعون دہری عقیدہ کا تھا، منکر خدا تھا۔ سرے سے خالق اور صانع عالم کا قائل نہ تھا۔ اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ کارخانہ عالم خود خود روکار خانہ ہے۔ قدیم سے اسی طرح چل رہا ہے اور اسی طرح چلتا رہے گا۔ لوگ خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر کر گل سڑ جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ سارے عالم کو خود کرد گھاس کی طرح سمجھتا تھا کہ خود بخود موسم برسات میں اُگا اور پھر چند روز بعد خشک ہو کر ختم ہو گیا۔

فرعون کا گمان یہ تھا کہ جو شخص جس خطہ زمین کا فرمان روا ہو گیا وہی اس کا رب ہے اس لیے ازراہ تکبر و تجبر اپنی الوہیت اور ربوبیت کا مدعی تھا اس لیے یہ بولا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی رب نہیں جانتا پھر وہ کون رب ہے جس کا تم اپنے کو رسول بتاتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کا جواب دیا اور دلائل اور براہین سے وجود صانع کو ثابت کیا اور کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کا وجود عطا کیا اور اس کو اس کی خاص صورت اور خاص شکل دی۔ جو اس کے علم ازل میں اس کی جنسی اور

نوعی استعداد کے لائق اور مناسب تھی تاکہ ایک شے دوسری شے سے متمیز ہو سکے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد ہر شے کو اس کے اسباب بقا کی طرف رہنمائی کی۔ ہر چیز پیدا ہوتے ہی بقا کا ذریعہ ڈھونڈنے لگتی ہے۔ مرغی کا بچہ زمین پر چونچ مارتا ہے اور انسان کا بچہ ماں کے پستان کو ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی کھانے پینے کا ہوش آ جاتا ہے۔ یہ ہوش کہاں سے آیا۔ اور کس نے سکھایا اور جانوروں کا تو یہ حال ہے کہ ہر جانور کو ابتداء پیدائش ہی سے یہ علم ہو جاتا ہے کہ جنگل کا کون سا گھاس اور کس درخت کے پتے میرے لیے مفید ہیں اور کون سے مضر ہیں۔ مفید کو کھا جاتا ہے اور مضر سے بچتا ہے اور جب بیمار ہوتا ہے تو خود ہی مختلف قسم کے نباتات کھا کر اپنا علاج کر لیتا ہے حالانکہ جانور کسی میڈیکل کالج کا تعلیم یافتہ نہیں ہوتا۔ پس خدا وہ ہے کہ جو ہر چیز کو اس کا خاص وجود اور اس کو خاص صورت اور خاص شکل عطا کرے۔ پھر وجود عطا کرنے کے بعد اس کو اپنے منافع اور مضار القاء اور الہام کرے اور ظاہر ہے کہ فرعون نے کسی کو وجود عطا کرنے پر قادر ہے اور نہ کسی کو خاص صورت اور خاص شکل دینے پر قادر ہے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سرتاپا صدق و صواب و سکر ایسا ششدر و حیران اور مبہوت رہ گیا کہ کچھ بول ہی نہ سکا۔ اور نہ اس استدلال پر کوئی اعتراض کر سکا اس لیے اس وقت اس کو یہ سوچا کہ بات کا رخ دوسری طرف پلٹ دیا جائے اس لیے اس نے رخ بدل کر یہ سوال کیا فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ اِنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ۔ تحقیق اللہ کا عذاب ہے ہر اس شخص پر جو حق کو جھٹلا دے اور اس سے منہ پھیر لے۔

لہذا اگر تم پیغمبر خدا ہو تو یہ بتلاؤ کہ پہلی امتوں کا کیا حال ہے جو مرچکی ہیں اور جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کے ردّ میں دلائل سے انحراف کیا وہ لوگ تو بت پرست تھے اور حشر و نشر اور جزاء و سزا کے منکر تھے اور ان باتوں کے قائل نہ تھے جن کی طرف تم دعوت دیتے ہو کیا وہ تمہارے ان دلائل سے غافل اور بے خبر تھے۔ تمہارے قول کے مطابق بتلاؤ کہ ان پر کیا عذاب آیا۔ اور بتلاؤ کہ ان کا حشر و نشر کس طرح ہوگا اور ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اور اب تو ان کی ہڈیوں کا بھی نام و نشان نہیں رہا۔ ان کا حشر کس طرح ہوگا۔ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو تم کو ان کے تفصیلی حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ لہذا بتلاؤ کہ گزشتہ قومیں اب کس حال میں ہیں جنت میں ہیں یا دوزخ میں ہیں۔

فرعون نے یہ فضول اور لالچنی باتیں اس لیے چھیڑیں کہ اصل مسئلہ (وجود صانع) کو ادھر ادھر کی باتوں میں رلا دے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ گزشتہ امتوں کے اعمال اور احوال اور ان کے انجام اور مال کا تفصیلی علم تو میرے پروردگار کے پاس ایک کتاب میں لکھا ہوا محفوظ ہے جس میں ان کے کل اعمال و افعال درج ہیں قیامت کے دن ہر شخص کو خدا کے روبرو حاضر کیا جائے گا اور اس کے اعمال کے مطابق اس کو جزائے گی اور کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا نامہ اعمال ہے اور پیغمبر کو تمام چیزوں کا علم تفصیلی

ضروری نہیں غیب کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مجھے تو صرف اتنی چیز کا علم ہوتا ہے جتنا کہ حق تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحی کے بتلا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اجمالی طور پر تو میں نے پہلے ہی تجھ کو بتلادیا تھا کہ جن گزشتہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان پر دنیا میں عذاب آیا جیسا کہ میں نے پہلے ہی دَانَ الْعَذَابِ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى میں اجمالی طور پر اشارہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ عذاب میں ہلاک ہوئے تم بھی اپنا انجام سوچ لو باقی یہ امر کہ اہم سابقہ پر کیا کیا گزرا اور آئندہ قیامت کے دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یہ منجملہ علم غیب کے ہے۔ اور غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ ہی کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔ اس کو نہ تو جانتا ہے اور نہ میں جانتا ہوں اور اہم سابقہ کے احوال کے علم کو منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔

پیغمبر کو گزشتہ قوموں کے احوال کا تفصیلی علم ضروری نہیں انبیاء غیب دان نہیں ہوتے۔ عالم الغیب صرف حق تعالیٰ ہے انبیاء کا کام دین اور شریعت کے احکام کو بتانا ہے۔ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی کے جتنا اپنے نبی کو بتلادیتا ہے اتنی بات سے وہ نبی بندوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جتنی حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اتنی بات ظاہر کر دی جاتی ہے باقی پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔ جن باتوں کا تو نے سوال کیا ہے ان کا منصب نبوت و رسالت سے تعلق نہیں۔ میرا کام ہدایت اور تبلیغ اور دعوت اور احکام شریعت کو بیان کرنا ہے۔ اہم سابقہ کے احوال کی تفصیل میری بعثت کے اغراض اور مقاصد سے نہیں اور کسی نبی کا غیب کا نہ جانتا نبوت و رسالت میں قاصر نہیں۔ نبوت نام ہے صرف پیغام رسانی کا پیغمبر کے ذمے صرف ہدایت اور بیان احکام ہے۔ پوشیدہ امور اور گزشتہ احوال کا بیان کرنا اس کے ذمہ نہیں۔ یہ تمام کلام امام فخر الدین رازیؒ کے کلام کی تشریح اور تفصیل ہے (دیکھو تفسیر کبیرہ ص ۴۹ ج ۶ اور دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۶)

۱۷ قال الامام الرازي، واما قوله تعالى قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ فاعلم ان في ارتباط هذا الكلام بما قبله وجوه - والاظهر ان فرعون لما قال فَمَنْ رَبُّكُمَا يَمُوسَىٰ فذكر موسى عليه السلام دليلا ظاهرا وبرهانا باهرا على هذا المطلوب فقال رَبَّنَا الَّذِي آتَانَا مِنْ شَيْءٍ خَلْقًا ثُمَّ هَدَىٰ فَخاف فرعون ان يزيد في تقرير تلك الحجته - فظهر للناس صدقته وفساد طريق فرعون فاراد ان يصرف عن ذلك الكلام وان يشغل بالحكايات فقال فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ فلم يلتفت موسى عليه السلام الى ذلك بل قال عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ وَلَا يَتَعَلَّقُ غَرَضِي بِأَحْوَالِهِمْ فَلَا اشْتَغَلُ بِهَا ثُمَّ عَادَ إِلَى تَتِمِيمِ كَلَامِهِ الْأَوَّلِ وَإِيرَادِ الدَّلِيلِ الْبَاهِرَةِ عَلَى الْوَحْدَانِيَةِ فَقَالَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا الْآيَاتِ وَهَذَا الْوَجْهَ الْمَعْتَدِي صِحَّةَ هَذَا النِّظْمِ - انتهى كلامه (تفسير كبیر ص ۴۹ ج ۶)

تفسیر آیت مذکورہ بعنوان دیگر

موسیٰ علیہ السلام نے جب وجود صانع پر ایسے واضح اور روشن دلائل قائم کیے کہ جن کا جواب ممکن نہیں تو فرعون گھبرا گیا اور اس کو ڈر ہوا کہ میری قوم ان روشن دلائل کو سُن کر موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق نہ کر دے اور مجھے چھوڑ کر اس رب معبود کی طرف نہ جھک جائے کہ جس کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دے رہے ہیں اس لیے فرعون نے بات کاٹ کر لایعنی امور یعنی قصوں اور کہانیوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ اچھا جو شخص تمہارے نزدیک تکذیب کرے وہ مستحق عذاب ہے تو بتلاؤ کہ پہلی قوموں کا کیا حال ہوا۔ جو تکذیب کرتے تھے۔ اس سوال میں فرعون کی ایک غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام صاف طور پر یہ کہہ دیں کہ وہ سب دوزخی تھے تو وہ لوگ مشتعل ہو جائیں اور موسیٰ علیہ السلام سے بگڑ جائیں کہ یہ شخص تو ہمارے آباؤ اجداد کو دوزخی بتلاتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکا۔

غرض یہ کہ فرعون نے اس ڈر کے مارے کہ اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سر اپا تنویر کی طرف نہ

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قال الیوسیٰ لما شاهد اللعین ما نظمه علیہ السلام فی سلك الجواب من البرهان النیرخاف ان یظهر للناس حقیة مقالاتہ علیہ السلام وبطلان خرافات نفسہا ظہوراً بینا اراد ان یصرفہ علیہ السلام عن سننہ الی ما لا یعنیں من الامور التي لا تعلق لها فی نفس الامر بالرسالة من الحکایات موهما ان لها تعلق بذلك ویشغله عما هو بصددہ عسی ان یظهر فیہ نوع غفلة فیستلحق بذلك الی ان یدعی بین یدی قومہ نوع معرفۃ فقال فما بال القُرُونِ الْأُولَىٰ والفاء لتفريع ما بعدها علی دعوی الرسالة اذ اکت ر سولا فاخبرنی ما حال القرون الماضية والامم الخالية واما اذ جرى علیہم من الحوادث المفصلة۔ قال موسیٰ علیہ السلام علمہا عند ربی۔ ای ان ذلك من الغیوب التي لا یعلمها الا الله تعالیٰ وانما انا عبد لا اعلم منها الا ما علمنیہ من الامور المتعلقة بالرسالة والعلم باحوال القرون وما جرى علیہم علی التفصیل مملاً ملابسة فیہ بمنصب الرسالة كما زعمت۔ (روح المعانی ص ۱۸۴ ج ۱۶)

اور علامہ آلوسی کی یہ تمام تفسیر شیخ الاسلام ابوالسعود سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کی عادت ہے کہ ان کا زیادہ اعتماد شیخ الاسلام ابوالسعود کی تفسیر پر ہوتا ہے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ بھی اپنی تفسیر میں تفسیر روح المعانی اور تفسیر ابوالسعود کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

جھک پڑے اس لیے اس نے اس بات (یعنی مسئلہ الوہیت و ربوبیت) کو چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دی اور اگلوں کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔ فرعون بڑا ظالم اور متکبر اور جبار تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر دلیلی و دلگیر کو سنکر نہ تو ان کو قتل کیا اور نہ ان کو گرفتار کیا۔ بلکہ گھبرا کر مناظرہ اور بحث کی راہ سے ہٹ کر دوسری راہ اختیار کی اور سوال کیا کہ اگر تم پیغمبر خدا ہو تو پسلی قوموں کے تفصیلی حالات بتاؤ کہ جو انبیاء کے مذب اور حشر و نشر کے منکر تھے ان کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے کے لیے یہ سوال کیا تاکہ اپنی قوم پر یہ بات واضح کر دے کہ اس کے پاس بھی بڑا علم و معرفت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیدیا کہ علم غیب اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تمام چیزوں کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ پیغمبر کو تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہونا نہ ضروری اور نہ منصب نبوت و رسالت سے اس کا کچھ تعلق ہے تو پھر تو کس لیے ان لایعنی باتوں کا مجھ سے سوال کرتا ہے۔ تجھ کو چاہیے کہ تو ان دور آزار باتوں میں جانے کے بجائے ان دلائل اور براہین پر غور کرے جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تاکہ تجھ پر خدا کی ربوبیت اور تیری عبدیت اور عاجزی اور درماندگی ظاہر ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے گزشتہ قوموں کے اعمال اور ان کے انجام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک کتاب (لوح محفوظ یا نامہ اعمال) ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا علیم و خبیر ہے کہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے اس کا علم سہو و نسیان اور خطا اور غلطی سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کو لکھنے کی ذرہ برابر ضرورت نہیں البتہ اتمام حجت کے لیے بندوں کے اعمال کو ایک کتاب میں محفوظ کر دیا ہے تاکہ کوئی مجرم انکار نہ کر سکے غرض یہ کہ ان کی مثل دفتر خداوندی میں محفوظ ہے۔ وقت پر سزا کا حکم سنا دیا جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ بخلاف تیرے کہ تیرا علم سہو و نسیان اور خطا اور غلطی کی آماجگاہ ہے اور پھر اس پر دعویٰ ربوبیت بھی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اہم سابقہ کے حال کو علم خداوندی کے حوالے اس لیے کیا کہ ابھی تک توریت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے گزشتہ اہم کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے تو ربیت فرعون کی ہلاکت کے بعد نازل ہوئی۔ (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۲۹۲ ج ۵)

موسیٰ علیہ السلام کا اصل مقصد اثبات ربوبیت خداوندی تھا۔ جس پر ابتداء کلام میں دلائل قائم فرمائے۔ پھر جب فرعون نے اس بات کو رلانے کے لیے پہلی قوموں کا حال پوچھنا شروع کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۚ فِي كِتَابٍ سُوْمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام نے اس جواب میں بھی اصل مدعا (اثبات الوہیت صانع) کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ فرمایا۔

وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علام الغیوب ہو اور ایسا علیم وخبیر ہو کہ جس کے علم میں کسی غلطی اور سہو و نسیان کا امکان نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات تجھ میں نہیں گزشتہ قوموں کا حال نہ میں جانتا ہوں اور نہ تو جانتا ہے۔ تیری لاعلمی اور جہالت تیرے سامنے ہے پھر کس بناء پر الوہیت اور ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ جہالت اور ربوبیت کا اجتماع عقلاً محال ہے۔ میں تو خدا کا نبی اور رسول ہوں اور نبی کے لیے غیب داں ہونا ضروری نہیں اور تو تو مدعی ربوبیت ہے تیرے لیے علم غیب ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تجھ میں نہیں پھر بتلا کہ کس بنا پر تو نے ربوبیت کا دعویٰ کیا۔

اے مدعی ربوبیت تو اگر ذرا عقل سے کام لے تو سمجھ جائے کہ تو اس عالم کا رب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عالم کا یہ عجیب و غریب کارخانہ اور محکم نظام خود بخود یا محض سخت و اتفاق سے یا مادہ اور ایتھر کی حرکت سے نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و قدیر کے دست قدرت سے چل رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس جواب کے بعد پھر اصل مقصد یعنی اثبات الوہیت خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور اوصاف خداوندی بیان کرنے شروع کیے جو اس کی ربوبیت کے دلائل ہیں۔ اور فرمایا کہ میرا رب جس نے مجھ کو تیری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہ رب ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا تاکہ تم اس پر آرام کر سکو اور مزے کے ساتھ اس پر چل پھر سکو اور زمین عجیب فرش ہے کہ جو نہ لوہے کی مانند سخت ہے نہ گھسنے لگیں۔ اور اسی رب نے تمہارے چلنے کے لیے اس زمین میں راستے بنا دیئے تاکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اسی رب نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا تاکہ تم اس سے زندہ رہ سکو پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے قسم قسم کے نباتات اُگائے باوجودیکہ زمین ایک ہے اور پانی ایک ہے اور ہوا ایک ہے مگر ہر ایک کا مزہ اور رنگ اور بو مختلف ہے اور تم کو اجازت دی کہ ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یہ سب تمہاری حیات اور زندگی کا سامان ہوا پس جس رب نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ ایسا ہے اور ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے۔

بیشک ان چیزوں میں عقلمندوں کے لیے ہماری قدرت اور ربوبیت کی کتنی ہی نشانیاں ہیں۔ البتہ جو عقلیں نفسانی خواہشوں کی پیروی میں گئی ہیں وہ ان روشن دلائل سے اندھی اور بہری بنی ہوئی ہیں۔
ف نہی جمع نہیۃ کی ہے جیسے عُرْف جمع عُرْفَت کی ہے۔ نہیۃ اس عقل کو کہتے ہیں جو انسان کو قبیح باتوں سے روکے۔

پس اے فرعون تو جو خدا کی دعویٰ کرتا ہے تو بتلا کہ تجھ میں بھی ان صفات کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے نہ تو نے زمین بنائی اور نہ آسمان بنایا۔ اور نہ تو خود بخود پیدا ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو دلائل قدرت اور براہین الوہیت پیش کیے وہ دہریوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں اگر عقل ہے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارا معبود اور ہمارا پالنے والا سوائے اس خدا کے کوئی نہیں جس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

بیان مبداء و معاد

موسیٰ علیہ السلام ان دلائل قدرت کے بیان کرنے کے بعد مبداء اور معاد کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے کہ تم سب مٹی سے پیدا ہوئے جو تمہارا مبداء ہے اور پھر مگر اسی کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے اور اسی میں رل مل جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن ہم تم کو اسی مٹی سے نکالیں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! جس طرح زمین سے ہم نے نباتات کو پیدا کیا۔ اسی طرح ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی پیدائش نطفہ سے ہے اور نطفہ خلاصہ ہے غذا کا اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے اور ہمارے باپ آدم علیہ السلام ابتداءً مٹی ہی سے پیدا ہوئے تھے۔ اور تمام افراد بشری آدم علیہ السلام کی پشت میں مضمر اور مستتر تھے۔

بہر حال انسان کی اصلیت مٹی ہے۔ اور پھر مرنے پیچھے ہم تم کو زمین میں لوٹا دیں گے۔ یعنی تم زمین میں دفن کر دیئے جاؤ گے۔ اور اگر جلا دیئے گئے تو تمہاری راکھ مٹی میں ملا دی جائے گی۔ اور اسی زمین میں سے ہم تم کو دوبارہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے نکالیں گے۔ لہذا تم کو چاہیے کہ زمین کا مراقبہ کیا کرو۔ زمین ہر وقت تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اس میں غور کیا کرو کہ وہ تمہارا مبداء اور منشاء ہے۔ تم اسی زمین سے پیدا ہوئے اور پھر مرنے کے بعد اسی زمین میں لوٹا دیئے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن اسی زمین سے تم نکالے جاؤ گے۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی جزا ملے گی۔ لہذا سوچ لو اور اس دن کیلئے کچھ ذخیرہ جمع کر لو اس زمین میں دلائل ربوبیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی جس خدا نے پہلی بار تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی ہی میں تم کو دفن کرا کے امانت رکھا وہی خدا پھر تم کو مٹی سے نکال سکتا ہے۔



وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَلَكَذَّبَ وَأَبَى ۝۵۶

اور ہم نے دکھا دیں اپنی سب نشانیاں پھر جھٹلایا اور نہ مانا۔

قَالَ أَجَعَلْتَنَا تَخْرُجْنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَمُوسَى ۝۵۷

بولا کیا تو آیا ہے ہم کو نکالنے کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ

فَلَنَّا تِيكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ فَأَجْعَلْ بَيْنَنَا

سو ہم بھی لاویں گے تجھ پر ایک ایسا ہی جادو سو ٹھہرا ہمارے اپنے

وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا تُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ

بیچ ایک وعدہ نہ تفادت کریں اس سے ہم نہ تو ایک

مَكَانًا سَوًى ۵۸ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ

میدان صاف ہیں - کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن اور یہ کہ جمع کرے

النَّاسُ ضُحًى ۵۹ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ

لوگوں کو دن چڑھے - پھر الٹا پھرا فرعون، پھر اکٹھے کیئے اپنے سارے داد پھر

آتَىٰ ۶۰ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيَكْمُرُ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ

آیا - کہا ان کو موسیٰ نے کبھتی تمہاری جھوٹ نہ بولو اللہ پر

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ ۶۱

پھر کھپا دے تم کو کسی آفت سے - اور مراد کو نہیں پہنچا جس نے جھوٹ باندھا۔

فَتَنَّا زَعُورًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ۶۲ قَالُوا

پھر جھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کی مشورت - بولے

إِنْ هَٰذَا بَشِيرٌ أَوْ بَشِيرٌ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ

مقرر یہ دونوں جادو گر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے،

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَ بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۶۳ فَأَجْبَعُوا

اپنے جادو کے زور سے اور اٹھا دیں تمہاری راہ خاصی - سو مقرر کرد

كَيْدَكُمْ ثُمَّ أَتَتْكُمْ صَفًّا ۶۴ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ

اپنی تدبیر، پھر آؤ قطار باندھ کر - اور جیت گیا آج جو اوپر

اسْتَعْلَىٰ ۶۵ قَالُوا يُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ

رہا - بولے اے موسیٰ! یا تو ڈال اور یا ہم ہوں

تَكُونُ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ۖ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبالُهُمْ

پہلے ڈالنے والے - کہا نہیں! تم ڈالو - پھر تبھی ان کی رسیاں

وَعَصِيَّتُهُمْ يَخِثَلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَلْهَا تَسَعَى ۖ

اور لاٹھیاں اُس کے خیال میں آتی ہیں جادو سے کہ دوڑتی ہیں -

فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى ۖ قُلْنَا لَا تَخَفْ

پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر، موسیٰ - ہم نے کہا تو نہ ڈر

إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى ۖ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا

مقرر تو ہی رہے گا اوپر - اور ڈال جو تیرے داہنے میں ہے کہ نکل جاوے جو

صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٌ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ

انہوں نے بنایا، اُن کا بنایا تو فریب ہے جادوگر کا، اور جادوگر نہیں کام لے نکلتا

حَيْثُ أَتَى ۖ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

جہاں آوے - اور گر پڑے جادوگر سجدے میں بولے ہم یقین لائے رب پر

هَارُونَ وَمُوسَى ۖ قَالَ أَمْنَكُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ

ہارون اور موسیٰ کے - بولا فرعون، تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہ دیا

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ

تھا - وہی تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو - سو اب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ

وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلَتُكُمْ فِي جُذُوعِ

اور دو کمر پاؤں، اور سُولی دُون گاتم کو کھجور کے

النَّخْلِ وَلَتَعْلَمَنَّ آيُنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى ۖ قَالُوا

دھنڈ پر - اور جان لوگے ہم میں کس کی مار سخت ہے اور دیر تک رہتی - وہ بولے

لَنْ نُوْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي

ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں گے اس چیز سے، جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اس

فَطَرْنَا فَاَقْصُ مَا أَنْتَ قَاصٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ

سے جن نے ہم کو بنایا سو تو کر چک جو کرتا ہے تو یہی کرے گا اُس دنیا کی زندگی میں

الدُّنْيَا ۚ إِنَّا أَمْنَا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا

ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر تا بخشے ہم کو ہماری تقصیریں، اور جو تو نے کر دیا ہم

عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى ۚ إِنَّهُ مَنَّ

سے زور آوری یہ جادو - اور اللہ بہتر ہے اور دیر رہنے والا - مقرر ہے جو

يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا

کوئی آیا اپنے پاس گنہگار ہو کر، سو اس کے واسطے دوزخ ہے، نہ مرے اس میں

وَلَا يَحْيَىٰ ۚ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ

نہ جیوے - اور جو آیا اس پاس ایمان سے کر کر نیکیاں -

فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۚ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرَىٰ

سوان لوگوں کو ہیں درجے بلند - باغ ہیں بسنے کے بہتی

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ

ہیں ان کے نیچے سے نہریں رہا کریں گے ان میں

وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ

اور یہ بدلہ ہے اس کا

تَزَكَّىٰ ۚ

جو پاک ہوا۔



ذکرِ مذکرہ دیگر درمیانِ موسیٰ علیہ السلام و فرعون لعین

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا - إِلَى - - وَذَلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ه

(رابطہ) گزشتہ آیات میں الوہیت و ربوبیت خداوندی کے بارے میں مذکرہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنة کے درمیان ایک دوسرے مذکرہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے فرعون کو الوہیت اور ربوبیت اور نبوت و رسالت اور حشر و نشر اور قیامت کے متعلق اپنی تمام نشانیاں دکھلا دیں۔ جن کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور کسی عذر کی اس کے لیے گنجائش باقی نہ رہی اس لیے کہ حق اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ پھر بھی اس نے ہماری نشانیوں کو بھٹلایا اور ان کو سحر اور جادو بتلایا اور ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور جن آیات بینات کا اس وقت دکھلانا منظور تھا وہ سب اس کو دکھلا دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دلائل ربوبیت و وحدانیت بھی فرعون کے سامنے بیان کر دیئے۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَکَايَةَ عَنْهُ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۖ
اپنی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے فرعون کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ دکھلا دیا۔ اور مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ سے حشر و نشر اور قیامت کا اثبات فرمایا مگر فرعون نے ان آیات بینات اور ان روشن دلائل کو بھی نہ مانا اور ان معجزات کو جادو بتایا اور بولا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دے اور خود اس پر قابض ہو جائے تو ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے اور تیرے جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص سیغیر نہیں جادوگر ہے۔ فرعون ملعون نے یہ بات اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَمْوُئِي اے موسیٰ کیا تو اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک اور وطن سے نکالنا چاہتا ہے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سنفرت اور اشتعال دلانے کیلئے کہی۔ کیونکہ جب قوم کے لوگ یہ سنیں گے تو ان کے دل میں یہ بات جم جائے گی کہ اگر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مان لی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اپنے گھر بار سے نکلنا پڑے گا۔ تو اس کی بات کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کے معجزوں میں غور و فکر کریں گے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ موسیٰ نے دکھایا ہے وہ بھی ایک قسم کا جادو ہے۔ فرعون ملعون کا یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر غایت درجہ خوف زدہ ہوا اور یہ سمجھ گیا کہ یہ حق ہے جادو نہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جس کی پیش گوئی میں عرصہ سے سن رہا ہوں کہ آلِ ابراہیم میں ایک شخص ہوگا جس کے ہاتھ پر میری سلطنت کا خاتمہ ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کرواتا تھا۔ اگر اس کو یقین نہ ہوتا تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی جادوگر محض جادو سے کسی سلطنت

پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ عصائے موسیٰ کی بیبت نے اس کو ایسا بدحواس بنا دیا کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر دست درازی کی جرأت نہ ہوئی۔

الغرض جب موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ اس کو دکھایا تو دل سے تو سمجھ گیا اور یقین کر لیا کہ یہ خدائے برحق کے نبی اور رسول ہیں۔ مگر نہ ماننے کا ایک بہانہ نکالا کہ تم جادوگر ہو اور یہ جو کچھ تم نے دکھایا ہے وہ سب سحر ہے پس ہم بھی اس سحر کے مقابلہ میں ایک اور سحر لائیں گے۔ اور تمہارا مقابلہ کریں گے۔

پس اس مقابلہ کے لیے ہمارے اور اپنے درمیان وعدے کے لیے کوئی مقام اور وقت معین کر لیجئے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم اس کے خلاف کرو۔ اور اس مقابلہ کے لیے درمیان شہر کوئی جگہ مقرر کر لیں جو شہر کے بیچوں بیچ ہو اور آنے والوں کے لیے ہر طرف سے مسافت برابر ہو تاکہ کسی طرف سے آنے والے کو دشواری نہ ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہ میدان اور وہ زمین ہموار ہو جس میں سب برابر کھڑے ہو کر مقابلہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہارے وعدہ کا وقت تمہاری عید کا دن ہے۔ جس دن لوگ آرائش و زیبائش کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے لیے عید کا دن اس لیے تجویز کیا کہ اس دن سب لوگ حاضر ہوں گے۔ تو حق مجمع عام کے روبرو ظاہر ہو جائے گا اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت یعنی دن چڑھے جمع کیے جائیں۔ جس وقت روشنی خوب ہوتی ہے یعنی ہمارا وعدہ عید کے دن چاشت کے وقت کا ہے تاکہ دن دھاڑے سب کے سامنے حق واضح ہو جائے اور سارے جہان میں اس کی خبر پھیل جائے اور کوئی بات چھپی نہ رہے۔ پیغمبروں کے کام میں کوئی تلبیس اور ملمع کاری نہیں ہوتی۔ اس لیے دن چڑھے کا وقت مقرر کیا۔ تاکہ روز روشن میں کسی کو اشتباہ نہ رہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو اپنے غلبہ کا یقین کامل تھا اس لیے بے دھڑک یہ دن اور یہ وقت مقرر کیا۔

پس جب مقابلہ کے لیے مکان اور زمان اور وقت سب طے پا گیا۔ تو فرعون اپنے دربار سے واپس ہوا اور خلوت میں آکر مشورہ کیا کہ کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ پھر اپنے کمر و فریب کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ پھر جب سامان کو چکا تو پوری طاقت اور پوری جمعیت کے ساتھ وقت معین پر میدان مقابلہ میں آیا۔ ساحروں کی بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ فرعون جب میدان میں آیا تو تخت شاہی پر بیٹھا۔ اور تمام ارکان دولت اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور تمام جادوگر بھی اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور فرعون ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جادوگروں کی تعداد چار سو تھی اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھی۔ واللہ اعلم

اور موسیٰ علیہ السلام اطمینان سے اپنے عصا پر نکیہ لگائے تشریف لائے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے۔

میدان مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحروں کو ناصحانہ خطاب

جب حسب وعدہ سب میدان مقابلہ میں حاضر ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے یہ کہا کہ اے کبھنتی کے مارو میرے معجزے کو جو خدا کی دی ہوئی نشانی ہے جادو قرار دے کر اللہ پر جھوٹ بہتان نہ باندھو کہ پھر وہ تم کو کسی آفت سے ہلاک کر ڈالے اور جڑ سے تم کو نیست و نابود کر دے اور تحقیق نامراد اور ناکام ہو و وہ شخص جس نے مخلوق پر افترا کیا۔ چہ جائیکہ جو شخص اللہ پر افترا کرے وہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بغرض تمام مجتہدین مقابلہ سے پہلے جادوگران کو سمجھایا۔ اور ان کو نصیحت کی کہ دیکھو اللہ پر افترا نہ کرو۔ منفری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ کلمہ موعظت و حکمت سنا تو سُنکر اپنے معاملہ میں مختلف ہو گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ کہ آیا اس مبارک چہرہ کا مقابلہ کرنا چاہیے یا نہیں کوئی کہتا کہ یہ بات جادوگروں کی سی نہیں اور یہ چہرہ بھی جادوگروں جیسا نہیں۔ اس شخص کے لب و لہجہ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شخص اندر سے مطمئن ہے۔ خوف و ہراس کا نام و نشان بھی اس شخص کے آس پاس بھی کہیں نظر نہیں آتا اور بعض کہتے کہ یہ جادوگر ہے ہم اس پر غالب آجائیں گے۔ اور چھپ کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ اور فرعون سے چھپا کر سہ گوشتیاں کرنے لگے کہ فرعون کے لوگوں میں سے کسی کو اس مشورہ کی خبر نہ ہو۔ بالآخر اس مشورہ میں یہ طے پایا کہ سب نے متفق ہو کر یہ کہا۔

۱۔ کہ بیشک یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں۔

۲۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دیں اور خود اس پر متصرف اور قابض ہو جائیں اور اس ملک کو اپنے تصرف میں لائیں۔

۳۔ اور یہ دونوں یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بہتر طریقہ کو مٹا دیں۔ اور اپنا طریقہ اس پر رائج کر دیں، طریقہ سے دین اور مذہب مراد ہے کہ فرعون نے یہ کہا۔ اِنِّیْ ذُوْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کا مقصد یہ ہے کہ سرزمین مصر سے تمہارا طریقہ اور مذہب اور تمہاری تہذیب اور تمدن ختم کر کے بنی اسرائیل کا طریقہ اور ان کا دین اور ان کی تہذیب و تمدن ملک میں رائج کریں۔ پس تم سب مل کر اور متفق ہو کر اپنی تدبیر کو پختہ کر لو اور پھر سب صف باندھ کر مقابلہ پر آؤ۔ تاکہ اس کے دل میں ہیبت ہو۔ اور سب پر تمہارا رعب پڑے اور ڈٹ کر موسیٰ کا مقابلہ کرو اور تحقیق آج فلاح کو پہنچا جو آج کامیاب ہوا۔ یعنی آج جس نے غلبہ پالیا جیت اسی کی ہے اور وہی اپنے مقصد میں کامیاب ہے ساحروں کی تعداد میں مختلف اقوال آئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ ۹۰۰ (نوسو) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین سو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ بارہ ہزار تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تیس ہزار تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۱، ۶۲)

پھر اس صف بندی کے بعد جادو گروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ بتلائیے یا تو یہ ہو کہ آپ اپنا عصا پہلے زمین پر ڈالیں گے۔ اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنیں یعنی دونوں باتوں کے درمیان آپ کو اختیار ہے۔ جیسی صورت چاہیں پسند کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ پہلے تم ہی ڈالو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی لاٹھیاں رستیاں زمین پر ڈال دیں تو ڈالتے ہی ان کی رستیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کی نظر میں ایسی دکھائی دینے لگیں جیسے سانپ دوڑ رہے ہوں۔ تمام لوگوں کو ایسا نظر آیا کہ ان کی لاٹھیاں اڑدھا بنی ہوئی ہیں اور دوڑی چلی جا رہی ہیں اور سارا میدان ان سے بھرا ہوا ہے۔

پس اس منظر کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا اور یہ خوف بمقتضائے جبلت بشری تھا یا اس وجہ سے تھا کہ مبادا لوگ اس ظاہری منظر کو دیکھ کر جادو کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں اور سحر اور معجزہ کا فرق ان پر متبیس ہو جائے اور عجب نہیں کہ یہ بھی خیال کیا ہو کہ میرے پاس تو ایک ہی عصا ہے اور وہ ایک ہی سانپ بنے گا اور ان کے پاس تو بہت سی رستیاں اور لاٹھیاں ہیں جب وہ سب سارے سانپ بن جائیں گے تو بظاہر باطل۔ حق پر غالب نظر آئے گا۔ اس لیے ڈرے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا کہ تو کچھ بھی خوف نہ کر بلاشبہ تو ہی تنہا ان سب پر غالب رہے گا۔ معجزہ کے سامنے جادو اور شعبدہ کیا چیز ہے اور اے موسیٰ جو چیز بھی اس وقت تیرے دائیں ہاتھ میں ہے اس کو زمین پر ڈال دے اگرچہ وہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی ان رسیوں اور لاٹھیوں کی پرواہ نہ کر جو کچھ تیرے داہنے ہاتھ میں ہے خواہ گھانس کا تنکا ہی کیوں نہ ہو اس کو زمین پر ڈال دے وہ ان کے تمام شعبدے کو نکل جائے گا جو انہوں نے بنایا ہے۔ اور آپ کا ایک عصا ان ہزار ہا ہزار لاٹھیوں اور رسیوں کو نکل کر ڈکا رہی نہ لے گا تحقیق انہوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ تو جادو گر کا حیلہ اور فریب ہے اور آپ نے جو کام کیا ہے وہ قدرت خداوندی کا ایک کرشمہ ہے اور ایک خیالی شعبدہ بھی کرشمہ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادو گر جہاں کہیں بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ فوراً وہ ایک بڑا اڑدھا بن گیا اور ان عصاؤں اور رسیوں کے پیچھے ہوا جو ساحروں نے ڈالی تھیں دم کے دم میں سب کو ایک ایک کر کے نکل گیا۔ اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا۔ اور لوگ ڈر کے مارے بھاگ اٹھے۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جو اڑدھا بنا ہوا تھا۔ فرعون کی طرف متوجہ ہوا کہ فرعون کو نکل جائے تو فرعون چلا یا اور موسیٰ سے فریاد کی تو موسیٰ

نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۷)

کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک فرعون اپنے محل سے باہر نہیں نکلا۔

ساری دنیا نے اس وقت حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا یہ معرکہ دیکھا اور جادوگر بھی سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دکھایا ہے وہ سحر نہیں بلکہ معجزہ نبوت اور کرشمہ قدرت ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس جادوگروں کی اس وقت یہ حالت ہوئی کہ وہ اس کرشمہ غیبی کو دیکھ کر ایسے بے خود ہو گئے کہ گویا گردن پکڑ کر سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ ساحرین چونکہ فن سحر کے ماہر تھے اور اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اور سحر کی حقیقت سے واقف تھے اس لیے دیکھتے ہی یہ سمجھ گئے کہ یہ کرشمہ موسیٰ دائرہ سحر سے بالا اور برتر کوئی حقیقت ہے۔ یہ کرشمہ قدرت ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئے اور بولے کہ ہم ایمان لے آئے ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر یعنی ہم اس رب پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے اور جس کی قدرت سے یہ عصا اثر دھا بنا اور ہماری ہزار ہا رستیوں اور لاکھوں کو ایک لقمہ بنا کر نکل گیا سحر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایک دم سے رستیوں اور تمام لاکھوں کو نکل جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ عصا موسیٰ نے ان کے جبال اور عصبی میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑا۔ تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ معجزہ ہے اور ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر گئے اور ساحروں کا یہ سجدہ، سجدہ شکر تھا کہ اللہ نے ہم پر حق اور باطل اور سحر اور معجزہ کا فرق ظاہر فرما دیا۔

سبحان اللہ کیا عجیب ماجرا ہے کہ انہی جادوگروں نے ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے اپنی رستیوں اور لاکھوں کو زمین پر ڈالا تھا۔ پھر جب حق واضح ہو گیا تو اپنے سروں کو زمین پر ڈال دیا اور یہ سجدہ، سجدہ شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

نکتہ | اور رب ہارون و موسیٰ میں ہارون کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ یا اس وجہ سے کہ فرعون نے بچپن میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی تھی تو رب موسیٰ سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ فرعون مراد ہے۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ فرعون کے ملک میں نو سو جادوگر تھے۔ انہوں نے فرعون سے کہہ دیا تھا کہ اگر موسیٰ درحقیقت جادوگر ہے تو ہم اس پر ضرور غالب آئیں گے کیونکہ فن سحر میں ہم سے زیادہ کوئی کامل اور ماہر نہیں اور اگر وہ پیغمبر ہوں گے تو ہم ان پر غالب نہ آسکیں گے۔

چنانچہ جب مقابلہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے جادو کی ہستی مٹا کر رکھ دی تو ان سب کو آپ کی پیغمبری کا یقین آگیا۔ اور ایمان لے آئے فرعون نے یہ واقعہ دیکھ کر جادوگروں کو دھمکایا اور کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر کیسے ایمان لے آئے۔ یعنی تم کو چاہیے تھا کہ مجھ سے مشورہ کرتے۔ اور میرے حکم کے بعد ایمان لاتے۔ پھر اپنے لوگوں کو شبہ میں ڈالنے کی غرض سے یہ کہا۔ بیشک یہ شخص تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اور تم سب اس کے شاگرد ہو اور دل سے اس کے ساتھ ہو اور

اندرونی طور پر اس سے ملے ہوئے ہو۔ یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے اور جنگِ زرگری ہے تم نے اپنے استاد کی شان بلند کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ فرعون نے جب دیکھا کہ جس جادو کے بل بوتے پر وہ اچھل کود رہا تھا وہ دم کے دم میں معجزہ موسیٰ کا لقمہ بن گیا تو اب لوگوں کو بہکانا شروع کیا۔

چو حجت نہ ماند جفا جوئے را

بہ پر خاش برہم کشد روئے را

امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ فرعون کا صریح جھوٹ تھا لوگوں کو دھوکہ دینے اور شبہ میں ڈالنے کے لیے اس نے یہ جھوٹ بولا کہ یہ تمہارا استاد ہے وہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں سے کبھی ملے بھی نہیں اور نہ ان کی ان سے کوئی جان پہچان ہے اور اگر موسیٰ علیہ السلام ان جادوگروں کے استاد ہوتے اور یہ ان کے شاگرد ہوتے تو سب کو معلوم ہوتا۔ استادی اور شاگردی کا تعلق لوگوں کو معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے جب یہ جھوٹ بولا تو سننے والے بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ یہ فرعون کا بہتان اور دروغ بے فروغ ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴، ۶۵)۔

پھر اس جھوٹ کے بعد فرعون نے ان کو دھمکانا شروع کیا اور کہا۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ میں ضرور بالفور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی داہنے ہاتھ اور بائیں پاؤں تاکہ تمہاری ہیئت اور صورت بگڑ جائے۔ اور پھر تم کو سولی دے کر کھجور کے تنوں پر لٹکوا دوں گا۔ تاکہ لوگ تم کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور تم یہ بھی جان لو گے کہ ہم دونوں میں یعنی مجھ میں اور رب موسیٰؑ میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے یعنی میں تم کو تمہارے ایمان لانے پر سزا دوں گا۔ اگر تم ایمان نہ لاتے تو موسیٰؑ کے قول کے مطابق تم کو موسیٰؑ کا خدا عذاب دیتا۔ اب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میرا عذاب زیادہ سخت ہے دیر پا ہے یا موسیٰؑ کے خدا کا جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ایک شبہ | امام رازی فرماتے ہیں اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ابھی تو یہ گزرا ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے جب وہ اڑدھا ہو گیا اور وہ عصا فرعون کی طرف متوجہ ہوا تو فرعون چیخیں مارنے لگا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو پکڑا اور ہاتھ میں لیا پھر وہ بدستور پہلے ہی جیسا عصا ہو گیا تب فرعون کے ہوش و حواس درست ہوئے تو شبہ یہ ہے کہ پہلے تو فرعون کے خوف کا یہ حال تھا جو بیان ہوا اور اب یہ دلیری اور بہادری کہ سب کو ڈرا دھکا رہا ہے۔ خوف و ہراس کے بعد یہ دلیری کہاں سے آئی۔

جواب | یہ ہے کہ وہ دل سے نہایت خوفزدہ تھا۔ مگر بے حیائی اور ڈھٹائی سے اپنی دلیری ظاہر کرتا تھا تاکہ اس کی بات بنی رہے اور ظالم اور بدکار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ فرعون کا یہ کہنا کہ اِنَّہٗ لَکَبِیْنُ کُمْ الَّذِیْ عَلَّمَکُمْ السِّحْرَ یہ تمہارا استاد و بزرگوار ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے اس کا یہ دروغ بے فروغ خود اس کے اندرونی

خوف کی دلیل ہے۔ حالانکہ اس کو خوب معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی ان جادوگروں سے نہیں ملے اور نہ ان سے واقف ہیں۔ اور نہ ان کا ان سے کوئی تعلق ہے۔ جو شخص اندر سے خوفزدہ ہوتا ہے وہ باہر سے ایسی ہی بے سرو پا باتیں کیا کرتا ہے۔ جس کی حقیقت اکڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴، ۶۵)

مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب

یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی تہدید کا اور دھمکیوں کا ذکر کیا۔ اب آگے مؤمنین صالحین کی طرف سے فرعون کی تہدید کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ فرعون کی ان دھمکیوں سے ان کے پائے ثبات میں کوئی تزلزل نہیں آیا۔ فرعون کی یہ دھمکیاں سنکر مؤمنین صالحین جواب میں یہ بولے کہ اے فرعون ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے۔ ان واضح دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچے ہیں اور نہ ہم تجھ کو اس ذات کے مقابلہ میں ترجیح دیں گے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ ہمارا رب وہ ہے جس نے پردہ عدم کو چاک کر کے ہم کو وجود عطا کیا ہے۔ ربوبیت کے لیے خالقیت شرط ہے جب تو ہمارا خالق نہیں تو ہمارا رب کیسے ہو سکتا ہے۔ پس تو جو کرنا چاہے وہ کر گزر ہمیں تیرے ڈرانے دھمکانے کی کچھ پرواہ نہیں جزایں نیست کہ تو اپنا حکم صرف اس دنیاوی زندگانی میں جاری کر سکتا ہے جو عنقریب زائل اور فنا ہونے والی ہے تو تیرا عذاب کچھ دیر پا نہیں۔ تیرا سارا زور اس دار فانی میں ہے۔ اور ہم دارالبقاء اور دارالقرار کے شیدائی اور فدائی ہیں تو ہم کو کیا اس فانی اور مجازی عذاب سے ڈراتا ہے بس اب تو ہم اپنے اس پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں جس نے ہم کو وجود عطا کیا اور زمین کو ہمارا فرش اور آسمان کو ہماری چھت بنایا۔ اور ہمارے لیے سامان رزق زمین سے اُگایا۔ ساری عمر ہم نے اس کا کفر کیا اب ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں۔ تاکہ وہ پروردگار ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو بخشدے اور خاص کر اس گناہ کو بخش دے جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا۔ یعنی یہ جادو جو ہم نے موسیٰ کے مقابلہ میں کیا وہ تیرے زور دینے سے کیا ساحروں نے یہ سحر اگرچہ اپنے اختیار سے کیا لیکن چونکہ حکم شاہی سے کیا تو مجبور تھے اس لیے کہ حکم شاہی آدمی کو مجبور کر دیتا ہے۔ شخصی اور انفرادی دباؤ سے آدمی اتنا مجبور نہیں ہوتا جتنا کہ حکومت کے دباؤ سے مجبور ہو جاتا ہے۔ فرعون نے جب ساحروں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے کہا اور ان سے عصا کے اڑدھا ہو جانے کا ذکر کیا تو جادوگروں نے یہ کہا کہ اچھا پہلے ہم کو موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دکھا دو تاکہ ہم ان کو دیکھ کر معلوم کر لیں کہ بات کیا ہے تو فرعون نے جادوگروں کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا جب جادوگر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو سو رہے ہیں اور وہ عصا سانپ کی صورت میں ان کا پہرہ دے رہا ہے۔

اور ان کی پاسبانی اور نگہبانی کر رہا ہے۔ جادو گردوں نے اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ یہ شخص تو جادوگر نہیں کیونکہ ساحر جب سو جاتا ہے تو اس کا سحر اس وقت کام نہیں کرتا جادو گردوں نے آکر یہ سارا ماجرا فرعون سے بیان کر دیا مگر فرعون نے نہ مانا اور کہا کہ تم لوگ بھی بے شمار اڑدھے لاسکتے ہو وہ ایک اڑدھا کیا تمہارا مقابلہ کرے گا غرض یہ کہ فرعون نے جادو گردوں کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کرنے کے لیے مجبور کیا۔

(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۵ ج ۶ و تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۱۱ ج ۱۶)

اور ظاہر یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال دیکھنے کے لیے خاص خاص فن سحر کے ماہر ہی گئے ہوں گے نہ کہ سب۔ لہذا معلوم ہوا کہ سب جادو گرد دل سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر آمادہ نہ تھے۔ بہت سے فرعون کے جبر و اکراہ سے مقابلہ پر آئے اور جب علی الاعلان حق واضح ہو گیا۔ اور حق باطل کو نکل گیا تو فرعون کی پرواہ نہ کی اور اپنے خدائے عز و جل پر ایمان لے آئے اور اپنے گناہ کی معافی چاہی اور فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں یہ کہا اور اللہ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے اور اس کا ثواب اور عذاب دائمی ہے۔ اس کا انعام تیرے انعام سے بہتر ہے اور اس کا عذاب تیرے عذاب سے زیادہ سخت اور زیادہ دیر پا ہے تو تو ایک بگورا اور متور بھگوڑا آدمی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو دیکھ کر تیرا پیشاب پاخانہ خطا ہو گیا۔ اور تو اپنے تخت سے بھاگ اٹھا۔ تجھے ربوبیت سے کیا واسطہ۔ اب آگے قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والوں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جو ان کے قتل اور سولی کا عزم مصمم کیا تھا وہ کر گزرا۔ جیسا کہ ابن عباسؓ اور دیگر سلف سے مروی ہے کہ یہ مقتولین صبح کے وقت جادوگر تھے اور شام کے وقت شہید تھے۔

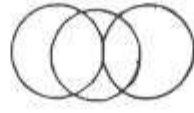
(دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۱۵۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۶۷ ج ۶)

پھر ان مؤمنین صالحین نے فرعون کے عذاب کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرنے کی وجہ بیان کی۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ جو شخص قیامت کے دن اپنے بد و درگاہ کے سامنے مجرم اور باغی ہو کر حاضر ہوگا تو بلا شک اس کے لیے دوزخ کا دائمی عذاب ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا وہاں اس کو کوئی راحت نصیب نہ ہوگی۔ ہمیشہ عذاب ہی میں رہے گا۔ ہم اس کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے ہیں جس کے مقابلہ میں تیرا عذاب ایچ ہے اور جو شخص اس کے پاس ایمان والا ہو کر آئے گا

۱۷ قال الحافظ ابن کثیر الظاہر ان فرعون لعنہ اللہ صتم علی ذلک وفعلہ بہم رحمۃ لہم من اللہ ولہذا قال ابن عباس وغیرہ من السلف اصحوا سحرۃ وامسوا شہداء۔

۱۸ قال الامام الرازی علمائہ لیس فی القرآن ان فرعون فعل باؤ لئلا القوم المؤمنین ما اوعدهم بہ ولکن ثبت ذلک بالآخبار۔

جس نے ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی کیے ہوں تو ایسے لوگوں کے لیے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے کے باغات ہوں گے۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ جزا ہے اس شخص کی کہ جو کفر اور معصیت کی نجاستوں سے پاک صاف ہوا اور کفر اور معصیت کی نجاست سے پاک کرنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔



وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنُ اسْرِ بِعِبَادِي

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے نکل میرے بندوں

فَاضْرِبْ لَهُم مَّطَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفُ

کو رات سے پھر ڈال دے اُن کو راہ سمندر میں سوکھی، نہ خطرہ تجھ کو

دَرَكًا وَلَا تَخْشَى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ

آپکڑنے کا بند ڈر - پھر پیچھے لگا ان کے فرعون اپنے لشکر کے

فَغَشَّيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشَّيَهُمْ ۝ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ

پھر گھیر لیا ان کو پانی نے جیسا گھیر لیا - اور بہکایا فرعون نے

قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ۝ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ

اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا - لے اولاد اسرائیل ! چھڑایا ہم نے تجھ کو

مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكَ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَ

تہارے دشمن سے اور وعدہ رکھا تم سے داہنی طرف پہاڑ کے ، اور

نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلَوى ۝ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ

اتارا تم پر من اور سلوی - کھاؤ ستھری چیزیں

مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي

جو روزی دی ہم نے تم کو، اور نہ کرو اس میں زیادتی، پھر اترے تم پر میرا غصہ۔

وَمَنْ يَحِلِّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۖ (۸۱) وَإِنِّي

اور جس پر اُترا میرا غصہ وہ پڑکا گیا - اور میری

لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ

بڑی بخشش ہے اس پر ، جو توبہ کرے اور یقین لادے اور کرے بھلا کام پھر

أَهْتَدَىٰ (۸۲)

راہ پر رہے -

بنی اسرائیل کا مسخر خروج اور فرعون کا تعاقب اور اس کی غرقابی

قال الله تعالى وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِي... ثُمَّ أَهْتَدَىٰ
(ربط) گزشتہ آیات میں ساحرین کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کا ذکر تھا کہ کھلے میدان میں دن دھاڑے مقابلہ ہوا اور فرعونیوں کو شکست فاش ہوئی اور ساحرین مشرف باسلام ہو گئے تو بنی اسرائیل کا پلہ بھاری ہو گیا۔ اور فرعون ڈر گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا چند ہی سال میں موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کافی تعداد میں ہو گئے مگر چند روز کے بعد لوگوں نے پھر فرعون کو دعوائے الوہیت اور سابق ظلم و تشدد پر آمادہ کیا تو حسب سابق اس نے پھر وہی ظلم و ستم شروع کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے لگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پڑ جائے کہ وہ مولود جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس لیے فرعون نے پھر قتل کا بازار گرم کیا۔ اس پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے ان مظالم کی شکایت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کا حکم دیا اور فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ہم سب ملک شام چلے جائیں اور فرعون کو متنبہ کرنے کے لیے طرح طرح کے نشانات دکھاتے رہے۔ جیسے طوفان اور جراد اور قمل اور ضفادع اور دم وغیرہ جن کا ذکر سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فرعون جب کوئی نشان دیکھتا تو ڈر جاتا اور موسیٰ علیہ السلام سے اس کے رفع کے لیے درخواست کرتا اور بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کر لیتا۔ مگر جب وہ مصیبت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو جاتی تو پھر مکر جاتا۔ بیس سال اسی حالت میں گزر گئے نہ ایمان لایا اور نہ بنی اسرائیل کو رہا کرنے پر آمادہ ہوا اور اس طویل و عریض مدت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جس قدر بھی نشانیاں دکھائی گئیں سب کی تکذیب کی۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَلَقَدْ آدَيْنَا هَٰؤُلَاءِ كُلَّهُمْ فَاكْذَبُوا بَنِيَّ -

پس جب حق جل شانہ کی طرف سے حجت پوری ہو گئی اور جرم کا پیمانہ لبریز نہ ہو گیا تو وقت آ گیا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دلائی جائے اور اس کے ان وحشیانہ مظالم کا انتقام لیا جائے اور اس کے عرق کا سامان کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے ہجرت کر جاؤ تاکہ بنی اسرائیل کی مظلومیت کا خاتمہ ہو اور خدا کے ماننے والے اور نہ ماننے والے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جائیں اور خارق عادات طریقہ سے بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہو جانا اور پھر ان کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کا اس خارق عادت طریقہ سے بصد ہزار ذلت و خواری عرق ہو جانا کہ شمشیر قدرت اور معجزہ نبوت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر شام چلے جاؤ اور جب راستہ میں دریا پر پہنچو تو اس پر لاٹھی مار دینا اس سے دریا میں بارہ رستے بن جائیں گے اور درمیان میں دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہو جائیں گی اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں کاہر خاندان ایک ایک راستہ سے الگ الگ نکل جائے گا۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے کنارے پہنچے تو حسب حکم خداوندی دریا پر اپنی لاٹھی ماری تو فوراً دریا میں خشک راستے تیار ہو گئے اور دونوں طرف پہاڑ کی طرح پانی کی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ جب صبح ہوئی تو فرعون کو اور قوم قبط کو معلوم ہوا کہ اب شہر میں بنی اسرائیل میں سے کوئی نہیں فرعون کو جب یہ خبر ملی تو فوراً اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا اور بنی اسرائیل کو دیکھا کہ دریا میں خشک راستوں سے گزر رہے ہیں۔ تو اس نے اپنے آدمیوں کو ان دریا کی راستوں پر چلنے کا حکم دیا۔ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر فرعون کے خوشامدی بولے کہ یہ سب حضور فیض گنجور کا اقبال ہے۔

جب بنی اسرائیل دریا سے پار نکل گئے اور فرعون مع لشکر کے دریا کے پیچ پہنچ گیا تو بحکم خداوندی دریا کا پانی رواں ہو گیا۔ اور وہ بد بخت مع اپنی قوم کے عرق ہو گیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں حق تعالیٰ نے خاص موسیٰ علیہ السلام پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح تمہارے دشمن کو تمہاری نظروں کے سامنے عرق کیا۔

(ربط دیگر) گزشتہ رکوع میں فرعون کے حال کو بیان کیا تھا۔ اب اس رکوع میں فرعون کے مال اور انجام کو بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ خدا تعالیٰ اگرچہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر اس کو چھوڑتا نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون باوجودیکہ اس مقابلہ میں شکست کھا گیا مگر پھر بھی اپنے تکبر اور تجبر سے باز نہ آیا اور بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا رہا تو البتہ تحقیق اس وقت ہم نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ ظلم سے نجات دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ ہمارے

ان بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے باہر لے کر نکل جاؤ اور دور چلے جاؤ چلتے چلتے تم کو راستہ میں دریا ملے گا۔ پس جب دریا پر پہنچو تو اس پر اپنا عصا مار کر بنی اسرائیل کے لیے خشک راستہ بنا دینا جس میں نہ پانی ہو اور نہ کچڑ ہم نے دریا کو حکم دے دیا ہے کہ جب موسیٰ تجھ پر عصا مارے تو اس کے لیے خشک راستہ بنا دینا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر پہنچ کر اس پر اپنا عصا مارا اسی وقت اس میں بحکم خداوندی بارہ راستے بن گئے۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ

چونکہ علم الہی میں یہ امر تھا کہ فرعون اپنا لشکر لے کر بنی اسرائیل کا تعاقب کرے گا اس لیے پہلے ہی فرما دیا کہ تم سیدھے چلے جانا نہ تو پکڑے جلنے سے ڈرے گا اور نہ ڈوبنے کا خوف کرے گا۔ اس واسطے کہ ہم تجھ کو صحیح سالم سلامتی کے ساتھ پار کر دیں گے نہ تو تجھ کو ڈوبنے کا خوف ہو گا اور نہ یہ خوف ہو گا کہ پیچھے سے کوئی دشمن آکر ہمیں پکڑ لے اس حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے چل پڑے۔

پس جب صبح کو فرعون کو اور قبطیوں کو اس کی خبر ہوئی تو فرعون نے اپنے لشکر سمیت اُن کا پیچھا کیا۔ اور دریا کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل کو لیکر دریا سے پار ہو چکے ہیں اور دریا میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں۔ فرعون اپنے لشکر کو لے کر انہی راستوں پر ہولیا۔ پس جب تمام لشکر دریا کے درمیان پہنچ گیا تو ڈھانپ لیا فرعون کو مع اس کے لشکروں کے دریا کی موج سے اس چیز نے کہ جس نے ان سب کو ڈھانپ لیا۔ یعنی ایک بڑی موج نے ان سب کو اپنی آغوش میں لے لیا اور وہ موج ایسی عظیم اور ہولناک تھی کہ کوئی اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب فرعون مع لشکر کے دریا کے اندر داخل ہو گیا۔ تو دریا کی ہولناک موج نے ان سب کو پکڑ لیا اور ہر طرف سے پانی آ ملا۔ اور سب غرق ہو گئے۔

اور فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کیا اور راہ راست پر نہ لگایا۔ یہ فرعون کے اس دعوے کا جواب ہے جو یہ کہتا تھا وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ میں تم کو سیدھا راستہ بتلاتا ہوں۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون کے عبرتناک غرقابی کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں بنی اسرائیل پر اپنے دو سر انعامات اور احسانات کا ذکر کرتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دینی اور دنیوی احسانات کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل ہم نے تم کو تمہارے بڑے دشمن فرعون سے نجات دی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نجات کی نعمت کو بیان فرمایا۔ اس لیے کہ

لَقَدْ قَالَ لِمَنْ لَمْ يَلِدْ وَيُحْيِ اِنْ يُقَالُ اِنَّهُ اَمْرٌ مُّقَدَّمَةٌ عَسْكَرَةٌ بِالدَّخُولِ فَدَخَلُوا وَمَا غَرَقُوا فَعَلِمَا دَخَلَ الْكُلُ اَغْرَقُوا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۹، ۷۰)

دفع ضرر کی نعمت سب سے مقدم ہے اور یہ نعمت دنیوی تھی اب اس کے بعد دینی نعمت کو بیان کرتے ہیں اور اے بنی اسرائیل ہم نے تم سے توریت دینے کے لیے طور کے داہنی جانب کا وعدہ کیا توریت کا عطا کرنا دینی نعمت ہے کیونکہ توریت نور ہے اور ہدایت ہے اور شریعت الہیہ ہے۔ جس پر عمل سے انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

پھر اس دینی نعمت کے بعد ایک دنیوی نعمت کا ذکر فرمایا اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تم پر من و سلوی اتارا من تو ایک حلوا تھا جو آسمان سے ان پر اترتا تھا۔ اور سلوی ایک پرندہ تھا جو ان پر گرتا تھا اور لذیذ تھا۔ بقدر حاجت اس میں سے لے لیتے تھے اور اگلے روز کے لیے ذخیرہ کرنے کی ممانعت تھی یہ ان پر اللہ کا دنیوی انعام تھا۔ اب آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہماری ان نعمتوں کو عصیان اور طغیان کا سبب نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے ان سے یہ کہا کہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اس کھانے میں حد شرعی سے تجاوز نہ کرو کہ پھر تم پر میرا غضب نازل ہو۔ حد سے بڑھنے سے ناشکری اور نافرمانی کرنا اور اس کا ذخیرہ کرنا مراد ہے اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ بلندی سے پستی میں جاگرا اور ہلاک اور برباد ہوا۔ یعنی اوپر سے ہادیہ (قعر جہنم میں جاگرا) ”ھوی“ کے معنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہیں۔

(هذا كله من التفسير الكبير للامام الرازي از ص ۶۹ ج ۶ تا ص ۷۰ ۷۱)
اور اس قہر و غضب کے ساتھ یہ بھی ہے کہ میں بلاشبہ بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے پچھلے گناہوں سے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے پھر راہ ہدایت پر قائم رہا اور مضبوطی کے ساتھ اس پر جمارہا۔ یہاں تک کہ اسی پر مر گیا۔ یہ مقام استقامت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ غرض کہ اہتداء سے استمرار اور استقامت کے معنی مراد ہیں۔
(دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۷۰، ۷۱)

اور راہ ہدایت سے صراط مستقیم مراد ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے اور یہ گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر قائم ہے۔

وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسٰی ﴿۸۳﴾

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اے موسیٰ -

قَالَ هُمْ اُولَآءِیَّ عَلٰی اَشْرٰی وَعِجَلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ

بولا وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے رب

لِتَرْضَى ۸۳ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ

تاکہ تو راضی ہو۔ فرمایا ہم نے بچلا دیا (آزمائش میں ڈالا) تیری قوم کو تیرے پیچھے،

وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۸۴ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ

اور بہکایا ان کو سامری نے - پھر الٹا پھرا موسیٰ اپنی قوم پاس

غَضَبَانَ أَسِفًا ۸۵ قَالَ يُقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

غصتے بھرا پیچھتا تا - کہا، اے قوم! تم کو وعدہ نہ دیا تھا تمہارے رب نے

وَعْدًا حَسَنًا ۸۶ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ

اچھا وعدہ، کیا لمبی ہو گئی تم پر مدت یا چاہا تم نے

أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ

کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس سے خلاف کیا تم نے

مَوْعِدِي ۸۷ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا

میرا وعدہ - بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے،

وَلَكِنَّا حُمِلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا

اور لیکن ہم کو کہا تھا کہ اٹھالیں گے بوجھ اس قوم کا گہنا، پھر ہم نے وہ پھینک دیئے،

فَكَذَّبْتَكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۸۸ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

پھر یہ نقشہ ڈالا سامری نے - پھر بنا نکالا ان کے واسطے ایک بچھڑا

جَسَدًا لِّلَّهِ خُورًا فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى

ایک دھڑ، جس میں چلانا گائے کا، پھر کہنے لگے یہ صاحب ہے تمہارا اور صاحب موسیٰ کا،

فَنَسِيَ ۸۹ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا

سو وہ بھول گیا - بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دیتا ان کو کسی بات کا اور



يَمْلِكُ لَهُمْ خَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝۸۹ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ

اختیار نہیں رکھتا ان کے بُرے کا نہ بھلے کا ۔ اور کہا تھا ان کو ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ

پہلے سے اے قوم ! اور کچھ نہیں تم کو بہکا دیا گیا ہے اس پر اور تمہارا رب

الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝۹۰ قَالُوا لَنْ

رحمن ہے ، سو میری راہ چلو اور مانو بات میری ۔ بولے ہم رہیں گے

نَبْرَحَ عَلَيْهِ عِكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝۹۱

اسی پر گئے بیٹھے ، جب تک پھر آدے ہم پاس موسیٰ

قَالَ يَهُرُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝۹۲ أَلَّا

کہا موسیٰ نے اے ہارون تجھ کو کیا اٹکاؤ تھا جب دیکھا تو نے کہ وہ بہکے ۔ تو میرے

تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝۹۳ قَالَ يَبْنَؤُمْرٌ لَا تَأْخُذُ

پیچھے نہ آیا ، کیا تو نے رد کیا میرا حکم ۔ وہ بولا اے میری ماں کے جتنے نہ پکڑ

بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ

میری ڈاڑھی اور نہ سر ۔ میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی

بَيْنَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝۹۴ قَالَ فَمَا

تو نے بنی اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات ۔ کہا موسیٰ نے

خَطْبُكَ يُسَامِرِي ۝۹۵ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ

اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری ۔ بولا میں نے دیکھ لیا جو سب نے نہ دیکھا

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ

پھر بھری میں نے ایک مٹھی ، پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی

سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي ۙ قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ

مصلحت دی مجھ کو میرے جی نے۔ کہا موسیٰ نے چل! تجھ کو زندگی میں اتنا ہے کہ

أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ ۚ

کہا کر نہ چھیڑو۔ اور تجھ کو ایک وعدہ ہے وہ تجھ سے خلافت

وَأَنْظُرْ إِلَى إِلْهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۚ

نہ ہوگا۔ اور دیکھ اپنے ٹھا کر کو جس پر سارے دن لگا بیٹھا تھا۔

لَنُخْرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۙ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ

ہم اس کو جلا دیں گے، پھر بکھیریں گے دریا میں اڑا کر۔ تمہارا صاحب

اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۙ

وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی۔ سب چیز سما گئی ہے اس کی خبر میں۔

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی اور گوسالہ پرستی کا واقعہ

قال الله تعالى وَمَا أَجْعَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمُوسَىٰ... إلخ... وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۙ

القصة جب فرعون غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ استدعا کی کہ ہمارے لیے کوئی دستور ہدایت اور قانون شریعت چاہیے کہ ہم اس پر چلیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بارے میں حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ نے توریت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا کہ تم کو ایسی کتاب عطا کریں گے۔ جس میں احکام شریعت جمع ہوں گے اور یہ حکم دیا کہ ستر علماء اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر آئیں تاکہ وہ اس کرامت کا جلوہ دیکھیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جگہ پر تو ہارونؑ کو چھوڑا اور ستر علماء کو لیکر کوہ طور کے طرف متوجہ ہوئے جب وہ کوہ طور کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام شدت شوق سے بے تاب ہو گئے اور ان سب سے پہلے سبقت کر کے آگے پہنچ گئے اور ان کو یہ سمجھا گئے کہ تم پہاڑ پر آ جانا۔

اے مطلب یہ ہے کہ توریت فرعون کے غرق کے بعد عطا ہوئی۔ کما قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى۔ (دیکھو کتاب النبوات ص ۱۵۷)

اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا۔ اور اے موسیٰ جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آجانے پر تم کو کس چیز نے آمادہ کیا تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار وہ میرے پیچھے ہی پیچھے آرہے ہیں کچھ زیادہ دور نہیں اور اے میرے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں اس لیے جلدی کی کہ تو مجھ سے اور زیادہ خوش ہو جائے۔ اس لیے میں نے بصد شوق و رغبت تیری طرف عجلت اور مسارعت کی تاکہ مزید تیرے قرب اور رضا اور کرامت کا سبب بنے اس عجلت اور سبقت سے میرا مقصود اپنی بڑائی نہیں بلکہ تیری مزید خوشنودی مقصود ہے اور نہ یہ عجلت۔ قوم سے غفلت اور بے اعتنائی کی بنا پر ہے۔ وہ سب میرے پیچھے پیچھے میرے نشان قدم پر چلے آرہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! یہ خاص گروہ اگرچہ تمہارے پیچھے پیچھے تمہارے نشان قدم پر چلا آرہا ہے۔ مگر تمہاری وہ قوم جن پر تم ہارونؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے چھوڑ آئے ہو وہ تمہارے نشان قدم سے منحرف ہو گئی۔ حق جل شانہ کا اس سوال مَا أَجْعَلُكَ سے مقصود ہی یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس فتنہ کی خبر دیں جو ان کی مفارقت کے بعد پیش آیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس تحقیق ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد فتنہ اور آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور ظاہر اسباب میں سامری نے ان کو گمراہ کیا ہے۔ یعنی اصل فتنہ اور ابتلاء تو من جانب اللہ ہے اور گمراہی کا ظاہر سبب اور واسطہ سامری ہے کہ اس نے گو سالہ ایجاد کیا اور بنی اسرائیل کو اس کی عبادت پر آمادہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارونؑ کو اپنا جانشین کر گئے تھے اور یہ ہدایت فرما گئے تھے کہ ان کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ سامری موسیٰ علیہ السلام کی امت کا ایک منافق تھا ہر وقت مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد اس نے چاندی سونے کا ایک بچھڑا ڈھال لیا۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے بنی اسرائیل اس کو پوجنے لگے اور آزمائش میں پورے نہ اترے سوائے بارہ ہزار کے سب گو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ اور بعض کہتے ہیں اس کا نام ہارون تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے جاتے ہی سارے بنی اسرائیل کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑ گیا تھا۔ بالآخر اس نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس پر بنی اسرائیل مفتون ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اس فتنہ کی خبر سنکر چالیس دن کی مدت پوری کر کے توریت لینے کے بعد اس خبر وحشت اثر کی وجہ سے غصہ اور غم میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے اور ان کو ڈانٹنے اور دھمکانے لگے۔ اور کہا اے میری قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا اور سچا وعدہ نہیں کیا تھا یعنی خدا تعالیٰ نے مجھے کوہ طور پر بلا کر تمہارے لیے توریت اور شریعت عطا کرنے کا وعدہ

کیا تھا جس میں تمہارے دین اور دنیا کی عزت اور شرافت اور کرامت تھی۔ اس کا انتظار کیوں نہ کیا۔ اور نہ میری واپسی کا انتظار کیا اور جلد بازی کر کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ تو کیا اس عہد اور وعدہ کی مدت اتنی طویل اور دراز ہو گئی تھی کہ تم صبر نہ کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے توریت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں دس رات کا اور اضافہ ہو گیا تو یہ لوگ کہنے لگے تھے۔ اب تک کیوں نہیں آئے اور سامری کے کہنے سے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ ایسی تاخیر تو نہیں ہو گئی تھی جس سے تم بالکل ناامید ہو گئے یا تم نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی غضب نازل ہو۔ اس لیے تم نے اس بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تمہاری گوسالہ پرستی کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ میری مفارقت کا عرصہ طویل ہو گیا اور تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ اس لیے تم میرے عہد کو (جو میں نے تم سے خدا کی توحید پر قائم رہنے کا لیا تھا) اور تم نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا) وہ بھول گئے۔ اور یا تم نے یہ چاہا کہ تم کوئی ایسا فعل کرو جس کی وجہ سے تم پر خدا کا غضب نازل ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں پس بتلاؤ کہ آخر اس گوسالہ پرستی کا کیا سبب ہے۔ پہلی بات کا نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ مجھے تم سے جدا ہوئے صرف چالیس دن کا زمانہ گزرا ہے۔ کوئی طویل مدت نہیں گزری اور دوسری بات کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے کہ جس کسی کو ذرہ برابر بھی سمجھ ہو گی۔ وہ کبھی بھی غضب الہی کا خواہشمند نہیں ہو سکتا پس نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ چلتے وقت تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ کے واپس آنے تک اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے بتلاؤ وہ وعدہ کہاں گیا گوسالہ پرست یہ عتاب سُکر نادام ہوئے اور گوسالہ پرستی سے الگ ہو گئے اور یہ ہیبت ناک عتاب سُکر ایسے عذر کرنے لگے جو قابل سماعت نہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے تیرے عہد اور وعدہ کا خلاف نہیں کیا۔ یعنی یہ حرکت ہم نے از خود نہیں کی بلکہ سامری نے ہم سے کرائی اگر ہم اپنے حال پر چھوڑ دیئے جاتے اور سامری یہ دام تروید ہمارے سامنے نہ بچھاتا تو ہم کبھی آپ کے وعدہ کے خلاف نہ کرتے اس کجخت نے ایسا جال بچھایا کہ ہم نہ اس کو روک سکے اور نہ اپنے کو روک سکے ایسا ملمع کیا کہ ہم اپنے اختیار سے باہر ہو گئے اور چونکہ ہم بے عقل اور باؤلے تھے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس لیے ہم اس شعبہ کو دیکھ کر بے قابو ہو گئے اور اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے لیکن بات یہ ہوئی کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کے بوجھ لاد دیئے گئے تھے۔ اور کم عقلی کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم ان کا کیا کریں۔

پس سامری کے کہنے سے ہم نے ان زیوروں کو آگ کے گرھے میں ڈال دیا۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے لگے تو انہوں نے یہ حیلہ بنایا کہ ہم اپنی عید میں جاتے ہیں اس حیلہ اور بہانہ سے بنی اسرائیل نے قبطیوں سے ان کے چاندی اور سونے کے زیورات مستعار (عاریت پر) لیے تاکہ ان کو یقین آ جائے کہ بنی اسرائیل کا مقصد فقط شادی اور عید ہی میں جانا ہے اور یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ بغیر اس حیلہ کے

فرعونی ان کو مصر سے نکلنے نہ دیتے۔ یہ مانگے ہوئے زیور بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ زیورات ان کے لیے حلال نہ تھے اس لیے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا کیا کیا جائے۔ سامری نے ہم کو یہ مشورہ دیا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ تمام زیورات جو تمہارے پاس ہیں ان سب کو آگ میں جلا دو تاکہ تم پر گناہ اور بوجھ نہ رہے اس لیے ہم نے ان زیورات کو سامری کے کہنے سے آگ کے گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر جس طرح ہم نے ڈالا تھا۔ اسی طرح سامری نے بھی جو اس کے پاس تھا آگ میں ڈال دیا۔ پھر سامری نے ان کے لیے ان زیورات سے ایک دھڑنکا لایا یعنی ایک جسم بے روح نکالا جس میں سے پچھڑے کی سی آواز آتی تھی۔

یعنی سامری نے ان زیورات کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر پچھڑے کا ایک پتہ بنا کر نکال لیا۔ جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ اس میں سوائے آواز کے اور کوئی صفت نہ تھی اس آواز کو سن کر یہ لوگ گمراہ ہوئے۔ پھر بعد ازاں سامری اور اس کے متبعین یہ کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا معبود تو یہ ہے تم اس کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہ طور پر چلے گئے اصل معبود تو ان کا یہ پچھڑا ہے جس میں ان کا معبود حقیقی حلول کر آیا ہے۔

عجب نادان تھے کہ ایک شعبہ باز کے کہنے سے یہ یقین کر لیا کہ خداوند قدوس کسی حیوان اور انسان میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے ہنومان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ خداوند قدوس راہنہ اور کرشن اور گائے بیل کے جسم میں حلول کر سکتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک کسی کو اوتار ماننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ اس میں حلول کر آیا ہے۔ بہر حال بنی اسرائیل نے ان زیورات کے استعمال کو اپنے لیے حلال نہ سمجھا جو قبطیوں سے مستعار لیے تھے۔ اس لیے گناہ سے بچنے کی صورت یہ نکالی کہ ان کو آگ کے گڑھے میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ لیکن غضب یہ کیا کہ ان کا بت بنا کر پوجنا جائز سمجھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ان کی اس جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں۔ پس کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ پچھڑا نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو وہ نقصان پہنچانے پر قادر ہے اور نہ نفع پہنچانے پر۔

مطلب یہ ہے کہ عجب احمق ہیں کہ صرف حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے اور ایسے اندھے بنے کہ ان کو یہ نظر نہ آیا کہ یہ پچھڑا نہ تو بول سکتا ہے اور نہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز ہے۔ یہ کیونکہ معبود ہو سکتا ہے۔ اور یہ لوگ جیسے اندھے ہو گئے تھے۔ ویسے ہی بہرے بھی ہو گئے تھے۔

لے قال الامام الرازی لعلمهم كانوا من الحلولیة فجوزوا حلول الاله ادلول صفة من صفاته في ذلك الجسم وان هذا في غاية البعد۔ (تفسیر کبیر ص ۵۷ ج ۶)

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا مگر ایسے بہرے بنے کہ ایک نہ سنی چنانچہ فرماتے ہیں۔

البتہ تحقیق ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے طور پر سے لوٹنے سے پہلے ہی بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا۔ اے میری قوم اصل بات یہ ہے کہ تم اس کو سالہ کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو۔ یہ سب فتنہ اور ابتلا ہے اور سراسر گمراہی کا سامان ہے۔ اس پچھڑے کے پتے کا معبود اور خدا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدائے رحمن ہے جس کی رحمت اور نعمت تمام

عالم کو محیط ہے۔ اس کو اپنا معبود بناؤ پس اس رب رحمن کی عبادت میں تم میری پیروی کرو۔ اور میرا حکم مانو۔ وہ بولے جب تک موسیٰ ہمارے پاس نہ آئے تو ہم اسی پر جے بیٹھے رہیں گے۔ یعنی جب تک موسیٰ واپس نہ آجائے اس وقت تک ہم یہی کرتے رہیں گے۔ البتہ ان کے واپس آنے کے بعد دیکھا جائے گا جو اس وقت مناسب ہو گا وہ کر لیں گے۔ ہارون علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح نہ مانے بالآخر کنارہ کش ہو گئے ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کو عجیب طرح سے نصیحت فرمائی اول تو ان کو باطل پر متنبہ کیا اور کہا اِنَّمَا فِتْنَتُكُمْ بِہِ یعنی یہ فتنہ ہے اس سے دور رہو دوم ان کو اللہ کی معرفت کی طرف متوجہ کیا اور کہا وَ اِنَّ رَبَّكُمْ الرَّحْمٰنُ یعنی تمہارا معبود وہ ہے جس کی رحمت تمام عالم کو محیط ہے۔ نہ کہ یہ پچھڑا۔ سوم ان کو نبوت کے اتباع کی دعوت دی فَ اَتَّبِعُوْنِیْ۔ چہارم ان کو اتباع شریعت کی دعوت دی۔ اور یہ فرمایا وَ اَطِيعُوْا اَمْرِیْ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کی نصیحت کو قبول کر لیں گے۔ جب تک موسیٰ واپس نہ آئیں ہم اسی طریقہ پر قائم رہیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے اور قوم کو پچھڑے کا طواف کرتے دیکھا تو غصہ میں بھر گئے اور اپنے داہنے ہاتھ سے حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں سے ڈاڑھی۔ اور کہا اے ہارون جب تو نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو کون سا مرتبہ کو مانع ہوا کہ تو میری پیروی نہ کرے۔ یعنی تجھ کو چاہیئے تھا ان اہل ضلال سے جہاد و قتال کرتا یا میرے پاس کوہ طور پر چلا آتا۔ پس تو نے میرے حکم کے خلاف کیا اور ان گمراہوں سے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کیا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ میری ڈاڑھی پکڑ اور نہ میرا سر میں نے اسر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور نصیحت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن قوم نے مجھ کو ضعیف اور کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ قَالَ ابْنُ اُمِّ اِنْ الْقَوْمَ اسْتَضَعْفُوْنِیْ وَ کَادُوْا یَقْتُلُوْا نَحْنُ نَحْفِیْقُ بِنِ ان سے مقابلہ اور مقاتلہ بھی کرتا۔ لیکن مجھ کو ڈر یہ ہوا کہ آپ آکر یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو یاد نہ رکھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب ہارون علیہ السلام پر عتاب فرمایا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے نہایت محبت آمیز لہجہ میں اپنا بے خطا اور بے قصور ہونا اس طرح بیان کیا کہ اے میرے بھائی آپ کوہ طور پر جاتے وقت مجھے یہ

نصیحت کر گئے تھے۔ اُخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَاصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ۔ یعنی اے ہارونؑ تم میری نیابت کرنا اور قوم کے کام کو درست رکھنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا اور یہ نہیں فرمایا تھا کہ مفسدوں کا تلوار سے مقابلہ کرنا اور اصلاح نام ہے جماعت کی نرمی کے ساتھ نگہبانی کا اس لیے میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اور ہرچند اصلاح کی کوشش کی مگر شنوائی نہ ہوئی اور مجھ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر میں ان کا مقابلہ کروں یا ان کے درمیان سے نکل جاؤں اور ان کو بالکل چھوڑ دوں تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کچھ لوگ میرے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور کچھ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اور عجب نہیں کہ یہ تفرقہ باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کا سبب بنے اور خدا پرستوں اور گوسالہ پرستوں میں جنگ و جدال کی نوبت آئے اور پھر ان کو سنبھالنا دشوار ہو جائے اس لیے مجھے ڈر ہوا کہ آپ آکر مجھے یا الزام نہ دیں کہ تو نے قوم میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔ اور میرا انتظار کیوں نہ کیا۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔

”موسیٰ علیہ السلام چلتے وقت ہارون علیہ السلام کو نصیحت کر گئے تھے کہ سب کو متفق رکھیں۔ اس واسطے انہوں نے بچھڑا پوجنے والوں کا مقابلہ نہ کیا (فقط) زبان سے سمجھایا پر وہ نہ سمجھے (موضح القرآن)

ہارون علیہ السلام کے اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام پر یہ بات واضح ہو گئی کہ ہارون علیہ السلام بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اس لیے ان کا عذر قبول کیا اور اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کی۔ بعد ازاں سامری کی طرف متوجہ ہو کر کہا پس کیا حال ہے تیرا اے سامری۔ یعنی تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ وہ بولا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ سو میں نے فرستادہ خداوندی یعنی روح القدس کی سواری کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے اس مشت خاک کو اس قالب کے اندر ڈال دی تو وہ زندہ ہو کر بولنے لگا اور اس میں یہ آواز پیدا ہو گئی۔ اسی طرح میرے جی نے یہ بات بنائی۔ اور اس بارہ میں میں نے اپنی نفسانی خواہش کا اتباع کیا۔ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ سامری نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ وہ یہ کہ جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے تعاقب میں پہنچا تو اس حالت میں جبرئیل امینؑ دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور جبرئیل امینؑ اس وقت فرس الحیوۃ پر سوار تھے سامری نے اس وقت کسی دلیل سے یا کسی وجدان سے یا کسی قرینہ سے سمجھ لیا کہ یہ جبرئیلؑ ہیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی اور یہ سمجھا کہ اس میں حیۃ کا مادہ ہے اس لیے کہ جس مٹی پر جبرئیلؑ کے گھوڑے کا سُم پڑتا تھا وہ سبزہ ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس کے دل میں یہ آیا کہ یہ مشت خاک جس چیز پر ڈالی جائے گی وہ زندہ ہو جائے گی۔ اس بنا پر اس نے اول زیورات کو آگ میں ڈالا۔ جس سے وہ پگھل گئے پھر اس کے دل میں یہ بات آئی کہ اس پتیلے پر وہ مشت خاک ڈال دے۔ مشت خاک کا ڈالنا تھا کہ اس پتیلے سے آواز نکلنے لگی۔ بنی اسرائیل

اس کرشمہ کو دیکھ کر مفتون ہو گئے جمہور صحابہ کرام و تابعین سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے۔
(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳ ج ۱۱ و تفسیر ابن جریر ص ۱۴ ج ۱۲ و تفسیر کبیر ص ۶ ج ۶ و روح المعانی ص ۲۲۹ ج ۶)
اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب فرعون بچوں کو قتل کراتا تھا تو سامری کی ماں اس کو غار میں چھپا کر ڈال آئی کہ ذبح سے محفوظ رہے اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ سے اس کی پردرشن کرائی اس لیے سامری حضرت جبریلؑ کو اس صورت سے پہچانتا تھا۔
غرض یہ کہ سامری نے زیورات کو گلا کر پچھڑے کا قالب بنایا اور وہ مٹی اس میں ڈال دی تو وہ بولنے لگا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ سونا تو کافروں سے ملا ہوا مال تھا جو ان سے فریب سے لیا تھا۔ اس میں مٹی پڑی برکت کی تو حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا۔ کہ جاندار کی طرح روح اور آواز اس میں پیدا ہو گئی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہیئے اسی سے بت پرستی بڑھتی ہے۔
(کذافی موضح القرآن بتوضیح)

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تیری سزایہ ہے کہ تو دور ہو جا اور ہم میں سے نکل جا۔ پس اس دنیاوی زندگی میں تیرے قتل کا حکم تو نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس دنیاوی زندگی میں تیری سزایہ ہے کہ تو یہ کہتا پھرے ”لامساس“ کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا یعنی جس کو دیکھے تو اس سے تیرا یہ کلام ہو لا مساس نہ مجھے چھونا اور نہ میرا پاس آنا

اور نہ میں تم کو چھوؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو یہ سزا دی کہ بے اختیار وہ زندگی بھر اسی حال میں رہے۔ اس لیے نہ وہ کسی کو چھو سکتا تھا اور نہ اس کو کوئی اور اگر وہ کسی کو چھوتا یا کوئی اس کو چھوتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا اور اگلے روز اسی وقت اترتا۔ اس کے بیوی بچے بھی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس سے خلد ملط نہ رکھیں اور نہ اس کے قریب جائیں۔ اور نہ اس سے بات کریں دنیا میں اس سے بڑھ کر وحشت ناک اور عبرت ناک سزا نہیں ہو سکتی یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے معجزہ تھا کہ دنیا میں اس کا یہ حال ہوا اب آخرت کی سزا کو بیان کرتے ہیں۔ اور اے سامری بلاشبہ تیرے لیے اس دنیاوی سزا کے علاوہ ایک اور سزا کا وعدہ ہے۔ جو تجھ سے ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا۔ اس سے آخرت کے عذاب کا وعدہ مراد ہے جس میں ہرگز خلاف نہ ہوگا اور وہ تجھ سے ہرگز نہ ملے گا۔ یہ تو تیری سزا ہوئی اب اپنے خود ساختہ معبود کا حال دیکھ اور اپنے اس معبود کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھ جس کا تو معتکف اور مجاور بنا ہوا تھا۔ ہم ضرور اس کو آگ میں جلا دیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے اس کی راکھ کو دریا میں اڑا دیں گے کہ نہ اس کا عین باقی رہے گا اور نہ اثر وہ معبود نہیں ہو سکتی۔ جزایں نیست تمہارا معبود صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں یعنی خدا وہ ہے جس کا علم محیط اور غیر محدود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ جو اس سورت میں ھَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى سے شروع ہوا وہ یہاں تک آکر تمام ہوا اور یہ آیت اسی قصہ کا اخیر ہے۔

لطائف و معارف

سحر کے معنی لغت میں امر خفی اور پوشیدہ چیز کے ہیں اور اصطلاح میں اس عجیب و غریب شے کو کہتے ہیں کہ جس کی حقیقت اور کیفیت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعہ ہے یا محض نظر بندی اور شعبہ بازی ہے۔ معتزلہ اور متکلمین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سحر کی کوئی حقیقت واقعہ نہیں بلکہ سحر ایک بے حقیقت ملمع کاری کا نام ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ امام ابو اسحاق اسفرائینیؒ اور ابوبکر رازیؒ کی یہی رائے ہے کہ سحر سے کسی شے کی حقیقت و ماہیت نہیں بدل جاتی بلکہ خلاف واقعہ اس کی صورت متغیر ہو جاتی ہے۔

اور جمہور علماء کے نزدیک سحر محض تخییل اور نظر بندی کا نام نہیں بلکہ بسا اوقات واقع میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو باذن الہی بسا اوقات اثر بھی کرتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور ظاہر قرآن اور حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ سحر کے اقسام ہیں بعض میں شے کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے اور بعض میں حقیقت نہیں بدلتی شعبہ بازی بھی ایک قسم کا سحر ہے۔

اور آج کل جو مسمریزم نکلا ہے وہ بھی ایک قسم کا شعبہ ہے جو قوت خیالیہ کا اثر ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سحر محض خیال بندی کا نام ہے اور واقع میں اس کی حقیقت نہیں ہوتی وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ **يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَى**۔

جواب یہ ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سحر کی تمام اقسام محض تخییل اور نظر بندی ہوں بلکہ جس سحر کی خدا تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے وہ خیال بندی تھا کہ اُن کی لٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے فتح الباری ص ۱۸۴ ج ۱۰ دیکھیں)

معجزہ معجزہ اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور دنیا اس کے مقابلہ سے اور اس کے مثل لانے سے عاجز ہو۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ نبی کا فعل نہیں ہوتا۔ جسے دیکھ کر بالبداهت یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ امر منجانب اللہ ہے اور قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے جو مادی اسباب اور علل سے بالاتر ہے اور برتر ہے اور سحر جادو گر کا ایک فعل ہوتا ہے جو اس کے ارادہ اور اختیار سے ظاہر ہوتا ہے نیز سحر ایک فن ہے جس کے اصول

اور قواعد مدون ہیں۔ جو اس فن کو سیکھ لے گا وہ جادو کر سکے گا۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ کوئی فن نہیں جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکے۔ اور نہ وہ نبی کا کوئی اختیاری فعل ہے جس کو نبی اپنے ارادہ و اختیار سے کر سکے۔

معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کہ جو بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی سنت اور عام عادت کے خلاف بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ اس کی نبوت و رسالت کی دلیل ہو اور لوگ دیکھتے ہی اس کو یہ سمجھ لیں کہ یہ اللہ کا فعل ہے اور قدرت بشری کے دائرہ سے خارج ہے اس کو دیکھتے ہی بالبداهت نبی کی صداقت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ پس معجزہ اللہ کے قہر اور قدرت کا ایک نمونہ ہوتا ہے اس کے غلبہ اور رب کے سامنے کسی کا پاؤں نہیں جھکتا اور اختیار کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ عقل دلائل عقلیہ کا کچھ مقابلہ کر سکتی ہے مگر معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۱۔ ہمارے اس گزشتہ بیان سے سحر اور معجزہ کا باہمی فرق واضح ہو گیا کہ سحر ایک فن ہے جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے جس میں کسی تعلیم و تعلم کو دخل نہیں۔

۲۔ نیز سحر اگرچہ ظاہر نظر میں بلا کسی سبب کے معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ اس کے اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس میں اسباب طبعیہ کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔ نیز جادو ہمیشہ بدکار اور نکمے کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور معجزہ خدا کے برگزیدہ بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کی صورت اور چہرہ ہی سے یہ نظر آ جاتا ہے کہ یہ کوئی خدا کا نیک کردار اور دنیا اور حرص اور طمع سے بری اور بیزار بندہ ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور
در دل ہر امی کنز حق مزہ است
روٹے دے آواز پیہر معجز است

حکایت مشتمل بر بیان فرق در میان سحر و معجزہ

عارف رومیؒ نے ثنوی دفتر سوم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں دو جادوگروں کی ایک عجیب حکایت نقل کی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا

ہے کہ اس حکایت کو ہدیہ ناظرین کریں۔ خلاصہ حکایت یہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اور اس کو دعوت دی کہ ہم دونوں بھائی یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر ایمان لا اور معجزہ عصا دکھلایا تو فرعون بولا یہ تو جادو ہے۔ اور میرے ملک میں بھی بہت جادو گرو ہیں ہم تیرے اس جادو کا جادو سے مقابلہ کریں گے۔ اس بنا پر فرعون نے اپنے ملک کے تمام جادو گروں کے جمع کرنے کا حکم دے دیا۔ تاکہ سب مل کر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ ملک مصر میں دونوں جادو گروں میں بہت مشہور تھے۔ ان کے پاس بادشاہ نے یہ پیغام دے کر ایک قاصد کو روانہ کیا کہ بادشاہ پر ایک مصیبت آپڑی ہے اس کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ اور وہ مصیبت یہ ہے کہ میرے شہر میں دو فقیر (موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام) آگئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ اور ہلہ بول دیا ہے اور ان دونوں فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا نہایت عجیب و غریب ہے جو ان کے حکم سے اتر دبا بن جاتا ہے ان ہر دو فقیروں کے مقابلہ سے بادشاہ کا لشکر عاجز آ گیا ہے۔ قاصد نے بادشاہ کا یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے یہ کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے میں کوئی تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت انعام ملے گا۔

یہ دونوں جادو گرو اس پیغام کو سن کر اپنی ماں کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتا تاکہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری بات دریافت کر سکیں ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں ان دونوں جوانوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے۔ بعد ازاں باپ سے کہا کہ اے بابا بادشاہ کا ہمارے پاس یہ پیغام پہنچا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھ کو پریشان کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھ کو بے آبرو کر دیا ہے اور عجیب درویش ہیں کہ ان کے پاس سوائے عصا کے کوئی ہتھیار نہیں اور سارا شور و شر اسی لاٹھی میں ہے۔ اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر مٹی میں سوتے ہیں مگر وہاں کے حال سے واقف ہیں آپ ہم کو ان درویشوں کی اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں اگر ان کا یہ عصا جادو ہے تو یہ بتلا دیجیئے اور اگر کوئی کرشمہ ایزدی ہے تو یہ بتلا دیجیئے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں اور کیمیا سے مل کر کیمیا بن جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آجائے اور ہم ضلالت کی شب تاریک میں ہیں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع ہو کر آئے اور اس کی روشنی میں ہم کو راہ حق نظر آجائے۔

مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو خواب میں جواب

آئندہ شب وہ مردہ جادو گر اپنے بیٹوں کو خواب میں نظر آیا اور ان کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اے میرے بیٹو میں اس کا اکی اصل حقیقت سے پورا آگاہ ہوں۔ مگر مجھ کو صاف طور پر کہنے کی اجازت نہیں لیکن تم کو ایک نشان بتائے دیتا ہوں اس سے تم اصل حقیقت کا پتہ لگا لینا۔ وہ یہ کہ تم دونوں جادو اور ان دونوں

درویشوں کی خواب گاہ کو تلاش کرو کہ وہ کہاں سوتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کے عصا (لاٹھی) کے چرانے کی کوشش کرنا۔ پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لینا کہ یہ دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں اور سحر اور جادو کا توڑ تو تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ کیونکہ تم بھی سحر میں کامل اور ماہر ہو۔

اور اگر تم اس عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ وہ کوئی طلسم اور شعبہ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ دونوں اللہ کے فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے کہ سونا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند فرمائے گا اور وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتائی ہے۔ تم اسے دل پر نقش کر لو۔ دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ ایک درخت کے نیچے پڑے سو رہے ہیں۔ اور عصا قریب ہی رکھا ہے دونوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے یکایک عصا نے حرکت کی اور اڑدیا بن کر ان پر حملہ کرنے لگا۔ یہ دیکھ کر دونوں بھاگ نکلے۔

مولانا بحر العلوم^۳ شرح مشکوٰۃ صفحہ ۴۹ ج ۳ صفحہ ۵۰ ج ۳ دفتر سوم میں فرماتے ہیں کہ مولانا نے رد موم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح کیا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ بخلاف معجزہ کہ وہ رسول کی غفلت کی حالت میں بھی باقی رہتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہو تو سحر اور اس کا اثر بھی ختم ہوا۔ جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس کے جادو کا کوئی رہبر باقی نہیں رہتا۔ اس لیے وہ سحر معطل اور بے کار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرداہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑ یا نڈر ہو جاتا ہے بخلاف معجزہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کو وہ محض اپنی قدرت سے نبی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت کی نشانی بنے اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ و نگہبان ہوتا ہے۔ نبی کی غفلت اور عدم غفلت کو معجزہ کے بقا اور عدم بقا میں کوئی دخل نہیں۔ عصا کا سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریائے نیل میں راستے پیدا ہو جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریائیں بارہ راستے بن جائیں گے۔ معجزہ بیشک نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اس کا ظہور اللہ کے ارادے اور اختیار سے ہوتا ہے نبی کے ارادہ اور اختیار کو اور اس کی طاقت بشریہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات رسول کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام

ختم کن واللہ اعلم بالسلام

اطلاع سحر اور معجزہ کے فرق کو اس ناچیز نے اپنی کتاب علم الکلام اور اصول اسلام میں قدرے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے حضرات اہل علم ان دونوں کتابوں کی مراجعت کریں، انشاء اللہ تعالیٰ مآثر و دل کا مصداق پائیں گے۔ اور اگر اس ناچیز کو دعاء مغفرت سے نوازدیں تو زہے نصیب۔

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو، احوال سے ان کے جو پہلے گزرے۔ اور ہم

اتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۝۹۹ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ

نے دیا تجھ کو اپنے پاس سے ایک پڑھنا۔ جو کوئی منہ پھیرے اُس سے، سوا اٹھا دے گا

يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ۝۱۰۰ خَلِدِينَ فِيهِ وَسَاءَ

دن قیامت کے ایک بوجھ۔ پڑے رہیں گے اس میں۔ اور بُرا

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حِمْلًا ۝۱۰۱ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَ

ہے ان پر قیامت میں بوجھ اٹھانے کا۔ جس دن پھونکیں گے صور میں، اور

نَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝۱۰۲ يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ

گھیر لادیں گے ہم گنہگاروں کو اس دن نیلی آنکھیں۔ چکے چکے کہیں آپس میں

إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝۱۰۳ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ

دیر نہیں ہوئی تم کو مگر دس دن۔ ہم کو خوب معلوم ہے جو کہتے ہیں،

إِذْ يَقُولُ امْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝۱۰۴

جب بولے گا ان میں ابھی راہ والا، تم کو دیر نہیں لگی مگر ایک دن۔

اثبات رسالت محمدیہ تہدید معاندین و ترہیب از عذاب آخرت

قال الله تعالى كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ... إلخ... إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا۔

(رابط) یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا ماجرا ختم ہوا جو از اول تا آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی دلیل اور بُرہان تھا۔ اب ان آیات میں رسالت محمدیہ کا اثبات فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اے نبی ہم آپ کو اس قرآن میں گزشتہ زمانے کے حالات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ یہ آپ کی نبوت و رسالت کی اور اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہو۔ اور آپ کے لیے باعث تسلی ہو اور منکرین

اور معاندین کے لیے موجب تہدید و عبرت ہو۔ اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن جو ہم نے آپ کو عطا کیا ہے وہ آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل ہے۔ جو لوگ اس قرآن سے اعراض کرتے ہیں قیامت کے دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ قرآن کا ذکر فرماتے ہیں۔

عارف رومی فرماتے ہیں کہ قرآن بمنزلہ عصائے موسیٰ کے ہے کہ افعال کفریہ کو نگل جائے گا۔

اے رسول ما تو جادو نیستی

صادقی ہم فرقہ موسیٰ نیستی

اے ہمارے رسول آپ جادو نہیں بلکہ آپ سچے ہیں اور موسیٰ کے ہم فرقہ اور ہم مشرب ہیں۔

ہست قرآن سر ترا ہیچو عصا

کفر با را در کشد چوں اژدھا

یہ قرآن آپ کے لیے عصا موسیٰ کی طرح ہے کفر کے تمام سانپوں کو نگل جائے گا۔

تو اگر در زیر خاک کے خفتہ

چوں عصائش داں تو آنچہ گفتہ

اگر آپ زیر خاک بھی خوابِ استراحت فرمائیں گے تو یہ قرآن عصائے موسیٰ کی طرح آپ کے دین کا پاسبان

اور نگہبان ہوگا۔

آپ موسیٰ کے بھائی ہیں آپ کا آغاز اور انجام انہی کی طرح ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جس طرح

ہم نے آپ کے سامنے موسیٰ کا قصہ بیان کیا۔ اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان

کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لیے عبرت اور نصیحت ہو اور سمجھیں کہ گزشتہ پیغمبروں

کے کافروں کے ساتھ خدا تعالیٰ کا کیا معاملہ رہا ہے۔ اور تحقیق ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے ایک کتاب نصیحت و ہدایت

دی ہے۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا۔

تو وہ قیامت کے دن بلاشبہ کفر اور معصیت کا بڑا بھاری بوجھ اٹھا کر لائے گا۔ درآنحالیکہ اس بوجھ کی سزا میں ہمیشہ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہوگا۔ اور وہ اُن کے واسطے قیامت کے دن بہت سی بڑا

بوجھ ہوگا جو اُن پر لدا ہوگا۔ اور قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ جس سے مردے زندہ

ہوں گے۔ اور ہم اس دن مجرموں کو یعنی کافروں کو جو اس قرآن کی تکذیب کرتے تھے میدانِ قیامت میں ایسی

حالت میں جمع کریں گے کہ اُن کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اس دن مجرمین کی علامت یہ ہوگی کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے۔

اول اول ایسے بد صورت ہوں گے اور بعد میں اندھے ہو جائیں گے اور اس وقت اس قدر خوف زدہ ہوں

گے کہ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے کہ تم لوگ دنیا میں یا قبروں میں دس رات سے زیادہ نہیں رہے۔

”صور ایک سینگ ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لیے بلایا جائے گا۔ وہ دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی اور دوسری دفعہ پھونکنے سے تمام زندہ ہو جائیں گے۔ اور دونوں نفخوں کے درمیان ہم سال کا فاصلہ ہو گا یہاں نفخہ سے مراد نفخہ دوم ہے۔ اس روز جب کافر زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو ان کی آنکھیں نیلی اور منہ کالے ہوں گے۔ اور ان پر پیاس غالب ہوگی اور بدحواس ہوں گے۔ اور دنیا کے طویل و عریض قیام کو یہ خیال کریں گے کہ ہم دنیا میں صرف دس دن ٹھہرے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جب ان میں کا بہتر طریق والا یعنی ان میں پوری عقل والا یہ کہے گا کہ ہمیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر ایک روز یعنی اگر ہم کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو اس فانی کو ترک کرتے اور اس باقی کو اختیار کرتے۔“

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال، سو تو کہہ ان کو بکھیر دے گا میرا رب اڑا کر۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا

پھر کر چھوڑے گا زمین کو پٹیرا میدان۔ نہ دیکھے تو اس میں موڑ نہ

أَمْتًا ۖ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَ

ٹپلا۔ اُس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے، ٹیڑھی نہیں جس کی بات اور

خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۖ

دب گئیں آوازیں رحمن کے ڈر سے، پھر نہ تو سنے مگر بکھس بکھسی آواز۔

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ

اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو حکم دیا رحمن نے،

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

اور پسند کی اس کی بات۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور

خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۖ وَعَنْتِ الْوُجُوهُ

پیچھے اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کر۔ اور کرتے ہیں منہ آگے اس

لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝۱۱۱

جیتے ہمیشہ رہتے کے اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا ۔ اور جو

يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا

کوئی عمل کرے کچھ بھلائیاں اور وہ یقین رکھتا ہو سوا اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا،

وَلَا هَضْمًا ۝۱۱۲ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَ

اور نہ دبائے کا ۔ اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا اور

صَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ

پھیر پھیر سنایا اس میں ڈر کا شاید وہ بچ چلیں یا ڈالے ان کے

يُحَدِّثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝۱۱۳ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وَلَا

دل میں سوچ ۔ سو بلند درجہ اللہ کا اس سچے بادشاہ کا اور تو

تَعَجَّلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ

جلدی نہ کر قرآن لینے میں جب تک نہ پورا ہو چکے اس کا اُترنا اور کہہ

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝۱۱۴

اے رب! مجھ کو بڑھتی دے بوجھ ۔

منکرین آخرت اور مکذبین رسالت کے ایک سوال کا جواب

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ - - - - - إِلَى - - - - - وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ه

(رابطہ) گزشتہ آیات میں قیامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں منکرین آخرت کے ایک سوال کا ذکر کرتے ہیں کہ منکرین آخرت بطور تمسخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ پوچھتے تھے کہ اچھا اگر قیامت قائم ہوئی تو بتلاؤ کہ اس دن ان پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب دیا کہ خداوند عالم ان کو خاک کر کے اڑا دے گا

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یہ لوگ آپ سے قیامت کا حال سن کر بطور استہزاء یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی تو اس دن پہاڑوں کی کیا حالت ہوگی اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔

پس اے نبی آپ بے تامل ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔ اور ان کو پرگندہ کر دے گا پوری طرح پرگندہ کرنا یہ سوال قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے کیا تھا۔ پھر ان پہاڑوں کے نیچے کی زمین کو صاف میدان بنا دے گا پس اے دیکھنے والے تو اس میں نہ کوئی کجی دیکھے گا اور نہ کوئی اونچائی یعنی ٹیلہ اس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ جس میں اونچائی اور نیچائی کا کوئی نام و نشان نہ رہے گا اور وہ ایسی برابر کر دی جائے گی کہ اگر علم ریاضی و ہندسہ کے ماہرین بھی آلات ہندسہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں تو وہ بھی برابری اور ہمواری کی شہادت دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اس روز پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے۔ اور زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس پر نہ کوئی ٹیلہ اور پہاڑ ہوگا جس پر کوئی مجرم چڑھ کر پناہ لے سکے۔ اور نہ کوئی غار ہوگا جس میں کوئی مجرم چھپ سکے۔ اس روز تمام لوگ خدائی پکارنے والے کی آواز کے پیچھے دوڑیں گے یہ پکارنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر آواز دیں گے۔

”اے پرانی اور بوسیدہ ہڈیو اور اے متفرق شدہ گوشت کے ٹکڑے خدا نے رحمن کے سامنے پیش ہونے کے لیے حاضر ہو جاؤ تمہارے فیصلوں اور حساب کا وقت آپہنچا ہے۔“ اسرافیل کی یہ آواز سن کر لوگ دوڑ پڑیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ اس آواز کے اتباع اور پیروی سے کسی کو کجی اور انحراف ممکن نہ ہوگا۔ اسی روز اس آواز پر سب سید دوڑے چلے آئیں گے۔ دائیں بائیں نہ جھکیں گے۔ اگر دنیا کا ماجرا ہوتا تو انحراف ممکن تھا۔ لیکن آج اس آواز کی پیروی سے انحراف ممکن نہیں اور اس دن ہیبت کے مارے رحمن کے لیے تمام آوازیں پست ہوں گی سوائے پیروں کی آہستہ آواز کے کچھ نہ سن سکے گا۔ نہایت خاموشی کے ساتھ میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اس روز کسی کو کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کو یا جس کے لیے رحمن نے شفاعت کی اجازت دی ہو اور پسند کیا ہو۔ شفاعت کے بارے میں اس کا بولنا اور بات کرنا تو اس روز اس کی سفارش چلے گی۔ اور نفع دے گی۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس دن شفاعت کسی کو نفع نہ دے گی مگر جس کے لیے اور جس کے واسطے رحمن نے اذن دیا اور جس کی بات سے اللہ راضی ہوا۔ بات سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے دنیا میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا یعنی ایمان لایا۔ اور اسی پر مرگیا اگرچہ اس کے گناہ ہوں تو اس کو انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت نفع دے گی۔

حاصل یہ کہ جو مسلمان ہو وہ لائق شفاعت ہے اگرچہ گنہگار ہو۔ کافر کے حق میں کوئی سعی اور سفارش نہیں چلے گی۔ شفاعت کے لیے شافع اور مشفوع دونوں کا مسلمان ہونا شرط ہے اور شفاعت کے لیے اجازت کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ شافع کو معصیت کا نہ مبداء معلوم ہے اور نہ منتہی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے اگلے اور پچھلے احوال کو اس کا علم تمام خلایق کو محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون لائق شفاعت ہے اور

کون نہیں اور جہنم میں داخل ہونے کے بعد کون نکالے جانے کے قابل ہے اور کون نہیں اور تمام مخلوقات علم کے اعتبار سے اللہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ کسی مخلوق میں یہ مجال نہیں کہ وہ کسی کے بارے میں لیاقت اور عدم لیاقت کا حکم لگا سکے۔ اس لیے اس روز بغیر اجازتِ خداوندی کے کوئی کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا۔ اور اس دن تمام چہرے اس حقیقتِ قیوم کے سامنے پست اور ذلیل اور عاجزی کرنے والے ہوں گے۔ اس دن حکومت اور سلطنت صرف اللہ کی ہوگی۔ حتیٰ کے معنی ایسے زندہ کے ہیں کہ جو کبھی نہ مرے اور قیوم کے معنی جو ہر چیز کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ حشر کے دن سب کے چہرے خدا کے عز و جل کے سامنے عاجز اور سرانگندہ ہوں گے۔ اور اس روز یہ چہرے دو قسم کے ہوں گے۔

قسم اول کافروں کے چہرے ایسے ہوں گے۔ جن کی بابت ارشاد فرماتے ہیں۔ اور تحقیق نامراد ہوا جس نے ظلم (یعنی کفر اور شرک) کا بوجھ اٹھایا۔ یعنی جو شخص کفر اور شرک کا بوجھ لے کر میدانِ حشر میں آیا وہ تو خراب اور برباد ہوا۔ اور قسم دوم مؤمنین کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص نیک کام کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو وہ قیامت کے دن نہ ظلم اور زیادتی سے ڈرے گا اور نہ نقصان اور کمی سے ڈرے گا۔ ظلم اور زیادتی کے یہ معنی کہ اس کے گناہوں میں زیادتی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور نقصان کے معنی یہ ہیں کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گناہ اس نے نہیں کیا ہے اس کا اس سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جو نیکی اس نے کی ہے وہ ضائع نہیں کی جائے گی۔ ہر ایک ظالم کو بقدر اس کے ظلم کے سزا ملے گی۔ اور ہر مؤمن صالح کو بقدر اس کے ایمان کے اور عمل صالح کے جزا ملے گی۔

اور اے نبی جس طرح ہم نے ان آیات میں قیامت کے احوال اور احوال کو آپ کے سامنے بیان کیا ہے جو وعدہ اور وعید کو متضمن ہیں اسی طرح ہم نے اس سارے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعدہ اور وعید پر ایمان لائیں اور سعادتِ ابدی حاصل کریں۔ اور ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو کمرسہ کر بیان کیا ہے تاکہ لوگ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ یعنی تقویٰ کا ملکہ ان کے نفس میں راسخ ہو جائے یا کم از کم ان کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کر دے۔ جو رفتہ رفتہ ان کو تقویٰ اور ہدایت کے مرتبہ تک پہنچا دے اور شاید آئندہ چل کر مسلمان ہو جائیں۔

”ذکر کے معنی فکر اور عبرت اور نصیحت کے ہیں اور عبرت اور نصیحت ہدایت کی ابتداء ہے اور درع اور تقویٰ اس کی منتہا ہے پس اللہ جو بادشاہ حقیقی اور مالک برحق ہے اور وہ بلند اور برتر ہے۔ اس سے کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے امر و نہی اور وعدہ اور وعید نازل نہ فرمائے اور اپنے مجرموں کو سزا اور اپنے وفاداروں کو انعام نہ دے۔ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں فرق کرنا بادشاہت کے لوازم میں سے ہے اس لیے اس بادشاہ برحق نے اپنے بندوں کی صلاح اور فلاح کے لیے اور ان کے دین و دنیا کی بہبودی کے لیے آپ پر یہ کتاب ہدایت یعنی قرآن کریم نازل فرمائی تاکہ راہ ہدایت ایسی واضح ہو جائے کہ کسی کو اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے اور بندے اپنی صلاح اور فلاح سے باخبر ہو جائیں اور مجرمین پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

قرآن کے نازل کرنے کی غرض و غایت یہی ہے کہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔ اور اسکی معصیت سے بچیں اور ایسی کتاب ہدایت اور ایسے قانون شریعت کا نازل کرنا جو دین و دنیا کی صلاح اور فلاح کا کفیل ہو وہ بادشاہ برحق ہی کا کام ہے کہ جس کی سلطنت کو فنا اور زوال نہ ہو۔ لہذا تم کو چاہیے کہ اس بادشاہ برحق کے وعدہ پر مطمئن رہو اور اس کی وعید سے ڈرتے رہو کہ اگر ہم نے پیغمبر کی نافرمانی کی تو پہلی امتوں کی طرح ہم بھی تباہ ہو جائیں گے خوب سمجھ لو کہ مالک حقیقی اور بادشاہ نے تم پر مہربانی کی کہ تمہاری صلاح اور فلاح کے لیے یہ قرآن نازل کیا۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بیان کیا ہے کہ ہم اس قرآن میں وعدہ اور وعید کو مکرر کر رہے ہیں اس لیے بیان کرتے ہیں کہ بنی آدم کی اصلاح اس پر موقوف ہے اب اسی مناسبت سے آئندہ آیات میں تبعاً و استطراداً کلام ربانی اور پیام یزدانی کا ادب بیان فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا کلام نازل ہو تو اس کا ادب یہ ہے کہ اس کو سنا جائے اور سُنکر اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس بادشاہ برحق نے بندوں کے ہدایت کے لیے یہ قرآن آپ پر نازل کیا ہے تو جبریل امین جب آپ کے پاس قرآن کی وحی لے کر آیا کریں تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔

جبریل امین جب آپ کے پاس قرآن کی وحی لے کر نازل ہوتے تو ابھی وحی پوری نازل نہ ہونے پاتی تھی کہ آپ اثناء نزول ہی میں اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں جبریل امین کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھتے اور اسکو دھرتے تو اللہ تعالیٰ نے آپکو اسکی ممانعت کر دی کہ جب تک وحی پوری نہ ہو جائے اور جبریل اسکی پہنچانے سے فارغ نہ ہو جائے اس وقت تک آپ نہ پڑھا کریں اور آپ کو تسلی کر دی کہ قرآن کا تمام و کمال آپ کے سینہ میں جمع کر دینا اور لفظ بلفظ اس کا محفوظ کر دینا یہ ہمارے ذمہ ہے جیسا کہ یہ حکم سورہ قیامہ میں بھی آیا ہے۔ لَا تَحْزَنْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ فَاَتَمِّعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

اور اے نبی آپ اس فکر میں نہ پڑیے اور ہمارا فرشتہ جب آپ کے سامنے ہماری وحی پڑھے تو آپ اس کو خوب غور سے سنیں کیونکہ اللہ کے کلام کا حق استماع اور انصات ہے اور جب فرشتہ آپ پر پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو بجائے پڑھنے کے وحی پوری ہو جانے کے بعد آپ یہ دعا مانگا کیجیے۔

اے میرے پروردگار اپنی طرف سے میرے علم اور فہم میں زیادتی کر تاکہ تیرے کلام کے معانی کو اور تیرے احکام کے اسرار اور حکم کو خوب سمجھوں کیونکہ قرآن کے ہر حرف کے نیچے بے شمار علوم ہیں اور جو وحی ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں وہ تو ضرور بالضرور آپ پر نازل ہو کر رہے گی۔ اور آپ کے سینہ میں ضرور محفوظ ہو کر رہے گی۔ آپ اس کی فکر نہ کیجیے زیادتی علم کے فکر کیجیے۔ نظم قرآن کے کلمات اور حروف محدود اور متناہی ہیں۔ اور اس کے علوم غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور علم کی زیادتی اور ترقی میں حفظ بھی آگیا۔ کیونکہ زیادتی علم کی دعا ایسی جامع دعا ہے جو سب کو شامل ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ معانی کا سمجھنا الفاظ کی یاد ہونے پر موقوف ہے۔ اس لیے زیادتی علم۔ زیادتی حفظ کو بھی شامل ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم برابر زیادہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے وفات

پائی۔ اور عبد اللہ بن مسعود جب یہ آیت پڑھتے تو یہ دعا کرتے اللہم زدنی علماً و ایماناً و یقیناً لے اللہ میرے علم میں اور میرے ایمان میں اور میرے یقین میں زیادتی فرما کہ ہر لمحہ علم اور معرفت اور ایمان اور یقین میں اضافہ اور ترقی ہوتی رہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللہم انفعنی بما علمتني وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علماً والحمد لله علی کل حال اور ایک حدیث میں اس دعا کے اخیر میں اتنا لفظ اور زیادہ آیا ہے۔
وَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ



وَلَقَدْ عٰهَدْنَاۤ اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ

اور ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے

فَنَسِیَ وَلَمْ یُنْجِدهُ عَزْمًا ۝۱۱۵ وَ اِذْ قُلْنَا

پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت۔ اور جب کہا ہم نے

لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ط ۝۱۱۶

فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدے میں مگر پڑے مگر ابلیس نہ مانا۔

فَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوُّوْكَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا

پھر کہہ دیا ہم نے اے آدم! یہ دشمن ہے تیرا اور تیرے جوڑے کا، سو

یُخْرِجُکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝۱۱۷ اِنَّ لَکَ الْاَلَّ تَجُوْعَ

نکلوا نہ دے تم کو بہشت سے پھر تو تکلیف میں پڑے گا۔ تب مجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو

فِیْہَا وَلَا تَعْرٰی ۝۱۱۸ وَاَنْتَ لَا تَظْمَءُوْا فِیْہَا وَلَا

اس میں اور نہ ننگا۔ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں نہ

تَصْحٰی ۝۱۱۹ فَوَسَّوَسَ اِلَیْہِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ

دھوپ۔ پھر جی میں ڈالا اس کے شیطان نے کہا اے آدم میں

أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ۝۱۲۰ فَآكلَا

بتاؤں تجھ کو درختِ سدا جینے کا اور بادشاہی جو پرانی نہ ہو - پھر دونوں

مِنْهَا فَبَدَلَتْ لَّهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا

کھا گئے اس میں سے پھر کھل گئیں اُن پر ان کی بُری چیزیں اور لگے گانٹھنے اپنے اوپر

مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝۱۲۱ ثُمَّ

پتے بہشت کے اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا - پھر

اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝۱۲۲ قَالَ اهْبِطَا

نوازا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اور راہ پر لایا - فرمایا اُترو یہاں

مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فَأَمَّا يَٰتِينَاكُمْ

سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن - پھر کبھی پہنچے تم کو

مِّنِّي هُدًى ۖ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا

میری طرف سے راہ کی خبر - پھر جو چلا میری بتائی راہ پر نہ وہ بہکے گا نہ وہ

يَشْقَىٰ ۝۱۲۳ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً

تکلیف میں پڑے گا - اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گذران

ضَنًّا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ ۝۱۲۴ قَالَ رَبِّ

تنگی کی اور لاویں گے ہم اس کو دنِ قیامت کے اندھا - وہ کہے گا اے رب

لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ۝۱۲۵ قَالَ

کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھتا - فرمایا

كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ

یوں ہی پہنچیں تھیں تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو

تَنْسَى ۱۲۶) وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ

بھلا دیں گے۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اس کو جن نے ہاتھ چھوڑا اور یقین نہ

بایت رَبِّهِ طَوَّعَ عَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى ۱۲۷)

لایا اپنے رب کی باتیں، اور پچھلے گھر کا عذاب سخت ہے اور بہت دیر رہتا۔

ذکرِ قصہ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تنبیہ معترضین مستکبرین

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ..... إِلَى..... وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَى

(ربط) گزشتہ آیات میں اعراض عن الذکر کی سزا اور اس کے بُرے انجام کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعراض اور استکبار کس درجہ قبیح چیز ہے نیز اس قصہ کے ذکر سے اولادِ آدم کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اولادِ آدم کو چاہیے کہ اپنے اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن سے ہشیار رہیں مبادا کہ غفلت سے اس کے دھوکہ میں آجائیں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ بہت بلند تھا۔ اس لیے ان سے بھول چوک پر یہی مواخذہ ہوا۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

اولادِ آدم کو چاہیے کہ اگر کسی وقت شیطان کی تسویل اور تغیر سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو باپ کی طرح توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی اور تدارک کریں شیطان کی طرح اپنے قصور کی تاویل نہ کریں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیت میں علم و حکمت کی زیادتی کی دعا کی تلقین تھی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ علم کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بدون تکبر کے علم کے موافق عمل بھی کیا جائے اس لیے آئندہ آیات میں حضرت آدم کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

کہ علم کی زیادتی نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بنایا اور تکبر نے ابلیس کو مردود اور ملعون بنایا چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے پہلے ہی سے آدم سے عہد لے لیا تھا کہ اس درخت سے نہ کھانا اور یہ بتلادیا تھا کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ پس وہ ہمارے اس عہد کو بھول گئے اور شیطان کی قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے اور ہم نے ان میں سختی نہ پائی۔ ابلیس کے دوسرے سے ان کی طبیعت نرم پڑ گئی اور ان کا عزم سُست پڑ گیا عہد کی پوری حفاظت نہ کر سکے اور دل اس پر مضبوط نہ رہا۔ اس لیے نسیان واقع ہوا۔ (یا یہ معنی ہیں کہ) اس بارے میں ہم نے آدم کا قصد اور ارادہ نہیں پایا۔ یعنی قصداً ان سے یہ صورت واقع نہیں ہوئی بلکہ خطا ایسا ہو گیا اور ان کا ارادہ خلاف حکم کرنے کا نہ تھا۔ بھول سے اور دھوکہ سے ایسا ہو گیا۔ عزم کے معنی لغت میں مضبوطی اور سختگی کے بھی آتے ہیں اور

قصد و ارادہ کے بھی آتے ہیں اس لیے آیت میں دونوں معنی درست ہیں اور یہ واقعہ اس وقت پیش آیا کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کے لیے سجدہ تعظیم و تکریم بجالاؤ تاکہ تمہارا یہ سجدہ تعظیمی و تکریمی اس کی علامت ہو کہ ہم خلیفہ خداوندی کی اطاعت اور تائید اور تقویت میں کوئی کمی نہ کریں گے سجدہ عبادت تو سوائے اللہ رب العزت کے کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ سجدہ سجدہ عبادت نہ تھا بلکہ سجدہ تحیت تھا جو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں جائز رہا۔ اور خاتم الانبیاءؐ کی شریعت میں منسوخ ہو گیا۔ جیسے بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں جائز تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ تب ہم نے آدمؑ سے کہا بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ جیسا کہ تم نے اس کی عداوت اور حسد کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور ہم تمہاری ہی وجہ سے اس کو اپنی بارگاہ سے نکال رہے ہیں۔ پس تم اس سے ہوشیار رہنا۔ کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے یہ تمہارا دشمن ہے اور تمہارے جنت سے نکلنے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس ایسا کام نہ کرنا جس سے جنت سے نکلنا پڑے۔ پھر تم دنیا کی مشقتوں میں پڑ جاؤ۔ اور بیوی بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اس کا بوجھ بھی تم پر پڑے گا یعنی جنت سے تو دونوں ہی نکلو گے مگر ساری مشقت تم پر پڑ جائے گی۔ کیونکہ بیوی کی تمام ذمہ داری شوہر ہی پر ہوتی ہے اس آیت میں فَتَشْتَقِی سے آخر کی شقاوت مراد نہیں بلکہ دنیا کا تعب اور اس کی مشقت مراد ہے۔ اس لیے کہ دنیاوی رزق یعنی بھوک اور پیاس کے دفعیہ کے لیے کاشت کاری اور آٹا پیسنا اور روٹی پکانا درکار ہے جو بغیر مشقت اور محنت کے ممکن نہیں اور یہاں آپ کو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کا رزق ملتا ہے۔ اس لیے کہ جنت میں تیرے لیے تمام نعمتیں اور راحتیں ہیں۔ جنت میں تو نہ کبھی بھوکا رہے اور نہ تنگ ہو سکتا ہے اور یہ کہ نہ تو اس میں پیاسا ہو اور نہ دھوپ کی تکلیف اٹھاوے۔

غرض یہ کہ کھانے اور پینے اور غذا اور قیام اور طعام اور لباس کے سب آرام تجھ کو یہاں حاصل ہیں۔ اگر یہاں سے نکال لایا تو دنیاوی رزق اور غذا کے حصول کے لیے تجھ کو بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں دوسوہ ڈالا۔ چنانچہ ابلیس نے یہ کہا کہ اے آدمؑ کیا میں تم کو ہمیشہ رہنے کا درخت نہ بتلا دوں کہ جو کوئی اس میں سے کھا یوے وہ کبھی نہ مرے اور کیا میں تم کو ایسی بادشاہت اور سلطنت نہ بتلا دوں کہ جو کبھی پرانی نہ ہو۔ یعنی جس کو کبھی زوال نہ ہو یعنی اگر تو اس درخت سے کھالے گا تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور تیری سلطنت کبھی زائل نہ ہوگی۔ شیطان نے اس طرح سے حضرت آدمؑ کو دھوکہ دیا اور شجرۃ الخلد کے نام سے ان کو فریب دیا اور جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم اگر تم نے اس درخت سے کھالیا تو تم کو جنت کا دوام اور غلہ حاصل ہوگا۔ جب شیطان نے خدا کی قسم کھا کر حضرت آدمؑ سے یہ کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کا نام لے کر کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

پس اس طرح اس کے بہکانے سے دونوں نے اس درخت سے کھالیا۔ جس کی مانعت کی گئی تھی۔ اور جنت کے دائمی عیش و عشرت کے شوق و رغبت نے اس مانعت کو بھلا دیا۔ پس اس کے کھاتے ہی دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے یعنی اس درخت کے کھاتے ہی بہشتی لباس تو تر گیا اور دونوں ننگے ہو گئے اور گھبرا کر اپنے

اور جنت کے درختوں کے پتے چپکنے لگے اور حیران رہ گئے کہ دم کہ دم میں یہ کیا ہو گیا۔ اور اس طرح شیطان کے دھوکے میں آکر آدمؑ شجرہ ممنوعہ کو شجرۃ الخلد سمجھ بیٹھے۔ اور بھولے سے اپنے پروردگار کی نافرمانی اور خلاف حکم کر بیٹھے۔ پس اس طرح وہ راہ صواب سے ہٹ گئے اور لغزش کھا گئے۔ قدم تو اٹھایا تھا خلود اور دوام کے لیے وہ پھسل کر دوسری طرف جا پڑا جس مقصد کے لیے کھایا تھا وہ پورا نہ ہوا اور بجائے خلود کے اور دوام کے جنت سے اترنا پڑا۔

(یا یہ معنی ہیں)

کہ پس اس شجرہ ممنوعہ کے کھانے سے ان کی عیش کدر ہو گئی اور جنت کا عیش و آرام سب ختم ہو گیا۔

(یا یہ معنی ہیں)

کہ پس وہ اس درخت میں سے کھا کر اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ان کا مقصد اس درخت کے کھانے سے یہ تھا کہ ان کو جنت کا خلود اور دائمی قیام حاصل ہو جائے۔ مگر اس درخت کے کھانے سے مقصد پورا نہ ہوا بلکہ جنت سے اترنا پڑا۔

جاننا چاہیے کہ غویٰ کے معنی جو غوایت سے مشتق ہے وہ کلام عرب میں مختلف معانی میں مستعمل ہوا ہے۔

۱۔ غویٰ کے معنی لغت میں گمراہی اور راہ صواب سے ہٹ جانے کے بھی آتے ہیں۔

۲۔ اور غویٰ کے معنی عیش کے فاسد اور مکدر ہونے کے بھی آتے ہیں۔

قال ابن الجوزی فی قولہ تعالیٰ غویٰ قولان (احدهما) ضل عن طریق الخلد
حيث اراده من قبل المعصية والثاني فسد عليه عيشه لان معنى
الغی الفساد كذا فی زاد المسیر صفحہ ۳۲۹ ج ۵ وھكذا فی روح المعانی صفحہ

۱۶۳۲۷۷

۳۔ اور غوایت کے معنی خبیثت اور ناکامی کے بھی آتے ہیں چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

فمن یلق خیرا یمد التاس امرہ

ومن یغولایعدم علی الغی باعینا

جو شخص نیک کام کرے تو لوگوں کو اس کی تعریف کرتا ہوا پائے گا۔ اور جو کوئی اپنے مقصد میں ناکام ہو جائے تو ناکامی پر ملامت کرنے والے کو معدوم نہیں پائے گا۔

غرضیکہ لفظ غوایت تین معنوں میں مستعمل ہوتا ہے آیت میں ہر معنی کا مراد لینا صحیح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور کوئی معنی بھی عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اور لفظ غویٰ سے پہلے جو لفظ عصیٰ حضرت آدمؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ خود قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت آدمؑ کا یہ فعل سہواً و نسیاناً تھا قصداً اور عمدانہ تھا۔ كما قال تعالیٰ فَنَسِيَ وَكُنْهٌ عَرُ مَا جَسَّ صَاف ظَاہِر ہے کہ حضرت آدمؑ سہواً و نسیاناً بھول کر ایک کام خلاف حکم الہی کر بیٹھے۔ معاذ اللہ انہوں نے قصداً حکم الہی کی مخالفت نہیں کی۔ لہذا حضرت آدمؑ کی طرف عصیان کی نسبت

محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت یہ فعل لغزش تھا معصیت نہ تھا کما قال اللہ تعالیٰ فَازَلَهُمُ الشَّيْطَانُ چونکہ انبیاء کرام کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لیے اُن سے ذرا سی بھول چوک پر بھی مواخذہ ہوتا ہے ۛ

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا

”معصیت کے معنی لغت میں خلاف حکم کسی کام کرنے کے ہیں اور وہ کبھی عدا اور قصدا ہوتا ہے اور اصل معصیت اور گناہ ایسا ہی فعل ہے جو قصدا ہو اور کبھی عدا اور قصدا نہیں۔ یہ درحقیقت معصیت اور گناہ نہیں بلکہ غلطی اور لغزش ہے۔ اس کو صورت معصیت کہہ دیا جاتا ہے یہاں آیت میں دو کمر معنی مراد ہیں۔

نکتہ ابن قتیبہ ^{علہ} کہتے ہیں کہ عَصَى اَدَمُ رَبَّهُ فَخَوَى کہنا تو جائز ہے مگر آدم کو عاصی اور غاوی کہنا جائز نہیں کیونکہ عاصی اور غاوی عرف میں اسی شخص کو کہا جاسکتا ہے کہ جو فعل معصیت کا عادی اور خوگر ہو گیا ہو مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کو خود ایک بار سی لے تو یہ کہنا تو صحیح ہے کہ خاطر فلان ثوبہ فلاں شخص نے اپنا کپڑا اسی یا مگر اس کو خیاط (درزی) کہنا صحیح نہیں۔ جب تک وہ کپڑا سینے کو اپنا پیشہ نہ بنالے۔ اور لوگوں میں اس پیشے کے ساتھ معروف و مشہور نہ ہو جائے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم سے یہ فعل ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ سرزد ہوا اور وہ بھی بھول سے ہوا قصدا و ارادہ نہیں کیا۔ اور جو شخص ساری عمر میں کوئی ایک کام غلطی اور بھول چوک سے کر گزرے تو اس کو عاصی اور غاوی نہیں کہا جاسکتا۔ عاصی اس وقت کہا جائے گا کہ جب کوئی کام دیدہ و دانستہ حاکم کے حکم کے خلاف کرے اسی طرح حضرت آدم کی نسبت یہ کہنا تو جائز ہے کہ انہوں نے خدا کی ایک نافرمانی کی مگر ان کو نافرمان کہنا کفر ہے۔ حضرت آدم سے جو لغزش ہوئی اور بھول چوک سے جو خطا صادر ہوئی اس کو محض ظاہری صورت کے اعتبار سے معصیت کہا گیا ورنہ درحقیقت وہ معصیت نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ زلت و لغزش تھی جس کے معنی بھول چوک اور غفلت سے قدم پھسل جانے کے ہیں کہ شیطان نے ان کو دھوکہ دے کر ان کا قدم پھسلا دیا جانا چاہتے تھے خلود و دوام کی راہ پر دشمن نے ان کو ایسا دھوکہ دیا کہ قدم دوسری طرف جا پڑا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فَازَلَهُمُ الشَّيْطَانُ نیز حق جل شانہ کے اس ارشاد فَلَاحُيْرَجْكَمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى سے مفہوم ہوتا ہے کہ لَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ کی بھی تحریم کے لیے نہ تھی کہ اس درخت سے کھانا قطعاً حرام ہے بلکہ بر بنائے شفقت و رحمت تھی کہ دیکھو اس درخت سے کھانے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم طرح طرح کے تعب اور مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

بہر حال حضرت آدم کی یہ لغزش معمول اور حقیر تھی۔ مگر بساط قرب و جوار رحمت میں واقع ہونے کی وجہ

علہ قال ابن قتیبہ فنحن نقول في حق آدم عصى و غوى كما قال الله تعالى عز وجل ولا نقول آدم عاص و غاوي كما نقول الزجل قطع ثوبه و خاطه۔ قد قطعہ و خاطہ ولا نقول هذا خیاط حتی يكون معاوداً لذلك الفعل المعروف به۔ کذا فی زاد المسیر ص ۳۲۹ ج ۵ اور تفصیل کے لیے امام رازی کی تفسیر ص ۹۶ دیکھیے

سے بڑی ہو گئی اور اسی وجہ سے خطاب اور عتاب تمام تر آدم علیہ السلام کو کیا گیا۔ اور حضرت حوا کو اس میں شریک نہیں فرمایا اس لیے کہ وہ حضرت آدم کے تابع تھیں۔ اور اسی وجہ سے عصیان اور غواہیت کی نسبت صرف آدمؑ کی طرف کی گئی اور حضرت حوا کو اس میں شریک نہیں کیا گیا۔

پھر جب آدمؑ نے بعد ہزار گریہ وزاری اور بعد ہزار ندامت و شرمساری اپنی لغزش سے توبہ اور معذرت کی تو ان کے رب نے ان کو نوازا اور پہلے سے زیادہ ان کو مقبول اور پسندیدہ بنالیا۔ پھر اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان پر متوجہ ہوا اور کلمات توبہ کی ان کو تلقین فرمائی کما قال اللہ تعالیٰ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اور ان کی توبہ قبول کی اور ان کو راہ پر لایا یعنی لغزش کی وجہ سے جو قدم راہ سے ہٹا تھا اس کو راہ ہدایت پر ایسا ثابت اور مستقیم کر دیا کہ پھر مدۃ العمر شیطان ان کو کوئی دھوکہ اور فریب نہ دے سکا۔ لَا يَلِدْخَ الْمُؤْمِنُ مِن حَجرٍ مَرَّتَيْنِ یعنی مؤمن کامل شیطان کے سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا حضرت آدمؑ کو زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا اس سے پہلے ابلیس سے ان کو واسطہ نہ پڑا تھا۔ نا تجربہ کاری کی بنا پر اور اپنی صاف دلی کی بنا پر اس کے فریب میں آگئے۔ حضرت آدمؑ نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص خدا کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے۔ وَكَاسَمَهُمْ آدَمُ أَن يَنْبَغِي لَكَمِنَ الشَّيْطَانِ تَوَانٌ كَوَيْهِ شَبِيهٌ بَعَثَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ لَأَدَمَ أَن يَحْكُمَ مَا حَكَمَ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ الدُّمُومَ لَفِزَّ بَنَادُؤُهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ حضرت آدمؑ کو (کذب) جھوٹ کے معنی تو معلوم تھے مگر انہوں نے اس سے قبل اپنی آنکھ سے کبھی جھوٹ اور جھوٹے کو نہیں دیکھا تھا اس لیے دھوکہ میں آگئے جب معلوم ہو گیا تو توبہ اور معذرت کی۔ اس کی وجہ سے حضرت آدمؑ خدا تعالیٰ کے اور زیادہ مقبول ہو گئے اور ان کی بے مثال گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان کے دل میں کس درجہ حق جل شانہ کی محبت اور عظمت سرایت کیے ہوئے ہے۔

الغرض حضرت آدمؑ تو توبہ اور معذرت کی وجہ سے پہلے سے زیادہ مقبول اور محبوب ہو گئے اور شیطان مردود کی امید پر پانی پھر گیا۔ اس مردود نے تو یہ سوچا تھا کہ میری طرح آدمؑ بھی تباہ ہو جائیں مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ اس کی توقع کے خلاف حضرت آدمؑ کی عجز و زاری اور تذلل اور خاکساری ان کے مزید تقرب کا سبب بن گئی۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں میاں بیوی اکٹھے یہاں سے نیچے اترو بظاہر یہ خطاب خطاب عتاب تھا مگر درحقیقت خطاب تکمیل و تشریف تھا۔ تاکہ خلافت ارضی کا وعدہ پورا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا ہی اس لیے کیا تھا کہ روئے زمین کا ان کو خلیفہ بنایا جائے اس لیے ان کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ منصب خلافت پر پہنچیں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً سرزد ہوئی تھی وہ توبہ اور استغفار سے معاف ہو گئی۔ یہاں اِهْبِطُوا بَصِيفَةً ثَنِيَّةً آیا ہے اور یہ خطاب حضرت آدمؑ اور حوا کو ہے اور سورہ بقرہ و اعراف میں بلفظ جمع یعنی اِهْبِطُوا

عَلَيْكُمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الشَّوَّابِينَ۔ توبہ بندہ کو اللہ کا محبوب بنادیتی ہے جس درجہ کی توبہ ہوگی اسی درجہ کی محبوبیت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

آیا ہے اور یہ خطاب آدم و حوا اور ابلیس تینوں کو ہے یا خطاب فقط آدم اور حوا کو ہے اور صیغہ جمع اس لیے لایا گیا کہ ان دونوں کا وجود ان کی بے شمار ذریت پر مشتمل تھا۔

بہر حال حکم یہ ہوا کہ تم سب مع ابلیس کے جنت سے اتر دو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ دشمنی کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں لوگ اغراض اور معاشی امور میں مختلف ہوں گے۔ اور خوراک اور پوشاک اور مال و دولت اور عزت ووجاہت میں متفاوت ہوں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دوسرے پر حسد کرے گا۔ اور باہم دشمنی ہوگی۔ اندر سے تمہاری شہوات اور نفسانی اغراض تم کو حسد اور عداوت پر آمادہ کریں گی۔ اور باہر سے یہ شیطان تم کو حسد اور عداوت کے دافہ پیچ بتلائے گا۔ اور دنیا میں خوب آدم مجھے گا۔ اور فتنہ اور فساد برپا ہوگا جس کا علاج سوائے آسمانی ہدایت کے اور حکم خداوندی کی پیروی کے کچھ نہ ہوگا۔ پس ایسی حالت میں جب کہ تم زمین پر ہو اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت کا سامان آوے یعنی کتاب اور رسول اور دلائل عقلیہ و نقلیہ تو بصد ہزار شوق و رغبت اور بصد ہزار شکر و امتنان دوڑ کر اس کو لے لینا دنیا کے فتنہ و فساد سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ سو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی یعنی رسول کا حکم اور میری نازل کردہ کتاب پر عمل کیا تو وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت میں وہ رنج اور تکلیف نہیں اٹھائے گا اور کسی مشقت میں نہیں پڑے گا۔ اور جس نے میری نصیحت اور ہدایت سے منہ موڑا تو وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خوار ہوا۔ دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت ووجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولت مند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا۔ ظاہر میں بیشمار دولت ہے۔ مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لرزتا ہے۔ دن رات دفتروں کے چکروں میں اور رشوتوں اور خوشامدوں کی مصیبت میں مبتلا ہے کسی سے جھوٹ بول رہا ہے اور کسی کا جھوٹ سُن رہا ہے لکھ پتی اور در بدر پھر رہا ہے لاکھوں چکر لگا چکا ہے۔ مگر ہنوز منزل مقصود دور ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے

اگر دنیا نہ باشد درد مندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم
بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست
کہ رنج خاطر است ارہست ورنیست

دنیاوی زندگی میں قلبی سکون اور اطمینان بدون قناعت اور ذکر الہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ ۛ

اے قناعت تو نگرہ گرداں
کزورائی تو بیچ نعمت نیست

یہ تو کافر کی دنیاوی زندگی کا حال ہوا اور کافر کی اخروی زندگی کا حال یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم اس کو نابینا اٹھائیں گے۔ یعنی جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اندھا ہوگا۔ اور گونگا اور بہرا بھی ہوگا۔

کما قال اللہ تعالیٰ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمِیًّا قَدْ یُکْمَلُ وُصْمًا۔
کافر جب قبر سے اٹھے گا اس وقت اندھا ہوگا۔ بعد میں اس کا اندھا پن دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ کافر بولے گا۔ اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائیں گے ہاں دنیا میں تو نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ تیرے پاس ہماری ہدایت کی نشانیاں پہنچیں جو خوب روشن اور واضح تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا۔ اور ان سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور باوجود بینائی کے تو ہماری آیات ہدایت اور دلائل قدرت کے دیکھنے سے اندھا بن گیا۔ اور اسی طرح آج تجھ سے تغافل برتا جائے گا۔ یعنی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے اعراض کیا اور ان سے اندھا بنا رہا اور ہم کو بھول گیا۔ اسی طرح ہم آج تیرے ساتھ وہی معاملہ کریں گے۔ جو نہ ہوتے ہوئے اور اندھے بنے ہوئے کے ساتھ ہونا چاہیئے اور جس طرح یہ سزا اس کے جرم کے مطابق دی گئی اسی طرح ہم ہر اس شخص کو اس کے عمل کے مناسب جزا دیں گے۔ جو حد سے گزر گیا اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہیں لایا۔ تو دنیا میں تو اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو معیشت ضنک یعنی تنگ زندگی میں مبتلا کیا جائے اور عذاب مذکور کے بعد آخرت کا عذاب بہت ہی سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ یعنی دائمی ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔

نکتہ ان آیات میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں کے لیے اول دد عقوبتوں کے بعد عذاب آخرت کا ذکر فرمایا اور بتلادیا کہ وہ عذاب کبھی زائل نہ ہوگا۔ دنیا کی تنگی تو زائل ہو سکتی ہے۔ مگر آخرت کی مصیبت کبھی نہیں ٹل سکتی اور دوزخ کا عذاب کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

لطائف و معارف

عصمت انبیاء کے مسئلہ کی مفصل تحقیق سورہ بقرہ کے شروع میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

اب پھر مختصر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

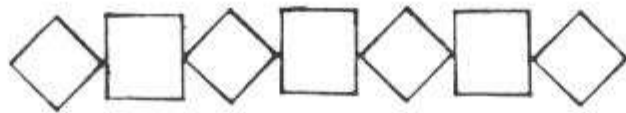
۱۔ اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً و اراداً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں۔
دلائل سورہ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں۔

۲۔ عصمت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و باطن نفس اور شیطان کی مداخلت سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور نفس اور شیطان ہی دونوں چیزیں مادہ معصیت ہیں اور مادہ معصیت سے پاک ہونے ہی کا نام عصمت ہے۔ ملائکہ بھی معصوم ہوتے ہیں مگر ان کی عصمت اضطراری ہوتی ہے کہ ان میں شرکاء مادہ اور داعیہ ہی نہیں ہوتا بخلاف انبیاء کرامؑ کے کہ ان کی عصمت اختیاری ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں بمقتضائے بشریت مادہ نفسانیت ہوتا ہے مگر حفاظت ربانی اور تائید یزدانی ان کی محافظ اور نگہبان ہوتی ہے کہ مجال نہیں کہ مادہ معصیت ذرہ برابر ان کو جادہ اطاعت سے ہٹا سکے یا کوئی ایسی چیز ان سے سرزد ہو سکے جو کہ ان کے دامن عصمت کو آلودہ کر سکے۔ حق جل شانہ کی نظر عنایت اور فرشتوں کی محافظت ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہوتی ہے اور ان کا قدم اس احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔

۳۔ انبیاء کرامؑ میں نفوس ہوتے ہیں مگر وہ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں اور عصمت و نزاہت میں ملائکہ کے ہم رنگ ہوتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ اگرچہ ظاہر میں بشر ہوتے ہیں مگر مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے فرشتوں کے ساتھ متحد ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے انبیاء کرامؑ کسی مباح اور جائز امر کا ہوائے نفسانی کی بناء پر ارتکاب نہیں کرتے بلکہ مباح کے اباحت بیان کرنے کے لیے مباح اور امر جائز کا ارتکاب کرتے ہیں جو کہ عین تشریع ہے مبی پر جس طرح فرض کے فرضیت کا بیان کرنا فرض ہے اسی طرح مباح کی اباحت کا بیان کرنا بھی فرض ہے کیونکہ تبلیغ احکام نبی پر فرض ہے۔

بخلاف اولیاء کے کہ وہ بسا اوقات مباحت کو محض اپنی ہوا نفسانی کی بناء پر بھی کرتے ہیں اس لیے اہل سنت والجماعت کا اجماعی مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ معصوم ہیں اور اولیاء محفوظ ہیں۔ ہوائے نفس سے بالکلیہ پاک اور منزہ نہیں بخلاف نبی کے کہ وہ ہوائے نفس سے بالکل پاک اور منزہ ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ - قُلْ مَا يَكُونُ لِي اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تَلْقَآئِ نَفْسِي اِنْ اَشِيعُ اِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيَّ۔ معاذ اللہ انبیاء کرامؑ ہماری طرح اسیر حرص و شہوت نہیں ہوتے۔ ورنہ خدا تعالیٰ ہم پر ان کی بے چون و چرا اطاعت فرض نہ کرتا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خلاصہ موجودات اور زبدۂ کائنات ہیں ان کو انبیاء کرامؑ کی اقتداء کا حکم نہ دیتا اور یہ ارشاد نہ فرماتا۔ اُولَئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰى اللّٰهُ فَبِهٰذَا هُمْ اَقْتَدَوْا۔

(اطلاع) حضرت آدمؑ کے قصہ کے متعلق سورۃ اعراف کے شروع میں بھی بہت کچھ تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ اس لیے ناظرین کرام سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف دونوں جگہ حضرت آدمؑ کے قصہ کی تفسیر پر نظر ڈال لیں۔



اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ

سو کیا سوچھ ان کو نہ آئی اس سے کہ کتنی کھپادیں ہم نے پہلے ان سے سنگتیں؟ یہ پھرتے ہیں



فِي مَسْكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَى ۝ (۱۲۸)

ان کے گھروں میں اس میں خوب پتے ہیں عقل رکھنے والوں کو ۔

وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّ

اور کبھی نہ ہوئی ایک بات نکل گئی تیرے رب سے تو مقرر ہوتی بھینٹ اور

أَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ (۱۲۹) فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَ سَبِّحْ

جو نہ ہوتا وعدہ ٹھہرایا ۔ سو تو سہارا جو کہیں اور پڑھتا رہ

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۝

خوبیاں اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے

وَمِنْ أَنَايِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

اور کچھ گھڑیوں میں رات کی، پڑھا کر اور دن کی حدوں پر، شاید تو

تَرْضَىٰ ۝ (۱۳۰) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا

راضی ہوگا ۔ اور نہ پسار اپنی آنکھیں اُس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے

بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْثِهِمْ ۝

ان بھانت بھانت لوگوں کو رونق دنیا کے جیتے ۔ ان کے جانچنے کو ۔

فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ (۱۳۱) وَأَمْرٌ أَهْلَكَ

اور تیرے رب کی دی روزی بہتر ہے اور دیر رہنے والی۔ اور حکم کر اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۝ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۝ نَحْنُ

نماز کا ۔ اور آپ قائم رہ اس پر، ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ۔ ہم

نَرْزُقُكَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ (۱۳۲) وَقَالُوا لَوْ لَا يَأْتِيَنَا

روزی دیتے ہیں تجھ کو اور آخر بھلا ہے پرہیزگاری کا ۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہم

بَايَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۖ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةٌ مَّا فِي الصُّحُفِ

پاس کوئی نشانی اپنے رب کے؟ کیا پہنچ نہیں چکی ان کو نشانی اگلی کتابوں میں

الْأُولَىٰ ۖ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بَعْدَ آيٍ مِّن قَبْلِهِ

کی ۔ اور اگر ہم کھپا دیتے ان کو کسی آیت میں اس سے پہلے ،

لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

تو کہتے اے رب کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام لے کر، کہ ہم چلتے

آيَتِكَ مِنْ قَبْلُ أَنْ نَذِلَّ وَنَخْزَىٰ ۖ قُلْ كُلُّ

تیسرے کلام پر، ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ۔ تو کہہ ہر کوئی

مُتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ

راہ دیکھتا ہے، سو تم راہ دیکھو آگے جان لو گے کون ہیں سیدھی

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۚ

راہ والے، اور کون سوچھے ہیں راہ ۔

تہدید و تنبیہ اہل غفلت بر عدم عبرت

از ہلاک ائم سابقہ مع شاہدۂ آثار ہلاکت در اثنائے سفر تجارت

قال الله تعالى۔ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمَا اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ..... اِلَى..... وَمَنِ اهْتَدَىٰ .

(ربط) گزشتہ آیات میں غافلین اور معرضین کی عقوبت کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنِ اهْتَدَىٰ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَصْحٰبًا

اب ان آیات میں غافلین اور معرضین کو تہدید اور تنبیہ کی جاتی ہے کہ کیا تم کو اس بات سے عبرت نہیں ہوئی کہ تم سے پہلے کتنی بستیوں انبیاء سے سرکشی اور اعراض کرنے کی بنا پر تباہ و برباد کی جا چکی ہیں اور تم ملکِ شام جاتے ہوئے ان کے کھنڈروں پر گزرتے ہو جن کو دیکھ کر ان غارت شدہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کی یاد

تازہ ہو جاتی ہے۔ اگر تمہیں عقل ہے تو اس سے عبرت حاصل کرو کہ آیاتِ خداوندی سے اعراض اور غفلت کا اور اس اسراف کا یعنی حد سے گزر جانے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

نیز اس تہدید و تنبیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی بھی مقصود ہے کہ آپ ان معرضین اور غافلین کے اقوال و احوال سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس کیا ان معرضین اور غافلین کو جو اپنے اعراض پر قائم اور مصر ہیں۔ اب تک اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم ان سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں۔ یعنی قریش جب مکہ سے شام کو تجارت کے لیے جاتے ہیں تو اپنے سفر میں جاتے ہوئے قوم ثمود اور قوم عاد کی بستیوں سے گزرتے ہیں اور ان کے اُجڑے کھنڈرات دیکھتے ہیں۔ کیا اس کو دیکھ کر بھی ہدایت نہیں پاتے کہ اپنے کفر اور تمرد سے باز آجائیں۔ بلاشبہ اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ جو خدا اور اس کے رسول سے اعراض کرے اس کا انجام ایسا ہوتا ہے اور اے نبی یہ لوگ بڑے ہی سخت مجرم ہیں اگر تیرے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب الہی اگر فوراً ان کو چھٹ جاتا کلمہ سابقہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامِ حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا۔ اتمامِ حجت کے بعد عذاب نازل کرتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا اگر علم الہی میں ان کے عذاب کی کوئی میعاد مقرر نہ ہوتی تب بھی ان پر فوراً عذاب آجاتا مطلب یہ ہے ان پر عذاب نازل ہونے سے دو باتیں مانع ہیں ایک تو یہ اللہ تعالیٰ بدو ان تمام حجت کے کسی کو عذاب نہیں دیتے اور دوسری بات یہ کہ مجرم قوم کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً ناگہانی طور پر ان پر عذاب آجاتا پس اے نبی آپ ان مجرمین پر فی الحال عذاب نازل نہ ہونے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ ان کی رنجیدہ باتوں پر صبر کیجیے اور مقررہ میعاد اور آخری نتیجہ کا انتظار کیجیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جو اپنے وقت پر ظاہر ہوگا۔ لہذا آپ صبر کیجیے اور لیل و نہار اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہیں جس میں نماز بھی آگئی۔ طلوع آفتاب سے پہلے۔ یہ نماز فجر ہوئی اور غروب آفتاب سے پہلے یہ نماز عصر ہوئی اور رات کے اوقات میں بھی اللہ کی تسبیح و تحمید کیا کرو۔ یہ تہجد کی نماز ہوئی اور دن کے اطراف اور جوانب میں بھی اللہ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ امید ہے کہ قیامت کے دن آپ اس کے ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَ مِنْ اَنْآئِیْلِ سے نماز عشاء مراد ہے اور اطراف نہار سے نماز ظہر اور نماز مغرب مراد ہے۔ نماز ظہر۔ اول دن کے طرف آخر میں ہے اور نماز مغرب کا دن کی طرف ہونا ظاہر ہے۔

خلاصہ کلام کہ آپ دن رات اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہیں اور اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھیں اور اے نبی جن چیزوں سے ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو بہرہ مند کیا ہے ان کی طرف بطریق رغبت و استحسان ہرگز ہرگز اپنی آنکھوں کو دراز نہ کرنا وہ متاعِ قلیل اور فانی ہے۔ ہم نے ان

کافروں کو دنیاوی زندگی کی رونق اور زیبائش کا سامان دیا ہے جو محض ایک رونق ہے اور چند روزہ آرائش و زیبائش ہے اللہ کے یہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہم نے ان کو یہ سامان رونق محض آزمانے کے لیے دیا ہے کہ دیکھیں کہ وہ شکر بجالاتے یا ناشکری کرتے ہیں آپ اس فانی اور چند روزہ رونق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، اور تیرے پروردگار کا رزق اس فانی اور نمائشی رزق سے کہیں بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو نبوت و رسالت اور فتوحات عظیمہ سے مشرف کیا اور آخرت کی عزت و کرامت آپ کے لیے ذخیرہ ہے۔ اللہ نے جو نعمت اور کرامت آپ کو عطا کی ہے وہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جو اس نے کفار کو دنیا میں دی ہے اور اے نبی ہم نے کافروں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ ان کے حق میں نعمت نہیں بلکہ فتنہ اور بلاء ہیں ان سے ان کی آزمائش مقصود ہے اور اے نبی اپنے متعلقین اور گھروالوں کو بھی نماز کا حکم دیجیے اور اس طرح اپنے گھروالوں کو آگ سے چھڑائیے کما قال اللہ تعالیٰ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا** اور خود بھی اس پر قائم اور دائم رہئے۔ حدیث میں ہے کہ جب سچے سات برس کا ہو جائے تو اس کو (عادت ڈالنے کے لیے) نماز پڑھواؤ ہم تجھ سے کوئی روزی نہیں چاہتے۔ بلکہ ہم ہی تجھ کو روزی دیتے ہیں۔ یعنی جب تو ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرے گا۔ تو اللہ تجھ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا۔ جہاں سے تجھے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں کہ دنیا میں مالک غلاموں سے روزی کمواتے ہیں۔ وہ مالک ”برحق“ بندگی چاہتا ہے اور غلاموں کو روزی آپ دیتا ہے (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ نماز سے خدا کا فائدہ نہیں بلکہ بندوں کا فائدہ ہے کہ نماز کی برکت سے بے غل و غش اور بے غائم روزی ملتی ہے وہ مولائے برحق تمام عالم کے رزق کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مَزْجًا وَلَا رِزْقًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ** اور نیک انجام اہل تقویٰ کے لیے ہے دنیا اور آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہاں تک معرضین اور غافلین کے کچھ اقوال و افعال اور ان کے کچھ احوال کا بیان ہوا۔ اب آگے پھر ان معرضین اور معاندین کے ایک قول کا ذکر فرماتے ہیں۔ وہ یہ ہے اور یہ معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رسول ہمارے پاس اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے حسبِ منشاء اپنی نبوت کی کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آتا۔ یعنی جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں وہ معجزہ کیوں نہیں ظاہر کرتا۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کیا ان لوگوں کے پاس پہلی کتابوں میں کی واضح نشانی اور روشن دلیل نہیں آچکی۔

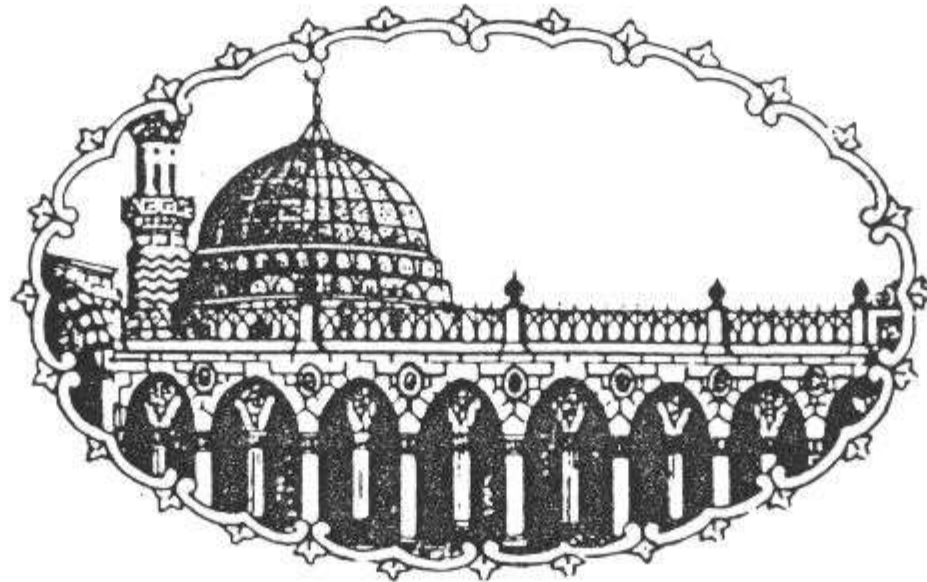
۱۔ اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ **زهرة الحياة الدنيا** متعنا یا اعطينا مقدر کا مفعول یہ ہے تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھیں۔

”صحف ادلی“ سے توریت اور انجیل اور زبور اور باقی کتب منزلہ مراد ہیں اور ان کتابوں میں آپ کی نبوت کی بشارت موجود ہے۔ كما قال الله تعالى النبي الاخرى الذي يجدونه مكتوباً عندهم في التوراة والانجيل ا و لَمْ يَكُنْ لَكُمْ ايةٌ اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ تو کیا یہ بات آپ کی نبوت و صداقت کے لیے کافی نشانی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل آپ کے چہرہ کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کی توریت اور انجیل اور زبور میں خبر دی گئی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ آپ کی نبوت کے لیے اگلی کتابوں میں آپ کے ظہور کی بشارت کافی ہے جس کے بعد کسی معجزہ کی ضرورت نہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ کیا ان کے پاس قرآن عظیم نہیں پہنچا جو اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور انبیاء سابقین اور اگلی امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور علوم ہدایت پر مشتمل ہے اور عالم کے لیے رحمت اور نعمت ہے جس کی آیتیں دن رات ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ اور اس کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے تو کیا یہ روشن نشانی آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے کافی نہیں اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اگر ہم معاذین کو اس قرآن کے نازل کرنے سے پہلے یا اس رسول کے بھیجنے سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو قیامت کے دن یہ کافر یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تو ہم ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی تیری ہی آیتوں کا اتباع کر لیتے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اب حیلہ اور بہانے کا وقت بھی ختم ہوا، ہم میں سے ہر ایک انجام اور نتیجہ کا منتظر ہے پس تم چندے اسی کا انتظار کرو۔ سو عنقریب یعنی مرنے کے بعد یا قیامت کے دن جان لو گے کہ کون ہیں راہ راست پر چلنے والے اور کون ہے کہ جو منزل مقصود تک پہنچ گیا ہم یا تم واللہ اعلم و علمہ واتم واحکم۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ

آج بتاریخ ۹ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ بروز یکشنبہ بوقت چاشت سورہ ظہ کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر سورۃ الانبیاء

اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء ہے یہ سورت بالاجماع مکی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس سورت میں سترہ پیغمبروں کا ذکر ہے کہ انہوں نے کس طرح حق کی تبلیغ کی اور اس کی دعوت دی اور کافروں نے کس طرح ان کو ایذا میں دیں اور انہوں نے کافروں کی ایذاؤں پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر اللہ نے انکو کامیاب فرمایا اور ان کے دشمنوں کا کیا عبرت خیز انجام ہوا اور یہ سورت دلائل توحید اور دلائل رسالت اور دلائل قیامت پر مشتمل ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور انہی مضامین کے اثبات اور تحقیق کے لیے بعض انبیاء سابقین کے اقوال ذکر کیے ہیں اور اس سورت میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

ایاتہا ۱۱۲ = ۲۱ = سورۃ الانبیاء مکیہ = ۳۰ رکوعا ۷

سورۃ انبیاء مکی ہے اور اس میں ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ

نزدیک آگیا لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر

مُعْرِضُونَ ① مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ

ٹلاتے ہیں۔ کوئی نصیحت نہیں پہنچتی اُن کو ان کے رب سے نئی

إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ② لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ط

مگر اس کو سنتے ہیں کھیل میں لگے۔ کھیل میں پڑے ہیں دل انکے

وَاسْرُوا النَّجْوَى ③ الَّذِينَ ظَلَمُوا ④ هَلْ هَذَا

اور چپکے مصلحت کی بے انصافوں نے یہ شخص کون

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَ وَ أَنْتُمْ

ہے؟ ایک آدمی ہے تم ہی سا، پھر کیوں پڑتے ہو جادو میں آنکھوں

تُبْصِرُونَ ۝۳ قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ

دیکھتے۔؟ اس نے کہا میرے رب کو خبر ہے بات کی، یا آسمان میں ہو

وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۴ بَلْ قَالُوا

یا زمین میں اور وہ ہے سنتا جانتا۔ یہ چھوڑ کہہتے ہیں

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۝۵

اڑتے خواب ہیں۔ نہیں، جھوٹ باندھ لیا ہے۔ نہیں، شعر کہتا ہے

فَلْيَاتِنَا بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝۶ مَا آمَنْتُ

پھر چاہیے لے آوے ہم پاس کوئی نشانی جیسے پیغام لائے ہیں پہلے۔ نہیں مانا اُن

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۚ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ۝۷

سے پہلے کسی بستی نے جو کھپائی ہم نے اب کوئی یہ مانیں گے۔؟

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ

اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے، مگر یہی مردوں کے ہاتھ کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان

فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۸

کو سوچو چھو یاد رکھنے والوں سے، اگر تم نہیں جانتے۔ اور

مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا

ایسے بدن نہ بنائے تھے وہ کہ کھانا نہ کھاویں اور نہ تھے

كَانُوا خَالِدِينَ ۝۹ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ

وہ رہ جانے والے۔ پھر سچ کیا ہم نے ان سے وعدہ پھر بچا دیا انکو

وَمَنْ نَّشَاءُ وَاهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۙ لَقَدْ أَنْزَلْنَا

اور جس کو ہم نے چاہا اور کھیا دیئے ہاتھ بھوڑنے والے۔ ہم نے اتاری ہے

إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۙ ۱۰

تم کو کتاب کہ اس میں تمہارا نام ہے کیا تم کو بوجھ نہیں۔ اور

كَمْ قَصَصْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا

کتنی توڑ ماریں ہم نے بستیاں جو تھی گنہگار۔ اور اٹھا کھڑے

بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ۙ ۱۱ فَلَمَّا أَحْسَسُوا بِأَسْنَانَا إِذَا

کیئے انکے پیچھے اور لوگ۔ پھر جب آہٹ پائی ہماری آفت کی

هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۙ ۱۲ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ

تبھی لگے وہاں سے ایڑ کرنے۔ ایڑ مت کرو اور پھر جاؤ جہاں تم کو

مَا أَتَرَفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ۙ ۱۳

عیش ملا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے۔

قَالُوا يَوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۙ ۱۴

کہنے لگے اے خرابی ہماری! ہم تھے بیشک گناہ گار۔

فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ

پھر یہی رہی ان کی پکار، جب تک

جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِدْلَيْنِ ۙ ۱۵

ڈھیر کر دیئے کاٹ کر بجھے پڑے۔

خبر دادن رب العزت از قرب قیامت برائے تنبیہ اہل غفلت از محاسبہ آخرت و تہدید منکرین نبوت و جواب دادن از اعتراضات برائے رسالت و آگاہیدن از انجام ظالمین انجم سابقہ برائے عبرت نصیحت

قال الله تعالى اقترَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ... الى... وَجَعَلْنَا هُمْ حَصِيدًا اخْبِدِينَ
(ربط) گزشتہ سورت کے آخر میں ذکر خداوندی سے اعراض کرنے والوں اور آخرت سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کا بیان تھا۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيلَةِ أَغْلَى۔ اور اسکے بعد کی آیت وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ۔ میں دنیا کے سامان زیبائش و آرائش پر نظر کرنے کی ممانعت تھی کیونکہ دنیا کی رونق پر نظر کرنا فتنہ عظیم ہے اور آخرت سے غفلت کا سبب ہے اس لیے ان آیات میں قُرْبُ سَاعَتِ (یعنی قرب قیامت) کی خبر دیتے ہیں کہ خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور آخرت کی فکر کریں۔ اور اس کے لیے کچھ تیاری کریں اور انبیاء کی ہدایت پر عمل کریں۔

نیز ان آیات میں منکرین نبوت کو تہدید اور ملامت کرتے ہیں اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوگوں کے لیے حساب کا وقت بہت قریب آگیا ہے یعنی قیامت بہت قریب آگئی ہے کیونکہ نبی الساعۃ یعنی نبی آخر الزمان مبعوث ہو گئے ہیں جن کا ظہور قیامت کی سب سے پہلی نشانی ہے حدیث میں ہے بعثت انا والساعۃ کھاتکین۔ یعنی میں اور قیامت اسی طرح ساتھ بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملایا۔ مطلب یہ تھا کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنا ہی فاصلہ رہے گا جتنا کہ ان دو انگلیوں میں ہے اور وہ ابھی تک غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اس کی کچھ تیاری نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اپنے اس اعراض پر مطمئن ہیں۔ اَلْوَغَاظِیۃ کا شجرۃ النَّاسِ فِی غَفْلَاتِهِمْ : وَرَحَا الْمَنِیۃ تَطْحَن۔

عے ترجمہ میں یہ لفظ یعنی بہت۔ اس لیے بڑھایا گیا کہ اقترَب کے معنی لغت میں زیادہ قریب ہونے کے ہیں کما قال تعالى اقترَبَتِ السَّاعَةُ وَالْوَعْدُ الْحَقُّ لفظ اقترَب میں بہ نسبت قرب کے زیادہ مبالغہ ہے۔ عے وَهُمْ مُعْرِضُونَ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو بسا اوقات دوام اور استمرار کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا تاکہ دوام اور استمرار کی طرف اشارہ ہو جائے۔ منہ عفا الله عنه۔

(یعنی لوگ اپنی غفلتوں میں پڑے ہوئے ہیں اور حالانکہ موت کی چکی چل رہی ہے اور لوگوں کو پیس رہی ہے۔)

یہ آیت منکرینِ حشر کے بارے میں ہے مگر اب عام طور پر مسلمان بھی فکرِ آخرت سے غافل ہیں خاص کر اس جدید تعلیم اور مغربی تمدن نے تو آخرت کے ذکر اور فکر کو ایک مجنونانہ خیال قرار دے دیا ہے اور یہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی جدید اور نئی نصیحت نہیں آتی جو ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرے مگر وہ اسکو ایسی لاپرواہی کے ساتھ سنتے ہیں گویا کہ کھیل میں لگے ہوئے ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے انکی نصیحت کے لیے ایک آیت کے بعد دوسری آیت آرہی ہے مگر وہ اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔ بہر حال ان کے دل اللہ کی یاد سے اور آخرت کی فکر سے بالکل غافل ہیں۔ لیکن نبوت و رسالت کے مٹانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور یہ ظالم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ایسی سرگوشیوں میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو ایک دوسرے کے کان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اسکے کہ تم ہی جیسا ایک معمولی آدمی ہے جو تمہاری طرح کھاتا اور پیتا اور چلتا اور پھرتا رہتا ہے۔ بھلا آدمی اور بشر بھی کہیں نبی اور رسول ہو سکتا ہے۔ ایک مثل کو دوسرے کی طرف رسول بنا کر بھیجنا ترجیح بلا مرجح ہے پس جب وہ تم جیسا بشر ہے تو تم کس لیے اس کے پاس جاتے ہو۔ اگر خدا کو نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجنا اور یہ شخص تم کو جو کرشمے دکھلاتا ہے وہ سب جادو ہے پس کیا تم جادو کے پاس آتے ہو حالانکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ یہ جادو ہے اور یہ شخص تم جیسا آدمی ہے کوئی فرشتہ نہیں۔ اول اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو انکی سرگوشی پر مطلع کیا اور پھر اپنے نبی کو اسکے جواب دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی انکے جواب میں یہ کہا کہ میرا پروردگار آسمان اور زمین کی ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ خواہ کیسے ہی چھپا کر کی جائے وہ تو ہر چیز کا سننے والا اور ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی سرگوشی اور کوئی پوشیدہ بات مخفی نہیں وہ تمہارے مشوروں سے مجھے مطلع کر دیتا ہے اور ان ظالموں نے آپ کو فقط جادو گر کہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ قرآن پرانہ اور پریشان خوابوں کا مجموعہ ہے یعنی قرآن شریف اللہ کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ نے خواب میں جو خلطِ ملت باتیں دیکھی ہیں یہ انکا مجموعہ ہے پھر اس پر بھی قائم نہ رہے بلکہ یہ کہنے لگے کہ یہ قرآن تو محمدؐ نے اپنی طرف سے جھوٹ بنا لیا ہے جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں یہ سب اس کے دل کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو اس نے اپنے جی سے بنا لیا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محمدؐ نے تو کبھی ساری عمر میں جھوٹ نہیں بولا تو کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹا تو نہیں بلکہ شاعر معلوم ہوتا ہے یہ سب مضامین اس کے شاعرانہ خیالات میں جن کی کوئی حقیقت نہیں غرض یہ کہ یہ لوگ حضور پر نورؐ کے بارہ میں حیرت زدہ

سے یہ لفظ اضغاثِ اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ خُذْ بِیْدِکَ ضِغْثًا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

تھے کبھی آپ کو ساحر کہتے اور کبھی شاعر کہتے اور کبھی مفتری بتلاتے اور کبھی قرآن کو خواب و خیال بتلاتے کما قال تعالیٰ اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيْلًا۔ غرض یہ کہ کفار کی یہ رنگ برنگ کی باتیں یا تو اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ سب حیرت زدہ ہیں اور حقیقت سے بے خبر ہیں یا اس بات کی دلیل ہیں کہ حق تعالیٰ کو پہچان چکے ہیں مگر سینہ زوری سے اسکو دفعہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے ادھر ادھر کی داہی تباہی کر کے حق کو رانا اور چھپانا چاہتے ہیں پھر اخیر میں یوں کہنے لگے کہ اچھا اگر ایسا نہیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں بلکہ اللہ کے پاس سے رسول ہو کر آیا ہے تو اس شخص کو چاہیے کہ ہمارے پاس اپنی نبوت اور رسالت کی کوئی ایسی نشانی لے آئے جیسی نشانیوں کے ساتھ پہلے رسول بھیجے گئے تھے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام اونٹنی لائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے لہذا اگر آپ بھی اس قسم کے معجزات ظاہر کر دیں گے تو ہم آپ کو رسول مان لیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے مشرکین عرب کا یہ سوال لغت اور عناد پر مبنی تھا اور ان کی یہ درخواست اس لیے نہیں تھی کہ حسب فرمائش انکو نشانی دکھلا دی جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ اللہ پاک حضور پر نور کو اس قدر نشانات دے چکا تھا کہ وہ انکی ہدایت کے لیے کافی اور وافی تھے۔ انکار کے لیے نئے نئے بہانے نکالتے رہتے تھے یہ ضروری نہیں کہ سارے پیغمبروں کے نشانات ایک ہی قسم کے ہوں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ ان کی ان باتوں کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کفار قریش سے پہلے کوئی بستی والے اس قسم کے فرمائی معجزات کو دیکھ کر ایمان نہیں لائے اور اس پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہم نے انکو ہلاک کیا کہ منہ مانگے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو کیا مکہ کے یہ ہٹ دھرم ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان کا شبہ تو پھر بھی باقی ہے گا کہ بشر کا رسول ہونا محال ہے اگرچہ وہ کیسی نشانی نہ دکھلا دے یعنی یہ لوگ ہندی اور عنادی ہیں، ان کو خواہ کتنی ہی نشانیاں دکھلا دی جائیں یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے پس ان کو نشانیاں دکھلانا بے فائدہ ہے اب آگے ان کے اس خیال کو باطل فرماتے ہیں کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا مگر جنس بشر سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، کبھی بھی فرشتہ کو رسول بنا کر اور نہ کسی عورت کو نبی بنا کر بھیجا، نبی ہمیشہ مرد ہوئے۔ پس اگر تم نہیں جانتے اور تم کو اس بارہ میں شک ہے تو سابق علماء توریت و انجیل سے دریافت کر لو۔ جن میں ہمیشہ نبی ہوتے رہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے کبھی کسی فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا جب بھیجا تو بشر ہی کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ کی نعمت ہے کہ تمہاری جنس میں سے رسول بھیجے تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے افادہ اور استفادہ میں سہولت ہو۔ ع

لوئے جنسیت کند جذب صفات

مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ مسلمانوں کی بات پر تو تم کو بھروسہ نہیں تو تم کو چاہیے کہ علماء اہل کتاب کی طرف رجوع کرو وہ نہ تو اس سے جاہل ہیں اور نہ اس کے منکر ہیں وہ رسولوں کے احوال سے واقف ہیں وہ تم کو

حقیقت حال کی خبر دیں گے اور مشرکین اگرچہ توریت اور انجیل کو نہیں مانتے تھے لیکن انبیاء کا جنس بشر سے ہونا جب نقل متواتر سے اور علماء کی متفقہ شہادت سے ان کے سامنے واضح ہو جائے گا تو عقلاً انکے قبول کرنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ مشرکین مکہ علماء توریت و انجیل کے علم و فضل کے معتقد تھے اور انکی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ آئندہ آیات میں پھر اسی شبہ کا دوسرے عنوان سے جواب دیتے ہیں کہ بشریت نبوت کے منافی نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے رسولوں کا ایسا جسم نہیں بنایا کہ وہ نہ کھاتے ہوں یعنی وہ فرشتہ نہیں تھے۔ جو کھانے اور پینے سے بے نیاز ہوتے۔ یہ کفار کے اس قول کا جواب ہے جو یہ کہتے تھے۔ مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ۔ یعنی اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے خلاصہ جواب یہ ہے کہ گزشتہ رسول آدمی تھے اور کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے نہ تھے یعنی ہم نے پیغمبروں کو ایسا نہیں بنایا کہ انہیں موت ہی نہ آئے جس طرح اور لوگوں کو موت آتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کو بھی موت آتی ہے یہ اس بات کا جواب ہے کہ جو کفار آپ کی موت کے منتظر تھے۔ نَتَرَبَّصُّ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی بشر کے لیے بقا اور دوام نہیں اور موت سے کسی کو فر نہیں و مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنَّ مَتَّ فَهُمْ الْخُلْدُ وَنَ۔

خلاصہ کلام۔ کہ خدا تعالیٰ نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب بشر تھے ظاہری اور جسمانی حیثیت سے اگرچہ وہ عام انسانوں کے مشابہ تھے مگر باطنی اور روحانی طور پر وہ فرشتوں سے بھی بالا اور بلند تھے۔ سب آدمی تھے بندوں کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے انکار اور کفر کیا اور فریقین میں مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں کافروں کو غلبہ ہوا۔ پھر چند روز بعد ہم نے پیغمبروں سے نجات اور غلبہ اور فتح کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھلایا۔ پس حسب وعدہ ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات دی یعنی اہل ایمان کو بچایا جنہوں نے انبیاء کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم انکو عذاب سے بچالیں گے اور انکے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے سو اس وعدہ کے مطابق ہم نے مؤمنین کو نجات دی اور کفر اور معصیت میں حد سے گزر جانے والوں یعنی کافروں اور مشرکوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا، پس اے قریش مکہ ہوش میں آجاؤ اس قسم کا وعدہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے کیا ہوا ہے بعد ازاں اللہ تعالیٰ قریش کو اپنی ایک خاص نعمت پر متنبہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اے قریش مکہ البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے اور وہ کتاب مستطاب تمکو دین اور دنیا اور معاش اور معاد کی صلاح اور فلاح کی راہیں بتاتی ہے یا یہ معنی ہیں کہ اس میں تمہارے لیے شرف اور بزرگی ہے کہ تمہاری زبان میں اللہ نے کتاب ہدایت نازل کی مگر تم نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور بجائے شکر کے اسکا کفر اور انکار کیا تو کیا تم سمجھتے نہیں کہ اپنے ظلم اور اسراف سے تائب ہو جاؤ اور اس کتاب ہدایت کو سراور آنکھوں سے لگاؤ جو تمہارے لیے کیمیائے سعادت ہے اور سمجھ جاؤ کہ ظلم اور اسراف یعنی حد سے گزر جانا قہر خداوندی کا سبب ہے تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کتنی بستیوں جو ظالم اور مسرف تھیں۔ اس ظلم اور اسراف کی سزا

میں ان کو توڑ پھوڑ کر چور چور کر دیا اور ایک ایک جوڑ کو دوسرے سے جدا کر دیا۔ یعنی سب کو ہلاک کر ڈالا۔ اور ان کے بعد دوسری قوم کو آباد کر دیا لہذا اگر تم بھی اپنے کفر اور ظلم اور بغض سے باز نہ آئے تو تمہاری بھی یہ گت بنے گی جو علت انکی ہلاکت کی تھی وہ تم میں بھی موجود ہے یعنی وہی ظلم و اسراف اور خدا اب بھی ہلاک کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ پس جب ان ظالموں اور حد سے گزرنے والوں نے ہمارے عذاب کو آتے دیکھا تو یہ ظالم فوراً ہی جانوروں کی طرح بے تحاشا اس بستی سے بھاگنے لگے حالانکہ یہ ظالم اور سرف پہلے انبیاءؑ اور اہل ایمان پر آواز سے کسا کرتے تھے جب عذاب الہی کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے تو گویا ان کے خیال میں یہ آیا کہ بھاگ کر عذاب الہی سے چھوٹ جائیں گے تو اس وقت بطور استہزاء اور بطریق مذاق اور ہنسی ان سے یہ کہا گیا کہ بھاگو نہیں اور اسی عیش و عشرت کی طرف لوٹو جس میں تم مسرت تھے اور اپنے مکانات اور محلوں کی طرف لوٹو جن میں تم رہتے تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اترتے تھے اور فخر کرتے تھے اور اپنے غلاموں اور خادموں کو حکم دیتے تھے اور غلام حاضر ہو کر کہتے تھے کہ حضور کیا حکم دیتے ہیں اب پھر اسی جگہ واپس چلے جاؤ شاید تم سے تمہارا حال پوچھا جائے یعنی تمہاری خیریت دریافت کی جائے یا حسب سابق تم سے ہمت امور میں کوئی مشورہ پوچھا جائے۔ یہ کہنے والے فرشتے تھے اور یہ پوچھنا بطور استہزاء اور تمسخر تھا کیونکہ پوچھتے تو اس وقت ہیں کہ جب کچھ شان بنی ہوئی ہو۔ بگڑے ہوئے اور خستہ حال کو کون پوچھتا ہے عرض یہ کہ جب فرشتوں نے ان سے یہ کہا کہ مت بھاگو تو اس وقت یہ ظالم یہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری خرابی اور کم بختی تو کہاں ہے اس وقت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے بے شک ہم لوگ ظالم اور قصور وار تھے کہ ہم نے رسول کو جھٹلایا اور ان کے قتل اور ایذا کے درپے ہوئے، ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو اپنے گناہ کا اقرار کیا اور نادام ہوئے مگر اس وقت کی ندامت بے فائدہ تھی تاریخ نکل جانے کے بعد سماعت نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں نے یٰوَيْلَنَا اَنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ کا نعرہ بلند کیا اور یہ خیال کیا شاید یہ نعرہ ہماری نجات کا سبب بن جائے پس مسلسل انکی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انکو جڑ سے کٹے ہوئے گھاس کی طرح سمجھے ہوئے اور مرجھائے ہوئے کر چھوڑا۔ یعنی سب مر گئے اور ٹھنڈے ہو گئے کہ جس حرکت نہ رہی اور ان کی آتش ظلم بالکل خاموش ہو گئی اور شعلہ حیات بجھ گیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ ہے

لٰہ فوراً۔ یہ لفظ اِذَا هُمْ کا ترجمہ ہے اور بے تحاشا بھاگنا اور دوڑنا یہ رکض کا ترجمہ ہے۔ رکض کے معنی لغت میں جانور کے بے تحاشا دوڑنے کے ہیں۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

لے یہ تمام یا ویلنا کی تفسیر ہے یا خوف ندا ہے اور ویل منادی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

لَعِبِينَ ۱۶) لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا لَا نَتَّخِذُهُ

کھیلتے ۔ اگر ہم چاہتے کہ بنا لیں کچھ کھلونا تو بنا لیتے ہم اپنے

مِنْ لَدُنَّا ۱۷) إِنْ كُنَّا فَعِلِينَ ۱۸) بَلْ نَقْذِفُ

پاس سے ۔ اگر ہم کو کرنا ہوتا ۔ یوں نہیں ، پر ہم پھینک

يَا حَقُّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط

ماتے ہیں سچ کو جھوٹ پر پھر وہ اس کا سر پھوٹا ہے پھر تب وہ شک

وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۱۸) وَلَهُ مَنْ فِي

جاتا ہے اور تم کو خرابی ہے ان باتوں سے جو بتاتے ہو ۔ اور اسی کا ہے جو

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

کوئی ہے آسمان و زمین میں اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں بڑائی نہیں

عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۱۹) يَسْبَحُونَ اللَّيْلَ

کرتے اسکی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی ۔ یاد کرتے ہیں رات

وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۲۰) أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنْ

اور دن نہیں تھکتے ۔ کیا ٹھہرائے انہوں نے اور صاحب

الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۲۱) لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا

زمین میں کے وہ اٹھا کھڑا کریں گے ۔ اگر ہوتے ان دونوں میں اور حاکم سوا

اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۲۲) فَسُبْحَنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

اللہ کے ، دونوں خراب ہوتے سو پاک ہے اللہ تخت کا صاحب ان باتوں سے

يَصِفُونَ ۲۳) لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۲۴)

جو بتاتے ہیں ۔ اس سے پوچھا نہ جاوے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے ۔

أَمَّا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

کیا پکڑے ہیں انہوں نے اس سے ورے اور صاحب؟ تو کہہ لاؤ اپنی سند -

هَذَا ذِكْرٌ مَنْ مَعِيَ وَذِكْرٌ مَنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلوں کی۔ کوئی نہیں، پر وہ بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

نہیں سمجھتے سچی بات، پھر ٹلاتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا

تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے، کسی

إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٤﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ

کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کرو۔ اور کہتے ہیں رحمن نے کر لیا کوئی

وَلَدًا سُبْحَنَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٥﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ

بیٹا۔ وہ اس لائق نہیں لیکن وہ بندے ہیں جنکو عزت دی۔ اس سے بڑھ کر نہیں

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ ﴿٢٦﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بول سکتے۔ اور اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ اس کو معلوم ہے جو انکے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ

آگے اور پیچھے اور وہ سفارش نہیں کرتے۔ مگر اس کی جس

أَرْتَضَىٰ وَهُمْ مِنَ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٧﴾ وَمَنْ

سے وہ راضی ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور جو کوئی

يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌُ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكِ نَجْزِيهِ

ان میں کہے کہ میری بندگی ہے اس سے ورے سو اس کو ہم بدلہ دیں

جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۚ

دوزخ - یوں ہی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو -

بیان توحید البطلان شرک

قال الله تعالى وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ... كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۚ
(ربط) ابتداء سورۃ سے لیکر یہاں تک کا مضمون تحقیق نبوت و رسالت سے متعلق تھا، اب آئندہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرو تاکہ تم کو اللہ کی معرفت حاصل ہو عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی غفلت اور اعراض اور ان کے لہو و لعب کو بیان کیا اب آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کھیل تماشہ نہیں بلکہ حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے یہ عالم پیدا کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ وہ دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے نہ عذاب ہے اور نہ ثواب ہے اور نہ کوئی دار و گیر اور پکڑ دھکڑ ہے۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى - تم کو چاہیئے کہ آسمان اور زمین کی پیدائش کو کھیل اور تماشہ نہ سمجھو بلکہ اس کے عجائب و غرائب میں نظر اور فکر سے کام لو اور گزشتہ بستیوں کو جو ہلاک اور برباد کیا گیا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ انہوں نے دنیا کو کھیل اور تماشہ سمجھا اور جس غرض کے لیے دنیا پیدا کی گئی اس سے غفلت اور اعراض برتا۔ اور آسمان و زمین کے عجائب میں غور و فکر سے اسکے صالح اور خالق کا پتہ نہ لگایا اور انبیاء و رسل نے جب انکو خبردار کیا تو انکی تکذیب کی۔ حق تعالیٰ نے اس تکذیب کی پاداش میں ان پر عذاب نازل کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل اور تماشہ کے لیے اور دل بہلانے کے لیے نہیں پیدا کیا۔ گزشتہ بستی والوں کی طرح کوئی نادان یہ گمان نہ کرے کہ یہ سارا عالم کھیل اور تماشہ ہے اور انسان دنیا میں کھیل تماشہ کے لیے اور مزے اڑانے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بہت سے آزاد منشوں کا خیال ہے کہ انسان طبعاً آزاد پیدا ہوا ہے جو اس کا جی چاہے کرے۔ انسان مرنے کے بعد نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ ثواب نہ عذاب ہے سو یہ گمان بالکل غلط ہے بلکہ انسان خدا کا بندہ ہے اور اسکا پیدا کیا ہوا ہے۔ بندہ کا خدا سے آزاد ہو جانا ناممکن اور محال ہے خدا نے بندہ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ آسمان اور زمین کی عجائب صنعت میں غور و فکر سے اسکے خالق کی معرفت حاصل کرے اور عالم کی اس ظاہری آرائش اور رونق سے دھوکہ نہ کھائے اور خوب سمجھ لے کہ اس عالم کی پیدائش عبرت اور بے فائدہ نہیں بلکہ اظہار قدرت کے لیے اور کمال حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

بنگم بچشم فکر کہ از عرش تا فرش : در سچ ذرہ نیست کہ سترے عجیب نیست

اور معرفت صالح کے بعد اپنے خالق اور پروردگار کی عبادت اور اطاعت کریں اور یقین کریں کہ یہ دنیا آخرت کے لیے پیدا کی گئی ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو ہر نیک و بد کی جزا و سزا ملتی ہے اور ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بِإِلَافٍ ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ یعنی کافروں کا گمان یہ ہے کہ اس عالم کی پیدائش عبث اور بے فائدہ ہے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کچھ نہیں۔ گزشتہ امتیں اسی خیال باطل میں مبتلا تھیں کہ یہ دنیا محض کھیل اور تماشہ ہے اور جزا و سزا کوئی چیز نہیں۔ اس لیے سب کے سب تہ و بالا کر دیئے گئے تاکہ مجرموں اور منکروں کو اس طرح سزا دی جائے اور اگر ہم کھیل اور تماشہ بنانے کا ارادہ کرتے جسکے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد تو یہ چیزیں ہم اپنے پاس سے بنا لیتے جو ہماری شان کے لائق ہوتیں کیونکہ ہمارے پاس کی چیزیں جسمانی آلائشوں سے بالکل پاک اور منزہ ہیں جیسے ملائکہ جن کو ہم نے خالص نور سے پیدا کیا ہے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے تو ہمارے پاس کیا کمی تھی مگر ہم تو اس سے منزہ ہیں۔ ہم کو بیوی بچوں کی کوئی احتیاج نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں اس لیے ہم نے اسکو نہیں چاہا۔ اس آیت میں نصاریٰ اور یہود اور مشرکین کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو خداوند پاک کی طرف پروردگار اور خیر و برکت کی نسبت کرتے ہیں اور فرزندیت اور زوجیت کے دونوں قول باہم متلازم ہیں۔ کما قال تعالیٰ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَانَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ فرزند بنا نا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں جس کو چاہتا پھانت لیتا مگر بارگاہ الہی اس سے مقدس ہے سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ۔ اور اگر بضر محال ہم بنا ہی لیتے تو وہ ہماری بنائی ہوئی چیز ہوتی اور مخلوق اور حادث ہوتی۔ خدا اور معبود تو نہ ہوتی۔ کما قال تعالیٰ لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا لَاصْطَفَىٰ مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ سُبْحَانَهُ هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ غرض یہ آسمان و زمین کے بنانے سے ہمارا مقصود کھیل اور تماشہ نہیں۔ ہماری ذات لہو و لعب سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اوپر سے حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں پھر وہ حق اس باطل کا دماغ اور بھیجہ پھیل کر دیتا ہے۔ پس وہ باطل ناگہاں بے جان ہو جاتا ہے اور اس کا سارا دم ختم ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کھیل اور تماشہ نہیں بلکہ میدان کارزار ہے۔ حق باطل پر حملہ آور ہوتا ہے اور اسکا سر کچل ڈالتا ہے جس سے وہ باطل جانبر نہیں ہوتا اور حق میں دین کی تمام باتیں اور باطل میں کفر و شرک اور معصیت کی تمام باتیں داخل ہیں۔ جن و انس کی پیدائش سے مقصود خالق کی بندگی ہے اور اے باطل پرستو تمہارے لیے کم بختی اور بربادی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم خدا کے اوصاف بیان کرتے ہو۔ یعنی تم لوگ جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا اور بیٹیاں سجوز کرتے ہو یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری ہلاکت اور بربادی کا سامان ہے۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اسکی عبودیت اور بندگی میں لگی

ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت ہے جو کوئی آدمی یا جن یا فرشتہ وغیرہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسکی مخلوق اور مملوک ہے اور خاص کر جو فرشتے اسکے پاس ہیں اور پروردگار الہی کے مقرب ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو انکی شان تو یہ ہے کہ وہ ذرہ برابر اسکی عبادت سے بکتر نہیں کرتے اور نہ کبھی اس کی عبادت سے تھکتے ہیں۔ دن رات اسکی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں کبھی تسبیح نہیں پڑھتے یعنی ان کی تسبیح و تقدیس مسلسل اور متواتر ہے بیچ میں وقفہ نہیں کیونکہ تسبیح انکے بمنزلہ سانس کے ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو معبود بنانا حماقت ہے اس آیت میں آسمان کی چیزوں کے معبود بنانے کو باطل فرمایا۔ اب آئندہ آیت میں زمین کی چیزوں کو معبود بنانے کا ابطال فرماتے ہیں کیا ان بت پرستوں نے زمین کی چیزوں میں سے یعنی اینٹ اور پتھر میں سے معبود بنالیے ہیں کیا یہ بت مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں یعنی معبود تو وہ ہے کہ جو جلانے اور پیدا کرنے پر قادر ہو اور ایسا تو صرف اللہ ہی ہے لہذا بتوں کو معبود ٹھہرنا کمال حماقت ہے کہ ان نادانوں نے سفلیات کو اور ایسی چیزوں کو جو پیدا کرنے پر ذرہ برابر قادر نہیں انکو خدا کا ہمسر ٹھہر لیا اور جب تمہارے یہ خود ساختہ بت تمہارے اعتقاد میں بھی مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں تو انکو معبود ٹھہرانا پر لے درجے کی بے وقوفی ہے غرض یہ کہ اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور حماقت بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں متعدد معبود ہونے کے بطلان پر ایک دلیل عقلی اور برہان قطعی قائم کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تعدد الہ قطعاً باطل ہے اور دلیل یہ ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا انکے مدبر اور ان میں متصرف ہوتے اور سب کے سب فی الحقیقت صفات الوہیت کے ساتھ با وجہ الکمال والتمام موصوف ہوتے اور کمال قدرت و اختیار کے ساتھ انکے مدبر اور ان میں متصرف ہوتے تو بلاشبہ دونوں خراب اور برباد ہو جاتے۔ یعنی عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا اور طلوع و غروب اور دن اور رات اور گرمی اور سردی اور بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں اور چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں اور دن رات آرہے ہیں اور جارہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسب دستور جاری ہے غرض یہ سارا خانہ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی دئیہ پر چل رہا ہے معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی خدا ہے جسکے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں پس اگر اللہ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اور چند خدا شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا کیونکہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں

حلے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ فیہما کی ظرفیت باعتبار تدبر اور تصرف کے ہے نہ کہ باعتبار استقرار اور تمکن کے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۲۳ ج ۱۷)

حلے کذا فی شرح المسایرة لابن الہمام و حواشیہا ص ۵۵ و فی کتاب الانصاف للباقلانی ص ۳۴

میں تمناع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئیگا جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا لیکن آسمان و زمین کا قیام اور انکا نظام باحسن وجہ سبب کے سامنے ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو الہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم و نسق کو دیکھ کر اسکی وحدانیت کے قائل ہو جائیں۔

عارف جامی فرماتے ہیں۔

گر خدا بودے از یکے افزوں کے بماندے جہاں بدیں قانون
ور فیض وجود بستہ شدے تار و پود بقا گستہ شدے
ہمہ عالم عدم شدے باہم بلکہ بیرون نیامدے ز عدم
داند آن کش ز عقل باشد بہر کہ دو شہ را چو جاشود یک شہر
سلک جمعیت از نظام افتد رخنہ در کار خاص و عام افتد

اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ دو خدا ایک ہی تدبیر پر بالکلیہ اور یہ ہمہ وجہ متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے خدا کی کسی وقت کسی امر میں ذرہ برابر بھی مخالفت نہ کرے اس لیے کہ جب دو خدا ہونگے اور دونوں مستقل خدا ہوں گے تو لامحالہ ہر ایک کی صفات اور ہر ایک کا علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار بھی دوسرے خدا کی صفات اور اسکے علم اور قدرت اور ارادہ اور اختیار سے مختلف اور جدا ہوگا اس لیے کہ صفات، ذوات کے تابع ہوتی ہیں جب ذوات متعدد اور مختلف ہیں تو لامحالہ صفات بھی مختلف ہوں گی۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ ذوات تو مختلف ہوں اور صفات خداوندی چونکہ لازم ذات ہیں اور ازلی اور ابدی اور قدیم ہیں جن میں کسی قسم کے تغیر اور تبدل کا امکان نہیں تو لامحالہ جب دو خدا ہونگے اور انکے علم اور ارادے بھی ضرور مختلف ہونگے اور انکا اختلاف بھی ذاتی ہوگا جس میں تغیر و تبدل کا کوئی امکان نہ ہوگا تو لامحالہ انکے افعال بھی مختلف ہونگے اور نظام عالم بھی مختلف ہوگا ہر جزئی دوسری جزئی سے مختلف ہوگی۔ پس جب ہر خدا کی تدبیر اور اسکا تصرف دوسرے خدا کی تدبیر اور تصرف سے مختلف ہوگا تو کارخانہ عالم ضرور درہم برہم ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا جنس خدا کا موجود ہونا محال ہے یعنی کسی اور خدا کا ہونا محال ہے۔ کہ جس کے ماننے سے یہ محال اور خرابی لازم آتی ہے عقلاً یہ بات محال ہے کہ یہ کہا جائے کہ دو درزیوں میں سے ہر ایک درزی نے بعینہ اس ایک کرتہ کو سیا ہے یا بعینہ ایک ہی طعام کو دو شخصوں میں سے ہر ایک نے بعینہ یہ طعام کھایا ہے۔ دو موثر تمام القدرۃ اور مستقل الاختیار کے دو مستقل قدرتوں سے ایک ہی کا اثر نمودار ہونا عقلاً محال ہے یہ آیت حق جل شانہ کی توحید کی ایک دلیل عقلی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمناع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور تزام ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح اگر آسمان و زمین کے چند خدا ہوتے تو ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور تزام ہوتا۔

اور ہر ایک اپنا ہتھیار اور حکم چلانا چاہتا اس لیے کہ خدائی کے لیے انتہائی کبریائی اور قہر اور غلبہ اور فوقیت لازم ہے جس میں برابری اور ہمسری کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ دو خداؤں میں صلح و اتفاق کا کوئی امکان نہیں۔ دینا ہی دیکھ لو کہ برابر کے دو مستقل اور باختیار حاکموں میں تنازع اور تمانع یعنی باہم اختلاف اور تزام کا واقع ہونا ایک لازمی امر ہے اور تخالف اور تزام کے لیے فساد اور خرابی لازم ہے خاص کر جبکہ ہر ایک صاحب قدرت ہو پس اگر خدا تعالیٰ کے سوا چند خدا ہوں جو اس عالم کے کاموں کی تدبیر کریں تو ہر خدا اپنی اپنی رائے اور اختیار کو پورا پورا جاری اور نافذ کرنا چاہے گا اس لیے کہ قدرت کاملہ اور اختیار کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہے نافذ کر سکے اور سب پر قابہ اور غالب رہے اور کسی کو مجال دم زدنی نہ ہو۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان و زمین تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکراؤ اور رسہ کشی ہوگی تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا آفتاب اور مانتاب کا طلوع اور غروب اور لیل و نہار کی آمد و رفت اور آسمان سے بارشوں کا برسنہ اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا ابتداء آفرینش عالم سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے مگر اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ عالم ایک ہی خدا کی تدبیر اور نصرت سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اسکا شریک اور سہیم ہو اور وہ صرف ایک ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں اثبات توحید اور تعدد الہ کے ابطال پر جو دلیل ذکر فرمائی ہے وہ دلیل عقلی بھی ہے منطقی پیرایہ میں اس کی تعبیر یہ ہے کہ اثبات مدعی کے لیے ایک صغریٰ چاہیئے اور ایک کبریٰ چاہیئے کہ دونوں مقدموں کے ملانے سے نتیجہ نکل سکے۔ سو اس دلیل کا صغریٰ یہ ہے کہ تعدد الہ مستلزم فساد عالم ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ فساد عالم منتفی ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد الہ باطل اور منتفی ہے اور جب خدا کا متعدد ہونا باطل ٹھہرا تو خدا کی وحدانیت ثابت ہو گئی۔

اصطلاح علماء میں یہ دلیل۔ ”برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے اور تمانع کے معنی تزام اور تنازع اور تخالف کے ہیں۔ لہذا اس دلیل کو دلیل تزام اور دلیل تنازع اور دلیل تخالف بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ

الفاظ تقریباً مترادف ہیں۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس جہت اور برہان کا ذکر ہے وہ اقناعی ہے اور شرط اور جزاء کے درمیان لزوم عادی ہے عقلی اور قطعی نہیں جیسا کہ بولتے ہیں کہ دو بادشاہ ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے اور دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ اور دیگر حضرات متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ برہان قطعی ہے حضرات اہل علم اس برہان کے قطعی یا اقناعی ہونے کی تفصیل کے لیے۔

اتحاف شرح احیاء العلوم از ص ۱۲ جلد ۲ تا ص ۱۳۵ جلد ۲ کی مراجعت کریں۔

حق جل شانہ نے اس دلیل کو اس آیت میں مختصراً اور مجملاً ذکر فرمایا ہے امام فخر الدین رازیؒ اور دیگر حضرات متکلمین نے جو اس دلیل کی تقریر فرمائی ہے ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ آیت کریمہ کے چند الفاظ کے تحت علم اور استدلال کا دریا کیسا موجزن ہے۔

دلیل تمنع کی پہلی تقریر

خداوند عالم ایک ہے کوئی اسکا شریک اور ہم نہیں اس لیے کہ دو خداؤں کے وجود کا قائل ہونا محال کو مستلزم ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہے لہذا دو خداؤں کا وجود قطعاً محال اور ناممکن ہے دلیل کا اصل یہ ہے کہ اگر دو خدا فرض کیئے جائیں اور دونوں صفات الوہیت کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف ہوں تو ضروری ہے۔

- ۱۔ کہ ہر ایک خدا قادر مطلق ہو اور اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہو اور جملہ مقدرات پر قادر ہو کوئی ذرہ اسکی قدرت سے باہر نہ ہو اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب اس کے قبضہ قدرت میں مسخر اور مقہور نہ ہو بلکہ اس کی قدرت غیر محدود اور غیر متناہی ہو۔

۲۔ اور خدا کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہو۔

۳۔ اور سب سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہو یکتا اور بے مثال اور بے نظیر ہو۔

۴۔ اور غنی مطلق ہو یعنی جمیع ماسوا سے مستغنی اور بے نیاز ہو۔

۵۔ اور عجز اور لاچارگی اور مجبوری کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہو بغیر ان صفات کمالیہ کے خدائی ناممکن اور محال ہے ورنہ پھر بندوں نے کیا قصور کیا کہ وہ خدا نہ بن سکیں۔

پس اول تو یہ صفات الوہیت ہی۔ وحدانیت کی دلیل ہیں اس لیے کہ سب سے اعلیٰ اور بالا اور سب سے برتر ہونا اور اس کی قدرت کا غیر متناہی ہونا اور کسی کا اس سے بڑھ کر نہ ہونا ایک ہی ذات میں منحصر ہے اگر کوئی دوسرا اس کے برابر کا ہو تو یہ خدا سب سے اعلیٰ اور بالا نہ رہے گا اور جو دوسرا اس کے برابر کا ہو گا تو وہ اس کے قبضہ قدرت میں مسخر نہ ہو گا تو وہ پہلا خدا قادر مطلق اور قادر مطلق نہ رہے گا اور اگر باہم ہمہ پھر بھی کوئی تعدد الہ یعنی چند خداؤں کے وجود کا قائل ہوتا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ اگر آسمان و زمین میں دو یا دو سے زیادہ خدا ہیں تو لامحالہ دونوں اسی شان کے ہوں گے جو خدا کے لیے ضروری ہے ورنہ خدا نہ ہونگے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے

کہ اس عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق اور اسکی تدبیر اور اسکا انتظام دونوں خداؤں کے کئی اتفاق سے چل رہا ہے یا کبھی کبھی اختلاف بھی پیش آجاتا ہے جو صورت بھی لی جائے محال لازم آئیگا۔ اتفاق کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ عالم۔ دونوں خداؤں کی مجموعی قوتوں اور اجتماعی قدرتوں سے پیدا ہوا ہے یا دوسری صورت اتفاق کی یہ ہے کہ دونوں خداؤں میں سے ہر خداً مستقلاً اس عالم کا خالق اور موجد ہے پس اگر اتفاق کی پہلی صورت لی جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ دونوں خداؤں کے اتفاق سے دونوں کی مجموعی قوتوں سے کارخانہ عالم کا کام چل رہا ہے تو اس صورت میں یہ محال لازم آئیگا کہ دونوں میں سے کوئی بھی مستقل خدا نہ رہے گا بلکہ دونوں یا تینوں کا مجموعہ مل کر خدا ہو گا علیحدہ علیحدہ کوئی بھی خدا نہ ہو گا بلکہ ایک کمیٹی مل کر خدا بنے گی اس لیے کہ اس صورت کا حاصل تو یہ ہو گا کہ ایک خدا سے کام نہیں چل سکتا تھا، اس لیے دونوں خداؤں نے مل کر عالم کا انتظام کیا پس جب کسی خدا کو بھی تنہا عالم کے انتظام پر قدرت نہ ہوئی بلکہ انتظام کے لیے دوسری قوت اور قدرت کا محتاج ہوا تو معلوم ہوا کہ اسکی قدرت ناقص ہے اور جس کی قدرت ناقص ہو اور انتظام میں دوسری قوت کا محتاج ہو تو وہ خدا نہیں ہو سکتا مثلاً اگر دو قوتیں مل کر کسی پتھر کے ٹوٹھکانے کا سبب بنیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص کی انفرادی قوت اس پتھر کے ٹوٹھکانے کے لیے کافی نہیں بلکہ دونوں کے مجتمع ہونے کی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں ہر ایک کی قوت ناتمام اور نا کافی ہوگی اور دوسری قوت کی محتاج ہوگی کہ اسکے ساتھ مل کر پتھر کو ٹوٹھکا سکے۔ تو اگر دو خداؤں میں بھی یہی صورت فرض کی جائے تو لازم آئیگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے اس لیے کہ ہر ایک ناقص ہے اور تنہا ایجاد عالم کے لیے نا کافی ہے بلکہ اس صورت میں دونوں کا مجموعہ مرکب بمنزلہ ایک خدا کے قرار پائے گا تو اس صورت میں خدا کا مرکب ہونا لازم آئیگا اور خدا کا مرکب ہونا محال ہے کیونکہ جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ حادث اور ممکن ہوتی ہے اور خدا کا واجب الوجود ہونا عقلاً ضروری ہے۔

اتفاق کی دوسری صورت

اور دو خداؤں میں اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ ہر خداً مستقل خدا ہے اور اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے اور دونوں یا تینوں خدا کسی ایک ارادہ پر سب متفق ہیں اور دونوں یا تینوں خداؤں کے ارادہ سے یہ عالم وجود میں آیا ہے اور ہر خدا کی قدرت اور تاثیر کو مستقلاً اسکے وجود میں دخل ہے تو یہ صورت بھی محال ہے اس لیے کہ اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ ایک مقدور پر دو مستقل قدرتیں طاری اور وارد ہو جائیں اور ایک شے واحد دو علتیں مستقلین کی معلول بن جائے اور عقلاً یہ امر محال ہے کہ ایک شے کی دو علتیں تامہ ہوں ایک علت تامہ کے بعد دوسری علت تامہ فالتو ہے اور ایک قدرت کاملہ کے بعد دوسری قدرت کاملہ بیکار ہے ایک مقدور کا دو مستقل قادروں سے وقوع اور حصول عقلاً محال ہے اسی طرح سمجھو ایک عالم کی دو علت تامہ اور دو خالق مستقل بالتاثر نہیں ہو سکتے جب ایک شے ایک خالق مستقل کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آگئی تو یہ امر محال ہے کہ اب وہی شے بعینہ دو سکے خالق کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آئے جو شے ایک خدا کے ارادہ سے وجود میں آگئی اور آچکی تو دوسرا خدا اس کو کیسے موجود کرے گا موجود، کو موجود کرنا تحصیل حاصل ہے۔ ایجاد تو

معدوم چیز کی ہوتی ہے۔ موجود کی ایجاد تحصیل حاصل ہے جو بلاشبہ محال ہے اور اگر بضر محال یہ مان لیا جائے کہ یہ عالم دو یا تین خداؤں کی ایجاد اور تاثیر سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا اپنی ایجاد اور تاثیر میں مستقل ہے تو لازم آئے گا کہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہو کیونکہ ایجاد کے معنی وجود کے عطا کرنے کے ہیں۔ پس اگر یہ عالم دو خداؤں کی ایجاد سے وجود میں آیا ہے اور ہر خدا نے اپنے پاس اسکو وجود عطا کیا ہے تو لامحالہ اس عالم کے پاس دو وجود ہونے چاہئیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں یہ عالم صرف ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف اور موجود ہے اور یہ امر یعنی عالم کا ایک وجود کے ساتھ موجود ہونا بدیہی اور مسلم ہے۔ دنیا میں کوئی عاقل عالم کے لیے دو وجود یا تین وجود کا قائل نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود عطا ہوا ہے اور اسکا موجد یعنی معطی وجود ایک خدا ہے ورنہ اگر اسکو دو خدا کی طرف سے وجود ملتا تو اسکے پاس دو وجود ہوتے مثلاً اگر کسی شخص کو در آمدی علیحدہ علیحدہ ایک روپیہ دیں تو اس کے پاس دو روپے ہونے چاہئیں۔ عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ ایک فقیر کو دو آدمیوں نے علیحدہ علیحدہ روپیہ دیا لیکن وہ دو روپے جب اسکی جیب میں پہنچے تو ایک روپیہ بن گئے۔ اسی طرح اگر اس عالم کے دو خالق اور دو موجد ہوں اور ہر خالق اسکو وجود عطا کرتا تو اس کے پاس دو وجود ہوتے اور یہ عالم دو وجود کے ساتھ موصوف ہوتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز ایک ہی وجود کے ساتھ موصوف ہے اور ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے، دو وجود کے ساتھ موجود نہیں آخر وہ دوسرے خدا کا عطا کردہ وجود کہاں چلا گیا، لہذا معلوم ہوا کہ اس عالم کو ایک ہی خدا کی طرف سے وجود ملا ہے دو خداؤں کی طرف سے نہیں ملا۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس عالم کا خالق اور موجد ایک ہی خدا ہے جس نے اس عالم کو وجود کا یہ خلعت عطا کیا ہے۔

اختلاف کی صوت

اگر دو خداؤں میں تنازع اور تمانع یعنی اختلاف کی صورت فرض کریں کہ ان دو موجودوں میں کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے تو محالہ اختلاف کی صورت میں دونوں میں مقابلہ ہوگا۔ ایک خدا کچھ چاہے گا اور دوسرا اس کے خلاف چاہے گا۔ ایک خدا کسی شئی کا ہونا چاہے گا اور دوسرا اسکا نہ ہونا چاہے گا تو یہ صورت خدائی میں رسمہ کشی اور زور آزمائی کی ہوگی۔ دونوں طرف کے خداؤں میں مقابلہ ہے اور ہر ایک کی قدرت کامل ہے پس جب دو خداؤں میں اختلاف اور مقابلہ ہوگا تو عقلاً تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں دونوں برابر ہوں اور دونوں کا چاہا پورا ہو جائے یعنی دونوں خداؤں کی مراد پوری ہو تو اس صورت میں اجتماع نقیضین لازم آئے گا اور یہ محال ہے اس لیے کہ ایک ہی وقت زید کا پیدا ہونا یا نہ پیدا ہونا یا ایک ہی وقت میں زید کا حرکت کرنا یا نہ کرنا پورا ہو جائے یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو بالاتفاق عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ وقت واحد میں زید زندہ بھی ہو جائے اور اسی وقت مر بھی جائے اور ایک ہی وقت میں زید متحرک بھی ہو اور ساکن بھی ہو۔

دوسری صورت

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مقابلہ میں ایک خدا کا چاہا تو پورا ہوا۔ اور دوسرے خدا کا چاہا پورا نہ ہوا تو اس صورت میں ایک خدا تو اپنے ارادہ میں غالب آیا اور دوسرے مغلوب ہوا۔ سو جو مغلوب ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جو مغلوب ہوا وہ عاجز ہوا۔ اور عاجز خدا اور واجب الوجود نہیں ہو سکتا۔ خدا وہ ہے کہ جو ظاہر اور غالب ہو لہذا اگر مقابلہ میں دو خداؤں میں سے ایک خدا کی مراد پوری ہوئی تو وہ تو قادر اور ظاہر ہوا اور جس خدا کی مراد پوری نہ ہوئی وہ عاجز اور مغلوب اور مقہور ٹھہر بہر حال مقابلہ کی اس صورت میں خدا ایک رہا دوسرے خدا نہ رہا۔

تیسری صورت

اور دو خداؤں میں مقابلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ اختلاف اور نزاع کی صورت میں کسی خدا کی بھی مراد پوری نہ ہو تو اس صورت میں اول تو ارتفاع نقیضین لازم آئے گا جو بالفاق عقلاء محال ہے، دوم یہ کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا نہ رہے گا۔ اس لیے کہ دونوں اپنے ارادوں میں عاجز ہیں پس ثابت ہوا کہ دو یا چند معبود ماننے کی صورت میں محال لازم آتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ عالم علوی اور سفلی سب کا خدا ایک ہی ہے اب کچھ تعالے ہماری اس تقریر سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آسمان و زمین میں کئی خدا ہوں اور سب باہم متفق ہوں اور کارخانہ عالم سب کے اتفاق سے چل رہا ہو جیسا کہ جمہوری سلطنتوں میں ایسا ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں نظام عالم میں کوئی فساد لازم نہ آئے گا تو ہماری تقریر سے اس وسوسہ کا جواب ہو گیا الوہیت میں جمہوریت نہیں چلتی الوہیت میں یہ صورت ناممکن اور محال ہے کہ ایک ہی چیز پر دو مستقل اور کامل قدرتیں جمع ہوں اور یہ کہا جائے کہ یہ چیز دو قدرتوں کے مجموعہ سے وجود میں آتی ہے اسکا مطلب تو یہ ہو گا کہ ایک خدا کی انفرادی قدرت اس شئی کے وجود کے لیے کافی نہیں۔ جب تک دونوں قدرتیں جمع نہ ہو جائیں، اس وقت تک یہ شئی موجود نہیں ہو سکتی اور جب کسی شئے کے وجود کے لیے دو خدا کی قدرتوں کا جمع ہونا ضروری ہو تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ ہر خدا کی قدرت الگ الگ ناقص اور ناتمام ہے اور تنہا ایک خدا اس چیز کے پیدا کرنے پر قادر نہیں تو پھر دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہا بلکہ دونوں کا مجموعہ مل کر خدا ہوا اور اگر یہ کہو کہ ایک خدا کی قدرت اس چیز کے موجود کرنے کے لیے کافی ہے تو اس صورت میں دوسرے خدا کی قدرت بے کار ہو جائے گی اور دوسرا خدا خدا نہ رہے گا، اس لیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا کہ جس کی قدرت کے بغیر کوئی چیز پیدا ہو سکے، یہ بارگاہ الوہیت ہے کوئی کارخانہ صنعت و حرفت تو نہیں کہ جو دو آدمیوں کی شرکت سے چل سکے۔

بہر حال اگر دو قادر مطلق کسی ارادہ پر متفق بھی ہو جائیں تو اس اتفاق میں وہ مجبور نہیں اور نہ ان پر یہ امر واجب اور لازم ہے کہ وہ آپس میں ضرور متفق رہیں ورنہ ہر ایک کا عاجز اور مجبور ہونا لازم آئے گا اور کوئی بھی خدا نہ رہے گا۔ ایک خدا پر دوسرے خدا کی موافقت واجب نہیں وہ اگر چاہے تو دوسرے کے خلاف بھی کر سکتا ہے ایک خدا دوسرے خدا کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور نہیں، اگر وہ اس اتفاق پر مجبور ہو جائے تو اسکا فعل اضطرابی ہو گا نہ کہ اختیاری حالانکہ قدرت میں اختیار شرط ہے خدا وہ ہے جو قادر مطلق ہو اور کسی امر پر مجبور نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اختلاف کی صورت میں ایک ہی خدا رہ سکتا ہے دوسرے خدا نہیں رہ سکتا اور اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے

لیے یہ مان لیا جائے کہ عقلاً یہ جائز ہے کہ دو خداؤں میں اختلاف نہ ہو تو لامحالہ اسکی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ ایک خدا دوسرے خدا سے کہے کہ تو میری ارادہ کر جو میں کرتا ہوں میرے خلاف ارادہ نہ کرنا تو اس صورت میں دوسرے خدا پہلے خدا کی طرف سے مامور ہو گیا اور مامور اور محکوم خدا نہیں ہو سکتا۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو یہ عجز اور مجبوری ہے اور عاجز اور مجبور خدا نہیں ہو سکتا۔ یا دونوں خداؤں میں سے کوئی خدا بھی دوسرے کے خلاف ارادہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں دونوں کا عاجز ہونا لازم آئیگا اور دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ رہے گا (دیکھو کتاب الانصاف للامام الباقلائی ص ۳۲)

برہان تمناع کی دوسری تقریر

قاضی بیضاویؒ نے تمناع کی تقریر اور تعبیر اس طرح فرمائی ہے کہ اگر آسمان و زمین میں چند خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہیں کہ وہ یا تو باہم متفق ہونگے یا باہم مختلف ہونگے۔

یعنی اگر وہ چند خدا باہم متفق ہوں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز پر متعدد قدرتیں جمع ہو جائیں اور ایک شے دو قدرتوں سے وجود میں آئے اور عقلاً یہ بات محال ہے۔

پہلی صورت

ہے کہ ایک شے چند مستقل قدرتوں سے وجود میں آئے اور چند کامل اور مستقل مؤثرات کا ایک ہی اثر ہو اس لیے جب ایک مستقل قدرت اس شے کے وجود کے لیے کافی ہے تو دوسری اور تیسری مستقل قدرت بیکار ہے پس مثلاً اگر دو خدا ہوں اور دونوں کی قدرت مستقل بالتأثیر ہو اور حدوث عالم کے لیے ہر خدا کی قدرت کافی ہو تو پھر یہ کہنا کہ یہ عالم دو خداؤں کی دو مستقل اور کامل قدرتوں سے موجود اور حادث ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک معلول دو مستقل علتوں سے اور ایک مقدر دو مستقل قدرتوں سے وجود میں آیا ہے اور یہ امر بلاشبہ بالکل باطل اور مہمل ہے اس لیے کہ ایک معلول پر دو علتوں کا توارد بالتفاق عقلاً محال ہے۔ ایک شے کی دو علت تامہ نہیں ہو سکتیں کیونکہ علت تامہ کے معنی یہ ہیں کہ اسکے پائے جانے کے بعد فوراً بلا کسی انتظار کے معلول وجود میں آجائے پس جب معلول ایک علت تامہ اور قدرت کاملہ سے وجود میں آگیا تو دوسری علت اور قدرت بیکار ہوئی اور جو چیز بیکار ہے وہ علت تامہ نہیں ہو سکتی۔

پس معلوم ہوا کہ حدوث عالم کے لیے ایک خداوند قدیر کا ارادہ کافی ہے اور دوسرے خدا کا ارادہ بیکار ہے اور جو بیکار ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ حضرات اہل علم اگر منطقی پیرایہ میں اسکی تعبیر کرنا چاہیں تو اس طرح کریں کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہیں ہو سکتی پس ثابت ہوا کہ خدا متعدد نہیں ہو سکتے۔

بالفاظ دیگر دلیل کے لیے ایک صغریٰ چاہیے اور ایک کبریٰ اور پھر نتیجہ صغریٰ تو یہ ہے کہ خداوند قدوس (یعنی اس کا ارادہ) حدوث عالم کی علت تامہ ہے اور کبریٰ یہ ہے کہ علت تامہ ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا

کہ خدائے برحق ایک ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری صورت

یہ ہے کہ دو خدا باہم مختلف ہوں پس اگر چند خدا ہوں اور ان میں باہم اختلاف ہو تو نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) اور اگر تخلیق و تکوین عالم سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جائے تو سرے سے عالم کا وجود میں آنا ہی ناممکن ہو جائے اور یہ دونوں باتیں بالکل باطل ہیں نظام عالم باحسن وجہ موجود ہے تو معلوم ہوا کہ تعدد الہم (یعنی چند خداؤں کا وجود) باطل اور محال ہے اور ظاہر ہے کہ جب چند خداؤں میں اختلاف ہوگا تو لامحالہ ایک کا اپنے ارادہ میں عاجز اور ناکام ہونا لازم آئیگا اور عجز اور ناکامی خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام کلام۔ قاضی بیضاوی کی شرح اور تفصیل ہے حضرات اہل علم حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۲۴۸ ج ۶ اور حاشیہ ابن التیمیذ اور حاشیہ تنویری علی التفسیر البیضاوی ص ۲۱۲ ج ۵ دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ چند معبودوں کا ہونا عقلاً محال ہے اس لئے کہ چند معبود اگرچہ واجب الوجود ہونے میں شریک ہونگے لیکن صفات اور افعال کے اعتبار سے لامحالہ ایک دوسرے سے مختلف اور مجزا اور ممتاز ہونگے کیونکہ تعدد اور انشینیات کے لیے باہم تمایز ضروری ہے ورنہ پھر دو، دو نہ رہیں گے بلکہ ایک ہو جائیں گے اور جب چند معبود صفات اور افعال میں ارادہ اور اختیار میں مختلف ہونگے اور اس باہمی تنازع اور تخالف کی وجہ سے یا تو عالم سرے سے وجود ہی میں نہ آئیگا یا اس کا نظام درہم برہم ہو جائیگا کیونکہ دو قادر مطلق کا ہر فعل اور ہر ارادہ میں اور ہر مصنوع اور مخلوق میں بالکل متفق ہونا اور کسی قسم کا دونوں میں اختلاف نہ ہونا عقلاً محال ہے۔ اور دو فرمانروا اور راکن دولت بعض مرتبہ انتظامی امور میں اتفاق کرتے ہیں سو وہ انکا اتفاق۔ اختلاف سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور بدرجہ مجبوری ہوتا ہے کہ وقتی ضرورت انکو اتفاق پر مجبور کر دیتی ہے جس سے ان کا عجز ثابت ہوتا ہے گو با بالفاظ دیگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لیے بنا بر مصلحت آپس میں سمجھوتہ کر لیتے ہیں کہ دونوں کی عزت اور آبرو اس اتفاق میں ہے۔ سو یہ امر بارگاہ الوہیت میں ناممکن اور محال ہے، مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ممبروں میں ایسا اتفاق ممکن ہے مگر دو خداؤں میں ایسا اتفاق بلاشبہ محال ہے کہ ضرورت اور مصلحت کی بنا پر موافقت دونوں کے عاجز اور مضطر ہونے کی دلیل ہے اور خدا اس سے پاک اور منزہ ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ جل شانہ کا یہ ارشاد کَوْنٌ كَانَ فِيْهِمَا اِلٰهٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد وارد ہوا ہے وَ مَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذَا لَذَهَبَ

علم اشارہ اس طرف ہے کہ لَفَسَدَتَا میں فساد سے دو معنی مراد ہو سکتے ہیں یا تو فساد سے خراب ہونے اور بگڑنے کے معنی مراد لیے جائیں یا فساد سے عدم وجود کے معنی مراد لیے جائیں یعنی عالم سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا جیسا کہ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والمراد بالفساد البطلان والاضمحلال او عدم التكون (روح المعانی ص ۲۳ جلد ۱، والیضاً ص ۲۴ جلد ۱)

كُلُّ إِلَهِ يَمَّا خَلَقَ وَ لَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ - (سورہ مؤمنون) ان دونوں آیتوں کا مضمون ایک ہے اور اسی طرح ایک تیسری آیت اِذَا لَا تَتَغَوَّا اِلٰی ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا۔ کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے اس لیے بمناسبت مقام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورہ مؤمنون کی آیت میں جس دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مختصراً اسکی بھی تقریر کر دی جائے۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهِ اِذَا لَذَهَبَ كُلُّ اِلَهِ يَمَّا خَلَقَ وَ لَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

یہ سورہ مؤمنون کی آیت ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں توحید کی دو دلیلیں بیان فرمائیں (اول) تو یہ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلَهِ اِذَا لَذَهَبَ كُلُّ اِلَهِ يَمَّا خَلَقَ۔ یعنی اگر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا خدا ہوتا تو لامحالہ ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا ہوتی کیونکہ جب صانع دو ہیں اور الگ الگ ہیں تو انکی صنعت اور کاریگری بھی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس خدا کی مخلوق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے وَ لَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ یعنی اگر کئی خدا ہوتے تو ایک دوسرے پر چڑھائی کر بیٹھتا، کیوں کہ خدائی تو کمال کبریائی اور کمال علو اور قہر اور غلبہ اور استقلال کو مقتضی ہے، دو خداؤں میں صلح کا کوئی امکان نہیں۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سارا عالم متحد ہے اور ایک دوسرے سے مربوط ہے اور ایک خالق کی مخلوق دوسرے خالق کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں کہ دیکھ کر کہا جاسکتا کہ یہ چیز فلانے خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور یہ چیز فلانے خدا کی۔ جیسے کسی چیز پر کارخانہ کی ہر دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ چیز فلانے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے۔ پس جب خالق دو ہیں تو انکی مخلوق بھی الگ الگ ہونی چاہیے جب فاعل دو ہیں تو ان کے مفعول بھی جدا جدا ہونے چاہئیں اور ہر مخلوق پر کوئی علامت اور نشان ہونا چاہیے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں کی مخلوق ہے۔ توحید کی ایک دلیل تو یہ ہوئی اور دوسری دلیل یہ ہے وَ لَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ یعنی جب خدا دو ہوں گے اور دونوں قادر مطلق اور قادر مطلق ہونگے تو لامحالہ ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ پس جو مقابلہ میں غالب آجائے گا وہی خدا ہوگا اور اگر مقابلہ میں دونوں برابر رہے تو تب تو کوئی بھی خدا نہ رہے گا اس لیے کہ برابر برابر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا دوسرے خدا کا پورا مقابلہ نہیں کر سکا جو دلیل ہے کمزوری اور لاپچاری کی اور کمزوری اور مجبوری اور لاپچاری خدائی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (دیکھو منہاج السنۃ لابن تیمیہ ص ۶۸ از جلد ۲ تا ص ۳۷ جلد ۲)

توحید اور اسلام

مذہب اسلام کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اسکی بنیاد دلائل عقلیہ اور فطریہ پر قائم ہے۔ اسلام کے

اصول مسلمہ میں ایک اصل توحید ہے جو اسلام کی اصل اول اور رکنِ رکین ہے اور دوسری اصل نبوت و رسالت ہے اور تیسری اصل قیامت و آخرت ہے اسلام کے دیگر اصول کی طرح۔ توحید بھی بے شمار دلائل عقلیہ سے ثابت ہے جس میں ذرہ برابر شک اور شبہ کی گنجائش نہیں۔

اسلام نے جس قسم کی توحید پیش کی ہے اہل اسلام جس قدر بھی اس پر فخر کریں اور شکر کریں سب بجا اور درست ہے اجمالی طور پر اگرچہ ہر مذہب میں توحید کا اقرار پایا جاتا ہے مگر وہ شرک کی نجاستوں سے آلودہ ہے۔

عیسائی تین خدا مانتے ہیں اس گروہ کے نزدیک خدائی مثلث ہے اور مجوس دو خدا کے قائل ہیں۔ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک خدا کی گویا کہ ہر خدا میں نصف نصف خدائی کی کمی رہی اور ہندو کم از کم تین خدا کے قائل ہیں۔ برہما۔ بشن۔ مہادیو۔ اوتاروں کی تو کوئی انتہا نہیں جو ان کے نزدیک اوصاف خداوندی کے ساتھ موصوف ہیں۔ توحید کامل اسلام نے پیش کی کہ جس طرح خدا کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی اسکا شریک نہیں۔ قرآن اور حدیث دلائل توحید سے بھرپور ہے منجملہ بے شمار دلائل توحید کے ایک دلیل تمانع بھی ہے جو آیت مذکورہ بالا یعنی لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ میں مذکور ہے اور جس کی تقریر ناظرین کے سامنے آچکی ہے امید ہے کہ ناظرین کو قرآن کی اس برہان کی معقولیت اور قطعیت کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اب میں نصاریٰ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تین ہیں ایک باپ یعنی خدا تعالیٰ۔ دوسرا بیٹا یعنی مسیح علیہ السلام تیسرا روح القدس اور یہ تینوں آپ کے نزدیک غیر مخلوق اور ازل اور ابدی اور قادر مطلق ہیں (دیکھو دعائے عمیم) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نزدیک خدا کے مجسم ہیں پس مشرق و مغرب کے پادریوں سے میرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنے اس عقیدہ تثلیث پر کوئی عقلی دلیل دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ آپ حضرات یہ کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تینوں ایک ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ تین ایک میں اور ایک تین میں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔ اے پادریو! اگر تم دعوائے تثلیث میں سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ قسم ہے خدا کے وحدۃ لا شریک کی کہ نہیں لا سکتے۔ نہیں لا سکتے۔ نہیں لا سکتے۔ اور علیٰ ہذا اگر ہندوستان کے سارے ہلوان اور بھارت کے سارے پنڈت جمع ہو جائیں تو وہ اپنے عقیدہ پر کوئی عقلی دلیل نہیں لا سکتے۔ یہ مذہب اسلام کا طفرائے امتیاز ہے کہ وہ اپنے مسائل کو عقل اور فطری دلائل سے ثابت کرتا ہے۔

دلیل توحید

توحید کی یہ روشن دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی اور جو برہان تمانع کے نام سے مشہور ہے وہ ناظرین کرام نے پڑھ لی اب ہم مزید اطمینان اور مزید عرفان کے لیے اور چند دلائل توحید ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل (۱)

امام غزالی فرماتے ہیں کہ خداوند ذوالجلال واحد ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، یعنی کوئی اس کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں۔ چنانچہ آفتاب کو اس معنی کو واحد کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ روشنی میں یکتا ہے اور جو چیز کسی کمال میں یکتا ہو اس پر واحد کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔

دلیل (۲)

اسی طرح جب خدا کو واحد کہا جائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ صفات کمال اور سمات جلال و جمال میں یکتا ہے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ شریک نہیں

پس اگر اسکا کوئی شریک ہو تو تین احتمال ہیں۔ (۱) یا تو وہ جملہ صفات کمال میں ہر اعتبار سے اور ہر طرح سے اسکا مساوی یعنی اس کے برابر اور ہمسرا اور اسکا ہم پلہ ہوگا۔ (۲) یا اس سے اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا۔ (۳) یا اس سے کم ہوگا اور تینوں باتیں باطل ہیں پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ جن دو چیزوں پر لفظ دو کا بولا جائے ان کا باہم متغایر ہونا ضروری ہے ورنہ دو کہنا جائز نہ ہوگا کیونکہ تغایر کے لیے باہمی تمایز ضروری ہے۔

پس خدا کا شریک تمام صفات اور سمات میں من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خدا کے مماثل اور مساوی اور برابر ہوا تو دونوں میں امتیاز کیسے ہوگا۔ اور بغیر امتیاز کے تغایر ممکن نہیں لہذا دوسرے کو خدا کہنا غلط ہوگا۔ اور جب اثینیت (دوئی) ختم ہوئی تو وحدت اور وحدانیت لازم آگئی اور دوسری شق اس لیے باطل ہے کہ خدا کا شریک خدا سے اس لیے اعلیٰ نہیں ہو سکتا کہ خدا اسی کو کہا جاتا ہے کہ جو جملہ کمالات میں اپنے کل ماسوا سے فائق اور اعلیٰ اور بالا ہو۔ کسی صفت میں بھی کسی موجود سے بھی کم یا اس کے مساوی نہ ہو پس جسکا نام آپ خدا کا شریک رکھتے ہیں حقیقت میں خدا وہی ہے جسکو آپ خدا بتاتے ہیں وہ خدا نہیں اس لیے کہ اس پر خدا کی تعریف صادق نہیں آتی، دونوں میں جو اعلیٰ اور بالا اور برتر ہوگا وہی خدا ہوگا اور جو کمتر اور ناقص ہوگا وہ خدا نہیں ہوگا اور تیسری شق اس لیے باطل ہے کہ جو شریک اس سے کم ہوگا وہ اسکا شریک نہیں کہلا سکتا تو اس صورت میں خدا ایک ہی رہے گا۔ (دیکھو کتاب الاقتصاد للامام الغزالی)

دلیل (۳)

امام شہرستانی دلیل تمنع کی تقریر کے بعد فرماتے ہیں۔ نیز اگر دو خدا ہونگے تو لامحالہ دونوں برابر کے ہونگے اور ہر ایک دوسرے سے من کل الوجوہ یعنی ہر اعتبار سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو دونوں میں سے کوئی بھی خدا نہ ہوگا اس لیے کہ خدا وہ ہے کہ جو سب سے بے نیاز ہو اور اسکے سوا کوئی بھی اس سے بے نیاز نہ ہو بلکہ سب اسکے محتاج ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ۔

نیز اگر دو خدا فرض کیے جائیں تو وہ دونوں یا تو صفات ذاتیہ میں متفق اور متحد ہوں گے یا مختلف ہوں گے اگر متفق ہوئے تو دونوں میں امتیاز اور باہمی فرق کیسے ہوگا اور اگر مختلف ہوئے تو جو خدا صفات کمال کے ساتھ متصف ہوگا تو وہ خدا نہ ہوگا اس لیے کہ جب ایک خدا تو کمال علم اور کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہوا تو دوسرا خدا جو اس خدا کے مخالف ہے وہ لامحالہ کمال علم اور کمال قدرت سے عاری ہوگا تو وہ خدا کیسے ہوگا۔

دلیل (۴) نیز ایک خدا کا وجود تو دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے اور دوسرے خدا کا وجود محض فرض ذہنی اور احتمال عقلی کے درجہ میں ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور جو چیز فرض ذہنی کے درجہ میں ہو وہ خدا نہیں ہو سکتی۔ (دیکھو نہایتہ الاقدام از ص ۹ تا ص ۱۱)

دلیل (۵) نیز تمام ممکنات وجود سے قبل حالت عدم میں تھیں پس اگر دو خدا اور دو خالق مانے جائیں تو یہ بتلایا جائے کہ کون سے خدا نے اس ممکن کے وجود کو اسکے عدم پر ترجیح دی ایک صالح اور خالق اور ایک واجب الوجود کا وجود ماننا تو لازمی ہے کہ جس نے ممکن کو وجود عطا کیا اب دوسرے خدا واجب الوجود کے اثبات کے لیے کوئی دلیل چاہیے اس لیے کہ ترجیح بلا مرجع عقلاً محال ہے۔

دلیل (۶) نیز اثبات صالح کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے افعال و آثار قدرت سے استدلال کیا جائے پس اگر دو خدا نے برحق ملنے جائیں تو ہر خدا کے لیے علیحدہ علیحدہ دلیل چاہیے کہ یہ کہا جاسکے کہ یہ نشانات قدرت و صنعت فلاں صالح کے وجود کی دلیل ہیں اور یہ نشانات قدرت فلاں صالح کے وجود کی دلیل ہیں۔ (نہایتہ الاقدام ص ۹۳)

دلیل (۷) نیز عقلاً یہ امر ممکن نہیں کہ یہ کہا جائے کہ دو خداؤں میں سے بعض چیزوں کو ایک خدا نے پیدا کیا اور بعض چیزوں کو دوسرے خدا نے پیدا کیا کیونکہ اس صورت میں دونوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا کہ خدائی دونوں کے درمیان میں نصفاً نصف ہے آدھے کا یہ مالک ہے اور آدھے کا دوسرا مالک ہے پوری ملکیت اور پوری مالکیت کسی کو بھی حاصل نہیں اور اگر بالفرض ساری خدائی ایک ہی خدا کو دی جائے تو اس کی ملکیت اور مالکیت میں زیادتی اور اضافہ ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ کمی اور زیادتی مخلوق کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ خدا کی مالکیت تو ازل سے ابد تک کامل ہی رہتی ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی۔

دلیل (۸) نیز اگر ایجاد عالم کے لیے ایک خدا کافی نہیں تو پھر دو اور تین بھی کافی نہیں ہوں گے حسب ضرورت خداؤں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہاں تک توحید کی آٹھ دلیلیں ہوتیں اور ان کے علاوہ ایک دلیل۔ دلیل تمناع تھی جس کا ذکر آیت مذکورہ میں تھا اور ایک دلیل سورہ مؤمنون کی آیت تھی جسکی مختصر تقریر اور تفسیر ہم نے بیان کی یعنی آیت وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ إِلَهٍ إِذْ أَخَذَ لَكَ هَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ اس طرح یہاں تک توحید کی دس دلیلوں کا بیان ہو گیا فتلك عشرة كاملة۔

امام رازی قدس اللہ سرہ نے اس آیت یعنی لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا کی تفسیر میں توحید کی چودہ دلیلیں عقلی ذکر کی ہیں اور نقلی دلائل اسکے علاوہ ہیں حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۰۵ ج ۶ ص ۱۰۸ ج ۶)

اور اس ناچیز نے اپنی تالیف مسمیٰ بہ علم الکلام میں توحید باری تعالیٰ کی دس عقلی دلیلیں ذکر کی ہیں وہاں دیکھ لی جائیں۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

فائدہ علمی و نحویہ

متعلقہ بہ آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ اللَّهِ لَفَسَدَتَا۔
بحمدہ تعالیٰ برہان توحید کی تقریر ایسی صاف اور واضح کر دی گئی کہ جو اہل اسلام کی تسلی اور تشفی کے لیے کافی ہے اب ہم خالص اہل علم کے لیے ایک علمی اور نحوی فائدہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔
آیت ہذا یعنی لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَ اللَّهِ۔ میں جو لفظ آلِ داتع ہے یہ عام طور پر استثناء کے لیے آتا ہے اور گاہ بگاہ بمعنی غیر بھی آتا ہے جو درحقیقت معنی وصفی کے لیے وضع ہوا ہے۔ سو سیدہ اور کسائی اور اخفش اور زجاج اور جمہور رائے نحویہ کہتے ہیں کہ کلمہ آل اس آیت میں استثناء کے لیے نہیں بلکہ بمعنی غیر ہے جو اللہ کی صفت ہے اور اسی وجہ سے لفظ باعتبار اعراب کے مرفوع ہے نہ کہ منصوب کیونکہ یہ صفت ہے مرفوع کی لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اگر بجائے لفظ آل کے لفظ غیر ہوتا تو وہ بلاشبہ مرفوع ہوتا تو لفظ غیر کا اعراب آل کے بعد والے کلمہ پر جاری ہوا جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

وکل اخ مفارقة اخوه : لعمریک الا الفرقان
یعنی قسم ہے تیرے باپ کی عمر کی۔ ہر بھائی سوائے فرقدین کے اپنے بھائی سے جدا ہونے والا ہے "فرقدان" دو متاروں کا نام ہے جو قطب کے قریب ہیں، سو اس شعر میں آل بمعنی غیر ہے جو کل اخ کی صفت ہے جو اسی وجہ سے مرفوع ہے یعنی فرقدان آیا ہے اور اگر استثناء کے لیے ہوتا تو الا الفرقان قدین منصوب ہوتا۔
اسی طرح آیت میں لفظ آل اگر استثناء کے لیے ہوتا تو لفظ اللہ منصوب ہوتا مگر آیت میں بجائے نصب کے رفع آیا ہے اور آیت میں لفظ آل کو استثناء کے لیے لینا اور لفظ اللہ کو منصوب پڑھنا دو وجہ سے ناجائز ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں معنوی فساد لازم آتا ہے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ لَوْ جَاعُوا الْقَوْمَ إِلَّا زَيْدًا لَقَتَلْتَهُمْ۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر قوم میرے پاس ایسی حالت میں آئی کہ زید ان سے مستثنیٰ ہوتا تو میں ساری قوم کو قتل کر دیتا جسکا بطور مفہوم یہ مطلب ہے کہ اگر زید قوم کے ہمراہ ہوتا تو پھر میں قوم کو قتل نہ کرتا اسی طرح اگر آیت ہذا میں لفظ آل استثناء کیلئے ہوتا اور لفظ اللہ منصوب ہوتا تو آیت کے یہ معنی ہوتے کہ اگر آسمان و زمین میں ایسے چند خدا جن سے اللہ مستثنیٰ ہوتا تو دونوں خراب ہو جاتے تو اس سے بطریق مفہوم یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر آسمان و زمین میں ایسے چند خدا ہوتے کہ اللہ بھی انکے ساتھ ہوتا تو آسمان و زمین خراب نہ ہوتے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ استثناء اس حکم کی قید ہوتا ہے جو مستثنیٰ سے متعلق ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ تعدد اللہ کی

صورت میں فساد عالم کا حکم اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان الہہ سے مستثنیٰ اور خارج ہو ورنہ نہیں۔ حالانکہ یہ معنی باطل اور غلط ہیں اس لیے کہ تعدد الہہ کی صورت میں آسمان و زمین کا فساد ہر حال میں لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو تعدد الہہ کی صورت میں فساد عالم لازم ہے خواہ اللہ تعالیٰ ان میں داخل ہو یا ان سے خارج یا مستثنیٰ ہو اور اگر لفظ الّا بمعنی غیر لیا جائے تو پھر یہ خرابی لازم آئے گی اور یہ ہو گا کہ اگر اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں چند خدا ہوتے تو آسمان اور زمین دونوں تباہ و برباد ہو جاتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ الہة نکر ہے اور جمع جب نکرہ ہو تو محققین کے نزدیک اس سے استثناء جائز نہیں اس لیے کہ جمع منکر میں ایسا عموم نہیں کہ اگر استثناء نہ ہو تو مستثنیٰ اس میں داخل ہو جائے، یہ فائدہ علیہ ہم نے خاص مدرسین تفسیر کے لیے لکھ دیا ہے عام ناظرین کو اس کی ضرورت نہیں۔ حضرات اہل علم حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۴۵ ج ۳ دیکھیں۔



عَلَىٰ قَالِ أَهْلَ النَّحْوِ قَوْلُهُ تَعَالَىٰ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا إِلهَانَا بِمَعْنَىٰ غَيْرِ صِفَةٍ لِلنَّكَرَةِ قَبْلَهَا إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا تَعَذَّرَ الْأَعْرَابُ جَعَلَ مَا اسْتَحَقَّتْهُ مِنَ الرَّفْعِ عَلَىٰ مَا بَعْدَهَا وَالْمَعْنَىٰ لَوْ كَانَ يَتْرَاهُمَا وَيُبْرِمُهُمَا إِلَهَةٌ شَتَّىٰ غَيْرِ الْوَاحِدِ الَّذِي فَطَرَهُمَا لَفَسَدَتَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ تَكُونَ الْأَسْتِثْنَاءُ وَأَنَا لَوْ حَمَلْنَاهَا عَلَىٰ الْأَسْتِثْنَاءِ لَكَانَ الْمَعْنَىٰ لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهَةٌ مُسْتَثْنَىٰ مِنْهُمَا اللَّهُ لَفَسَدَتَا وَهَذَا يُوجِبُ بِطَرِيقِ الْمَفْهُومِ أَنَّهُ لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهَةٌ مَعَهُمَا اللَّهُ لَا يَحْصُلُ الْفَسَادُ وَذَلِكَ بَاطِلٌ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فِيهِمَا إِلَهَةٌ سِوَا اللَّهِ كَانَ اللَّهُ مَعَهُمَا أَوَّلًا يَكُنْ مَعَهُمَا فَالْفَسَادُ لَازِمٌ وَلَمَّا بَطَلَ مَحَلُّهَا عَمَّا لَا اسْتِثْنَاءَ ثَبَتَ مَا ذَكَرْنَا وَهُوَ أَنَّ الْمَعْنَىٰ لَوْ كَانَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَهَةٌ غَيْرَ اللَّهِ لَخِيبَتَا وَهَلَكَا مِنْ فِيهَا بِوَجُودِ التَّمَانِعِ مِنَ الْأَلْهَةِ فَإِنْ كُلُّ أَمْرٍ صَدَرَ عَنْ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا لَا يَبْقَىٰ عَلَىٰ نِظَامٍ وَاحِدٍ وَأَمَّا تَعَذُّرُ الْأَسْتِثْنَاءِ لِأَنَّ الْأَسْتِثْنَاءَ قَيْدٌ لِلْحُكْمِ الْمُتَعَلِّقِ بِالْمُسْتَثْنَىٰ مِنْهُ فَيَكُونُ الشَّرْطُ كَوْنُ إِلَهَةٍ فِيهِمَا تَعَيَّنَ أَنْ لَا تَكُونَ مَعَهُ تَعَالَىٰ فَيَكُونُ الْفَسَادُ لَازِمًا لَكُونِ الْأَلْهَةِ فِيهِمَا دُونَهُ تَعَالَىٰ الْوَجْهَ الثَّانِي لَتَعَذُّرِ الْأَسْتِثْنَاءِ عَدَمِ شُمُولِ مَا قَبْلَهَا لِمَا بَعْدَهَا فَإِنْ مَا قَبْلَهَا جَمَعَ مَنَكْرَ وَالْجَمْعُ إِذَا كَانَ نَكْرَةً لَا يَسْتِثْنَىٰ مِنْهُ عِنْدَ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُحَقِّقِينَ إِذَا لَاعَمُّوا لَهُ بِمَحِثٍ يَدْخُلُ فِيهِ الْمُسْتَثْنَىٰ لَوْلَا الْأَسْتِثْنَاءُ انْتَهَىٰ كَلَامُهُ مَلَخَصًا حَاشِيَةً شَيْخُ زَادَةَ عَلَىٰ تَفْسِيرِ الْبَيْضاوِيِّ ص ۳۴۵ ج ۳ -

اور یہی مضمون البحر المحیط لابی حیان ص ۳۵ میں ہے جس میں استثناء کے علاوہ بدلیت پر بھی کلام کیا ہے حضرات مدرسین اسکی مراجعت کریں۔

حق جل شانہ نے گزشتہ آیت میں توحید کی ایک عقلی اور قطعی دلیل بیان فرمائی۔ اب آئندہ آیت میں اپنی تسبیح و تنزیہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ خدائے وحدہ لا شریک لہ تو شرک کے شاہد اور واہمہ سے بھی پاک اور منزہ ہے۔ پس اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے جو شرک اس کی شان میں کہتے ہیں یعنی نہ اسکا کوئی شریک ہے اور نہ وہ اولاد رکھتا ہے اسکی عظمت و جلال اور کبریائی کی تو یہ شان ہے کہ اس کے کسی کام کے متعلق بطور باز پرس یا بطور احتجاج سوال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا وہ مالک مطلق اور حاکم مطلق ہے وہ جو کرے حق ہے اس سے پوچھا نہیں جاسکتا۔ غلام کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مالک سے باز پرس کر سکے اور بندے سب پوچھے جاتے ہیں۔ سب اسکے مخلوق اور مملوک بندے ہیں، قیامت کے دن بندوں سے سوال ہوگا کہ یہ کیوں کیا اور وہ کیوں کیا اور ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا سزا ملے گی۔ کیونکہ سب اسکے مملوک اور بندے ہیں سب پر مالک اور آقا کے حکم کی بجا آوری فرض اور لازم ہے اور جس سے سوال اور باز پرس ہو سکے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

قال الله تعالى قَوْلَكَ لَسْتَ عَزَمْتَ اَجْمَعِينَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔

پس جب کوئی اسکی عظمت میں شریک نہیں تو پھر الوہیت اور معبودیت میں کون اسکا شریک ہو سکتا ہے کیا خدا کی اس بے مثال عظمت و جلال معلوم کر لینے کے بعد بھی ان لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے معبود ٹھہرائے ہیں جو اسی کی مخلوق ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ یہ انکی صریح غلطی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر بالفرض ہوتا تو یہ عالم کبھی کا تباہ اور برباد ہو جاتا اور اسکا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

آپ ان منکرین توحید سے کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی دلیل لاؤ کہ خدا کے سوا اور بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ ہم نے

على ولا يجوز النصب على الاستثناء لوجهين احدهما انه فاسد في المعنى وذاك انك اذا قلت لوجاءني القوم الازيدا لقتلتهم كان معناه ان القتل امتنع لكون زيد مع القوم فلو نصب في الآية لكان المعنى فساد السموات والارض امتنع لوجود الله مع الالهة و في ذلك اثبات الاله مع الله و اذا رفعت على الوصف لا يلزم مثل ذلك لان المعنى لو كان فيهما غير الله لفسدتا والوجه الثاني ان الالهة هنا نكرة والجمع اذا كان نكرة لم يستثن منه عند جماعة من المحققين لانه لا عموم له بحيث يدخل المستثنى لولا الاستثناء ولا يجوز ان يكون بدلا لان المعنى يصير الى قولك لو كان فيهما الله لفسدتا الا ترى انك لو قلت ما جاءني قومك الازيدا على البديل لكان المعنى جاءني زيد وحده وقيل يمتنع البديل لان ما قبله ايجابا كذا في البحر المحیط ص ۲۵

توحید کو دلیل عقلی سے تو پہلی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا میں ثابت کر دیا رہی
 دلیل نقلی تو وہ یہ ہے کہ یہی بات یعنی توحید میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پچھلے والوں کی کہ
 اس رب العرش کے سوا کوئی رب نہیں یعنی قرآن اور تورات اور انجیل اور دیگر صحف انبیاء سب اس پر شاہد ہیں
 کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے کسی کتاب میں اللہ کا شریک ہونا نہیں ملتا۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت
 موجود ہے پھر تم نے حضرت مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بنالیا پھر ان میں اکثر آدمی حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے
 پس اس لیے وہ حق سے روگرداں اور منہ موڑے ہوئے ہیں اور اے نبیؐ ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے آپؐ سے
 پہلے دنیا میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہی وحی بھیجتے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت اور
 بندگی کرو۔ مطلب یہ کہ توحید تمام شریعتوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور ان نادانوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ رحمن
 نے اپنے لیے اولاد بنائی ہے کوئی کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر خدا تعالیٰ کے فرزند ہیں اور کوئی کہتا ہے
 کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں سب غلط ہے اللہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے بلکہ جنکے حق میں ان کا یہ گمان
 ہے وہ سب اللہ کے معزز اور محترم بندے ہیں جنکو اللہ نے عزت و کرامت بخشی مسلسل لیل و نہار ان کی عبادت
 اور ہر لمحہ و لحظہ انکی تسبیح و تقدیس اسکی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں محاذ اللہ اسکی اولاد نہیں۔ اور ایک
 دلیل انکی عبدیت کی یہ ہے کہ وہ آدابِ عبودیت میں اس درجہ غرق ہیں کہ کسی بات میں اللہ پر سبقت نہیں کرتے
 یعنی بغیر اسکی اجازت کے کوئی حرف زبان سے نہیں نکالتے اسکے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور وہ اللہ ہی کے حکم سے
 کام کرتے ہیں پس جب انکی عبدیت اور اطاعت کا یہ حال ہے تو انکو شریک ٹھہرانا بالکل بے سود ہے مطلب
 یہ ہے کہ کفار اپنے دل سے یہ امید نکال دیں کہ فرشتے انکی شفاعت کریں گے۔ فرشتے بغیر اذن الہی کے ہرگز
 شفاعت نہیں کر سکتے، فرشتے کسی قول و فعل میں حکم الہی سے سبقت نہیں کرتے ملائکہ میں یہ طاقت نہیں کہ از خود
 اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں یا اپنے ارادہ سے کوئی فعل کر سکیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علم الہی انکو محیط ہے۔ خدا
 خوب جانتا ہے جو انکے آگے ہے اور انکے پیچھے ہے یعنی خدا تعالیٰ کو انکے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال اور
 احوال معلوم ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا
 خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔

اور اسی وجہ سے ان کے ادب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ کسی کے لیے سفارش نہیں کرتے مگر اس شخص کے لیے
 کہ جس کے لیے خدا پسند کرے یعنی جو مومن ہو اور لا الہ الا اللہ کا قائل ہو اور خدا کی وحدانیت کا مقرر
 ہو۔ فرشتے دنیا میں بھی اہل ایمان ہی کی شفاعت کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے
 کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور وہ فرشتے ہر وقت خدا کے خوف سے اور اس کے
 قہر اور جلال سے کانپتے اور تھرتھرتے رہتے ہیں۔ خدا کی عظمت ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہے اور اگر بالفرض

عَلَمَ كَمَا فِي رُوحِ الْمُعَانِي حَيْثُ قَالَ فَلَا يَزَالُونَ يَر_اقِبُونَ احوالہم حیت انہم یعلمون ذلک (روح المعانی ص ۳۱)

کوئی ان میں یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں۔ مجھ کو پر جو تو ایسے کو ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں یعنی جو خدائی کا دعویٰ کرے اسکی سزا جہنم ہے اور فرشتے اور انبیاء ان باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جو مشرکین انکی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں اور ہر لمحہ اس سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اسکے سامنے بول بھی نہیں سکتے پھر کس بنا پر تم نے انکو خدا کی اولاد ٹھہرایا۔ فرشتے اور انبیاء سب خدا کے بندے ہیں۔ معاذ اللہ اسکی اولاد نہیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے؟ کہ آسمان اور

وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا

زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھولا۔ اور بنائی

مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

ہم نے پانی سے جس چیز میں حی ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے؟ اور

جَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا

رکھے ہم نے زمین میں بوجھ کبھی انکو لیکر جھک پڑے اور رکھیں

فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا

اس میں کشادہ راہیں شاید وہ راہ پاویں۔ اور بنایا ہم نے

السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا

آسمان کو پھت بچاؤ کی۔ اور وہ اس کے نمونے

مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ

دھیان میں نہیں لیتے۔ اور وہی ہے جس نے بنائے لائے اور

وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ

دن اور سورج اور چاند سب ایک ایک گھر میں

يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾

پہرتے ہیں۔

بیان دلائل قدرت برائے اثبات وحدانیت

قال الله تعالى اَوَلَمْ يَكْفُرُوا اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًاۙ اِلٰىۤ كُلِّۭ فِىۡ فَلَكٍۭ يَّسْبَحُوْنَۙ
(ربط) گزشتہ آیت میں تخلیق عالم اور دلیل توحید کا ذکر تھا اور اس سے پہلے اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے اس عالم کو عبث اور باطل اور بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ انواع و اقسام کے صنائع اور بدائع سے مملو پیدا کیا تاکہ نظر کرنے والوں کے لیے تبرہ اور عبرت پکڑنے والوں کے لیے تذکرہ ہو جائیں اور جس سے بندوں کے امور معاش اور معاد منتظم ہوں اور انکو دیکھ کر انکے خالق اور مدبر کو پہچانیں اور اسکے واحد قہار ہونے پر استدلال کریں اب آئندہ آیات میں کچھ اور دلائل قدرت و حکمت بیان کرتے ہیں جو وجود صنائع پر بھی دلالت کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت پر بھی دلالت کرتے ہیں کہ تمام کائنات اسکے دست قدرت میں مقہور اور مجبور اور مستخر ہیں، عرش سے فرش تک سارا کارخانہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کے ارادے اور مشیت سے چل رہا ہے مشرکین کو چاہیے کہ خدا کی ان نشانیوں میں غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ انکی تخلیق و تدبیر میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ پھر عقلاً یہ کیسے روا ہے کہ اسکے ساتھ دوسرے کو پوجا جاوے اور اسکے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیا جائے اس ذیل میں حق تعالیٰ نے چھ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول

کیا ان کافروں نے جو اللہ کی وحدانیت کے منکر ہیں اور غیروں کو اسکی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ چشم بصیرت و نظر عبرت سے یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں سمجھا کہ تحقیق آسمان زمین ابتداء میں دونوں باہم متصل اور متلاصق تھے یعنی ایک دوسرے سے چپٹے ہوتے اور چپکے ہوئے ایک ہی بند چیز تھے پھر ہم نے انکو کھولا اور ایک کو دوسرے سے جدا کیا جس سے آسمان الگ ہو گیا اور زمین الگ ہوئی۔ آسمان کو بلند کیا اور زمین کو پست کیا اور ہوا کے ذریعے دونوں میں فصل کر دیا پھر آسمان کو سات اور زمین کو سات کر دیا۔ دونوں کے منہ بند تھے اللہ نے اپنی قدرت سے دونوں کے منہ کھول دیئے آسمان سے پانی برسا یا اور زمین سے نباتات اگلے اور نہریں اور چشمے جاری کیے ابتداء میں آسمان اور زمین کے منہ بند تھے نہ آسمان سے بارش ہوتی تھی اور نہ زمین سے روئیدگی، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے فائدے کے لیے دونوں کے منہ کھول دیئے۔ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے

قسم قسم کی غذا میں اور پھل اُگنے لگے اور نہریں اور چشمے جاری ہو گئے کیا کافروں نے خدا تعالیٰ کے اس کرشمہ قدرت میں غور نہیں کیا کہ کرشمہ قدرت میں کوئی اسکا شریک اور سہیم نہیں پھر اسکی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہیں۔ آیت کی یہ تفسیر ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ اور حسن بصریؓ اور قتادہؓ سے منقول ہے اور اسی کو امام رازیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۶)

ابو مسلم اصفہانیؒ سے یہ منقول ہے کہ ”رتق“ سے حالت عدم مراد ہے اور رفق سے حالت ایجاد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا مشرکین کو یہ معلوم نہیں کہ آسمان وزمین ایک وقت میں معدوم تھے جن میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا پھر ہم نے انکو پیدا کر کے ان میں امتیاز قائم کیا جب سب حالت عدم میں تھے اس وقت ان میں باہم کوئی امتیاز نہ تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے انکو وجود عطا کر دیا تب ایک چیز دوسری چیز سے متمیز ہوئی (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ جلد ۶ و روح المعانی ص ۳۲ جلد ۱۰)

اب اس قول کی بنا پر آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ کیا ان کافروں کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین پہلے معدوم تھے ہم نے اپنی قدرت سے انکو وجود عطا کیا تو جب مشرکین خدا کو خالق اور موجد مانتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ دوسروں کو عبادت میں کیوں شریک کرتے ہیں۔

مگر محققین اور چہرہ علماء تفسیر کے نزدیک صحیح قول وہی ہے جو ہم نے ابن عباسؓ اور سعید ابن جبیرؓ اور حسن بصریؓ اور قتادہؓ سے نقل کیا۔

سوال رہا یہ سوال کہ مشرکین نے آسمان وزمین کی رتق اور فتق کو کب دیکھا جس پر انکو ملامت کی گئی اور کہا گیا اَوَلَمْ يَكُنْ لِلَّذِينَ آمَنُوا لَآئِنَ كَانُوا لَوِ كَانُوا يَدْرُسُونَ اَلْاَرْضَ وَمَنْ لَمْ يَرْسُفْ لَهَا فَاسًا فَانْتَبِهْ
 ارشاد ہے۔ مَا اَشْهَدُ تَهُمْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

جواب | یہ ہے کہ آیت میں چشم سر سے دیکھنا مراد نہیں بلکہ چشم بصیرت اور نظر عبرت سے دیکھنا مراد ہے کہ اگر یہ لوگ غور و فکر کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ آسمان و زمین کے منہ پہلے بند تھے بعد میں کھولے گئے کیونکہ بہ دلالت عقل یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام اجسام علویہ اور سفلیہ سب حادث ہیں اور ان کے احوال اور کیفیات بھی سب حادث ہیں۔ آسمان سے بارش کا برسنہ اور زمین سے وقتاً فوقتاً قسم قسم کے نباتات کا اگنا یہ بھی حادث ہے ان چیزوں کا حدوث آنکھوں کے مشاہدہ سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ہر حادث کے لیے کوئی مبداء اور منہ تھا چاہیے جس پر تمام اسباب و علل کی انتہا ہوتی ہو اور ہر حادث کی منتہا واجب الوجود ہے جو ان محدثات کا محدث اور موجود ہے (دیکھو تفسیر کبیر للامام الرازی ص ۱۴ جلد ۶ و حاشیہ تنویری علی التفسیر البیضاوی ص ۲۷ ج ۵)

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ آسمان و زمین کا جسم متصل ہونا ظاہر ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے وقتاً فوقتاً روئیدگی کا ہونا یہ بھی سب کی نظروں کے سامنے ہے اور عقل و فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی جسم متصل سے کوئی چیز کبھی کبھی نکلتی دکھائی دے تو دیکھنے والا سمجھ لیتا ہے کہ اس جسم متصل

کا منہ اب تک بند تھا جب منہ کھلا تو مشک میں سے یاںکی میں سے پانی نکلنے لگا اور صندوق کا منہ بند تھا۔ جب منہ کھلا تو اس میں سے قسم قسم کے کپڑے نکلنے لگے، یہی حال آسمان اور زمین کا سمجھو، کفار نے اگرچہ آسمان و زمین کے رتق اور فتق کو نہیں دیکھا مگر آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا تو دیکھا ہے اسی کو دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ آسمان سے بارش کا ہونا اور زمین سے نباتات کا اگنا خود بخود نہیں بلکہ درپردہ کوئی دست قدرت کا فرما ہے کہ وہ جب اور جتنا اور جس وقت چاہتا ہے اس وقت اتنا ہی پانی آسمان سے برستا ہے اور یہی حال روئیدگی کا ہے بلکہ ہر سال موسم سرما و گرما میں جب بارش کے آنے میں دیر ہوتی ہے تو یہ کافر آسمان کی طرف دیکھتے ہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ آسمان کا منہ بند ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کا منہ کھولتا اور بارش برساتا ہے تو زمین کا بھی منہ کھل جاتا ہے اور قسم قسم کا سبزہ اگنے لگتا ہے، ہر سال اس منظر کا مشاہدہ ہوتا ہے پھر بھی یہ کافر خدا کی قدرت پر ایمان نہیں لاتے۔

قسم دوم

اور کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس رتق اور فتق کے بعد اس جہان کی ہر زندہ چیز ہم نے پانی سے پیدا کی ہر جاندار چیز بلا واسطہ پانی سے پیدا ہوئی اور زندگی اور حیات کے لیے پانی کی محتاج ہے گویا کہ ہر چیز کا مادہ حیات پانی ہی ہے جیسا کہ دوسری آیات میں ہے۔ **وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ**۔ اور **وَمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِّنْ مَّاءٍ فَاحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ**۔

اور مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **كل شئ خلق من ماء ہر شئی پانی سے پیدا ہوئی ہے۔**

اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ فرشتے اگرچہ نور سے پیدا ہوئے اور جن نار سے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے لیکن اصل مادہ حیات سب کا پانی ہے اور **كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ**۔ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پانی عرش سے پہلے پیدا ہوا۔ واللہ اعلم۔

تو کیا یہ لوگ ہماری اس قدرت کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اور قادر مختار کی وحدانیت کے قائل نہیں ہوتے۔

گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ آسمان و زمین کے منہ بند تھے اور دونوں ایک چیز **قائده** تھے، ہم نے آسمان کا منہ کھولا تو اس سے پانی برسا اور زمین کا منہ کھولا تو اس سے نہریں اور چشمے جاری ہوئے اور قسم قسم کے نباتات اُگے اس لیے اس آیت میں حق تعالیٰ نے پانی کے متعلق اپنی قدرت کی نشانی کو بیان کیا کہ ہر جاندار کی اصل پانی ہے اور تمام کرۂ زمین پانی سے گھرا ہوا ہے اور پانی ہی تمام زمین کے اندر بھرا ہوا ہے۔ عرش بھی پانی پر قائم ہے اور زمین بھی پانی پر قائم ہے اس لیے فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ

چیز کو پانی سے پیدا کیا۔

قسم سوم

اور بنائے ہم نے زمین میں محکم اور مضبوط پہاڑ بھاری بوجھ والے جو زمین پر خوب جمے ہوئے ہیں تاکہ زمین لوگوں کو لیکر ہلنے نہ لگے یعنی ہم نے اپنی قدرت سے زمین پر مضبوط پہاڑ قائم کر دیئے تاکہ زمین جم جائے اور ٹھہر جائے اور لوگ اس پر قرار پکڑ سکیں۔ پوری زمین پانی میں ڈوبی ہوئی ہے، صرف چوتھائی زمین کھلی ہوئی ہے اس ربع مسکون کے باشندے آسمان اور چاند سورج کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

قسم چہارم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین میں یا پہاڑوں میں کشادہ راستے بنادیئے تاکہ لوگ اپنی معاشی ضروریات کے لیے منزل مقصود تک راہ پاسکیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاسکیں جیسا کہ سورہ نوح میں ہے لَتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَا جًا۔ یا یہ معنی ہے کہ نظر و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت تک پہنچ سکیں اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

قسم پنجم

اور ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو اس عالم کے لیے فرش بنایا اور پھر آسمان کو اس زمین پر ایک محفوظ چھت بنایا جو باوجود بے ستون ہونے کے گرنے سے اور خراب ہونے سے محفوظ ہے کما قال تعالیٰ وَ يُمَسِّكُ السَّمَاوَاتِ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ وَقَالَ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا۔

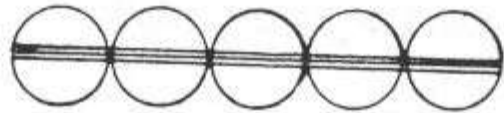
خدا کی بنائی ہوئی چھت ٹوٹنے اور پھوٹنے اور گرنے سے محفوظ اور شیاطین کے استراق سے بھی محفوظ ہے وہاں تک شیاطین کی رسائی نہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ۔ وَ حِفْظًا هَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيْمٍ۔ اور یہ مشرکین اس آسمانی چھت کی نشانیوں سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں جیسے شمس و قمر اور کواکب اور نجوم اور انکی حرکات اور ان کے طلوع و غروب میں یہ لوگ نظر نہیں کرتے۔

قسم ششم

اور اسی خُدا نے پیدا کیا رات کو اور دن کو تاکہ رات میں سکون اور راحت پادیں اور دن میں روزی کماویں اور پیدا کیا آفتاب کو جو دن کی نشانی ہے اور پیدا کیا چاند کو جو رات کی نشانی ہے ہر ایک ان میں سے اپنے اپنے فلک میں تیرتے اور سیر کرتے ہیں اور ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اسکی ہستی اور اسکی حرکت اور سکون سب خدا کی قدرت اور اسکی وحدانیت کی دلیل ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی وحدانیت کی چھ دلیلیں ذکر کی ہیں اور ہر دلیل کے تحت صد ہا دلیلیں ستور ہیں۔ کفار اگر ذرا غور کریں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت روز روشن کی طرح روشن ہو جائے۔

اس زمانہ کے ملاحظہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں بلکہ یہ خلا ہے انتہا ہے جس کی دوری ایک شبہ کی کوئی حد نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ہم کو دور بین سے کچھ نظر نہیں آتا۔

یہ دلیل بالکل مہمل ہے کسی چیز کا دور بین وغیرہ سے نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نیز اذروئے نصوص شریعت آسمان۔ زمین سے پانچ سو سال کی مسافت پر ہے اور وہ بالکل صاف شفاف جسم ہے، موجودہ دور بین میں تو یہ قوت نہیں کہ اتنی دور کی چیز کو دریافت کر سکیں۔ البتہ آسمان کا پانی میں عکس نظر آنا یہ اسکے جسم ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی میں عکس جسم ہی کا نظر آ سکتا ہے۔ محض ظلمت اور تاریکی کا کوئی عکس نہیں ہوتا اور تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء آسمانوں کے وجود پر متفق ہیں۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ خلا ہے انتہا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا غیر متناہی چیز کا وجود عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں اور سطح زمین سے بے انتہا دوری موجود بھی ہے یا نہیں کیا عقلاً یہ ممکن نہیں کہ جس بُعد اور دوری کو آپ نے اپنے قصور فکر کیوجہ سے غیر محدود رکھا ہے وہ محدود اور متناہی ہو اور اسکے بعد کوئی جسم صاف شفاف موجود ہو جو آپ کو اب تک نظر نہیں آ سکا۔ جیسا کہ دور بین کی ایجاد سے پہلے بہت سی چیزیں لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں جو اب نظر آنے لگی ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کا کسی وقت کسی کو نظر نہ آنا یہ اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔



وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مَّ

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ جینا پھر کیا اگر

مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ

تو مر گیا تو وہ رہ جاوے گی۔ ہر جی کو چکھنی ہے

الْمَوْتِ وَنَبَلُّوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَ

موت اور ہم تم کو جانچتے ہیں، برائی سے اور بھلائی سے آزمانے کو۔ اور

إِلَيْنَا تَرْجِعُونَ ﴿۳۵﴾

ہماری طرف پھر آؤ گے ۔

بیان فناء عالم و رجوع ہمہ بسوئے خلاق عالم و جواب ثنات اعداء

بموت سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال الله تعالى وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ .. الى ... وَ إِلَيْنَا تَرْجِعُونَ هـ
(دبط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل قدرت کے ذیل میں چھ قسم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا ۔ جو تمام دنیوی نعمتوں کی اصل اور جڑ ہیں اب ان آیات میں یہ بتاتے ہیں کہ یہ دنیا دار فنا ہے دار البقار نہیں یہ پوری دنیا اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں اس دنیا کے عجائب و غرائب اور اسکی آرائش و زیبائش پر مفتون نہ ہو جانا۔ حق تعالیٰ نے ان چیزوں کو آزمائش اور امتحان کے لیے پیدا کیا ہے فنا اور موت ہر چیز کے لیے لازم ہے مرنے کے بعد تم کو غیر و شر کا بدلہ دیا جائیگا کوئی شخص ایسا نہیں کہ جسکو موت نہ آوے۔ ہر شخص کو مرننا ہے اور اپنے خالق کی طرف لوٹنا ہے، اپنے انجام کو سوچ لو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے — نَتَّيْبُصُّ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ — یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حادثہ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ کفار حضور پر نور کی باتیں سن کر یہ کہتے تھے کہ یہ ساری دھوم دھام اس شخص کے دم تک ہے جب یہ مرجائیں گے تو یہ دھوم دھام سب جاتی رہے گی گویا کہ آپکی موت پر خوش تھے انکی ثنات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی گویا دلائل قدرت بیان کرنے کے بعد روئے سخن مسئلہ نبوت کی طرف پھیر دیا گیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم نے آپ سے پہلے دنیا میں کسی بشر کو ہمیشگی نہیں دی۔ خواہ ولی ہو یا نبی دنیا میں بقا اور دوام کسی کے لیے نہیں۔ پس اگر تو مر جائے تو کیا یہ لوگ آپکے بعد ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ کافر آپکی موت کے منتظر تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں دوام اور بقا ہم نے کسی کو بھی نہیں دیا جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ ہر شخص اپنے اپنے وقت پر موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ خضر علیہ السلام ہوں یا عیسیٰ علیہ السلام ہوں قیامت سے پہلے وہ بھی مرنے والے ہیں۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ باقی است خدا خواہد بود

اور اے لوگو! تم کو اس دنیا میں بُرائی اور بھلائی کے ساتھ بطریق امتحان تم کو آزمایا ہے ہیں بھلائی سے مراد امیری اور عزت و راحت اور صحت و عافیت اور ہر قسم کا عیش و آرام ہے اور برائی سے مراد سختی اور بیماری اور افلاس ہے برائی اور بھلائی میں پھنسا کر بندوں کے صبر و شکر کا امتحان لیا جاتا ہے اور انجام تم سب کا یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے پاس لوٹائے جاؤ گے اور ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا دیں گے۔ لہذا تم کو چاہیے کہ اس چند روزہ زندگی کی بجائے مرنے کے بعد کی زندگی کی زیادہ فکر کرو۔

وَإِذَا رَأٰكَ الَّذِينَ كَفَرُوا۟ اِنْ يَتَّخِذُوْنَكَ

اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے اور کام نہیں تجھ سے مگر

اِلَّا هُزُوًا ط اِهٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ اِلِهٰتِكُمْ وَهُمْ

ٹھٹھے میں پکڑنا۔ کیا یہی شخص ہے؟ کہ نام لیتا ہے تمہارے ٹھاکروں کا اور وہ

يَذْكُرُ الرَّحْمٰنَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خَلِقَ

رحمن کے نام سے منکر ہیں۔ بنا ہے

اِلَآنَسَانُ مِنْ عَجَلٍ ط سَاوِرِكُمْ اِتٰی فَلَآ

آدمی شتابی کا۔ اب دکھانا ہوں تم کو اپنے نمونے سو

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَقُولُوْنَ مَتٰی هٰذَا

مجھ سے جلدی مت کرو۔ اور کہتے ہیں کب ہو گا

اَلْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔؟ کبھی جانیں یہ

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكْفُوْنَ عَنْ وُجُوْهِهِمُ النَّارُ وَ

منکر اس وقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور

لَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يَنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَأْتِيْهِمْ

نہ اپنی پیٹھ سے اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ کوئی نہیں وہ آئے گی

بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا

ان پر بیخبر پھر انکے ہوش کھوے گی پھر نہ سکیں گے کہ اس کو پھیر دیں اور نہ

هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۳۰﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَىٰ بِرُسُلٍ مِّنْ

انکو فرصت ملے گی۔ اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں کتے رسولوں سے

قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا

تجھ سے پہلے پھر الٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر ان میں سے جس چیز کا

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلُوكُم بِاللَّيْلِ وَ

ٹھٹھا کرتے تھے۔ تو کہہ کون چوکی دیتا ہے تمہاری رات میں اور

النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ ۖ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

دن میں رحمن سے؟ کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے

مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَسْنَعُهُمْ مِّنْ دُونِنَا ۖ

ٹال کرتے ہیں۔ یا اُن کے کوئی بٹھا کر ہیں، کہ انکو بچاتے ہیں ہمارے سوا؟

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِنَّا

وہ اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ انکو ہماری طرف سے

يُصْعَبُونَ ﴿۳۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ

رناقت۔ کوئی نہیں پرہم نے برتوایا انکو اور انکے باپ دادوں کو یہاں

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۖ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ

تک کہ بڑھ پڑا ان پر جینا۔ پھر کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین

نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۖ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ

کو گھٹاتے اسکے کناروں سے؟ اب کیا یہ جیتنے والے ہیں۔ تو کہہ

إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ

میں جو تم کو ڈر سنانا ہوں سو حکم کے موافق، اور سنتے نہیں بہرے پکار کو

إِذَا مَا يُنذِرُونَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ

جب کوئی انکو ڈر سناوے۔ اور کبھی پہنچے انکو ایک بھاپ تیرے

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَٰوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۴۶﴾

رب کی آفت کی، تو مقرر کہنے لگیں، اے خرابی ہماری! بیشک ہم تھے گناہ گار۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا

اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن، پھر

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ

ظلم نہ ہو گا کسی جی پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہو گا برابر رائی کے دانے

خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿۴۷﴾

کے وہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو۔

بیان انجام استہزاء و مسخر بارگاہ رسالت و تہدید بہ عذاب آخرت

وقال الله تعالى وَإِذَا رَأَوْاكَ الَّذِينَ كَفَرُوا... إلخ.. وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ۝

(در ربط گزشتہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر شہادت کرنے والوں کا جواب تھا اب ان آیات میں ان لوگوں کے انجام بد کو بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسخرہ پن کرتے تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دفعتاً آجائے گی اور اس وقت ان کو اپنے استہزاء اور مسخر کا مزہ معلوم ہو جائیگا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ان عاشقان دنیا اور منکرین آخرت کی حالت یہ ہے کہ یہ کافر جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو ٹھٹھا اور مذاق ہی بنا لیتے ہیں، یہ بھی ابتلا الہی ہے کہ رسول کو دیکھ کر جو کہ عین رحمت ہے

تمسخر کرتے ہیں اور بعض بعض سے یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے اور انکو اندھا اور بہرا اور گونگا بتلاتا ہے اپنے فرضی معبودوں کے ساتھ تو ان نادانوں کا یہ حال ہے اور معبود برحق کے ساتھ انکا یہ حال ہے کہ رحمن کے نام سے منکر ہیں۔ کفار رحمن کے نام سے چڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو سولے میلہ پیامہ کے کسی کو رحمن نہیں جانتے غرض یہ کہ ان نادانوں کا عجیب حال تھا کہ رسول خدا کو دیکھتے تو انکا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ کیا خدا نے اسی شخص کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ شخص تو ہمارے معبودوں کا برائی کے ساتھ نام لیتا ہے یہیں ڈر ہے کہ اس شخص کی باتیں ہماری قوم کو گمراہ نہ کر دیں۔ اپنے بتوں پر ناز کرتے اور رحمن کے نام سے چڑھتے ہیں جن کی حالت یہ ہو وہ قابل تمسخر اور استہزاء ہیں نہ کہ رسول برحق اور انسان جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی یہ عجلت اور جلد بازی اسکی فطرت میں داخل ہے اس لیے وہ ہر بات کو جلد چاہتا ہے اور انجام پر غور نہیں کرتا اس لیے یہ مسخرے عذاب الہی میں بھی جلدی ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے جواب میں فرماتے ہیں۔ عنقریب میں تم کو اپنے قہر کی نشانیاں دکھلاؤں گا سو تم جلدی مت کرو۔ مشرکین آنحضرت سے جلدی عذاب مانگتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ اپنے نافرمانوں کو فوراً عذاب میں نہیں پکڑتا بلکہ انکو ہلکتا دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور آنے کے بعد ملتا نہیں اور یہ لوگ جب عذاب الہی کی دھمکی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عذاب کا یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم اس عذاب کے وعدے میں سچے ہو اللہ تعالیٰ انکے جواب میں فرماتے ہیں اگر یہ جلد باز کا فراس ہو لناک وقت کو جان لیں کہ جب وہ نہ اپنے چہروں سے عذاب کو روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ انکو اس وقت کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ سو یکا فر اگر ایسے عذاب کو جان لیں تو اسکے مانگنے میں جلدی نہ کریں اور نہ یہ کہیں۔ ھَتٰیٰ هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ لیکن خوب سمجھ لیں کہ اللہ کا قہر اور عذاب ان سے پوشیدہ رکھا گیا ہے انکی فرمائش کے مطابق اطلاع کر کے نازل نہ ہوگا۔ بلکہ اس عذاب اور مصیبت کی ساعت اور وہ قیامت جس کو وہ پوچھتے رہتے ہیں کہ کب آئے گی۔ اچانک ان پر آپہنچے گی۔ اور پھر انکو مبہوت اور حیران بنا دے گی۔ اور انکے ہوش کھو دے گی پھر اس کے دفع کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے اور نہ ہلکتا دیتے جائیں۔ کیونکہ وقت ہلکتا کا بھی گزر چکا ہے اور اے نبی آپ ان کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں آپ سے پہلے کتنے ہی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس بالآخر ان لوگوں کو جو رسولوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے اس عذاب نے آگیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ ان کافروں کا یہی حال ہوتا ہے پس اے نبی آپ تسلی رکھیے گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا پہلے سے انکو وقت نہیں بتلایا گیا۔

ان آیات میں کفار کی عجلت اور جہالت کو بیان کیا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ناواقف ہیں۔ اب آئندہ آیات میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی کمال قدرت اور کمال رحمت کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ ارحم الراحمین دن رات اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان کافروں سے جو رحمن کے

اور اسکی رحمت کے منکر ہیں اور آپ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں خدا کی عقوبت اور مصیبت اور طرح طرح کی بلاؤں سے تمہاری حفاظت کرتا ہے سوائے رحمن کے کوئی نہیں اس کی رحمت کی بناء پر تم اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اس رحمن و رحیم کی رحمت کے قائل ہو جلتے مگر اب بھی قائل نہ ہوئے بلکہ اب بھی بدستور اپنے پروردگار کی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ شکر گزار بنتے۔ شکر تو کیا کرتے الٹے اسکی یاد سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب آگے ان سے دریافت کرتے ہیں کیا ان کے پاس ہمارے سوا اور معبود ہیں جو انکو ہمارے عذاب سے بچالیں گے وہ بیچارے تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کی کیسے کر سکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی انکا ساتھ دے سکتا ہے یعنی انکا کوئی ساتھی نہیں جو مصیبت کے وقت میں انکا ساتھ دے اور اب تک جو لوگ عذاب سے بچے ہوئے ہیں، اسکی وجہ یہ نہیں کہ ان کے معبود ان کی حفاظت کر رہے ہیں بلکہ اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم نے انکو اور ان کے آباء اجداد کو دنیا سے خوب بہرہ مند کیا اور انکو نعمت اور مہلت دی یہاں تک کہ انکی عمریں دراز ہو گئیں سو وہ مغرور ہو گئے اور سمجھ بیٹھے کہ ہم ہمیشہ اسی عیش و عشرت میں رہیں گے اور یہ نہ سمجھے کہ دنیا کی عیش و عشرت کو دوام اور بقا نہیں ہے۔

مغرور مشوکہ دمبدم دست اجل ۛ برہم زندایں بنا کر افراشتہ اند
اللہ کی حلیمی اور مہلت سے یہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے اور عذاب کا انکار کر بیٹھے۔ کیا انکا گمان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں گے اور شتر بے ہمار کی طرح چھٹے پھریں گے اور خدا کی طرف سے کوئی پکڑ نہ ہوگی پس کیا مغرورین دیکھ نہیں رہے کہ ہم زمین کفر کو یعنی دار الحرب کو ہر چہا طرف سے گھٹاتے اور کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ پس کیا یہ لوگ اس توقع اور گمان میں ہیں کہ یہ اسلام پر غالب آجائیں گے یعنی دن بدن کافروں کا زور گھٹتا جا رہا ہے اور انکے ملک اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ رہے ہیں اور مسلمانوں کا ملک دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے کیا ان لوگوں کو اس بات سے عبرت اور تنبیہ نہیں ہوتی کہ اپنے کفر سے رجوع کریں اور سمجھیں کہ یہ سب غیبی امداد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بے سرو سامان بندوں کی یعنی اہل ایمان کی غیب سے مدد کر رہا ہے پس جب کفار مسلمانوں کے ساتھ یہ تائید غیبی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو انکو چاہیئے کہ اپنے دل سے اپنے غلبہ کا خیال نکال دیں۔

یادہ معنی ہیں کہ دن بدن اسلام پھیلتا جاتا ہے اور مسلمان بڑھتے جاتے ہیں اور کفر گھٹتا جا رہا ہے کیا اس مشاہدہ کے بعد بھی انکا گمان ہے کہ وہ غالب آجائیں گے۔

پہلی تفسیر پر یہ شبہ وارد ہو سکتا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور مسلمانوں کا غلبہ اور فتوحات وہ جہاد کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور جہاد مدینہ منورہ میں شروع ہوا اس لیے کہ زمین کفار کے قبضہ سے نکل کر تھوڑا تھوڑا مسلمانوں کے ہاتھ میں آنا یہ بات مکہ مکرمہ میں نہ تھی اس لیے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں سے یہ آیت مکی ہونے سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے اتقان میں ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ

سورت ملی ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دن بدن لوگ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور زمین سے کفر کم ہوتا جا رہا ہے اور یہ بات ہجرت اور جہاد سے پہلے ہی ظہور میں آچکی تھی ہجرت سے پہلے مکہ اور مدینہ کے اطراف اور نواحی میں اسلام پھیل چکا تھا۔ آپ کہتے تھے کہ تم اپنے مال و دوست کے غرہ میں نہ رہو۔ جزایں نیست کہ میں اللہ کے حکم کے موافق تمکو عذاب سے ڈراتا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ میرا کام تو ڈرانے کا ہے تم اپنے انجام کو سوچ لو لیکن یہ بہرے ڈرانے والے کی پکار کو سنتے نہیں جب کبھی بھی یہ بہرے عذاب الہی سے ڈراتے جاتے ہیں یعنی یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہو گئے کہ کتنا ہی انکو ڈرایا جائے سنتے ہی نہیں بڑے بہادر اور دلیر بنے ہوئے ہیں اور انکی بہادری کا یہ حال ہے کہ اگر انکو تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک ادنیٰ سی بھاپ بھی پہنچ جائے اور عذاب کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے تو ضرور بالضرور یہی کہیں گے کہ ہائے ہماری کبھتی بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ یعنی پہلے تو بڑے بہادر بنے ہوئے تھے اور عذاب کی جلدی پھا رہے تھے مگر جب عذاب کا ذرا سا جھونکا بھی لگے گا تو ساری بہادری ختم ہو جائے گی اور اپنے قصور کا اعتراف کریں گے اور یہ اگرچہ ظالم ہیں مگر ہماری طرف سے ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے جسکی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی وہ نجات پائے گا۔ اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہونگی اسے ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ سو کسی جان پر ذرا برابر ظلم نہیں کیا جائیگا اور اگر کسی کا کوئی عمل نیکی یا بدی رائی کے دانے کے برابر بھی ہو گا۔ اگرچہ وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمان وزمین میں ہو تو ہم اسکو وہاں لاکر سب کے سامنے حاضر کر دیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو ہمیں کسی ترازو کی حاجت نہیں ہم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تو یہ فرمایا۔

حَاسِبُونَا هَذَا قَقُوا ۝ شَمَّ مَنْتُوا فَاَعْتَقُوا

ہكذا سَمَةُ الملوک ۝ بالمایلیک یرفقوا

یعنی انہوں نے ہم سے حساب لیا پس ذرہ ذرہ کا حساب لیا۔ پھر احسان کر کے آزاد کر دیا۔ اسی طرح بادشاہوں کی عادت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اپنے غلاموں پر نرمی کیا کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو چکوٹی اور

ضِيَاءً وَذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ

روشنی اور نصیحت ڈر والوں کو۔ جو ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۴۹﴾

اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں۔

وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ لَهُ

اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی، جو ہم نے اتاری۔ سو کیا تم اُس کو

مُنْكَرُونَ ﴿۵۰﴾

نہیں مانتے ؟

تفصیل احوال انبیاء سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین

برائے اثبات توحید رسالت قیامت

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زیادہ تر توحید اور رسالت کے متعلق اور پھر منکرین نبوت و آخرت کے دنیاوی اور آخری عذاب کے متعلق مضامین بیان فرمائے اب انہی مضامین کی تائید کے لیے چند انبیاء سابقین کے احوال کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے دس قصے بیان فرمائے۔

(۱) قِصَّةُ مُوسَىٰ وَهَارُونَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَام

قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ... الى.. أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ۔ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے قبل موسیٰ اور ہارون کو ایسی چیز عطار کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی اور ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والی تھی، مراد اس سے توریت ہے جو حق اور باطل اور حلال و حرام کے فرق کو واضح کرنے والی تھی اور انکو روشنی عطار کی۔ یعنی انکو ایک روشن کتاب عطار کی جس سے تاریکیوں میں راستہ نظر آئے اور پرہیزگاروں کے لیے وعظ و نصیحت کی چیز عطار کی۔ یہ تینوں صفیں توریت کی ہیں جو حق اور باطل کا فیصلہ کرتی تھی۔ اور مشعل ہدایت تھی جس سے دل میں نور پیدا ہوتا تھا اور وعظ و نصیحت تھی، ایسے پرہیزگاروں کے لیے جن کا وصف یہ ہے کہ جو اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور خاص طور پر وہ قیامت سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں اور توریت کے بعد یہ قرآن جو تمہارے پاس ہے یہ بھی ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے

جس کو ہم نے مقام عظمت و جلال سے اتارا ہے اور جو انوار و برکات میں تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ سو کیا اہل مکہ تم اس مشعل ہدایت سر پا نور و برکت کی نورانیت اور برکت کے منکر ہو۔ اور اسکی نورانیت اور خیر و برکت کو دیکھ کر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب اللہ نے اتاری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کو نہیں بنالیا۔ اس مبارک کتاب کی خیر و برکت اور نورانیت اسکے دل میں پہنچتی ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا ہو اور قیامت سے لرزتا ہو۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اسکی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اسکی

عَلَمِينَ ۵۱ اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ

خبر۔ جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو یہ کیا

الْتَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عِقْفُونَ ۵۲

مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو۔؟

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ۵۳

بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہیں کو پوجتے

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي

بولا مقرر رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے صریح

ضَلِيلٍ مُبِينٍ ۵۴ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ

غلطی میں۔ بولے تو ہم پاس لایا ہے سچی بات یا تو

مِنَ اللَّعِينِينَ ۵۵ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ

کھلاڑیاں کرتا ہے۔ بولا نہیں پر رب تمہارا وہی ہے رب آسمان

وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ ۖ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْمِكُمْ

اور زمین کا جس نے انکو بنایا، اور میں اسی بات کا

مِّنَ الشَّاهِدِينَ ۝۵۶ وَتَاللَّهِ لَرَكِيدَانٍ أَصْنَاكُمْ

تاکل ہوں۔ اور قسم اللہ کی! میں علاج کرونگا تمہارے بتوں کا

بَعْدَ أَنْ تَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝۵۷ فَجَعَلَهُمْ جُذًا

جب تم جا چکو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر کر ڈالا ان کو ٹکڑے

إِلَّا كَبِيرًا ۖ لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ۝۵۸ قَالُوا

مگر ایک بڑا انکا کہ شاید اس پاس پھر آویں۔ کہنے لگے

مَنْ فَعَلَ هَذَا بِإِلَهِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝۵۹

کس نے کیا یہ کام ہمارے ٹھاکروں سے؟ وہ کوئی بے انصاف ہے۔

قَالُوا سَبْعًا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ۝۶۰

وہ بولے سہم نے سنا ہے ایک جوان انکو کچھ کہتا، اسکو پکارتے ہیں ابراہیم۔

قَالُوا فَاتُّوْا بِهِ عَلَىٰ عَيْنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

وہ بولے اسکو لے آؤ لوگوں کے سامنے، شاید وہ

يَشْهَدُوْنَ ۝۶۱ قَالُوا أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِإِلَهِنَا

دیکھیں۔ بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے ٹھاکروں پر

يَا إِبْرَاهِيمُ ۝۶۲ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۚ كَبِيرُهُمْ هَذَا

اے ابراہیم۔ بولا نہیں، پر یہ کیا ان کے اس بڑے نے سو ان

فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ۝۶۳ فَرَجَعُوا إِلَىٰ

سے پلوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر سوچے اپنی جی میں

أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ۝۶۴ ثُمَّ

پھر بولے، لوگو! تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر

نَكْسُوا عَلَى رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَؤُلَاءِ

اندھے ہو رہے سر ڈال کر تو تو جانتا ہے جیسا یہ

يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا

بولتے ہیں۔ بولا کیا پھر تم پوجتے ہو اللہ سے ورے ایسے کو

لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أَفِ لَكُمْ وَلِيمًا

کہ تمہارا کچھ بھلا کرے نہ بُرا؟ بیزار ہوں میں تم سے اور

تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا

جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ کیا تم کو بوجھ نہیں۔؟ بولے

حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا إِلَهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٦٨﴾

اسکو جلاؤ اور مدد کرو اپنے ٹھاکروں کی اگر کچھ کرتے ہو۔

قُلْنَا يَنَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَ

ہم نے کہا اے آگ! ٹھنڈک ہو جا اور آرام، ابراہیم پر۔ اور

أَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ

چاہنے لگے اسکا بُرا پھر انہی کو ہم نے ڈالا نقصان میں۔ اور بچا نکالا ہم

وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾

نے اُسکو اور لوط کو، اس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ﴿٧٢﴾ وَكُلًّا

اور بخشا ہم نے اسکو اسحق، اور یعقوب دیا انعام میں اور سب

جَعَلْنَا صِدِّيقِينَ ﴿٧٣﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْدُونَ

کو نیک بخت کیا۔ اور اُن کو کیا ہم نے پیشوا راہ بتاتے

بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ

ہمارے حکم سے اور کہہ بھیجا انکو کرنا نیکیوں کا ، اور کھڑی رکھنی

الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ ﴿۴۳﴾

نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے۔

(۲۱) قصہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام

قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا... الى وَكَانُوا لَنَا عِبْدِينَ

یہ دو ملر قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور ابتداء عمر سے توحید کے دلدادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے اور حضرت ابراہیمؑ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو موسیٰ اور ہارون سے پہلے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کی تھی۔ جو انکی شان کے لائق تھے اور ہم انکی ہدایت اور صلاحیت سے واقف اور باخبر تھے ہم ہی نے انکو مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا منبع اور مخزن بنایا تھا یا یہ معنی ہیں کہ ہم نے ابراہیم کو نبی ہونے سے پہلے ہی حق کی معرفت عطا کر دی تھی یا ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ہم نے انکو خاص اور کامل رشد عطا کر دی تھی ہم ان کی صلاحیت اور اہلیت سے باخبر تھے کیونکہ ان کے وجود کی طرح انکی صلاحیت بھی ہماری عطا کردہ تھی اور اسکا ظہور اس وقت ہوا۔ جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مور میں کیا ہیں جنکے تم معتکف اور مجاور بنے ہوئے ہو اور جنکی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہو وہ بولے ہم نے اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرنے والا پایا لہذا ہم انکی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ بے شک تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں پڑے رہے انکا یہ عمل کسی حجت اور برہان کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض انکے نفس کی خواہش تھی اور ایسی کھلی گمراہی تھی جو کسی عاقل پر مخفی نہیں رہ سکتی وہ تعجب سے بولے کیا تو حقیقت میں کوئی حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرنے والوں میں سے ہے ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیمؑ علیہ السلام نے کہا بلکہ تم کھیل اور دل لگی کر رہے ہو۔ حق اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اس بات پر تمام ملائکہ اور تمام مخلوق الہی شاہد اور گواہ ہے اور میں بھی مجملہ شاہدوں کے ایک شاہد ہوں اور میں اس امر واضح پر دلیل اور برہان بھی قائم کر سکتا ہوں اور میں اسکو خوب جانتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں اور آہستہ سے کہا کہ خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔ جب تم پشت پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے۔ یعنی جب تم عید میں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں کا علاج کر دوں گا یعنی تمہارے بتوں کو توڑ ڈالوں گا

جس سے انکا عاجز اور درماندہ ہونا تمہارے مشاہدہ میں آجائے گا پس جب وہ لوگ اپنی عید میں جانے لگے تو ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے اور کہا کہ میں بیمار ہوں کسی نے کیا خوب کہہا ہے۔

اگر ہمتا شائے عید طلبند : خلیل وار بدیشاں بگو کہ بیمارم

جب وہ چلے گئے تو ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانہ میں داخل ہوتے تو دیکھا ایک بڑا بُت رکھا ہوا ہے اور اسکے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بُت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے بطور استہزار ان سے خطاب کیا اَلَا تَاْكُلُوْنَ تَم کھاتے کیوں نہیں۔ بعد ازاں کہا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ تَم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں بعد ازاں ایک تبر سے انکو توڑنا شروع کر دیا کَمَا قَالَ تَعَالٰی فَرَاغَ عَمَلِكُمْ هُمْ ضَرَبَ الْبَايِلِمَيْنِ۔ اور سوائے ایک بُت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کھٹاڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کر دیا ابراہیم نے ان بتوں کو ٹکڑے مگر انکے بڑے بت کو نہ توڑا اور کھٹاڑا اسکی گردن میں لٹکا دیا۔ شاید وہ مشرکین اپنے اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں جیسا کہ انکا طریقہ ہے کہ وہ مشکلات میں بتوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر اس سے پوچھیں کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض انکو الزام دینا تھا کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز اور لاچار ہیں کہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور اس بڑے بت نے بھی چھوٹے بتوں کی کوئی مدد نہ کی اور عجب نہیں کہ بڑے بت کی گردن میں کھٹاڑا لٹکانے سے اشارہ اس طرف ہو کہ اس منظر کو دیکھ کر لوگ خیال کریں کہ اس بڑے بت کو غیرت آئی کہ میرے ساتھ ان چھوٹے بتوں کی کیوں پرستش کی جاتی ہے اس لیے غیرت کی بنا پر اس نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۔ میں الیہ کی ضمیر کَبِيرًا لَّهُمْ (یعنی بڑے بت) کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید عید سے واپسی کے بعد اس بڑے بت کی طرف رجوع کریں۔ جس طرح کہ وہ حل مشکلات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس منظر کو دیکھ کر اس سے یہ کہیں کہ ان بتوں کو کیا ہوا کہ سب کے سب ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں اور تجھے کیا ہوا کہ تو صحیح سالم ویسا ہی ہے اور یہ کیسا تیشہ ہے جو تیری گردن میں لٹکا ہوا ہے یہ دیکھ کر جان لیں گے کہ یہ بت کسی بھلائی اور برائی کے مالک نہیں یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ اپنے سے بھی ضرر کو دفع نہیں کر سکتے۔ یہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ لوگ واپسی کے بعد ابراہیم کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ وہ بتوں کی عداوت میں مشہور تھے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ شاید وہ اپنے بتوں کی عاجزی اور لاچاری اور انکی ذلت و خواری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رجوع کریں۔ غرض یہ کہ اس بحث و مناظرہ میں دو طریقے اختیار کیے ایک قولی اور ایک فعلی۔ اول زبان سے انکے بتوں کی بے بسی ثابت کی۔ جب وہ اس سے قائل نہ ہوئے تو زبانی حجت سے گزر کر فعل سے بتوں کی بے بسی ثابت کی کہ وہ اپنی حفاظت اور مدافعت سے بھی عاجز ہیں اس طرح قول اور فعل دونوں طریق سے ان

پر حجت قائم کر دی۔

پس جب وہ لوگ اپنی عید سے واپس آئے اور بُت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا۔ بولے کس نے ایسا کیا ہمارے بتوں کے ساتھ وہ شخص جس نے ایسا کام کیا بے شک وہ ظلم کرنے والوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو سنا ہے کہ وہ انکا تذکرہ برائی کے ساتھ کرتا رہتا ہے اسکا نام ابراہیمؑ بتلایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا ہے یہ کام اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب مشرکین سے گفتگو کی تھی تو اس وقت انکی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا۔ **قَالَ لِلَّهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ** الخ یعنی میں تمہارے ساتھ ایک چال چلوں گا تو جس شخص نے یہ لفظ حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے سنا تھا اس نے یہ کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ کام اس نوجوان کا ہے کہ بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا تھا۔ جب یہ خبر فرود اور اس کے ارکان دولت کو پہنچی تو بولے کہ پھر تو اسکو لے آؤ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تاکہ لوگ گواہی دیں کہ بتوں کو توڑنے والا یہی شخص ہے یا یہ معنی ہیں کہ اسکو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ اس کو دیکھیں حضرت ابراہیمؑ بھی چاہتے تھے کہ مجمع میں اس پر گفتگو ہو تاکہ ان لوگوں کی جہالت اور بے عقلی ظاہر ہو کہ جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیمؑ حاضر کیے گئے اس وقت ان لوگوں نے کہا کہ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے، ابراہیمؑ علیہ السلام نے جواب میں کہا بلکہ اس کام کو ان کے اس بڑے نے کیا ہے جو صحیح سالم کھڑا ہے اور ہمیشہ (کھلاڑا) اپنی گردن میں لٹکائے ہوئے ہے جو توڑنے کا آلہ ہے۔ شاید اس کو اس بات پر غصہ اور غیرت آئی ہو کہ تم اس بڑے کے ساتھ اور اس کے سامنے ان چھوٹوں کو کیوں پوجتے ہو اس لیے اس نے انکو توڑ دیا۔ کیا جب اس بڑے بت کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ کام بھی اس نے ہی کیا ہو اور اگر تمہیں یہ شبہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے سو تم ان چھوٹے بتوں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں یہ خود ہی بتلا دیں گے کہ یہ کام کس نے کیا ہے، تمہارے اعتقاد میں جب یہ بُت تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو لامحالہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکیں گے۔ حضرت خلیل اللہؑ کی مراد یہ تھی کہ جو اس درجہ عاجز ہے کہ بولنے پر بھی قادر نہیں تو اس کو معبود بنانا حماقت ہے۔ کیونکہ جو بولنے سے بھی عاجز ہے اور جس مکان میں یہ واقعہ پیش آیا اس کے علم سے بھی قاصر ہے تو وہ معبود کیونکر ہو سکتا ہے۔ بتوں کو توڑنے والے بلاشبہ حضرت ابراہیمؑ تھے لیکن **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ** کہہ کر توڑنے کا حوالہ بڑے بُت پر جو کیا تو وہ بطور جد (حقیقت) نہ تھا بلکہ بطور استہزاء و تمسخر تھا۔ جس سے مقصود انکی تحقیر و تہلیل تھی کیونکہ صورت حال ایسی تھی کہ یہ فعل (بتوں کا توڑنا) حضرت خلیل اللہؑ اور بڑے بُت کے درمیان دائر تھا جس میں سے ایک بلاشبہ عاجز تھا یعنی بُت اور ایک بلاشبہ قادر تھا یعنی حضرت ابراہیمؑ اور عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو فعل عاجز اور قادر کے درمیان دائر ہو یعنی ایک تو اس فعل پر قادر ہو اور دوسرا اس فعل سے عاجز ہو تو قادر کو چھوڑ کر عاجز کی طرف اس فعل کی نسبت کی جائے تو یہ عاجز کے ساتھ تمسخر اور استہزاء ہے۔ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو یقین تھا کہ احتمال کے درجہ میں بھی کافروں کو یہ خیال نہیں آئیگا کہ اس بڑے بُت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑ کر کھلاڑا اپنی گردن پر لٹکا لیا ہے۔ محض استہزاء کے طور

ان سے یہ کہا ہے، یہ ایسا ہے جیسے کسی اعجاز رقم یعنی خوشنما تحریر کی کتابت کی نسبت کسی جاہل اور آن پڑھ کی طرف کر دی جائے اور اس آن پڑھ سے کہا جائے کہ یہ اعجاز رقم کتابت آپ ہی نے فرمائی ہے تو بلاشبہ یہ اس جاہل کے ساتھ استہزاء ہوگا اور یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ فی الحقیقت اس کندہ ناتراش نے یہ خوشنما تحریر لکھی ہے بلکہ یہ ایک قسم کا طنز ہوگا اگر کسی جاہل کو یہ کہا جائے کہ تو بڑا عالم ہے تو کسی عاقل کے نزدیک یہ جھوٹ شمار نہ ہوگا غرض یہ کہ اس قول بَلْ فَعَلَهُ كَبِئُوهُمْ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود کسی واقعہ کی خبر دینا — نہ تھا کہ اس کو کذب کہا جاسکے بلکہ بطور کنایہ انکی تحمیق و تجمیل مقصود تھی، دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۲۹ ج ۱ و حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص ۱۶۱ اور حضرات اہل علم اس مقام حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۵۵ جلد ۴ ضرور دیکھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ میں نے بت نہیں توڑے یا میں نہیں جانتا کہ کس نے یہ بت توڑی حضرت ابراہیم نے بتوں کے توڑنے اور پھوڑنے کے متعلق صراحتاً نہ اقرار کیا اور نہ انکار بلکہ ایسی بات کہی جس سے خود ظاہر ہو گیا کہ توڑنے والا کون ہے جیسے ایک کوٹھری میں فقط ایک شخص بیٹھا ہے اس نے زید کو پکارا زید نے متوجہ ہو کر وہاں آکر پوچھا کہ اس کوٹھری میں سے مجھے کس نے پکارا۔ اس نے جواب دیا کہ دیوار نے تو صاف مطلب یہ ہے کہ میں نے پکارا، اس لیے کہ اس کوٹھری میں میرے سوا کوئی پکارنے والا نہیں اور دیوار پکار نہیں سکتی تو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے پکارا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام بطور اخبار نہ تھا بلکہ بطریق تعریض و توریہ انکے الزام اور تحمیق و تجمیل کے لیے تھا اور اس کے بعد کا جملہ فَسَعَلُوهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ۔ اسی تجمیل کی تمہیم و تکمیل کے لیے تھا کہ یہ بت اگر بول سکتے ہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا بولنا تو محال ہے تو معلوم ہوا کہ انکا یہ کام کرنا بھی محال ہے اور تم ہی نادان ہو کہ ایسی ذات کو معبود بنائے ہوئے ہو کہ جو بولنے پر بھی قادر نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا یعنی توڑنے کو بڑے بت کی طرف نسبت کرنا بطور تعلیق بالمحال تھا جس سے مقصود انکی تکبیر اور توہین اور تنبیہ تھی معاذ اللہ یہ کسی واقعہ کی خبر نہ تھی جو کذب (جھوٹ) میں داخل ہو سکے اور بعض احادیث میں جو اس پر کذب کا اطلاق آتا ہے تو وہ محض ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے اور مقصود محض الزام اور تمام حجت ہے۔ (دیکھو تفسیر بیضاوی و حاشیہ شیخ زادہ ص ۳۵۵ جلد ۳)

علامہ نسفیؒ اس آیت کی تفسیر میں کیا خوب فرماتے ہیں فان من لا يدفع عن نفسه الفأس — كيف يدفع عن عابديه البأس۔ (تحقیق جو ذات اپنے سر سے کلھاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں کی بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے) غرض یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب لا جواب سن کر سب خاموش رہ گئے۔ تب انہوں نے اپنی عقلوں کی طرف رجوع کیا اور جہالت اور حماقت پر متنبہ ہو کر شرمندہ ہوئے پھر آپس میں بولے کہ بیشک تم ہی ظالم ہو تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ ایک عاجز کو اپنا معبود بنایا ابتداء میں مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو ظالم بتلایا تھا جب ذرا ہوش آیا تو خود اپنے کو ظالم بتلایا

اور جبر و قہراً حق انکی زبان پر جاری ہو گیا اور سمجھ گئے کہ بتوں کی عبادت کرنا ظلم ہے اور ان کا توڑ نا ظلم نہیں پھر وہ
نجالت اور ندامت سے سرنگوں ہو گئے یعنی شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت میں پڑ گئے اور بولے اے ابراہیم تو تو
جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں پھر ہم ان سے کس طرح پوچھیں اور تو ہم سے کیوں کہتا ہے کہ ان سے پوچھو۔ اس طرح
سے خود اپنی حیرت کا اقرار کر لیا۔ پس جب حضرت ابراہیم ؑ کی اس جھٹ اور اس جواب سے لا جواب ہو گئے تو حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا پھر اس اقرار اور اعتراف کے بعد بھی تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو کہ
اگر تم اسکی عبادت کرو تو وہ تمکو نفع نہ پہنچا سکے اور اگر تم اسکی عبادت نہ کرو تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے
ایسی بیکار چیزوں کی کیوں پرستش کرتے ہو۔ لف ہے تم پر اور اس چیز پر جسکو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو یعنی تم اور
تمہارے معبود سب ذلیل اور حقیر ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے جو اتنا بھی سمجھ سکو کہ ایسی عاجز اور لاچار چیز کو معبود
بنانا صریح حماقت اور جہالت ہے جو چیز توڑی اور پھوڑی جاسکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ
نے انکی جہالت اور حماقت سے گہرا کراٹھ لیا کہ میں ایسے بے وقوفوں سے بری اور بیزار ہوں کہ جو باوجود
حق واضح ہو جانے کے اور غدر قطع ہو جانے کے بھی اپنی جہالت پر جھمکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر دلیلیہ کا جب کوئی جواب نہ بن آیا تو بمقتضائے اس
قول کے۔

پوچھت نماںد جفا جوئے را بہر خاش برہم کشد روئے را

تو پر خاش اور بیکار و آزار پر اتر آئے تو آپس میں کہنے لگے کہ اسکو آگ میں جلا دو جو سب سے
زیادہ ہولناک عذاب اور سزا ہے اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کر سکتے ہو یعنی اپنے معبودوں کی مدد کی
صرف یہ صورت ہے کہ اسے آگ میں جلا دو بغیر اسکے ناممکن ہے جب تک یہ زندہ رہے گا برابر تمہارے
معبودوں کو برا کہتا رہے گا۔ اور انکی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام لوگوں کو آتش دوزخ
سے ڈراتے تھے اس لیے مہرودنے یہ رائے دی کہ اس شخص کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ جب مہرود اور
اسکی قوم نے ابراہیم علیہ السلام کے جلانے پر اتفاق کر لیا اور ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے ابراہیم ؑ کو اس
آگ میں ڈال دیا اس وقت ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا کہ ابراہیم علیہ
السلام کو اس سے کوئی تکلیف نہ ہو چنانچہ ایسا ہی ہو گیا اور ان کا مقصود تو حاصل نہ ہوا بلکہ اسکے برعکس حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی مزید حقانیت ظاہر ہو گئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ بردا کے ساتھ
سلاما کا لفظ نہ فرماتے تو وہ آگ اس قدر ٹھنڈی ہو جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام اسکی برودت سے مر جاتے
یا ٹھٹھہر جاتے اور اگر علی ابراہیمؑ علیہ السلام کا لفظ نہ فرماتے تو دنیا کی ساری آگیں ٹھنڈی ہو جاتیں، مطلب
یہ ہوا کہ اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈی ہو جا مگر تیری برودت ایسی معتدل اور خوشگوار ہو کہ
ابراہیمؑ کی راحت کا سبب بنے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہو گیا اور کعب اجبار سے منقول ہے کہ آگ
نے ابراہیم علیہ السلام کے صرف بند جلانے اور اسکے سوا کوئی ایذا نہیں پہنچی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے

آگ کی روشنی باقی رکھی اور اسکی حرارت کو مبدل بہ برودت کر دیا جیسے دوزخ کے مہتمم اور منتظم فرشتہ کو دوزخ کی حرارت محسوس نہیں ہوتی۔ اور شتر مرغ گرم لوہے کا ٹکڑا نگل جاتا ہے اور اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور سمندل ایک جانور ہے جو آگ میں رہتا ہے اور آگ ہی اسکی زندگی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آگ کو اپنے خلیل کے لیے برود و سلام بنا دیا (دیکھو تفسیر غرائب القرآن ص ۳۵ جلد ۱ بر حاشیہ ابن جریر اور دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۶)

اور ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فریب اور سکر کرنا چاہا اور انکو جلانا چاہا پس ہم نے انہی کو ہر زیاں کار سے زیادہ تر زیاں کار کر دیا کہ انکی ساری سعی بیکار گئی اور سب خسارہ اٹھانے والوں سے بڑھ کر انکو خسارہ اٹھانے والا کر دیا اس طرح آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برود و سلام ہو جانا ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہوا جو ان کے لیے موجب صد عزت و کرامت اور سبب صدر رفعت ہوا اور کافروں کے لیے موجب صد ذلت و اہانت ہوا۔ اور معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا سبب عادی کے اپنی قدرت و اختیار سے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی تائید و تقویت کے لیے کوئی ایسا امر ظاہر فرماتے کہ سارا عالم اس کے مثل لانے سے اور اس کے مقابلہ سے عاجز ہو۔ من جانب اللہ یہ تو حضرت ابراہیم کی عزت و کرامت کا سامان ہوا کہ آگ ان کے حق میں گلزار بن گئی اور نمرود کی ذلت اور اہانت کا یہ سامان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی قوم پر ایک نہایت حقیر جانور مچھر کو مسلط کیا کہ نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جو کسی تدبیر سے نہ نکل سکا یہاں تک کہ نمرود اسی میں ہلاک ہو گیا اور مچھروں نے کافروں کے گوشت کھائے اور ان کے خون چوس لیے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۵ ج ۱۱)

ذکر ہجرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام

اور بعد ازاں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام کو کافروں سے نجات دی اور ان سے بچا کر اس زمین کی طرف پہنچا دیا جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے مراد اس ارض مبارکہ سے زمین شام ہے۔ ابراہیم علیہ السلام عراق میں رہتے تھے جہاں نمرود رہتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت فرمائی اور ان کے ساتھ اور چند آدمیوں نے

۱۰ قال الامام القرطبی قولہ تعالیٰ وَاَرَادُوا بِہٖ کَيْدًا اِی اراد نمرود واصحابہ ان یمکروا بہ جعلناہم الاخسرین فی اعمالہم ورددنا مکرمہم علیہم بتسلیط اضعف خلقنا قال ابن عباس سلط اللہ علیہم اضعف خلقہ البعض فمارح نمرود حتی رای عظام اصحابہ وخیلہ تلوح اکلت لحومہم وشربت دماغہ ووقت واحدة فی منخرہ فلم تنزل تأکل الی ان وصلت دماغہ وکان اکرم الناس علیہ الذی یضرب راسہ بموزیہ من حديد فاقام بہذا نحو من اربعائے (تفسیر قرطبی ص ۳۰۵ ج ۱۱)

بھی ہجرت کی جو ان پر ایمان لے آئے تھے جن میں حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے جو ساری قوم کے خلاف ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ فَاهَنْ لَهُ لُوطٌ۔ اور آپ کی بی بی سارہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اول جاکر حتران میں ٹھہرے پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے مصر چلے گئے پھر وہاں سے شام آئے اور فلسطین کے علاقہ میں اقامت اختیار کی۔ اور لوط علیہ السلام نے مؤتلفہ میں رہنا اختیار کیا۔ خذ التعلیٰ نے انکو اس علاقہ کا نبی بنا دیا۔ غرض یہ کہ ان حضرات نے بحکم الہی ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور پھر ہجرت کے بعد ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکی درخواست کے مطابق بیٹا اسحاق دیا اور یعقوب پوتا بطور نفل اور زیادہ دیا یعنی پوتا بغیر درخواست کے بے مانگے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کل عمر ایک سینتالیس برس کی ہوئی۔ اول اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑھاپے میں اسحاق بیٹا عطا کر کیا اور پھر اسحاق کا بیٹا یعقوب پیدا ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں پوتے کو بھی دیکھا اور پوتے کو نافلہ فرمایا اس لیے کہ نافلہ کے معنی زیادہ کے ہیں۔ پوتا چونکہ بیٹے پر زیادہ سے اس لیے اسکو نافلہ کہا یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے سوال صرف فرزند کا کیا تھا۔ سوال اللہ نے انکی دعا قبول کی اور ان کو اسحاق فرزند عطا کیا اور یعقوب بغیر سوال کے زیادہ ملے۔ اس لیے انکو نافلہ سے تعبیر کیا اور ان سب کو یعنی باپ اور بیٹے پوتے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے انکو مخلوق کے لیے پیشوا بنایا کہ وہ لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق راہ بتائیں اور ہم نے انکی طرف نیک کاموں کے کرنے کی عموماً اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی خصوصاً دجی بھیجی۔ نیک کاموں میں نماز اور زکوٰۃ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ عباداتِ بدنیہ میں نماز سب سے افضل ہے اور عباداتِ مالیہ میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے اور یہ سب خالص ہماری عبادت کرنے والے اور ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام پر طرح طرح سے احسان فرمائے۔ اول تو یہ کہ بچپن ہی سے ان کو رشد و ہدایت سے نوازا۔ دوم یہ کہ ظالم و جابر کے مقابلہ میں انکو غلبہ عطا کر کیا۔ سوم یہ کہ انکو بابرکت زمین کی طرف ہجرت کرائی۔ چہارم یہ کہ انکو اولاد صالح عطا کر کی۔ پنجم یہ کہ اولاد کو بھی مقتدار اور پیشوا تے عالم بنایا۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

لطائف معارف

- ۱۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو انکارِ رشد پہلے ہی سے دیدیا تھا، یعنی صغیر سنی میں انکو حق کی معرفت اور الہام و درجت عطا کر دی تھی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انبیا کرام اگرچہ نبوت سے پہلے نبی نہیں ہوتے مگر صاحب الہام و معرفت ضرور ہوتے۔
- ۲۔ مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آکر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیمؑ سے پوچھ دیا کہ یہ کام تو نے کیا ہے تو ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ بَلْ كَامُ كَوَانِ کے بڑے نے کیا حضرت ابراہیمؑ اس واقعہ کے متعلق صحیح بخاری وغیرہ میں ایک حدیث آئی ہے اس کا مطلب سمجھ لینا چاہیے وہ حدیث یہ ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے سوائے تین مرتبہ کے کبھی جھوٹ نہیں بولا ایک تو اس وقت کہ جب ان کی قوم نے زیارت

کیا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرٌ مُّسْمَرٌ۔ یعنی انکے بڑے نے توڑا، دوسرے اس وقت جبکہ انکی قوم نے انکو اپنے ساتھ عید میں چلنے کو کہا تو انہوں نے کہا۔ اِنِّیْ سَقِیْتُھُو۔ یعنی میں بیمار ہوں، تیسرے اس وقت کہ جب مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے انکی بی بی سارہ کو گرفتار کیا تو انہوں نے یہ کہا ہٰذِہِ اُحْتِیْیَہِ میری بہن ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بظاہر جھوٹ بولنا مذکور ہوا حالانکہ حضرات انبیاء کرامؑ تو قطعی طور پر معصوم ہوتے ہیں اسی خیال کی بنا پر بعض لوگوں نے اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور حدیث کی بے شمار معتبر اور مستند کتابوں میں اسانید صحیحہ اور جیدہ سے مذکور ہے جس کی صحت میں آج تک کسی امام حدیث نے کلام نہیں کیا اور نہ کلام کی گنجائش ہے۔

بلکہ اس حدیث میں کذب (جھوٹ) سے تعریض اور کنایہ مراد ہے یعنی ایسی ذومعنی بات کہنا کہ جو حقیقت اور واقع کے اعتبار سے تو صحیح ہو اور واقع کے مطابق ہو اور ظاہری معنی اور سرسری مطلب کے لحاظ سے سننے والا ایسے معنی سمجھے کہ اس کی سمجھ کے اعتبار سے خلاف واقع ہوں، حضرات انبیاء کی زبان مبارک سے جو کلمہ نکلتا ہے وہ فی الحقیقت ہرگز ہرگز خلاف واقع نہیں ہوتا البتہ مخاطب اور سامع کے فہم اور ادراک کے لحاظ سے کبھی خلاف واقع ہوتا ہے تو یہی کے معنی اخفاء یعنی چھپانے کے ہیں مبتکلم نے کسی مصلحت کی بنا پر حقیقت حال کے چھپانے کے لیے ایسا لفظ بولا جسکے متعدد پہلو تھے، سامع اپنے تصور فہم کی وجہ سے اسکو پوری طرح نہ سمجھ سکا۔ سامع کی نظر اس کلام کے ظاہری پہلو پر گئی اور متکلم کی نظر اسکے خفی اور پوشیدہ پہلو پر تھی سو یہ تو یہ ہے جھوٹ نہیں چونکہ حضرات انبیاء کرامؑ کا مرتبہ بہت بلند ہے اس لیے یہ امر بھی انکی شان بلند کے مناسب نہیں کہ انکے کلام میں کوئی پہلو خلاف توقع نکل سکے۔ تو یہ اور کنایہ اگرچہ بر بنائے مصلحت و ضرورت جائز ہے مگر درجہ رخصت میں، مقام عزیمت یہ ہے کہ بلا کسی تور یہ اور کنایہ کے امر حق کو صراحتہً واضح کیا جائے اور کھول کر صاف صاف بیان کیا جائے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام پر چونکہ بجائے عزیمت کے رخصت کی طرف تنزل فرمایا۔ سو یہ تنزل انکے مقام جلیل سے کئی درجہ نازل تھا اس لیے قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام شفاعت سے پہلو تہی فرمائیں گے اور اپنے ان کنائی الفاظ کو ذریعہ معذرت بنائیں گے۔

ان تین باتوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی بات بھی خلاف واقع نہ تھی البتہ ایک دینی اور شرعی ضرورت کی بنا پر تعریض اور کنایہ کے باب سے تھی مگر انکی شان رفیع اور مقام بلند کے لحاظ سے ایسی تعریض بھی ان جیسی جلیل القدر ہستی کے حق میں کذب کا حکم رکھتی ہے۔ حسنات الابواب سیئات المقربین عقلاً و شرعاً یہ امر مسلم ہے کہ تعریض اور تور یہ کذب نہیں اور وہ فی حد ذاتہ جائز ہے نہ عصمت کے منافی ہے اور نہ نبوت کے منافی ہے۔ بعض مرتبہ خود حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اس کی اجازت دی ہے۔ اٰیَتُھَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ۔

دوم یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ تینوں باتیں محض دینی مصلحت کے لیے اور خالص اللہ کے لیے تھیں۔ حضرت ابراہیم کا یہ کہنا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ اَوْ اِنْ هُوَ اِلٰهِ سَقِيْمٌ کہنا یہ دو باتیں کہ جن میں ذرہ برابر بھی اپنا ذاتی نفع نہیں۔ البتہ تیسری بات ہذا اختی یہ میری بہن ہے اس میں من وجہ حضرت ابراہیم کا اپنا ذاتی نفع بھی تھا مگر ہر جگہ دینی مصلحت مد نظر تھی۔ اس وجہ سے حدیث میں ہے کہ ذالک فی ذات اللہ اپنی ذاتی غرض اور دنیوی مصلحت مد نظر نہ تھی جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ ما منہا کذبۃ الا ما حل بہا عن دین اللہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا ہر کذب (تعریض) محض اللہ کے دین کی حمایت اور مدافعت کے لیے تھا اپنے ذاتی فائدہ اور غرض کے لیے نہ تھا۔

سوم یہ کہ حضرت ابراہیم نے یہ کلمات تعریض اور الفاظ تور یہ ایسی شدت اور مصیبت کے وقت میں دینی ضرورت کے لیے استعمال فرمائے کہ ایسی حالت میں صریح کذب کا استعمال فقط جائز ہی نہیں رہتا بلکہ بسا اوقات واجب ہو جاتا ہے ظالم کے ظلم دفع کرنے کے لیے صریح کذب بھی جائز ہے اور کنا یہ اور تور یہ اور تعریض کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ سب درست تھے مگر بایں ہمہ ان کے مقام بلند نے اسکو بھی محسوس فرمایا اور دل میں بھی محجوب ہوئے اس لیے قیامت کے دن جو لوگ آپ کے پاس شفاعت کی درخواست لیکر جائیں گے تو ان تین باتوں کو شفاعت سے عذر کے لیے ذکر فرمائیں گے۔

حضرت حق جل شانہ کا ابراہیم علیہ السلام کے اس قول رَبِّ اَدْنِیْ کَیْفَ تَحْیِ الْمَوْتٰی کے جواب میں یہ فرمانا۔ اَوَلَمْ تَوَعِّدْ ہِی حضرت ابراہیم کے علوشان کی دلیل ہے کہ ان کے اس سوال کو عدم ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح ابراہیم کے ان تعریض اور کنائی الفاظ پر کذب کا اطلاق ان کے علوشان کی دلیل ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جن احادیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان تین باتوں میں کذب کی نسبت کی گئی ہے سو یہ اطلاق محض ظاہر اور صورت کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اور کذب الی ثلاث میں الّا استثناء منقطع کے لیے ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم تو صدیق معظم اور صدق محترم تھے انکی زبان سے کبھی کوئی کذب نکلا ہی نہیں۔ مگر ساری عمر میں تین باتیں انکی زبان سے ایسی نکلیں کہ مخاطب نے سُن کر ان سے جو سمجھا وہ خلاف واقع تھا۔ مخاطب کے اعتبار سے ان الفاظ کی صورت جھوٹ کی سی تھی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم والحکم۔

(۳) وہ لوگ حضرت ابراہیم کی حجت اور برہان سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے سوا انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں شہکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنيق کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار آپ کا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ اسکی مدد کریں خدا تعالیٰ نے فرمایا وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے

تو میری طرف سے اجازت ہے کہ وہ اسکی مدد کرے، چنانچہ جبریلؑ امین انکے پاس پہنچے اور پوچھا کہ تم کو کچھ حاجت ہے فرمایا کہ تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ کو میرے حال کا علم ہے وہ میرے لیے کافی ہے وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور اسکا میرے حال کو جانتا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔ پڑھا۔ اللہ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد و سلام بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدن سے بندھن اور طوق اور بٹیریاں اور ہتھکڑی تو جلادی مگر ابراہیمؑ کے جسم کو آخ تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک ابراہیم علیہ السلام اسی آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیان ہے کہ جیسا عیش مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا عیش عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک فرشتہ انکی تسلی کے لیے انکے پاس آ بیٹھا اور جبریلؑ جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لائے اس قمیص کو ابراہیم علیہ السلام کو پہنادیا اور اس فرش کو بچھا دیا اور انکے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا اے ابراہیمؑ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر غرود نے اپنے محل پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو جھانکا تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں۔ اور آتش کدہ ان کے لیے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر غرود نے ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو جواب دیا کہ ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور غرود اور اسکے ارکان دولت نے حضرت ابراہیمؑ کا استقبال کیا اور یہ کہا کہ اے ابراہیمؑ تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ غرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور دھرم و دے کے داغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بقدر ضرورت مختصر ہم نے یہ قصہ ذکر کر دیا باقی آثار کی تفصیل اگر درکار ہے تو تفسیر درمنثور ص ۳۲ ج ۴ اور تفسیر روح المعانی ص ۱۷ ج ۱۷ اور البدایہ والنہایہ ص ۱۵ ج ۱۔ اور تفسیر روح البیان ص ۹۶ ج ۵ دیکھیں۔ ان میں سے بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہیں مگر قرآن و حدیث کے معارض نہیں، اس لیے حسب ارشاد نبویؐ اُحْدُثُوا عَنِ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَاجَ لَكُمْ بِأَنْ تَكُونُوا كَالْأَنْبِيَاءِ۔

۴۔ اس طرح آگ کا برد و سلام ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ امر کوئی محال نہیں۔ تمام کائنات عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے اندرونی طور پر ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ باطنی طور پر نفس ناطقہ اعضاء کو جو حکم دیتا ہے اسکے مطابق اعضاء حرکت کرتے ہیں۔ اسی طرح بسائط اور مرکبات اللہ کے اندرونی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشی مادہ رکھا ہے جو کھلنے کو ہضم کرتا ہے اور اسکو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ

پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی۔ اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اسکا نام و نشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت نوعیہ اور صورت شخصیہ سب ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت ہلا کی حرارت ہے گوشت تو کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں، جیسا کہ پرندوں کے پیچال سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے غرض یہ کہ معدہ میں اس ہلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر لوہا یا ریک کر کے نکالتی ہے مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجیب الخلقہ حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔ پس جس خالق آتش نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے آتش غرود کو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہر حال آگ اللہ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ آتش معدہ میں آپ نے اسکا مشاہدہ کر لیا۔

حکایت

عارف رومیؒ نے تنوٰی میں ایک حکایت نقل کی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عبت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو عبت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک عبت رکھا اور کہا کہ جو اس عبت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا اسی اثنائے میں ایک بچہ والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا اس عبت کو سجدہ کر۔ وہ عورت مؤمنہ تھی اس نے عبت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھپ کر آگ میں ڈال دیا گیا کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لیے عبت کو سجدہ کرے پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا اور بچہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بیتاب ہو گئی۔ یکایک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی اے ماں تم بھی یہاں آ جاؤ یہ تو عشرت کدہ ہے یہاں تو خدا کی رحمت جلوہ گر ہو رہی ہے۔ اندر آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے غرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آ جا یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوان کرم بچھا ہوا ہے۔ اور اے مسلمانو! تم سب اندر آ جاؤ اور پروانہ کرو جس طرح ہو اس آگ میں کود پڑو اور ماں اپنے بچہ کا یہ کلام سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا کہ اے مسلمانو تم بھی اسی باغ میں آ جاؤ یہ سنتے ہی لوگ ذوق و شوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ نوبت بایںجا رسید کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے، وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے برگشتہ کرے لیکن تقدیر الہی نے اسکی تدبیر کو بالکل الٹ دیا یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش اُگیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

پچنانچہ عارف رومیؒ قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

عقاب کردن جہو آتش را کہ چرانی سوی جواب

کافر بادشاہ کا آگ کو عقاب کہے تاکہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شہ کائے تند خو ۛ اں جہاں سوز طبیعی خوت کو
بادشاہ غیظ و غضب میں بھلا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا اے تند خو تیری طبیعی عادت اور مزاجی خاصیت
یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی۔

چوں نمی سوزی چہ شد خاصیت ۛ یا ز بخت ماد گر شد نیست
تو جلاتی کیوں نہیں۔ تیری طبیعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری قسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور
اصل ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی۔

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست ۛ آنکہ نہ پرستد ترا و چوں پرست
اے آگ تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی۔ پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا
وہ تیرے جلانے سے کیونکر بچ گیا۔

ہرگز ای آتش تو صابر نیستی ۛ چوں نسوزی چیست قادر نیستی
اے آگ تو کسی حال میں بھی صابر نہیں کہ جلانے سے صبر کرے پھر کیا وجہ ہے کہ تو نہیں جلاتی۔ کیا تو جلانے
پر قادر نہیں رہی۔

چشم بذاست اے عجب یا ہوش بند ۛ چوں نسوز اند چہیں شعلہ بلند
اے آگ بڑے تعجب کی بات ہے اور عجب قصہ ہے یہ کیا نظر بندی ہے یا ہوش بندی ہے کہ اتنا بلند
شعلہ جلا تا کیوں نہیں۔

جادوئے کردت کسے یا سیمیا ست ۛ یا خلاف طبع تو از بخت ما ست
اے آگ کیا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا کوئی طلسم اور شعبہ ہے یا ہماری بد قسمتی سے تیرے مقتضائے
طبیعت کے خلاف یہ کام ہو رہا ہے۔

جواب دامن آتش بادشاہ جہو را با سر بادشاہ حقیقی

بادشاہ حقیقی (حق تعالیٰ) کے حکم سے بادشاہ مجازی کو آگ کا جواب دینا

گفت آتش من ہانم آتشم ۛ اندر آتا بہ بینی تابشم
آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا کہ میں وہی آگ ہوں۔ میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ تو
اندر آتا کہ تجھ کو میری پیش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔

طبع من دیگر نکشت و غضم ۛ تیغ حقم ہم بدستوری بزم
میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی۔ میں حق کی تلوار ہوں اسکی اجازت سے کاٹتی ہوں جس طرح تلوار اپنے
چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بلکہ شمشیر زن کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے اسی طرح میں جلانے میں مستقل نہیں کہ
بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔

بر در خرگہ سگان ترکمان ۛ چا پلوسی کردہ پیش ہمان
تم نے دیکھا ہو گا کہ ترکمان کے دروازہ پر کتا بیٹھا رہتا ہے جب کوئی ہمان آتا ہے تو وہ کتا ہمان کے
آگے خوشامد کرنے لگتا ہے اور دم ہلانے لگتا ہے۔

در بخرگہ بگذرد بیگانہ او ۛ حملہ بیند از سگان شیرانہ او
اور اگر کتا خیمہ کے پاس سے کوئی بیگانہ آدمی گزرتا ہو دیکھتا ہے تو شیر کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔
من زسگ کم نیستم در بندگی ۛ کم ز ترکی نیست حق در زندگی
آگ نے کہا کہ میں بندگی اور فرمانبرداری میں کتنے سے کم نہیں اور خداوند حق در زندگی
کم نہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا ہے حاصل یہ ہے کہ تہم سبب اور مسببات بالذات اور بالطبع کسی چیز
میں موثر نہیں اسباب کے سببیت اور اشیا کی خاصیت سبب اسکے حکم کے تابع ہے۔

لیکن سبب را آن سبب آورده پیش ۛ بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش
ایں سبب را آن سبب عامل کند ۛ باز گاہے بے پردہ عاقل کند

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا وہ
قادر مطلق ہے جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو
بے اثر اور بیکار بنا دیتا ہے جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اسکے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور
انکی خاصیتیں بھی اسکے اختیار میں ہیں۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے مثنوی مولانا روم ص ۶ دفتر اول دیکھیں۔

باد و خاک و آب آتش بندہ اند ۛ با من و تو مردہ با حق زندہ

حق جل شانہ کے اس قول یا نار کونہ کونہ ۛ سلاھا میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے آگ سے خطاب فرمایا کہ تو ابراہیم کے حق میں برد اور سلام ہو جا۔ اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اللہ
تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ یا ارض ابلعی ہاءک و یا سماء اقلعی اور داؤد علیہ السلام
کے قصہ میں پہاڑوں کو اور پرندوں کو حکم دیا یا حیال اربی معن والطین معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں زندہ ہیں اللہ
کے حکم کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور اسی پر چلتی ہیں آخر موسیٰ علیہ السلام کا عصا ایک لکڑی ہی تو تھا۔ مگر ہر لکڑی میں یہ
خاصیت نہیں کہ وہ اثر دہا بن کر سانپوں کو نگل جائے اگر بالفرض والتقدیر عصا موسیٰ اب کہیں سے مل جائے

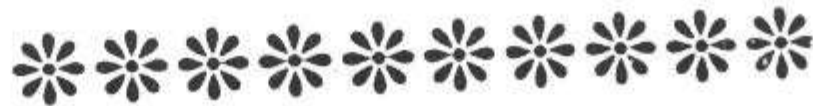
اور بالفرض والتقدیر کسی طرح یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ وہی عصا ہے تب بھی وہ آثار نمودار نہ ہوں گے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے تھے۔ لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ طبیعت اور فطرت اور مادہ اور نیچر کے چکر میں نہ پڑے خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے اسکو بے چون و چرا مان لے، تم کتنے ہی بڑے فلسفی اور سائنسدان ہو جاؤ۔ پوری حقیقت اور پوری ماہیت تمہیں ایک چیز کی بھی معلوم نہیں۔ کچھ ظاہری چیزوں کی شد بد ہو گئی ہے جس نے تمکو مغرور بنا دیا ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

جواب دیگر

اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی ایسا سامان پیدا کر دیں کہ آگ اثر نہ کر سکے جیسے آج کل ایسی چیزیں ایجاد ہوئیں کہ وہ جسم کو آگ کے شعلوں سے محفوظ رکھ سکتی ہیں جنکو فائر پروف کہا جاتا ہے تو کیا خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے خلیل کے جسم کی حفاظت کے لیے کوئی سامان پیدا کر دے۔ محمد بن اسحاق راوی ہیں کہ جب ابراہیمؑ آگ میں ڈالے گئے تو جبریل امینؑ جنت سے حریر کا ایک قمیص اور ایک فرش لے کر آئے اس قمیص کو تو ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا اور اس فرش کو ان کے نیچے بچھا دیا (دیکھو روح المعانی ص ۶۳ ج ۱) تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جنت کا یہ حریری قمیص اور حریری فرش اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے فائر پروف کا کام دے سکے۔

(۵) ایک کرامت

یہ تو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا معجزہ تھا بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی مقبول بندہ کو اپنے نبی کے معجزہ کا کوئی نمونہ عطا فرما دیتے ہیں۔ جو اس کی کرامت ہوتی ہے اور وہ کرامت جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ کیمت اور کیفیت کے لحاظ سے معجزہ سے کمتر اور فروتر ہوتی ہے۔ علماء اور اولیاء چونکہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اس لیے اتباع شریعت کی برکت سے نبی کے طفیل میں بحق وراثت کبھی کبھی کوئی کرامت عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خطیبؒ نے فوائد میں لکھا ہے کہ جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اسی قسم کا ایک واقعہ (بطور نمونہ) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض متبعین یعنی بعض صحابہ کے ساتھ پیش آیا اور وہ حضرت ابوسلم خولانی رضی اللہ عنہ ہیں کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ابوسلمؓ کو بلایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا یعنی میں نہیں گواہی دیتا۔ اس پر اسود عنسی نے حکم دیا کہ آگ جلائی جائے چنانچہ آگ جلائی گئی اور اس میں ابوسلم کو ڈال دیا گیا۔ پھر اسکو خبر دی گئی کہ وہ اس میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر اسود عنسی خوف زدہ ہو گیا وہ آگ آپ پر برد و سلام بنا دی گئی۔ پھر ابوسلمؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور ابوبکرؓ خلیفہ تھے۔ جب مدینہ پہنچ کر صدیق اکبرؓ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو اس وقت وہاں ابوبکرؓ کے پہلو میں عمرؓ بھی بیٹھے تھے۔ ابوسلمؓ کو دیکھ کر فاروق اعظمؓ کھڑے ہو گئے اور مرجا کہہ کر انکو اپنے اور ابوبکرؓ کے درمیان بٹھلایا اور کہا کہ الحمد للہ کہ جس نے موت سے پہلے محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ایسا شخص دکھلا دیا جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا جو ابراہیم خلیل اللہؑ کے ساتھ کیا گیا تھا۔



وَلَوْ طَأَّتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَهُ مِنَ الْقَرْيَةِ

اور لوط کو دیا ہم نے حکم اور سمجھ، اور بچا نکالا اس کو اس شہر سے

الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ

جو کرتے تھے گندے کام۔ وہ تھے لوگ بُرے

فَاسِقِينَ ۖ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنْ

بے حکم۔ اور اس کو لے لیا ہم نے اپنی مہر میں۔ وہ ہے

الصَّالِحِينَ ۖ

نیک بختوں میں۔

(۲) قصہ حضرت لوط علیہ السلام

قال الله تعالى وَ لَوْ طَأَّتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ... الى ... إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ه
یہ تیسرا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اللہ کے عباد صالحین اور
عابدین میں سے تھے اور لوط کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا یعنی انکو نبوت عطا کر دی۔ اور ہم نے انکو اس بستی سے
نجات دی۔ جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کرتے تھے وہ بستی سدوم تھی جن افعال خبیثہ
اور شنیعہ کے یہ لوگ عادی تھے ان میں سب سے زیادہ گندہ فعل لواطت تھا اور اسکے علاوہ اور بھی بُرے
افعال کے شوگر تھے مثلاً رہزنی اور کبوتر بازی اور کانا بجانا اور شراب خواری اور ڈاڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا اور
سیٹی بجانا اور تالیاں بجانا اور ریشمی کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ کچھ شک نہیں کہ وہ بڑے ہی بد ذات اور بد کار تھے

عنه فقد اخرج اسحاق بن بشر والخطيب وابن عساكر عن الحسن (مرسلا)
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عشي خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا
اتيان الرجال بعضهم بعضا - ورميهم بالجلاصق والخذف ولجهم بالحمام وضرب
الدفوف وشرب الخمر وقص اللحية وطول الشارب والصفى والتصفيق ولباس الحرير
وتزيدها امتي بخصلة اتيان النساء بعضهن بعضا - (روح المعاني ص ۶۶ ج ۱)

حدود اطاعت سے باہر ہو چکے تھے اور ہم نے لوٹ کو ان بدذاتوں سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ بڑے نیک بختوں میں تھا اس لیے ہم نے اس کو فاسقین میں سے نکال کر صالحین میں داخل کر لیا۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے پھر سن لی ہم نے اس

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۴۶﴾

کی پکار اور بچا دیا اس کو اور اسکے گھر کو بڑی گھبراہٹ سے۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور مدد کی اس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۷﴾

وہ تھے بُرے لوگ ، پھر ڈبایا ہم نے ان سب کو۔

۲۔ قصہ حضرت نوح علیہ السلام

قال الله تعالى وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ الى فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ

جو تھا قصہ نوح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں اور اے نبی نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ انہوں نے

ان انبیاء سے پہلے اپنے پروردگار کو فریاد کے لیے پکارا اور اللہ سے دعا کی — اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْصُرْ

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ عَلَی الْاَکْثَرِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ کَذٰلَکَ — اے پروردگار میں مغلوب اور عاجز

ہوں تو میرا بدلہ لے لے۔ اور روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا باقی نہ چھوڑ۔ پس ہم

نے انکی دعا قبول کی اور اسکو اور اس کے کنبہ والوں کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہم نے اس کی اس

قوم کے مقابلہ میں مدد کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ، بلاشبہ وہ بہت ہی بُرے لوگ تھے

پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ کوئی نہیں بچا۔ طوفان کے عام اور خاص ہونے کی بحث

سورہ ہود میں گزر چکی۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَنَ إِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ

اور داؤد اور سلیمان کو، جب لگے فیصل کرنے کھیتی کا جھگڑا جب روند

فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحَكِيمِهِمْ شَهِدِينَ ۴۸

گئیں اسکو رات میں بکریاں ایک لوگوں کی اور روبرو تھا ہمارے انکا فیصلہ۔

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَنَ وَكُلَّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا وَ

پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو۔ اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔ اور

سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرُ وَكُنَّا

تابع کیے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ، پڑھا کرتے تھے اور اڑتے جانور۔ اور ہم

فَاعِلِينَ ۴۹ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِيَتَحَصِّنَكُمْ

نے یہ کیا تھا۔ اور اس کو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا پہناوا، کہ بچاؤ ہو تم کو

مِّنْ بَّاسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ۵۰ وَلِسُلَيْمَنَ

تمہاری لڑائی سے۔ سو کچھ تم شکر کرتے ہو۔ اور سلیمان کے

الرِّيحِ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي

تابع کی باؤ جھپکے کی، چلتی اس کے حکم سے، زمین کی طرف جہاں

بَرَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ۵۱ وَمِنَ

برکت دی ہم نے۔ اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے۔ اور تابع

الشَّيَاطِينِ مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا

کیئے گئے شیطان، جو غوطہ لگاتے اسکے واسطے، اور کچھ کام بناتے اس

دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ۵۲

کے سوا۔ اور ہم تھے اُن کو تھام رہے۔

(۵) قصہ داؤد و سلیمان علیہما السلام

قال الله تعالى وَكَادُودٌ وَسُلَيْمَانٌ إِذْ يَحْكُمُونَ فِي الْحَرْثِ .. الْإِلَى .. وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ۝
 یہ پانچواں قصہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کا ہے جو ابراہیمؑ کی نسل میں سے ہیں اور باوجود بادشاہت اور فرمانروائی کے خدا پرست تھے اور غایت درجہ کے عادل اور منصف تھے۔ امیری اور فقیری اور شاہی اور درویشی دونوں کے جامع تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت کا نمونہ تھی داؤد علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجئے جبکہ وہ دونوں، ایک کھیتی کے مقدمہ میں فیصلہ کر رہے تھے۔ جبکہ رات کے وقت اس کھیت میں کچھ لوگوں کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم اسکے فیصلہ کے وقت موجود تھے، ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کا کھیت بالکل چر لیا۔ فریقین اپنا مقدمہ لیکر فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے۔ کھیت والے نے کہا کہ اس شخص کی بکریاں رات کو میرا سارا کھیت چر گئیں اور اس میں نال تک نہ چھوڑی، حضرت داؤد علیہ السلام نے حال سن کر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کل بکریوں کی قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے لہذا آپؑ نے حکم دیا کہ یہ بکریاں سب کھیت والے کو دے دی جائیں کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، وہ یہ فیصلہ سن کر وہاں سے چل دیتے۔ حضرت سلیمانؑ کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو یہ کہا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا۔ میں دوسری طرح فیصلہ کرتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا میرے نزدیک فیصلہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ بکریاں تو کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ انکے دودھ اور نسل سے فائدہ اٹھائے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی اور تردد کریں یہاں تک کہ جب سال آئندہ اسکا کھیت پھر اس حالت پر آجائے کہ جس دن وہ کھایا گیا تھا تو بکریوں والا اسکا کھیت اسکے حوالے کر دے اور اپنی بکریاں اس سے واپس لے لے۔ اس میں دونوں کا فائدہ ہے نقصان کسی کا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو اس فیصلے کو بہت پسند کیا اور اپنے فیصلہ سے رجوع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس ہم نے فیصلہ کا یہ طریقہ سلیمانؑ کو سمجھا دیا کہ جو دونوں فریق کے حق میں مفید ہو گیا اور ہر ایک کو یعنی باپ اور بیٹے کو ہم نے علم و حکمت عطا کیا ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا دونوں فیصلے حق تھے دونوں کا مقصد یہ تھا کہ اس نقصان کا تاوان اور ضمان دلا یا جائے۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل کر کے کھیت والے کی ملک کر دیں اور سلیمان علیہ السلام نے کسی کی ملک زائل نہیں کی بلکہ بکریوں کے منفعت سے اسکے نقصان کی تلافی کر دی کہ اتنی مدت تک بکریوں کی منفعت کھیت والے کے لیے حلال کر دی جب تک وہ کھیت اپنی اصلی حالت پر نہ آجائے کھیت والا بکریوں کے چر جانے کی وجہ سے اپنے کھیت کی منفعت سے محروم ہو گیا تھا۔ اسکی تلافی کے لیے ایک مدت تک بکریاں اسکے حوالہ کر دی گئیں کہ اس سے منفعہ ہوتا رہے بدون

اس کے کہ بکریوں کی ملک ان کے مالک سے زائل ہو نقصان کی تلافی منفعت سے فرمادی۔
 حضرت داؤدؑ نے بکریاں کھیت والے کو دینے کا فیصلہ اس لیے فرمایا کہ ان کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ جو
 چوری کرے تو اس کو غلام بنالیا جائے، اس کے مطابق یہ حکم دیا۔ **قَالُوا جَزَاءُ مَا مَنِ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ**
جَزَاءُكَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ۔ اور سلیمان علیہ السلام نے دوسرے فیصلہ کیا۔ جس میں دونوں کا نقصان
 نہ ہو حضرت داؤدؑ کا یہ فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کا وقت تھا بکریوں کی حفاظت اور ان کو بند کھنا
 بکریوں کے مالک کا ذمہ تھا اگر وہ بکریوں کی پوری نگرانی رکھتا تو بکریاں باہر نکل کر کسی کا کھیت خراب نہ کرتیں پس
 جب بکریوں کے مالک نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی اور اس کو تاہی کی وجہ سے دوسرے کا کھیت خراب
 ہوا۔ تو داؤد علیہ السلام نے اس نقصان کے ضمان اور تادان میں بکریاں کھیت والے کو دے دیں اور کھیت
 والے کو ان بکریوں کا مالک بنا دیا۔ کیونکہ کھیت کے نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی اس قسم کے فیصلہ کو اصطلاح
 فقہاء میں قیاس جلی کہتے ہیں اور سلیمان علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ملکیت ہر ایک کی بحالہ برقرار رکھی۔ کھیتی کے
 نقصان کی تلافی بکریوں کے منافع سے کر دی اس قسم کے قیاس کو اصطلاح فقہاء میں استحسان کہتے ہیں۔ پس جس طرح
 حضرت داؤدؑ نے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ سن کر اپنے فیصلہ سے رجوع کیا اسی طرح فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ قیاس
 جلی کے مقابلہ میں قیاس استحسان کی طرف رجوع کرنا اولیٰ اور احسن ہے فیصلے دونوں ہی حق تھے مگر سلیمان علیہ السلام
 کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا وہ ایک قسم کی صلح تھی اور فریقین اس پر راضی تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم و حکمت کی
 تعریف کی اور اس مسئلہ اور اس فیصلہ میں سلیمان علیہ السلام کی خاص طور پر مدح فرمائی کہ ہم نے انکو اس مسئلہ میں اپنی
 خاص تفہیم غیبی سے نوازا۔ سلیمان علیہ السلام اس وقت کمسن تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر تھی۔ بوڑھے باپ کی موجودگی
 میں کمسن لڑکے کی زبان سے ایسے علم کا ظاہر ہونا وہ درحقیقت منجانب اللہ باپ کے لیے بشارت تھی کہ یہ سمجھدار بیٹا
 جب تمہارے بعد تمہارا خلیفہ اور جانشین ہو گا تو ایسے فیصلے کرے گا۔

زکریا علیہ السلام کو یہی خوف تھا کہ میرے بعد نہ معلوم جانشین کیسا ہو گا اس لیے دعا مانگی **وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ**
مِنْ وَرَآئِي وَكَانَتْ آمْرًا أَخِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْزُقْنِي وَيَرِثُنِي
مِنْ آلٍ يَعْقُوبُكَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ اور عجب نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا یہ حکیمانہ فیصلہ باپ کی فیض
 صحبت اور ان کے نور نبوت اور نور خلافت کا عکس اور پر تو ہو نخت جگر باپ کا جزء ہوتا ہے اور جزء کل کے
 مغایر نہیں ہوتا۔ پہلا فیصلہ کل کی زبان سے صادر ہوا۔ اور دوسرا فیصلہ جز کی زبان سے ظاہر ہوا۔ بظاہر صورت مختلف
 ہے مگر حقیقت ایک ہے۔

ذکر بعض معجزات و کرامات حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام

حق جل شانہ نے ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو علم و حکمت کے عطا کرنے کا ذکر فرمایا۔

اور نعمت اور کرامت دونوں میں مشترک تھی اب آئندہ آیات میں ان بعض معجزات اور کرامات خاصہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان دو پیغمبروں کو عطا رکھے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی انکے ساتھ آواز سے تسبیح کرتے تھے داؤد علیہ السلام بے انتہا خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی بھی انکا ایک معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو ان کے ساتھ شجر اور حجر اور پہاڑ اور پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے اور یہ ان کا معجزہ تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی ہم ہی یہ کام کرنے والے تھے پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر اور تسبیح یہ سب ہمارا ہی کام ہے ہماری قدرت کے اعتبار سے کوئی عجیب چیز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اور وہی اسکا فاعل ہے اللہ اپنے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر پیدا کر دیتا ہے اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے ایک قسم کا لباس یعنی ذرہ بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ لباس لڑائی میں تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اسکی وجہ سے تم دشمن کی زد اور اس کے وار سے محفوظ رہ سکو۔

داؤد علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ذرہ کو حلقہ اور کڑیوں کے ساتھ بنایا۔ خدا تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا۔ بغیر آگ کے لوہا انکے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ اس سے ذرہ بنالیا کرتے تھے کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ اَلْتَا لَهُ الْحَدِيدَ۔ داؤد علیہ السلام سے پہلے ذرہ تختیوں کی شکل میں ہوتی تھی، حلقے اور کڑیاں اس میں نہ تھیں تسبیح جبال و طیر کی طرح یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا پس کیا تم اس نعمت کا شکر کرو گے۔ اسی طرح ذرہ سازی کی یہ صنعت اللہ کی نعمت ہے اور پھر اسکے نبی کا فیض ہے جو آج تک جاری ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کا شکر کرو۔ اب آگے سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے زور سے چلنے والی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا کہ وہ انکے حکم کے مطابق اس زمین کی طرف جاتی تھی جہاں ہم نے برکت رکھی تھی یعنی ملک شام کی طرف اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ان کے تابع تھی۔ زور سے چلنے کا حکم دیتے تو زور سے چلتی اور تیز ہو جاتی اور نرم چلنے کا حکم دیتے تو نرم ہو جاتی وہ ہوا سلیمان علیہ السلام کو اور ان کے اصحاب کو مین سے شام اور شام سے مین پہنچا دیتی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ تَجَرَّجُوا بِهَا مَرَّةً رُخَاءً حَيْثُ اَصَابَتْ اور برکت والی زمین سے سرزمین شام مراد ہے اور یہ سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے اگر بندہ اپنی طاقت سے ہوائی جہاز بنا سکتا ہے تو کیا خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے مقبول بندہ کے لیے اس کے تخت ہی کو ہوائی جہاز بنادے اور بلا سبب ظاہری کے ہوا کو اس کے لیے مسخر کر دے کہ اس کے حکم کے تابع ہو جائے اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں یعنی ہم کو یہ معلوم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس نعمت و کرامت کے اہل ہیں اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت و کرامت کے ملنے کے بعد مغرور نہ ہونگے بلکہ انکی تواضع اور فروتنی میں اور اضافہ ہوگا۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی معجزہ تسخیر ہوا۔ ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں انکے دوسرے معجزہ یعنی تسخیر جن کے معجزہ کا ذکر فرماتے ہیں اور ہم نے جنات کی جماعت میں سے سلیمان کے

یہ ان شیاطین کو مسخر کر دیا کہ جو ان کے واسطے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور اسکی تہ میں سے جواہرات نکال کر لاتے ہیں اور اس غواصی کے علاوہ اور بھی ان کے بہت سے کام کرتے ہیں اور کاموں سے مراد نفیس نفیس عمارتیں بنانا اور عجیب عجیب صنعتوں کا ایجاد کرنا یہ سب کام جنات کیا کرتے تھے۔ اور ہم انکے نگہبان اور نگران تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے باہر ہو سکے نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ کوئی پڑتا تھا اور نہ کسی کی تنخواہ تھی۔ ملک کے تمام کارخانے انہی جنات اور شیاطین کی محنت اور خدمت سے چل رہے تھے حکم سلیمان کا چل رہا تھا اور یہ سب کے سب انکے فرمانبردار غلام تھے اور بلا تنخواہ کے کام کر رہے تھے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عطا فرمودہ شخصی بادشاہت تھی کوئی جمہوری اور قومی حکومت نہ تھی۔ سارے ملک میں سلیمان علیہ السلام کی آمریت تھی۔ تَجْرِی بِأَمْرِہٖ۔ لیکن سلیمان علیہ السلام کی یہ آمریت خداوند احکم الحاکمین کی ہمنشائی کا آئینہ تھی۔

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت لکڑی کا تھا اور اس کے گرد ایک تختہ تھا جس پر ضروری اشیاء رکھی جاتی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ دیگر ارکان دولت بھی بیٹھتے اور ضروری سامان مثلاً گھوڑے اور غنیمے اور فرش بھی جس قدر چاہتے ساتھ رکھ لیتے اور پرند اوپر سے آکر سایہ کر لیتے اور ہوا کو حکم ہوتا کہ چلے جدھر چاہتے وہاں لیکر رواں ہو جاتی اور جہاں چاہتے وہاں اترتے کما قال تعالیٰ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِی بِأَمْرِہٖ رِجَاءً حَیْثُ أَصَابَ اور فرمایا عَذُوْهَا شَہْرٌ وَرَوَّاحُهَا شَہْرٌ۔

یہ معجزہ تو تسخیر ہوا کا تھا اور دوسرا معجزہ شیاطین کا کہ اللہ تعالیٰ نے شیاطین اور جنات کو سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں مسخر اور مقہور کر دیا تھا جس سے وہ چاہتے کام لیتے۔ نہ کوئی بھاگ سکتا تھا اور نہ سرکشی کر سکتا تھا۔ کما قال تعالیٰ مُّقْرَّنَیْنِ فِی الْاَصْفَادِ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۸ ج ۳)

وَ اٰیُوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ

اور ایوب کو جس وقت پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو پڑی ہے تکلیف اور

اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِ ۝۸۳ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَكَشَفْنَا

تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا۔ پھر ہم نے سن لی اس کی پکار اور اٹھا دی

مَا بِہٖ مِنْ ضُرٍّ وَ اَتَيْنٰہٗ اَہْلَہٗ وَ مِثْلَہُمْ

جو اس پر تھی تکلیف اور دیئے اسکو اسکے گھر والے اور انکے برابر ساتھ

مَعَہُمْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی لِلْعَبِیْدِیْنَ ۝۸۴

انکے اپنے پاس کی مہر سے اور نصیحت بندگی والوں کو۔

(۶) قصۃ الیوب علیہ السلام

قال الله تعالى والیوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر وانت ارحم الراحمین۔
.... الى واذ كرى للعبدین۔

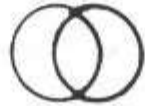
یہ چھٹا قصہ الیوب علیہ السلام کا ہے جو طرح طرح کی مصائب سے آزمائے گئے اور بے مثال صبر فرمایا۔ ان کا صبر خود ایک مستقل معجزہ تھا حضرت الیوب علیہ السلام بڑے خوشحال پیغمبر تھے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح سے آسودہ رکھا تھا۔ باغ اور کھیت اور مویشی اور مال و دولت اور اولاد صالح اور مرضی کے مطابق عورت وغیرہ دے رکھی تھیں۔ اس خوشحالی میں وہ خدا کے شکر گزار بندے تھے پھر خدا تعالیٰ نے انکو مصیبت سے آزمانا چاہا۔ مال اور اولاد اور باغ اور کھیت سب فنا ہو گئے اولاد مر گئی اور دوست آشنا سب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی رقی رہ گئی اور اخیر میں وہ بھی کچھ گھبرا سی گئی مگر الیوب علیہ السلام جس طرح نعمت میں خدا کے شکر گزار رہے اسی طرح وہ بلا میں بھی صابر رہے نہ زبان سے کوئی حرف شکایت اور نہ دل میں شکایت کا کوئی خطرہ گزارا، جب بیماری حد سے گزر گئی تب اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ نے انکی دعا قبول کی۔ اور انکو صحت اور عافیت عطا کر دی۔ اور جو اولاد و بکرم مر گئی تھی اسکو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل سے انکی پھر وہی خوشحالی کی حالت کر دی بلکہ اس سے بہتر۔

اب ان آیات میں الیوب علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں تاکہ صابروں اور شاکروں کے لیے عبرت ہو چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہمارے صابر بندہ الیوب کا قصہ ذکر کرو جبکہ انکو اللہ کی طرف سے جان اور مال اور اولاد میں ہر طرف سے بلا پہنچی، حتیٰ کہ جسم کا کوئی حصہ بھی زخموں سے محفوظ نہ رہا۔ بقول بعض اٹھارہ برس اسی تکلیف میں گزارے اور جیاد و شرم کے مارے حق تعالیٰ سے اپنی عافیت اور تندرستی کی دعا بھی نہ کی کہ ساہا سال حق تعالیٰ کی نعمتوں میں گزارے ہیں جب تک اتنی مدت تک اسکی بلاؤں پر صبر نہ کر لوں اس وقت تک کس منہ سے مانگوں حق کہ اگر بدن کے زخم سے کسی وقت کوئی کیڑا گر جائے تو اس کو اٹھا کر پھر اسی جگہ رکھ دیتے اور کہتے کہ یہ میرے پروردگار کی بھیجی ہوئی بلا ہے اے بلا تو میرے بدن کو اچھی طرح کھا۔ یہ کمال رضاء بقضاء اور صبر بہ بلاء ہے کہ یہ تکلیف انتہا کو پہنچی ہوئی ہے مگر حال یہ ہے کہ ایلام دوست بہ از العام دوست بالآخر الیوب نے اپنے رب کو پکارا اور یہ دعا کی کہ اے پروردگار تحقیق مجھ کو تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے جو تیری شان ارحم الراحمین کا اقتضاء ہو وہ کر گزار الیوب علیہ السلام اپنا سوال تو پیش کر دیا لیکن درخواست کو ظاہر نہ کیا۔ حق تعالیٰ کی غایت رحمت کا ذکر کیا اور اپنی عاجزی اور لاچارگی ظاہر کی اور خاموش ہو گئے مطلب یہ تھا کہ میں تیری بارگاہ رحمت میں کیا عرض کروں۔ عرض کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے آپ ارحم الراحمین ہیں اور یہ میری بیماری اور لاچارگی آپ کے سامنے ہے جو چاہیں کریں میں آپ کا بندہ ہوں لیکن آپکی رحمت کا محتاج ہوں

پس انکا یہ کہنا تھا کہ ہم نے انکی دعا قبول کی سو جو تکلیف اور بیماری انکو لاحق تھی وہ یک لخت ہم نے دور کر دی اور ہم نے انکو بعینہ انکے اہل و عیال عطا کر دیئے یعنی ان کو زندہ کر دیا اور اتنے ہی اور ان کے ساتھ دے دیئے، یعنی جو اولاد مر گئی تھی اسکو ہم نے زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اسکے بعد پیدا کر دی جو گزشتہ اولاد کے برابر تھی، ایوب علیہ السلام نے جب اپنے رب کو پکارا تو دریائے رحمت جوش میں آگیا اور آواز آئی۔ اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر مار۔ ایک چشمہ نمودار ہوا۔ اس سے ایوب علیہ السلام نے غسل کیا۔ اس سے انکی تمام بیماری یک لخت جاتی رہی اور خوبصورت بدن نکل آیا۔ بیوی یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ایوب علیہ السلام نے کہا میں وہی ایوب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم کیا۔ اور مجھ پر میرا مال اور اہل و عیال سب واپس کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم نے ایوب کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ارحم الراحمین کی رحمت اور عنایت ایسی ہوتی ہے اور تا کہ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور عبرت ہو کہ صبر ایسا ہوتا ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ صبر اور شکر میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اقتدار کریں۔

اس واقعہ میں ایوب علیہ السلام کو چار ابتلاء پیش آئے (۱) مال جاتا رہا (۲) اولاد مر گئی (۳) بدن بیماری سے پھٹ گیا (۴) سوائے بیوی کے سب نے چھوڑ دیا اور شہادت کرنے لگے کہ ایوب نے کوئی ایسا سخت گناہ کیا ہے جس کی سزا ایسی سخت ملی ہے۔ ایوب علیہ السلام نے اس ابتلاء اور بلا پر صبر کیا۔ اول تو دعا پر بھی راضی نہ تھے حیا اور شرم کی وجہ سے صحت کی دعا بھی نہ کرتے تھے بالآخر بیوی کے اصرار سے اپنی صحت کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی بھی عطا کی اور جو اولاد مر گئی تھی اسکو دوبارہ زندہ کر دیا چونکہ جو اولاد کٹھی ہی دب کر مر گئی بظاہر وہ موت اجل نہ تھی۔ بلکہ موت ابتلاء و آزمائش تھی اس لیے ان بنی اسرائیل کی طرح دوبارہ زندہ کر دی گئی جنکو طاعون سے بھاگنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزرا۔ اَلَّذِينَ اَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلْوَفَّ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مَوْتُكُمْ اَنْتُمْ اَحْيَاكُمْ۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو پہلے کی طرح مال و دولت بھی عطا کر دیا جس قدر مال انکا جاتا رہا تھا اسی قدر اللہ نے پھر انکو دے دیا بلکہ اس سے زائد۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایوب علیہ السلام ایک دن غسل فرما رہے تھے کہ اوپر سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں۔ ایوب علیہ السلام انکو اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب کیا میں نے تجھ کو اس چیز سے غنی نہیں کیا کہ جس کو تو دیکھتا ہے۔ عر عن کیا کیوں نہیں لیکن تیری برکت سے غنا نہیں مطلب یہ تھا کہ میرا سونے کی ٹڈیوں کی طرف رغبت کرنا دنیاوی غنا حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ سونے کی ٹڈیاں تیری طرف سے بلا سبب ظاہری کے برس رہی ہیں اور یہ تیری طرف سے بلا شبہ برکت ہیں اور بندہ کتنا ہی مالدار ہو جائے مگر خدا کی برکت سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ سے طلب زیادت قناعت کے منافی نہیں البتہ غیر اللہ سے سوال قناعت کے منافی ہے۔



وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ یہ سب ہیں

الصَّابِرِينَ ۝۸۵ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ

سہارنے والے۔ اور لے لیا ہم نے ان کو اپنی مہر میں۔ وہ ہیں

مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝۸۶

نیک بختوں میں۔

(۷) قصہ حضرت اسماعیل و ادریس و ذوالکفل علیہم السلام

قال الله تعالى وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ... الى ... إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ (ربط) گزشتہ آیات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا قصہ بیان فرمایا۔ اب یہ ساتواں قصہ ان تین حضرات کا ہے جو اپنے زمانہ میں صبر اور تحمل میں بے مثال تھے اس قصہ سے اور گزشتہ قصہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے اور اے نبی اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر کیجئے۔ ان میں سے ہر ایک صابرین میں سے تھا اور ہم نے ان کو اپنی خاص الخاص رحمت میں داخل کر لیا تھا اور یہ لوگ بلاشبہ صلاح میں کامل تھے انکی صلاحیت میں کسی قسم کا نقص اور کمزورت کا شائبہ نہ تھا۔

ان تینوں پیغمبروں نے بڑی بڑی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ اسماعیل علیہ السلام نے ذبح کی تکلیف پر صبر کیا اور خدا کے لیے جان دینے پر راضی ہو گئے اور ابتداءً جو مکہ میں قیام کیا۔ اس میں بھی بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ اور ادریس علیہ السلام کی عبادت کا قصہ سورہ مریم میں گزر چکا ہے کہ وہ ترک طعام و شراب کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے اور ذوالکفل علیہ السلام بقول اکثر محققین نبی تھے اور ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے اور انکو ذوالکفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل و انصاف کے کفیل تھے اور دن میں روزہ رکھتے اور شب میں تہجد کے کفیل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ (واللہ اعلم)

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک ذوالکفل علیہ السلام نبی صالح تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے۔ بلکہ ایک مرد صالح تھے علماء محققین کے نزدیک پہلا ہی قول صحیح ہے۔

وَذَٰلِ النُّونِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ

اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصہ سے لڑکر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ

نَقْدَرُ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ

سکیں گے پھر پکارا ان اندھیروں میں، کہ کوئی حاکم نہیں سوا تیرے

سُبْحَانَكَ ۖ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾

تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ

پھر سن لی ہم نے اسکی پکار، اور بچا دیا اس گھٹنے سے۔ اور یوں ہی ہم

نَجَّيْنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

بچا دیتے ہیں ایمان والوں کو۔

(۸) قصہ یونس علیہ السلام

قال الله تعالى وَذَٰلِ النُّونِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا.. الخ.. وَكَذَٰلِكَ نُنَجِّي الْمُؤْمِنِينَ
یہ اٹھواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے جنکو ذوالنون کہا جاتا ہے۔ نون کے معنی مچھلی کے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے انکا لقب ذوالنون ہوا یعنی مچھلی والے۔ وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر چلے گئے تھے، جب دیکھا کہ قوم کفر اور سرکشی پر تلی ہوئی ہے تو یونس علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اس لیے ناخوش ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور یہ ایک قسم کی ہجرت تھی کہ کافروں کے ایمان سے ناامید ہوئے تو ناراض ہو کر ان کے درمیان سے نکل گئے اور انکا یہ غصہ اپنی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ خدائے عزوجل کی نافرمانی کی وجہ سے تھا اور یہ غصہ اگرچہ حق اور درست تھا، مگر چونکہ ان کا بستی سے نکل جانا بدو حکم الہی کے تھا اس لیے ان پر عتاب آیا کہ انکو چاہیے تھا کہ اس بارہ میں وحی اور حکم الہی کا انتظار کرتے اس طرح سے گھبرا کر ایک دم سے نکل کھڑا ہونا انکی شایان شان نہ تھا بمقتضا بشریت گھبرا کر نکل گئے یہ انکی اجتہادی خطا تھی جو امت کے حق میں معاف ہے جب یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اور اپنی خطا کا اعتراف کیا تو

مچھلی کو حکم ہوا کہ کنارہ پر آکر اُگل دے۔ اس نے کنارہ پر آکر اُگل دیا صحیح سالم پھر اپنی سابق بستی کی طرف واپس آگئے جس سے ناراض ہو کر نکلے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بیان کیجئے آپ ان سے مچھلی والے نبی کا قصہ جب کہ وہ اپنی قوم سے ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناخوش اور غضب ناک ہو کر بستی سے چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس بن متی علیہ السلام کو شہر ینوئی کے لوگوں کی طرف بھیجا جو موصل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے، یونس علیہ السلام نے انکو اللہ کی طرف دعوت دی اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا اور اپنے کفر پر اڑے رہے۔ یونس علیہ السلام غصہ میں آکر ان کے درمیان سے نکل گئے اور اس نکلنے میں وحی خداوندی اور حکم الہی کا انتظار نہ کیا اور ان سے یہ وعدہ کر کے چلے گئے کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ نبی جھوٹ نہیں بولتا۔ جب آثار عذاب کے شروع ہوئے تو گھبرا کر سب بستی سے باہر چلے گئے اور گریہ زاری کی۔ اور سچے دل سے توبہ کی۔ عذاب ٹل گیا۔ بعد ازاں حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ ادھر یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر بحر روم پر پہنچے اور ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ پس وہ کشتی روانہ ہوئی یکایک سمندر کی موجوں نے کشتی کو اگھیرا۔ سب کو غرق کا خوف لاحق ہوا۔ کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نیچے پھینک دیا جائے اس آدمی کے تعین کے لیے قرعہ اندازی ہوئی اور دو تین مرتبہ ہوئی ہر مرتبہ قرعہ حضرت یونس کے نام پر نکلتا رہا۔ کما قال تعالیٰ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ۔ یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں جو اپنے آقائے برحق کے بغیر اجازت کے بستی سے نکل آیا یہ دیکھ کر یونس علیہ السلام خود دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک بڑی مچھلی نے آپ کا لقمہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ ہمارے اس بندہ کی اپنے پیٹ میں حفاظت کرنا۔ یہ بندہ تیری روزی اور تیرا رزق نہیں بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے چند روز کے لیے اس کا قید خانہ یا حفاظت خانہ یا عبادت خانہ بنالیا ہے۔ فقط چند روز کے لیے اسکو نظر بند کرنا مقصود ہے اس کے گوشت و پوست میں سے کھانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہمارا بندہ بغیر ہمارے حکم کے اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل گیا ہے اگرچہ اسکا یہ غصہ ہماری ہی وجہ سے ہے لیکن اس کو چاہیے تھا کہ ہمارے حکم کا انتظار کرتا۔ بہر حال یونس علیہ السلام انکو چھوڑ کر نکل گئے اور ہماری رحمت اور ہمارے لطف و عنایت کی بنا پر یہ گمان کیا کہ ہم ان پر سختی اور دار و گیر نہیں کریں گے، ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور ضحاکؓ اور قتادہؓ اور حسن بصریؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں لَنْ تَقْدِرَ عَلَيْهِ کے معنی لَنْ نَضِيقَ عَلَيْهِ۔ کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ ہم انکو تنگی اور آزمائش میں نہیں ڈالیں گے اور ان پر کوئی سختی نہیں کریں گے معاذ اللہ یہ معنی نہیں کہ یونس علیہ السلام نے یہ گمان کیا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا اور یہی قول جہور مفسرین کا ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ نے اختیار فرمایا۔

یونس علیہ السلام کا یہ گمان اللہ کی رحمت اور عنایت کی بنا پر بطور ناز تھا جیسے کوئی غلام اپنے آقا کے لطف و کرم کی بنا پر بطور ناز کوئی کام بغیر حکم کے بھی کر گزرتا ہے اور قَدْ رُبُّ مَعْصِيَةٍ لِّغَتِ عَرَبٍ میں اور قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُفْقُ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (ای یوسف و یضیق)۔ وَ اَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ (یعنی ضیق)۔

اور بعض مفسرین نے لَنْ لَقَدَرَ کو قدرت سے مشتق مانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ ہم ان کے پکڑنے پر قادر نہ ہوں گے۔ اس تفسیر پر اشکال یہ ہے کہ ایسا عقیدہ اور گمان تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کا نبی یہ گمان کرے جو اب یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے حقیقتاً یہ گمان نہیں کیا تھا کہ خدا تعالیٰ انکے پکڑنے پر قادر نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کا اس طرح بلا انتظار وحی کے نکل کر چلا جانا گویا اس شخص کے حال کے مشابہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ گویا اب ہم اس کو دوبارہ پکڑ کر واپس نہیں لا سکیں گے۔ چونکہ یونس علیہ السلام حق تعالیٰ کے پیغمبر تھے انکی شان رفیع کے مناسب نہ تھا کہ اس طرح چلے جائیں اس لیے بطور شکوہ محبت حق تعالیٰ نے اپنے محبوبانہ عتاب کو ان لفظوں کے ساتھ تعبیر کیا تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوشیار ہو جائیں۔

پس جب خدا کے حکم سے انکو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ اس کے شکم کی تاریکیوں میں گھر گئے تو یونس علیہ السلام نے ان تاریکیوں میں اللہ کو اس طرح پکارا۔ اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے میں بے شک تیرے قصور والوں میں سے ہوں کہ بغیر تیرے حکم کے اپنی قوم سے نکل گیا۔ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس غم سے انکو نجات دی۔ چنانچہ مچھلی نے سمندر کے کنارہ پر انکو اُگل دیا۔ اور اللہ کی امانت صحیح سالم واپس کر دی۔ یونس علیہ السلام صحیح سالم اپنی سابق بستی کی طرف واپس آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور بعض کہتے ہیں کہ سات روز رہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا شکم ماہی سے نکلنا ایسا ہوا جیسا کہ معصوم بچہ شکم مادر سے صحیح سالم نکلتا ہے اور جس طرح شکم مادر بچہ کی تربیت گاہ اور حفاظت گاہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ شکم ماہی بحکم الہی یونس علیہ السلام کی حفاظت گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ یونس علیہ السلام جب شکم ماہی سے نکلے تو گویا ایسے تھے کہ جیسا بچہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو وہ فطرتاً معصوم اور گناہوں کے دھبوں سے بھی پاک و صاف ہوتا ہے اور جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں کہ جو مؤمن بندہ اپنی کرب اور تکلیف میں ہماری طرف رجوع کرے اور ہم سے استغاثہ کرے ہم سکویوں ہی نجات دیتے ہیں۔ جیسے ہم نے یونس علیہ السلام کو غم سے نجات دی۔ حدیث میں ہے کہ جو بندہ پریشانی کے وقت میں لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ دُکْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو پریشانی سے نجات دیتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا اِنِّیْ دُکْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ۔ فرمانا اور اپنی طرف

فائدہ (۱)

ظلم کی نسبت کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں ہے رَبَّنَا

ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اور ظلم کے معنی نقصان اور کمی کے ہیں جس کے مراتب اور درجات میں ایک ظلم عظیم ہوتا ہے اور ایک ظلم ذرہ برابر بھی ہوتا ہے۔

فائدہ (۲)

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مجھ کو یونس بن مثنیٰ پر فضیلت زد و سوا سکی مراد یہ ہے کہ ایسی

فضیلت نہ دو کہ جو ان کی تنقیص کا باعث بنے کیونکہ ان کے حق میں انتقام موت کا جو واقعہ پیش آیا وہ ظاہر میں اگرچہ عتاب تھا مگر درحقیقت وہ معراج نزولی تھی۔ پھلی کے پیٹ میں اور سمندر کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور جلال کا ان کو مشاہدہ کرا دیا لیکن یہ مشاہدہ باطنی تھا اور بزرگ تہذیب و عتاب تھا اور شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشاہدہ ہوا وہ مشاہدہ دیدار پر انوار ظاہری طور پر تھا اور مکالمہ الہی کے ساتھ مقرون تھا۔ اور قرب کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ اور واقعہ معراج از اول تا آخر معراج عروجی تھا جس سے مقصود اعزاز و اکرام تھا وہ مقام یہ الانبیاء والمرسلین اور اکرم الاولین والاخرین کے لیے مخصوص تھا وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔

وَذَكِّرًا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّ

اور ذکر یا نے جب پکارا اپنے رب کو اے رب! نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا ، اور

أَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا

تو ہے سب سے بہتر وارث۔ پھر ہم نے سن لی اُسکی پکار اور بخشا اس

لَهُ يَحْيَىٰ وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا

کو بچھی ، اور چنگی کر دی ، اس کی عورت - وہ لوگ

يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ

دوڑتے تھے بھلائیوں پر ، اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے

وَكَانُوا لَنَا خَشِعِينَ ﴿٩٠﴾

اور تھے ہمارے آگے دبے ۔

(۹) قصۂ زکریا علیہ السلام

قال الله تعالى وَذَكِّرًا إِذْ نَادَى رَبَّهُ الى وَكَانُوا لَنَا خَشِعِينَ

(دربط) ان آیات میں نواں قصہ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں جس سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر عاطر کی تشفی مقصود ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیجئے

جبکہ اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو تنہا یعنی لا وارث اور بے اولاد نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے یعنی ظاہری وارث سب فنا ہو جائیں گے صرف ایک تو ہی باقی رہے گا۔ پس ہم نے انکی دعا قبول کی اور انکو یحییٰ بیٹا بخشا اور انکی بی بی کی جو کہ بانجھ تھیں انکی اصلاح کر دی یعنی انکے بانجھ پن کو دور کر کے بچہ جننے کے قابل بنا دیا۔ یا یہ معنی ہیں کہ انکی بیوی کی بد خلقی کو خوش خلقی سے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ انکی بیوی بد زبان تھیں مفصل قصہ سورہ مریم اور سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

یہ تمام انبیاء جنکا اس سورت میں ذکر ہوا، نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور امید و بیم اور خوف ورجاء اور رغبت اور خوف سے ہم کو پکارتے تھے اور ہمارے سامنے نیاز مندی اور عاجزی کرنے والے تھے۔ پس جس کو اللہ کی رحمت میں داخل ہونے کی طمع ہو تو اس کو چاہیے کہ رغبت اور رہبت کے ساتھ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرے نیاز مندی کو اختیار کرے ناز کو چھوڑ دے۔

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا

اور وہ عورت جس نے قید میں رکھی اپنی شہوت پھر پھونک دی ہم نے اس عورت میں اپنی روح

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۱﴾

اور کیا اس کو اور اسکے بیٹے کو نمونہ جہان والوں کو۔

(۱۰) قصہ حضرت عیسیٰ مریم علیہما السلام

قال الله تعالى وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا الى وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ۔
یہ دسواں قصہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کا ہے جس پر انبیاء کے قصوں کو ختم فرمایا اور اس سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ مذکور ہوا۔ ان دونوں قصوں میں غایت درجہ مناسبت ہے کہ وہاں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے اور یہاں کنواری سے بغیر شوہر کے لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو اس سے زیادہ عجیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی اس عورت کا واقعہ ذکر کیجیے جس نے اپنی ناموس کی پوری اور کامل طور پر حفاظت کی تو ہم نے اس عورت کے گریبان میں جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے اپنی ایک خاص روح پھونک دی جس سے اسکو بغیر شوہر ہی کے حمل رہ گیا اور اس حمل سے خدا کا ایک برگزیدہ نبی جناب مسیح علیہ السلام پیدا ہوا اور ہم نے مریم کو اور اسکے بیٹے عیسیٰ کو جہان والوں کے لیے اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی بنایا جس سے سب

عقل والوں کو معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر قادر ہے بمفصل قصہ سورہ مریم اور سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿۹۲﴾

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر، اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلُّ إِلَيْنَا رَجْعُونَ ﴿۹۳﴾

اور ٹکڑے ٹکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام۔ سب ہمارے پاس پھر آویں گے۔ سو جو کوئی

يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ

کرے نیک کام، اور وہ یقین رکھتا ہو سو اکارت نہ کریں گے

لِسَعِيدٍ ۚ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۹۴﴾

اسکی دوڑ اور ہم اس کو لکھتے ہیں۔

بیان اجماع انبیاء کرام بر توحید خداوندانام

قال الله تعالى إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً إِلَى وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۚ

(رابطہ) یہاں تک حضرات انبیاء کرام کے قصص کا بیان ہوا۔ چونکہ یہ سب حضرات توحید کے داعی تھے اس لیے اخیر میں بطور نتیجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام توحید پر متفق رہے اس بارہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ لہذا تم کو چاہیے کہ توحید کے بارہ میں اختلاف نہ کرو اور صرف خدا کے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطبین یہی توحید تمہاری ملت ہے در آنحالیکہ وہ ملت واحدہ ہے جس پر تمام انبیاء گزرے اس میں کسی کا کچھ اختلاف نہیں توحید پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب طریقہ توحید پر چلتے جو تمام انبیاء کا طریقہ ہے لیکن یہود و نصاریٰ اپنے دین کے بارہ میں متفرق و مختلف ہو گئے اور انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگے اور آخرت سے منہ موڑ کر دنیا کی زندگی پر بھروسہ کر بیٹھے۔ سب ہماری طرف لوٹنے والے ہیں ہم انکو ان کے اعمال کی سزا دیں گے پس جو شخص نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ

ایمان اور یقین رکھتا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کی سعی مشکور ہوگی اور البتہ تحقیق ہم اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے حکم سے کراہا کا تبین اس کے اعمال کو صحیفہ اعمال میں ثبت کرتے ہیں۔

وَحَرَّمَ عَلَىٰ قَرِيَّةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا

اور مقرر ہو رہا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھا دیا کہ وہ نہیں

يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَجُوبُ وَ

پہرتے۔ یہاں تک کہ جب کھول دیں یا جوج

مَا جُوبُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَ

ما جوج کو اور وہ ہر اچان (اوپر جگہ) سے پھیلتے آویں۔ اور

أَقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ

نزدیک پہنچنے سچا وعدہ پھر تبھی اوپر لگ رہیں منکروں کی

الَّذِينَ كَفَرُوا يُوَلِّينَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا

آنکھیں۔ اے خرابی ہماری! ہم بے خبر رہے اس سے

بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

نہیں پر ہم تمہیں گناہ گار۔ تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا

اللَّهُ حَصْبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ

جھونکا ہے دوزخ میں تم کو اس پر پہنچنا ہے۔ اگر ہوتے

هَؤُلَاءِ إِلَهًا مَّا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾

یہ لوگ ٹھاکر نہ پہنچتے اس پر اور سارے اس میں پڑے رہیں گے۔

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ إِنَّ

اُن کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں بات نہیں سنتے۔ جن کو

الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا

آگے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی۔ وہ اس سے دور

مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۚ وَهُمْ فِي

رہیں گے۔ نہیں سنتے اُس کی آہستہ۔ اور وہ اپنے جی

مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خِلْدُونَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ

کے مزوں میں سدا رہیں۔ نہ غم ہو گا ان کو اس

الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهِمُ الْمَلَائِكَةُ ۖ هَٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي

بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آویں گے انکو فرشتے آج دن تمہارا ہے جس کا

كُنْتُمْ تُوْعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ

تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے پیٹتے

السَّجِّلِ ۚ لَكُنَّا بَدَآءُ مَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ ۖ وَعَدًا

میں طومار میں کاغذ۔ جیسا سرے سے بنایا پہلی بار، پھر اس کو دہرائینگے

عَلَيْنَا ۖ إِنَّا كُنَّا فَعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾

وعدہ ضرور ہو چکا ہے ہم پر، ہم کو کرنا۔

بیان قرب قیامت و خروج یاجوج ماجوج و فناء عالم و بیان

ذلّت و خواری اہل غفلت و بیان عزّت و کرامت اہل سعادت

قال الله تعالى وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ... إلخ... إِنَّا كُنَّا فَعِلِينَ ۖ

(رابطہ) گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت کا بیان تھا اب آگے معاد اور

قرب قیامت کو بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک وقت معین ہے اس کے بعد فنا کر دی جائیگی اور اس فنا کی ابتدائی علامت خروج یاجوج و ماجوج ہے اس کے بعد وہ وعدہ بہت قریب آگئے گا۔ منجملہ علامات قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا ہے۔ دجال کے قتل ہو جانے کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہو گا جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ فی الحال یہ لوگ اس وقت اس آہنی دیوار کے پیچھے محصور ہیں جس کو ذوالقرنین نے بنایا تھا کہ مخلوق خدا ان کے فتنے سے محفوظ رہے۔ قیامت کے قریب وہ دیوار اور درہ کھل جائیگا اور یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی۔ اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ اور اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آپہنچے گا۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل ایمان کو ہمراہ لیکر کوہ طور پر پناہ لیں گے۔ باقی لوگ اپنے طور پر کسی قلعہ یا مکان میں محفوظ ہو جائیں گے بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب باری میں یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے انہی گردنوں میں ایک طاعونی گھٹی پیدا کر دے گا جس سے سب کے سب ایک دم مر جائیں گے۔

حقیقت شائد نے ان آیات میں اس خوف و وحشت کو بیان کیا ہے جو قیامت کے قریب پیش آئے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کر دیا تو اس بستی والوں کے لیے یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر ہماری طرف نہ لوٹیں یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مرنے والے ہماری طرف نہ لوٹیں اور ہمارے حضور میں حساب و کتاب کے لیے حاضر نہ ہوں کفار کا یہ خیال کہ مر کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست و نابود ہو جائیں گے سوان کا یہ خیال بالکل غلط ہے ایک روز ضرور ہماری طرف واپس لائے جائیں گے۔ اور قیامت قائم ہوگی اور ان کا حساب و کتاب ہو گا پس یہ جملہ درحقیقت گزشتہ جملہ کُلِّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ کے مضمون کی تاکید ہے جس سے منکرین حشر اور منکرین قیامت اور منکرین رجوع الی اللہ کا رد مقصود ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ لَا يَكُونُ جَعُوقًا۔ میں لازماً نہ ہے اور رجوع سے رجوع بجانب دنیا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک ہو چکے اور مر چکے انکا تذکرہ مافات اور اپنے اعمال کی درستی کے لیے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے ایک مرتبہ جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو اس دارالعمل سے چلے جانے کے بعد دوبارہ

عَلَى اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ واقفیت بَ الْوَعْدِ الْحَقِّ میں بارہ میں صریح وہی لفظ ہے جو شمع سورت میں تھا۔ اے حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ و محال است چیزیکہ کریم اور آنکہ باز گردد۔ یعنی بسوئے دنیا۔ ۱۲ فتح الرحمان۔

اس دارالعمل کی طرف رجوع ممکن نہیں کہ دوبارہ واپس آکر پھر ایمان لاسکیں اور عمل صالح کر سکیں اور اس طرح اپنی برائیوں کا کفارہ کر سکیں تو یہ بات محال اور ناممکن ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ اس قول کی بنا پر لَا يَرْجِعُونَ میں حرف لازماً ہے اور پہلے قول کی بنا پر حرف لا اصلی ہے زائد نہیں۔ البتہ اگر مرنے کے بعد کسی نبی کی دعا سے کوئی مردہ زندہ ہو جاتے تو یہ محال نہیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں اَلَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ۔ کی تفسیر میں بنی اسرائیل کے دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزرا اور بارہ سوم کے شروع میں حضرت ارمیاء یا حضرت عزریہ کا سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا قصہ گزر چکا ہے۔

بہر حال کسی مردہ کی قدرت اور اختیار میں یہ نہیں کہ وہ مکرر دوبارہ دنیا میں واپس آسکے لیکن حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں کہ وہ کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کر سکے جس خدا نے اس کو پہلی مرتبہ دنیا میں زندگی عطا کی وہ اگر چاہے تو اس مردہ کو پھر دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔

تیسرا قول

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس کو ہم نے کفر اور گمراہی میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا اور کفر کی مہر اس کے دل پر لگا دی اس کا اپنے کفر سے لوٹنا محال اور ناممکن ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہلاکت اور فناء کے بعد دونوں باتیں ناممکن اور محال ہیں مرنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بھی ممکن نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں اب آگے اس کی انتہا بتاتے ہیں کہ رجوع الی الدنیا یا عدم رجوع بسوئے خالق ان پر کب تک حرام اور ممنوع رہے گا یعنی جب تک اُس کا وقت نہ آجائے اور وہ وقت قیامت اور اس کی علامتوں کا ظہور ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ ہالکین (ہلاک ہونے والے) برابر اپنی ہلاکت اور بربادی اور فناء پر مستمّر رہیں گے اور اسی کفر و شرک کی حالت پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب علامات قیامت کا ظہور شروع ہو جائے اور یاجوج و ماجوج کھل دیئے جائیں یعنی وہ دیوار ذوالقرنین جس کے پیچھے اس وقت یاجوج و ماجوج بند ہیں وہ ٹوٹ جائے اور یاجوج و ماجوج کی بندش کھل جائے جو قیامت کی شروع نشانیوں میں سے ہے اور پھر وہ یاجوج و ماجوج اپنی کثرت کی وجہ سے ٹڈی دل کی طرح ہر بلندی سے دوڑتے چلے آویں اور ہر طرف پھیل جاویں اور بلاد کو روند ڈالیں اور جس پر گزریں اس کو تباہ کر دیں جب یہ وقت موعود آجائے گا اس وقت یہ لوگ ہماری طرف واپس آئیں گے اور ہماری طرف رجوع (واپسی) کا وقت یاجوج و ماجوج کے خروج کے بعد شروع ہوگا جو قیامت کی نشانی ہے مطلب یہ ہے کہ ہلاکت اور فناء کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تب یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں گے اور دنیا کی طرف لوٹنے کا امکان بالکل ختم ہو جائے گا اور علامات قیامت کے مشاہدہ کے بعد

علیٰ اس کلام سے حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ مِیْنِ جَوْ لَفْظِ حَتَّىٰ مذکور ہے اس کی غایت اور نہایت بیان کرنے کے لیے یہ سطر بھی ہیں تاکہ اہل علم معلوم کریں کہ حَتَّىٰ کس چیز کی غایت ہے یعنی حرمت رجوع کی غایت ہے۔ ۱۲ معنی عفا اللہ عنہ

کفر اور شرک سے رجوع (لوٹنا) یعنی اس سے توبہ کرنا بھی ممکن نہ رہے گا۔

اور خروج یا جوج و ما جوج کے بعد قیامت اور رجوع اور بعث کا سچا وعدہ قریب آجائے گا یعنی خروج یا جوج و ما جوج کے بعد قیامت قریب آجائے گی۔ اس کے بعد قیامت کے قائم ہونے میں کچھ دیر نہ ہوگی چنانچہ حذیفہؓ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص خروج یا جوج و ما جوج کے بعد کوئی پھیر پالے گا تو اس پر سوار نہ ہو سکے گا کہ قیامت آجائے گی۔ پس ناگاہ اس وقت قصہ یہ ہوگا کہ خوف اور دہشت کی وجہ سے کافروں کی نگاہیں کھلی کی کھلی اور پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور حسرت سے یہ کہیں گے کہ ہائے ہماری بے سختی اور بربادی کہ ہم دنیا میں اس قیامت سے اور خدا کی طرف رجوع سے اور حساب و کتاب کے لیے حضوری سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم غافل اور بے خبر نہ تھے اس لیے کہ انبیاء اور ان کے وارثوں نے ہم کو بار بار قیامت سے ڈرا دیا تھا اور خواب غفلت سے ہم کو جگا دیا تھا اور اقل روز سے ہی ہم کو اس ہولناک واقعہ سے واقف کر دیا تھا۔ لہذا ہمارا قیامت کو جھٹلانا غفلت اور بے خبری کی بنا پر نہ تھا بلکہ عناد اور تکبر کی بنا پر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم بلاشبہ ظالم تھے جان بوجھ کر ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا انبیاء نے تو ہم کو بیدار اور ہوشیار کر دیا تھا ہم نے خود ہی دیدہ و دانستہ حق کی تکذیب کی غرض یہ کہ جو لوگ اللہ کی طرف رجوع کے قائل نہ تھے وہ قیامت کو دیکھ کر رجوع اور بعث کے قائل ہو جائیں گے مگر اس وقت کا قائل ہونا اور مجبور ہو کر اپنے ظلم اور جرم کا اقرار کرنا انکو سودمند نہ ہو گا اس لیے کہ اب فیصلہ کا وقت سر پر آ پہنچا یہ کام تو دنیا میں کرنے کا تھا اور وہ اب ختم ہو چکی اور وہ فیصلہ یہ ہوگا کہ مشرکین مع اپنے معبودوں کے جہنم کا ایندھن بنا دیئے جائیں گے اور اہل ایمان مورد اعزاز و اکرام اور محل احسان و انعام ہوں گے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مشرکوں! تحقیق تمہارا فیصلہ اب یہ ہے کہ تم اور تمہارے معبود جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کا ایندھن ہیں تم دونوں فریق عابد اور معبود جہنم کے لیے حاضر ہونے والے اور اس میں داخل ہونے والے ہیں اگر یہ بُت اور یہ مورتیں واقعی میں خدا ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے اور یہ ذلت اور خواری انکو لاحق نہ ہوتی کہ جہنم کا ایندھن بنتے بُت تو بہر حال پتھر ہیں وہ تو ایندھن بنانے کے لائق ہیں لیکن جو پتھروں کو پوجنا ہو وہ پتھر سے بھی زیادہ پتھر ہے وہ اسی قابل ہے کہ پتھر کے ساتھ اس کو بھی دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ بتوں کا جہنم میں جانا اس لیے نہیں کہ انکو عذاب دیا جائے بلکہ اس لیے ہوگا کہ مشرکین پر حجت قائم ہو جائے کہ یہ بُت لائقِ معبودیت نہیں ورنہ آگ میں کیوں جھونکے جاتے اور اس قدر عاجز ہیں کہ آگ میں سے نکل بھی نہیں سکتے۔ اور ہر واحد یعنی عابد اور معبود دونوں ہی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے نکلنا نہ ہوگا اور ان مشرکین کے لیے جہنم میں چیخا اور چلانا اور لمبا سانس ہوگا جس سے دم نکلنے لگتا ہے اور وہاں شور و غل کی وجہ سے کچھ نہیں سُن سکیں گے۔ یا اس وجہ سے کہ وہاں جا کر بہرے ہو جائیں گے جیسے دنیا میں حق کے سننے سے بہرے تھے، یہ تو اہل شقاق و کفر کا حال ہوا۔ اب آگے اہل سعادت کا ذکر کرتے ہیں۔ تحقیق جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی یعنی سعادت ازلی سابق اور مقدر ہو چکی ہے اور جنت کا حکم ان کے لیے صادر ہو چکا ہے وہ جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ جہنم کی آہٹ اور آواز کو بھی نہیں سنیں گے یعنی جہنم میں کافروں کے اجسام جگمگاتے جائیں گے ان کے جلنے اور چلنے کی آواز بھی ان کے کان میں نہیں آوے گی کیونکہ وہ آواز مکروہ ہوگی اور جس عیش کو ان کا جی چاہے گا اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ تو اہل سعادت کی نعمت اور راحت اور لذت کا بیان ہوا۔ اب آگے یہ بتلاتے

۱۲۔ اشارہ اس طرف ہے کہ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ میں ہی کی ضمیر ضمیر قصہ ہے۔

ہیں کہ وہ ہر قسم کی پریشانی اور گھبراہٹ سے مامون اور محفوظ ہوں گے ان کو قیامت کے دن بڑی گھبراہٹ بھی غم میں نہیں ڈالے گی اور جب ان سعدا کو فزع اکبر (سخت گھبراہٹ) سے غم اور پریشانی نہ ہوگی تو اور چیزوں سے بدرجہ اولیٰ پریشانی نہ ہوگی۔ جس دن تمام عالم حیرانی اور پریشانی میں مبتلا ہوگا اس دن یہ اہل سعادت فزع اکبر سے محفوظ ہوں گے۔ اور قبروں سے نکلتے اور اٹھتے وقت فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انکو بشارت اور مبارکباد دیں گے اور کہیں گے یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جلتا تھا کہ تم کو دار آخرت میں یہ نعمتیں اور کرامتیں ملیں گی سو یہ دن وہی دن ہے جس میں تمہارے پروردگار نے تم سے بقاء کا وعدہ کیا تھا یہ روز وصال ہے جس کے بعد فراق نہیں یہ کشف نقاب کا دن ہے جس کے بعد نہ کوئی حجاب ہے اور نہ کوئی غتاب ہے۔

نیک مرداں را نعيم اندر نعيم عشتبازان را لقاء اندر لقاء
حقتہ آنها وصال حور عین بہرہ اینہا جمال کبریا

اب اس کے بعد قیامت کے دن آسمانوں کے فنا ہونے کا ذکر فرماتے ہیں یاد کرو اس دن کو کہ جب ہم نفع اولیٰ یعنی پہلی بارصور پھونکنے کے وقت آسمانوں کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے طومار میں مختلف کاغذ لپیٹ دیتے ہیں طور مار عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی دفتر اور لمبے کاغذ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیاوی نیک کامیاب کاغذ لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے اسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ کر رکھ دیں گے اس سے تم ہماری قدرت اور عظمت کا اندازہ لگا لو۔ جس طرح ہم نے اول بار مخلوق کو بلا کسی اصل اور مادہ کے پیدا کیا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کر دیں گے ہم نے دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ اپنے ذمہ لیا ہوا ہے ہم اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرنے والے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے جو ثواب کا وعدہ کیا ہے وہ بہت پختہ وعدہ ہے اور اس وعدہ کی پہلی علامت نبی آخر الزمان کا ظہور اور اس کی بعثت ہے سو وہ ظاہر ہو چکی جیسا کہ اقترَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ میں اسکا ذکر ہوا اس لیے اب آئندہ آیات میں نبی آخر الزمان کی امت کے ظہور اور غلبہ کی بشارت دیتے ہیں یعنی آئندہ آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ میں اسی کا ذکر ہے۔

لطائف معارف

(۱) آیت مذکورہ وَحَرَّمْ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ کی تفسیر میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا موت کے ذریعہ یا عذاب کے ذریعہ اس کو ہلاک کر دیا تو یہ ناممکن ہے کہ وہ حساب و کتاب کے لیے محشر کی طرف رجوع نہ کریں اس آیت سے منکرین حشر کا رد کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حشر و نشر کوئی چیز نہیں مرنے کے بعد آدمی زمین میں مل کر خاک ہو جاتا ہے اور نیست و نابود ہو جاتا ہے اس قول کی بنا پر حرف لا آیت میں اصلی ہے زائد نہیں اور رجوع سے محشر کی طرف رجوع کرنا مراد ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس بستی کو ہم نے کفر و شرک سے ہلاک کر دیا اور ان کی گمراہی کا قطعی حکم کر دیا ان کا کفر سے اسلام کی طرف لوٹنا ناممکن اور محال ہے۔

تیسرا قول | یہ ہے کہ رجوع سے رجوع الی الدنیا مراد ہے اور حرف لاء آیت میں زائد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ ان کا لوٹ کر آنا ناممکن ہے۔

مرزائے قادیان کا ایک استدلال | مرزائے قادیان اور اس کے متبعین اپنی مطلب براری اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے سرسری طور پر اس تیسرے قول کو ذکر کرتے ہیں۔ مرزائے قادیان نے اول توبہ دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرچکے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے رفع اور نزول کے بارہ میں جو آیات اور احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں ان میں طرح طرح سے تحریف کی۔ اور اس میں بڑا زور لگایا لیکن مرزا صاحب بڑے ہوشیار اور عیار تھے۔ اب ان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال رہ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ انکو دوبارہ زندہ کر کے آسمان سے زمین پر بھیج دے تو مرزا صاحب کی مسیحیت ختم ہو جائے اس لیے یہ دعویٰ کیا کہ مرنے کے بعد کسی کا زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے اور اس آیت **حَرَّمَ عَلَى قَوْمِهِ أَهْلُكُنْهَا أَتَهُمْ لَا يُرْجِعُونَ** سے استدلال کیا کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آنا ناممکن ہے چنانچہ مرزا صاحب ازالۃ الاولیاء ص ۵۶۵ میں لکھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت مسیح بن مریمؑ اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ آ نہیں سکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا اور قرآن کریم **أَتَهُمْ لَا يُرْجِعُونَ** کہہ کر ہمیشہ کے لیے ان کو رخصت کر لے اتنی مرزائے قادیان کا یہ استدلال کہ ناکہ مردہ کا دوبارہ زندہ ہونا قطعاً غلط ہے ہم نے بتلادیا کہ اس آیت کی تفسیر **جواب** | میں کئی قول ہیں اگر آیت میں رجوع سے رجوع الی الدنیا مراد لیا جائے جیسا کہ پہلے قول میں ذکر ہوا تو آیت کا مطلب

یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان کے لیے یہ بات حرام اور ممنوع ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے ہماری طرف نہ لوٹیں ہم ان کے اعمال لکھ رہے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہماری طرف انکا لوٹنا اور ہماری حضوری میں حاضر ہونا ضروری ہے اس روز ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور آیت کے یہ معنی۔ آیت کے بقیہ الفاظ **فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرًا أَنْ لَسَعِيهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ** کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہیں پس اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں تو مرزائے قادیان کے دعویٰ کے ساتھ اس آیت کا کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ اس آیت میں محشر کی طرف رجوع کرنے کا بیان ہے مرنے کے بعد دنیا میں دوبارہ رجوع کا کوئی بیان نہیں اور اگر آیت میں رجوع سے دنیا کی طرف رجوع اور دوبارہ آنا مراد لیا جائے تب بھی مرزا صاحب کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں اس لیے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بے بس اور عاجز ہے یہ بات اس کی قدرت میں نہیں کہ مرنے کے بعد خود زندہ ہو کر دوبارہ دنیا میں آ سکے تاکہ اپنی گزشتہ برائیوں کا کفارہ کر سکے اور زمانہ ماضی کی تقصیرات کی تلافی کر سکے۔ یہ بات آدمی کی قدرت میں نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ** مطلب یہ ہے کہ خود بخود زندہ ہو کر اپنے اہل و عیال کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔

معاذ اللہ محاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر خدا بھی کسی کو زندہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، قرآن کریم میں متعدد مواضع میں اسی دار دنیا میں مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا مذکور ہے اس سلسلہ میں ذیل میں چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

پہلا واقعہ | مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں ہے۔ **فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ**

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونیکے واقعات منکر بن حشر کی تردید کے لیے ذکر فرمائے ہیں۔ تاکہ معلوم کریں کہ مردوں کو زندہ کرنا خدا تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں اور یقین کر لیں کہ خدا نے جو قیامت قائم ہونے کی خبر دی ہے وہ حق ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے جب چاہے زندہ کرے اور جب چاہے کسی کو موت دے اور بندے عاجز اور بے بس ہیں۔ بندوں میں یہ طاقت نہیں کہ مرنے کے بعد وہ خود لوٹ کر دنیا میں دوبارہ آسکیں۔ البتہ خداوند جل جلالہ جس کو دوبارہ دنیا میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے وقت اور قیامت سے پہلے کسی کو زندہ کرنا یکساں ہے لہذا تم احیاء موتی کو محال سمجھ کر قیامت کا انکار نہ کرو ہم ہر طرح سے قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مردہ۔ ہم جس زندہ کو مردہ کر دیں تو وہ از خود زندہ نہیں ہو سکتا اور جس مردہ کو زندہ کرنا چاہیں تو اس کی مجال نہیں کہ ہمارے ارادہ اور مشیت سے سرتابی کر سکے۔ مرنے کے بعد بندہ از خود دنیا کی طرف دوبارہ نہیں لوٹ سکتا البتہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو وہ مردہ کو دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا سکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند مردوں کے زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے اور یہ امر جس کی خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وہ اس کی قدرت سے خارج نہیں۔ ان سب سے اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو چیز تمہیں محال دکھائی دیتی ہے ہم نے اپنی قدرت سے واقع کر دیا مگر مرزا اور مرزائی احیاء موتی کو محال سمجھتے ہیں اور جن آیات میں مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کا حال مذکور ہے طرح طرح سے ان کی تاویل کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ جن آیات میں موت کا لفظ آیا ہے اس کے معنی بیہوشی یا نیند کے ہیں اور اچیلہ کے معنی جگانے اور ہوش میں لانیکے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ وہ سمریٰ عمل تھا۔ سبحان اللہ۔ کیا خوب تاویل ہے کیا کوئی ادنیٰ عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ حق جل شانہ نے سورہ بقرہ میں جن ہزاروں لوگوں کے گھر سے بھاگ جانے اور مرجانے کا اور پھر ان کے زندہ ہونے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کیا وہ نیند اور بیہوشی سے بھاگے تھے جنکو اللہ تعالیٰ نے اول سلا دیا اور پھر ان کو جگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا ہی فضل فرمایا کہ ان کو نیند سے جگا دیا معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ لڑھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو جگا دیا یا بیہوش کرنے کے بعد ان کو ہوش دے دیا اور کیا عزیر علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب ہی کا واقعہ تھا کہ وہ سو سال تک پڑے سوتے رہے اور ان کے پاس انکی سواری کا گدھا بھی سوتا رہا۔ اللہ نے سو سال کے بعد دونوں کو خواب سے بیدار کیا۔

تیسرا واقعہ

حق جل شانہ نے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کے معجزہ کو کئی جگہ بیان فرمایا اور ان کے احیاء اموات کے واقعات احادیث سے بھی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کوئی واقعہ صحیح نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حقیقتاً کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا وہ دراصل قریب الموت آدمی تھے۔ مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لیے ان میں گرمی پہنچا دیتے تھے۔ اور وہ حرکت کرنے لگتے تھے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاق تھے اور قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دے دیتے تھے جس سے دنیا کو دھوکہ دینا مقصود تھا کہ لوگ یہ دیکھ کر ان کے معتقد ہو جائیں کہ یہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور طرفہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بھی ان کے مسمریزمی عمل کو بطور مدح اور منقبت قرآن میں بیان کیا اور ان کے معجزات میں اسکا ذکر کیا اور ایسے الفاظ میں اس کو بیان کیا کہ لوگ سمجھیں کہ احیاء اموات حضرت عیسیٰ

کا معجزہ تھا اور باذن اللہ کہہ کر اور اسکو حکم کر دیا کہ یہ سب ہمارے حکم سے تھا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فی الواقع کسی مردہ کو زندہ نہیں کیا بلکہ یہ سب مسمریزمی عمل تھا جو میرے نزدیک قابل نفرت ہے اگر میرے نزدیک یہ عمل قابل نفرت نہ ہوتا تو میں ان عجوبہ نمایوں میں مسیح بن مریم سے کم نہ رہتا۔ سب کو معلوم ہے کہ مسمریزم کا عمل سو برس سے ایجاد ہوا ہے مگر مرزا صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء اموات کا ذکر ہے وہ سب مسمریزمی تحریک تھی۔

اے مسلمانو! جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ عطا کیا کہ وہ خدا کے حکم سے مردے زندہ کرتے تھے تو کیا اس خدا کو یہ قدرت نہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زندہ کر کے پھر دنیا میں بھیج دے اور مرزا صاحب دیکھتے ہی رہ جائیں۔

اے مسلمانو! کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی بیباکانہ تحریف ہو سکتی ہے کیا اس قسم کی بیباکی صریح آیات قرآنیہ کا انکار نہیں مرزا صاحب کو مسیح موعود بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس کے لوازم اور آثار سے بالکل عاری اور خالی تھے اس لیے مرزا صاحب کو ڈر ہوا کہ دعوائے مسیحیت کے ساتھ احیاء موتی اور برابر اکہ اور ابرص کا معجزہ بھی چاہیئے اس لیے سرے سے حضرت عیسیٰؑ کے احیاء موتی کے معجزہ کا انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ مسمریزمی عمل تھا اور میں اسے قابل نفرت سمجھتا ہوں اس طرح اپنی جان بچائی۔

ایک واقعہ احیاء موتی کا قرآن کریم میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم ایک گائے ذبح کر کے اسکا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا نام بتا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

یہ واقعہ سورۃ بقرہ کی اس آیت **وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّٰنَ عَنْكُمْ فِیْهَا الْخ** میں مذکور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کا حال ظاہر فرمایا اور اسی وجہ سے اس قصہ کے ختم پر یہ فرمایا **كَذٰلِكَ يُخَيِّ اللّٰهُ الْمَوْتٰی وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَحْقِلُوْنَ**۔ مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ یہ نہ تو قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اور نہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اور بوٹی لگانے سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا تھا بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے مردہ کو حرکت ہو گئی تھی۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ پس اگر یہ معمولی حرکت تھی تو قاتل کا نام کیسے معلوم ہوا اور کس نے بتلایا اور یہ مسمریزم کس نے سکھایا تھا کیا موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو بلا کر مسمریزم کا طریقہ سمجھا دیا تھا یہ تو قاتل کے معلوم کرنے کا بڑا عمدہ طریقہ ہے جس سے پولیس کو قاتل کے گرفتار کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے مرزا صاحب اگر یہ نسخہ گورنمنٹ برطانیہ کو بتا دیتے تو بڑا انعام ملتا۔

اور موسیٰ علیہ السلام ہی کے ایک دوسرے قصہ میں ہے **وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰی لَنْ نُّوْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرٰی اللّٰهَ جَهْرًا** **فَاَخَذَتْکُمُ الصَّاعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** **ثُمَّ بَعَثْنَاکُمْ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْكُرُوْنَ**۔ یعنی

یاد کرو۔ اے بنی اسرائیل جب تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ تم تیری بات کا ہرگز یقین نہ کریں گے جب تک کھلم کھلا ظاہری طور پر اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں اس پر بجلی نے تم کو آپکڑا اور ہلاک کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مرے پیچھے ہم نے تم کو دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ اللہ نے تم کو دوبارہ زندگی بخشی اور تفسیر درمنثور میں ہے کہ وہ ستر آدمی تھے جنکو موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھ کوہ طور پر کلام الہی سننے کے لیے لے گئے تھے وہ سب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔

چھٹا واقعہ

ایوب علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور نہایت خوشحال تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا پیش آیا کہ مال و دولت سب جاتا رہا اور اولاد دب کر مر گئی اور خود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوئے بالآخر جب اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انکو صحت اور عافیت عطا کی اور مری ہوئی اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ کما قال تعالیٰ وَآتَيْنَاهُمْ أَهْلَهُمْ وَثَلَاثُ مِائَةٍ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنَّا عِنْدَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ سَعِيدٍ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ جو اولاد ان کی مر گئی تھی بعینہ وہ دوبارہ زندہ کر دی گئی۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعینہ زندہ کر دیئے گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۶ ج ۱۱)

کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ سارا مسمریزم تھا اور کیا اس زمانہ میں مسمریزم موجود اور شائع تھا جس کو لوگ استعمال کرتے تھے سب کو معلوم ہے کہ اب سے سو سال پہلے مسمریزم کا کہیں وجود ہی نہ تھا غرض یہ کہ مرزا اور مرزائیوں نے قرآن کریم کو ایک کھلونا بنا رکھا ہے جو زبان پر آیا وہ کہہ دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کے زندہ ہونے کو مسمریزمی قوت بتلا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں انکو بھی مسمریزمی عمل قرار دے دیا اور یہ امر سب کو معلوم ہے کہ عمل مسمریزم یقینی طور پر سحر ہے تو مرزا صاحب کی تاویلوں کا مطلب یہ کہ انبیاء اولوالعزم سب ساحرا و جادوگر تھے مسمریزم کے عمل سے لوگوں کو عجائبات دکھلا کر مسخر کر لیتے تھے۔ تو اس لحاظ سے مسمریزم کا عمل کرنے والوں کو انبیاء کہنا بھی جائز ہونا چاہیئے مرزا صاحب کے نزدیک اجیاء موتی وغیرہ جیسے معجزات کو ماننا تو مشرکانہ خیال ہے اور مسمریزم جیسے اعمال سحر کو ماننا یہ موجدانہ خیال ہے مرزا صاحب کو نبوت کا دعویٰ ہے اور معجزات کا ظہور ان سے محال ہے اس لیے وہ انبیاء کے معجزات کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور انکی توہین کے درپے ہیں۔ کَبُوتٌ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چند واقعات کا ذکر فرمایا کہ جن میں مردوں کا دوبارہ دنیا میں زندہ کرنا ذکر فرمایا جس سے مقصود اظہار قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح قیامت کے روز مردوں کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ پس اگر مرزا اور مرزائیوں کے نزدیک اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کی طرح اجیاء موتی عقلاً محال اور ناممکن ہے تو پھر قیامت کا بھی کھل کر انکار کر دیں کیونکہ قیامت نام ہی اجیاء موتی کا ہے جو تاویل اجیاء اموات کی ان آیات میں کی ہے۔ وہی تاویل قیامت کی آیات میں بھی ہو سکتی ہے حالانکہ قرآن کریم میں يُعْجِزُ الْمُوتَىٰ اور أَحْيَا هُمْ۔ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ صریحہً مذکور ہیں اور ان آیات کے علاوہ متعدد احادیث سے بطور معجزہ اجیاء اموات ثابت ہے تفصیل کے لیے زرنانی شرح مواہب اور نعیم الریاض شرح شفاۃ عیاض دیکھیں۔

بلکہ بطریق کرامت اولیاء اللہ سے بھی ایجاہ اموات ثابت ہے مگر یہ روایتیں تاریخی ہیں اور کتب معتبرہ میں مذکور ہیں لہذا ان کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا بہر حال مرزائے قادیان کے تکذیب اور تردید کے لیے کافی اور وافی ہیں اور مرزا اور مرزائی اس بارہ میں ایک حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ نے شہید ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھ کو پھر دنیا میں رجوع کی اجازت ہو تاکہ دنیا میں جا کر دوبارہ تیری راہ میں جہاد و قتال کروں اور پھر تیری راہ میں مارا جاؤں اور شہادت حاصل کروں اس پر ارشاد ہوا۔ انی قضیت انھم لا یرجعون اور ایک روایت میں ہے قد سبق القول ہنی انھم لا یرجعون یعنی میں پہلے یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مرنے کے بعد لوگ دوبارہ دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔

یہ ہے کہ اسکا مطلب وہی ہے کہ جو پہلے بیان کر چکے کہ اگر کوئی شخص دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے کہ دنیا میں دوبارہ آکر اعمال صالحہ کر سکوں اور درجات عالیہ کے حصول کا سامان کر سکوں تو یہ آرزو پوری نہ ہوگی۔ بارگاہِ خداوندی کا عام قانون اور عام قاعدہ یہی ہے اسی بنا پر حضرت عبداللہؓ کی درخواست منظور نہ ہوئی لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ کو یہ قدرت بھی نہیں کہ وہ بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کر سکے، خاص کر جب کہ خدا نے خود اپنے کلام میں خبر دے دی ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کو دنیا میں دوبارہ زندہ کیا تاکہ منکرینِ حشر کو معلوم ہو جائے کہ اسی طرح خدا تعالیٰ قامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

مرزائیوں سے ایک سوال

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مرنے کے بعد ان کا دوبارہ زندہ ہو کر دنیا میں آنا محال اور ناممکن ہے تو سوال یہ ہے کہ آپ کو حضرت عیسیٰؑ کی موت اور حیات سے کیا بحث مرزا صاحب اپنی یحییت کے مدعی ہیں انکو چاہیئے کہ اپنی یحییت کو دلائل سے ثابت کریں کسی نبی کے وفات پا جانے سے مرزا صاحب کی یا کسی اور کسے یحییت یا نبوت کیسے ثابت ہو سکتی ہے یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب کو بھی اسکا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سن ۱۳ھ میں نہیں کہ یہ کہا جاسکے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مرتے ہی مرزا صاحب ان کے خلیفہ اور جانشین ہو گئے بلکہ اس سے اٹھارہ سو سال پہلے ہو چکی ہے تو اب مرزا صاحب بتلائیں کہ وہ کس دلیل سے حضرت عیسیٰؑ کے خلیفہ اور جانشین بنے اور یہ بتلائیں کہ یہ امر کس دلیل سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع یا وفات کے اٹھارہ سو سال بعد قادیان میں انکا خلیفہ اور جانشین پیدا ہو گا اور یہ بتلائیں کہ عیسیٰؑ کے مرنے کے بعد دوسرے عیسیٰؑ کے نکلنے تک اس قدر مدت کیوں درکار ہے ان تمام باتوں کو دلائل سے ثابت کریں اور میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ ساری امت مرزائیہ مر بھی جائے تب بھی ان باتوں کو ثابت نہیں کر سکتی غرض یہ کہ جب مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں تو اپنے دعوائے عیسویت کو مع شرائط اور لوازم کے ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم حیات عیسیٰؑ کے مسئلہ پر گفتگو کریں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ آپ اپنی عیسویت کے دلائل

پیش کریں۔

”عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

(ع)

(۲)

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ۔

یاجوج و ماجوج کے کھلنے سے اس دیوار ذوالقرنین کا کھلنا مراد ہے جس کے پیچھے وہ بند ہیں یا جوج و ماجوج کا خروج حضرت عیسیٰ کے نزول اور دجال کے قتل کے بعد ہوگا اور یا جوج و ماجوج نسل آدم سے دو قومیں ہیں جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں یہ لوگ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں اور یافث بن نوح ترک کے جدِ اعلیٰ ہیں اور ترک انہی میں کی ایک شاخ ہیں جو ذوالقرنین کے پیچھے متردک یعنی چھوڑ دیئے گئے تھے اس لیے انکو ترک کہتے ہیں تفصیل سورہ کہف کے اخیر میں ذوالقرنین کے قصہ میں گزر چکی ہے اور خروج یا جوج و ماجوج کا ذکر بہت سی احادیث میں آیا ہے جن میں چار حدیثیں بہت مفصل ہیں جنکو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے وہاں دیکھ لی جائیں۔

خلاصہ انکا یہ ہے کہ اول شام اور عراق کے درمیان سے دجال خروج کرے گا اور فتنہ برپا کرے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق کے مشرقی منارہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو اپنے نیزہ سے ماریں گے بعد ازاں دیوار ذوالقرنین کے ٹوٹ جانے سے یا جوج و ماجوج نکل پڑیں گے اور کثرت کی وجہ سے ہر طرف پھیل جائیں گے چشموں اور نہروں کا پانی پی جائیں گے لوگ اپنے مکانات اور قلعوں اور تہہ خانوں میں محصور ہو جائیں گے اور اپنے مویشی کو بھی ساتھ لے جائیں گے جب بظاہر کوئی آدمی باہر نظر نہ آئے گا تو یا جوج و ماجوج میں سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ زمین والوں سے تو ہم نے فراغت پائی اب آسمان والے رہ گئے ایک آدمی اپنا تیر آسمان کی طرف چلائے گا۔ اللہ کی طرف سے ان کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے وہ تیر اوپر سے خون میں ڈوبا ہوا واپس آئے گا۔ وہ سمجھیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کا بھی کام تمام کر دیا اس طرح سے یا جوج و ماجوج ہر طرف پھیل جائیں گے اور لوگوں میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ پر وحی نازل ہوگی کہ آپ میرے بندوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جائیں پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے یا جوج و ماجوج کی گردنوں میں ایک طاعونی کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے وہ سب ایک ہی رات میں مر جائیں گے اور انکی عفونت اور بدبو کی وجہ سے زمین پر کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا تو عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف رجوع کریں گے اور دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایسے پرندے نازل کرے گا جنکی گردنیں سختی اونٹوں کی طرح لمبی ہوں گی وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا تعالیٰ چاہے لے جا کر پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک عظیم اور عام بارش نازل کرے گا جو چالیس دن تک برابر برستی رہے گی اس بارش سے زمین دھل جائیگی اور کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کی کوئی حد نہ رہے گی اور جانور اس قدر فر بہ ہو جائیں گے کہ ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لیے کافی ہوگا بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کاج کریں گے اور حج اور عمرہ کے بعد مدینہ منورہ جائیں گے اور وہیں انتقال فرمائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں مدفون ہونگے بعد ازاں کچھ عرصہ تک لوگ

اسی فراخی اور خوش حالی میں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جس سے ہر ایک نمونہ بندہ کی روح قبض ہو جائے گی اور زمین پر صرف بدکار لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح عورتوں سے کھلم کھلا جفتی کریں گے اور یہ لوگ بدترین خلائق ہوں گے باوجودیکہ صورت انسانی ہوگی مگر گدھوں کی طرح بے عقل اور بے حیا اور بے شرم ہونگے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

(۳۱)

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبٌ جَعَلْتُمْ۔

اس آیت میں وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ خطاب بت پرستوں ہی سے ہے لیکن اگر کلمہ ما کو عام رکھا جائے تو پھر اس میں شرط عدم المانع کے قید معتبر ہوگی یعنی عابدوں کے ساتھ معبودوں کے جہنم کا ایندھن ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ بشرطیکہ ان فرضی معبودوں میں کوئی امر مانع دخول نار سے نہ ہو۔ جیسے انبیاء اور ملائکہ اور حضرت مسیح اور حضرت عزیر جن کو بہت سے لوگوں نے معبود ٹھہرا لیا ہے ان حضرات کی مقبولیت اور وجاہت اس امر سے مانع ہے کہ وہ اس حکم میں شریک ہوں جیسا کہ آئندہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ میں اس کی تصریح فرمادی اور بتلادیا کہ خدا کے وہ مقبول اور برگزیدہ بندے جو سعادت ازیلی سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں اگرچہ کافروں نے ان کو معبود بنا لیا وہ اس حکم میں داخل نہیں ثیاطین اور اصنام اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور خدا کے یہ مقبول بندے جہنم سے بہت دور رہیں گے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کو خدا کے وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے اور کفر اور شرک سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے یہ حضرات تو کفر اور شرک سے بری اور بیزار اور اس سے منع کر نیوالے تھے، انکو دوزخ سے کیا واسطہ ان کے لیے تو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں اور کرامتیں ہوں گی۔ بالفرض اگر کوئی انبیاء اور ملائکہ کو معبود بنا بھی لے تو ان کے معبود بنانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ حضرات اپنے عابدوں کے ساتھ ہرگز جہنم میں نہیں جائیں گے ان کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی سے سعادت اور عزت اور کرامت کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

ان مشرکین کے اصل معبود تو ثیاطین ہیں جنکے اغوار سے انہوں نے کفر اور شرک کیا وہ اپنے عابدین کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے اور عذاب میں مبتلا ہونگے۔

اور بت اور پتھر کی سوز میں تو بے قصور ہیں۔ ان پر جہنم کا عذاب نہیں بلکہ وہ بحکم خداوندی کافروں کے لیے عذاب ہوں گے اور یہ بُت اور پتھر کافروں کو عذاب دینے کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ کافروں پر غم اور حسرت کا اضافہ ہو کہ ان کی پرستش کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوتے شجر اور حجر لکڑی اور پتھر پر نہ کوئی عذاب ہے اور نہ کوئی ثواب ان کا جہنم میں ڈالا جانا کافروں کی تویخ اور تبکیست کے لیے ہو گا جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ چاند اور سورج کو بھی لپیٹ کر جہنم میں ڈالا جائے گا چاند اور سورج کا جہنم میں ڈالا جانا بطور عذاب کے نہ ہو گا بلکہ چاند اور سورج کے پرستاروں کی تحقیر و تذلیل کے لیے ہو گا۔

(۳۲)

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَاءَ

جس دن ہم آسمانوں کو لپیٹ دیں گے۔

اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ۔ اس آیت میں جو قَبْضَتُهُ مٹھی، اور یمن کا ذکر آیا ہے سو فرقہ مجسمہ اور مشتبہ کے نزدیک اس سے عضو معروف مراد ہے اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت میں قبضہ اور یمن سے عضو اور جارحہ کے معنی مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جہانیت اور مشابہت سے پاک اور منزہ ہے بلکہ اس سے کمال قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ یہ اجسام عظیمہ یعنی آسمان و زمین اللہ کے سامنے ایسے حقیر اور صغیر ہیں جیسے ہماری مٹھی میں کوئی چیز ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ایک معمولی اور حقیر ہوگی۔

(۵)

كَطَبِيَ السَّجِّلَ لِلْكَتُبِ

علماء محققین کے نزدیک سجل کے معنی صحیفہ اور طومار کے ہیں اور اسی معنی کو امام ابن جریر نے اختیار کیا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک فرشتہ ہے جو نامہ ہائے اعمال پر مقرر ہے جب کوئی بندہ مرجاتا ہے تو اس کا نامہ اعمال سجل کے پاس آجاتا ہے اور وہ اس کو تہ کر کے قیامت کے لیے رکھ لیتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سجل ایک کاتب وحی کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتا تھا مگر یہ دونوں قول ضعیف ہیں اس بارہ میں جو روایتیں آئی ہیں وہ موضوع ہیں یا قریب بہ موضوع ہیں نیز تشبیہ سے مقصود تفہیم ہوتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے کہ جب کسی معروف شخص کے ساتھ تشبیہ دی جائے جسے عام طور پر لوگ جانتے ہوں اور صحابہ کرام میں کوئی شخص سجل کے نام سے معروف و مشہور نہ تھا۔ کاتبین وحی سب کے سب معروف و مشہور تھے ان میں سے کسی کا بھی نام سجل نہ تھا اور نہ کسی فرشتہ کا نام سجل ہونا ثابت ہے لہذا صحیح قول یہ ہے کہ سجل سے صحیفہ اور طومار کے معنی مراد ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ اور مجاہدؓ اور قتادہؓ وغیرہم سے منقول ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ

ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین

الْأَرْضُ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

بشارتِ وراثتِ زمین برائے عباد صالحین

قال الله تعالى وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (ربط) گزشتہ آیت یعنی إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

لانے والوں کو آخر دی بشارت (خوشخبری) کا ذکر تھا اب اس آیت میں ایک عظیم دنیوی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں یعنی بادشاہت اور وراثت زمین کی خوشخبری کا ذکر ہے کہ ہم عنقریب دنیا میں اپنے نیک بندوں کو یعنی صحابہ کرام کو زمین کا وارث بنائیں گے اور زمین کی حکومت اور سلطنت اور زمین پر غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ان کو عطا کریں گے جس سے اشارہ خلافت راشدہ کی طرف ہے اور وہ بھی اس عنوان سے کہ اس بشارت (خوشخبری) کو ہم اگلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں اور ہماری بارگاہ سے صحابہ کے لیے وراثت زمین کا حکم جاری ہو چکا ہے اور یہ ہمارا ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے کہ جس کی رجسٹری ہو چکی ہے اور تمام انبیاء کے صحیفوں میں اسکا اندراج ہو چکا ہے کہ عنقریب قیصر و کسریٰ کی سلطنت صحابہ کرام کے قبضہ میں آئے گی۔ پھر اس بشارت کے بعد یہ فرمایا اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِيْنَ۔ یعنی اس خوشخبری میں عبادت گزاروں کے لیے ایک عجیب اطلاع ہے جس سے مقصود اتمام حجت ہے کہ اہل اعراض اور اہل غفلت پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہونگے اور یہ کتاب ہدایت نازل کر دی گئی جو کافی اور شافی ہے اور اللہ کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس نبی آخر الزمان کے صحابہ زمین شام اور زمین ایران کے وارث ہونگے اور زمین پر غالب ہونگے۔

پھر اخیر میں فرمایا وَهَآ اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم نے نبی آخر الزمان کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ کے اتباع کی برکت سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتیں اور سعادتیں ملیں گی اور جس گروہ کو یہ دونوں قسم کی نعمتیں اور دونوں قسم کی سعادتیں ملیں گی وہ عباد صالحین کے لقب سے ملقب ہونگے۔ اور جب ولایت اور بادشاہت دونوں ایک کبل اور ایک گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جب فرمانروائے سلطنت خدا کا نیک بندہ اور ولی بھی ہو تو وہ خلیفہ راشد ہے جو ظاہر کے اعتبار سے امیر سلطنت اور باطن کے اعتبار سے شیخ طریقت ہے۔

(رابطہ دیگر) کہ گزشتہ آیت كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ۔ میں یہ فرمایا تھا کہ پہلی بار کی طرح دوبارہ مخلوق کو پیدا کرنے کا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اب آئندہ آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ وعدہ قیامت کی علامتوں کا ظہور شروع ہو گیا کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہو گئے اور آخری امت بھی ظاہر ہو گئی پس سمجھ لو کہ قیامت قریب ہو گئی لہذا غفلت اور اعراض سے باز آ جاؤ اور اس نبی آخر الزمان سے ہمارا یہ حتمی وعدہ ہے کہ اس کے صحابہ زمین پر غالب ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تو ریت کے بعد یا لوح محفوظ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں یا انبیاء سابقین کے صحیفوں اور نوشتوں میں لکھ دیا ہے کہ معمرۃ زمین کے یا سرزمین شام اور ایران کے وارث میرے خاص نیک بندے ہونگے یعنی زمین کے بادشاہ اور فرمانروا ہونگے اور باوجود بادشاہت اور سلطنت کے صلاح اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہونگے اس آیت میں جس وراثت ارضیہ کی بشارت دی گئی اس سے خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جسکو بصیغہ خبر بیان کیا گیا اور یہ بتلادیا کہ یہ پیشین گوئی ایسی قطعی اور حتمی ہے کہ اس کو خدائی قبالہ اور دناد بزر سمجھو کہ جس کی تمام انبیاء کے صحیفوں میں رجسٹری ہو چکی ہے اور سب جگہ اسکا اندراج ہو چکا ہے جس میں شک اور شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے مجملہ ان کے ایک آیت استخلاف ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ - اور جن جل شانہ کا یہ ارشاد ذالک مثلہم فی التورۃ و مثلہم فی الانجیل - بھی اسی مضمون کی دوسری تعبیر ہے۔ اس آیت میں زبور سے یا تو حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب مراد لی جائے یا آسمانی صحیفے اور نوشتہ مراد لیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین پر اتارے کیونکہ لفظ زبور کے معنی از روئے لغت نوشتہ یعنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں آیت میں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

زبور

ذکر کے معنی لغت میں نصیحت کے ہیں اور اس جگہ ذکر سے توریت کے معنی مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے لوح محفوظ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ توریت کے بعد ہم نے زبور میں یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

ذکر

ارض کے معنی زمین کے ہیں اس بارہ میں مفسرین کے چار قول ہیں (۱) قول اول یہ کہ زمین سے ملک شام کی زمین مراد ہے۔ (۲) قول دوم یہ کہ زمین سے روم اور ایران کی زمین مراد ہے۔ (۳) قول سوم یہ کہ ارض سے معمورۃ ارض مراد ہے (۴) قول چہارم یہ کہ زمین سے جنت کی زمین مراد ہے۔ صحیح اور راجح قول - قول اول اور قول دوم ہے اور تیسرے قول کا مراد لینا بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ شام اور ایران کی زمینیں فتح ہو گئی اور دنیا کی جو دو بڑی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم وہ اسلام کے زیر نگیں آئیں گی اور تمام معمورۃ ارض پر اسلام کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہو گا اور قول چہارم نہایت بعید ہے۔ اور سیاق و سباق کے خلاف ہے بہر حال آیت میں زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے اور یہ تمام زمینیں یعنی شام اور ایران کی زمین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مفتوح ہوئیں لہذا روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان دونوں حضرات کی خلافت خدا کے اس وعدہ کے مطابق تھی اور وہ اور ان کے رفقاء بلاشبہ عباد صالحین تھے۔

الارض (زمین)

بہر صورت آیت میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے اور مخالفین کے لیے تہدید ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ اسلام مسٹ جائیگا اور اگر آیت میں "الارض" سے ارض مقدمہ مراد ہو تو اہل کتاب کو تہدید ہو گی کہ تمہارا قبلہ عنقریب مسلمانوں کے زیر نگیں آئیگا اور وہ اس کے مالک اور وارث ہوں گے اور عنقریب قیصر روم کی سلطنت ملک شام سے ختم ہو جائے گی اور مسلمان اس پر قابض ہو جائیں گے۔

اور یہ زمینیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جو انکی حسن تدبیر سے فتح ہوئیں معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین بلاشبہ عباد صالحین کا مصداق تھے۔ جن کی خلافت قرآن سے پہلے توریت اور زبور میں لکھی جا چکی تھی۔

چنانچہ یہ مضمون اب بھی موجودہ بائبل کے زبور ۳۷ میں مذکور ہے چند آیتیں ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۹ - لیکن جن کو خداوند کی آس ہے ملک کے وارث ہوں گے۔

۱۱ - جو حلیم ہیں ملک کے وارث ہوں گے جن کو وہ برکت دیتا ہے وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ دیکھو مجموعہ بائبل

ص ۵۴۸ از زبور۔

اور توریت میں بھی اس زمین کی وراثت کی تصریح موجود ہے چنانچہ توریت کتاب پیدائش باب ۱۷ درس ۸ میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے یہ وعدہ فرمایا کہ میں تجھ کو اور تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک دوں گا۔ (الح) کنعان کے ملک سے زمین شام مراد ہے دیکھو باب ۱۷ از اول تا آخر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور کی بشارت پر مشتمل ہے۔

شیعہ کیا کہتے ہیں

اس آیت کی تفسیر میں علماء شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں نزول عیسیٰ بن مریمؑ اور ظہور مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ماقبل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ کا فقہ مذکور ہے اور قیامت کا بھی ذکر ہے اس لیے ارض سے تمام رُئے زمین مراد ہے جس پر امام مہدیؑ کے زمانہ میں قبضہ ہوگا۔

اہلسنت والجماعت کہتے ہیں

کہ یہ قول قطعاً صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس آیت سے مقصود صحابہ کو خوشخبری سنانا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کو ایسی چیز کی خوشخبری سنانا۔ جس کا ظہور قیامت کے قریب ہو اور اس چیز میں سے انکو کچھ نہ ملے۔ یہ خوشخبری نہیں بلکہ ایک قسم کا مذاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے۔ نیز اس آیت میں جو لفظ عِبَادِی الصَّالِحُونَ۔ کا مذکور ہے جس کے لفظی معنی نیک بندوں کے ہیں اس سے باجماع مفسرین صحابہ کرامؓ مراد ہیں جو اس بشارت کے اولین مصداق ہیں جنکے ہاتھوں پر شام اور ایران فتح ہوا اور حسب وعدہ الہی وہ اس کی زمینوں کے وارث ہوئے اور تمام معمرہ ارض پر ان کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔

بہر حال اس آیت میں خلافت راشدہ کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے اس لیے کہ کلام کی ابتداء وَلَقَدْ اَتَيْنَا اٰبْرٰهِيْمَ رُشْدًا سے ہوئی اور خلافت راشدہ کی بشارت پر کلام کی انتہاء ہوئی اور یہ بشارت اور یہ خوشخبری قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں مذکور ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس دینی اور دنیوی سعادت کا تذکرہ اور شہرہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ہو چکا تھا جیسا کہ سورہ اعراف میں گزرا کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں اپنی امت کے لیے یہ دعا کی وَ اَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً تو بارگاہ الہی سے یہ جواب ملا کہ اس انعام دنیوی اور اخروی کا ظہور نبی آخر الزمانؑ کے پیروؤں کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ فَسَاكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اِلٰى قَوْلِهِ... الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الَّذِيْٓ اُتِيَ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ تفصیل کے لیے سورہ اعراف کو دیکھیں۔

نیز اس آیت میں یعنی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِى الصَّالِحُونَ۔

میں جس وعدہ کا ذکر فرمایا ہے یہی وعدہ آیت استخلاف یعنی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ سورہ نور کی تفسیر میں آئے گا۔

اور علیٰ ہذا سورہ فتح کی آیت ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ

فی الْاِنْجِيلِ۔ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اور بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں واضح الفاظ کے ساتھ صحابہ کرام کے لیے یہ بشارت مذکور ہے کہ تم قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ اور انکو باہم تقسیم کرو گے اور ان کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(اطلاع) اس بارہ میں جو تاریخی روایات اور واقعات منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں اگر انکی تفصیل درکار ہو تو ازالۃ الحقائق مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی مراجعت کریں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ اس آیت یعنی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار زمین کے کیوں مالک ہوئے اس لیے کہ یہ تفسیر دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ محض ایک تفسیر مطلقہ عامہ ہے کہ ایک زمانہ میں خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہونگے۔

یہ نہیں کہا گیا کہ زمین کے وارث ہمیشہ ہمیشہ نیک بندے ہی ہوا کریں گے اور کافر کبھی وارث نہ ہوں گے اور اطلاق کے صدق کے لیے ایک مرتبہ کا وقوع کافی ہے چنانچہ بحمد اللہ حضرات صحابہؓ روئے زمین کے مالک بن چکے ہیں زمانہ عروج اسلام میں کوئی سلطنت مسلمانوں کے مقابلہ کی تاب نہ رکھتی تھی اور اگر آیت میں زمین سے جنت کی زمین مراد ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جنت کی زمین کے وارث نیک بندے ہی ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)۔ (کذا فی النعم المرغوبہ ص ۲۳ وعظ ۶۹ از سلسلہ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں سے غلبہ و فتح اور نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے جگہ ایمان اور عمل صالح کی قید اور شرط مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اور اس آیت میں عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ کا لفظ مذکور ہے اور آئندہ سورت یعنی سورۃ حج میں آنے والی آیت میں وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ مِّنَ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ کے شرائط اور قیود مذکور ہیں اور آئندہ سورۃ نور میں جو آیت استخلاف آنے والی ہے اس میں بھی ایمان اور عمل صالح کی قید مذکور ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس سلطنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اہل ایمان اور صالحین سے فرمایا ہے۔

اب اس زمانہ میں اسلامی سلطنتوں پر جو زوال اور اختلال کے بادل منڈلا رہے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ارکانِ دولت محض زبان سے رعایا کے خوف سے اسلام کا نام لے لیتے ہیں ورنہ درپردہ ایمان اور عمل صالح سے کورے ہیں۔ محض نام کے مسلمان ہیں اور اندرونی طور پر دشمنانِ اسلام کے نمک خوار اور حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں اور ظاہری طور پر دشمنانِ اسلام کے

ہم رنگ بنے ہوئے ہیں کھانا اور پہننا اور اٹھنا اور بیٹھنا اور بولنا اور لکھنا پڑھنا سب انگریزی وغیرہ وغیرہ۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان لوگوں کو کوئی ہمدردی نہیں اس قسم کے نام کے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضیہ اور زمین کی وراثت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا۔ مجاہد تعلقے آج بھی روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی سلطنتیں ہیں اور مال و دولت سے مالا مال ہیں مگر اسلام کے رنگ سے خالی ہیں اگر خلفائے راشدین کے طریقہ پر چلیں تو پھر وہی عروج حاصل ہو سکتا ہے اللہ کا وعدہ اپنی جگہ پر برحق اور صدق ہے سارا قصور ہمارا ہی ہے۔

ہمنور آل ابر رحمت در فشان است
خم و خندان با مہر و نشان است
حق جل شانہ کا ارشاد ہے اَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ اے بندو تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔



إِنَّ فِيْ هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عِبِدِيْنَ ۝۱۰۶ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں ایک لوگ بندگی والے۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا

إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ۝۱۰۷ قُلْ إِنَّمَا يُوحِيْ إِلَيَّ أَنَّنَا

سو مہر کر کہ جہان کے لوگوں پر۔ تو کہہ مجھ کو تو حکم یہی آتا ہے کہ صاحب تمہارا

إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۝۱۰۸ فَإِنْ

ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے۔ پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ أَذَنْتُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ ط وَإِنْ أَدْرِيْ أَقْرَبُ

منہ موڑیں تو تو کہہ میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک

أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوْعَدُونَ ۝۱۰۹ إِنَّكَ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ

ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔ وہ رب جانتا ہے پکار کی بات اور

الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝۱۱۰ وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهُ

جانتا ہے جو تم پھپھاتے ہو۔ اور میں نہیں جانتا شاید اس میں

فِتْنَةً لَّكُمْ وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ قُلْ رَبِّ احْكُمْ

تم کو جانچنا ہے اور برتوانا (فائدہ پہنچانا) ایک وقت تک - رسول نے کہا اے رب! فیصلہ کر

بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝

انصاف کا۔ اور رب ہمارا رحمن ہے، اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔

خاتمہ سورت براتمام حجت

بہ تنزیل کتاب ہدایت و بعثت رسول رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ... الى ... وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝
(ربط) یہ سورت کا خاتمہ ہے جس میں یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لیے یہ قرآن نازل کیا اور ایسے نبی کو تمہارے لیے مبعوث کیا جو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے جس کے اتباع کی برکت سے تم کو دینی اور دنیوی نعمت اور سعادت اور زمین کی وراثت اور بادشاہت میسر آئی۔ اللہ نے تم پر حجت پوری کر دی۔ نبی کے ذمہ صرف تبلیغ ہے سو وہ آپ کر چکے اب رہ گیا کہ قیامت اور حساب و کتاب کا وقت کب آئے گا جس کے متعلق یہ اہل غفلت اور معترضین آپ سے سوال کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ مجھے اسکا علم نہیں کہ وعدہ حساب و کتاب قریب ہے یا بعید ہے، خدا ہی اس کو خوب جانتا ہے میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ شاید عذاب کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش اور چند روزہ تمتع اور مہلت ہو۔ (واللہ اعلم)
مشرع سورت میں بھی قرب قیامت اور حساب آخرت کا ذکر تھا اور سورت کے اخیر میں بھی یہی مضمون ذکر فرمایا اور اسی مضمون پر سورت کو ختم فرمایا۔ اس طرح خاتمہ سورت کو ابتداء سورت کے ساتھ غایت درجہ مناسبت ہو گئی۔

چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اس قرآن میں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جو وعدہ اور وعید اور حکمت و موعظت پر مشتمل ہے۔ عبادت گزاروں کے لیے کفایت ہے کہ اس کے ذریعہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ قرآن مسافر آخرت کے لیے کافی اور نشانی زاد راہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہے عابدین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مقصود زندگی ہی بندگی اور اطاعت ہے۔

اور جس طرح ہم نے اس قرآن کو ہدایت اور رحمت کے لیے نازل کیا ہے اسی طرح اے نبی ہم نے جو تجھ کو بھیجا ہے تو دنیا جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ آپ نے خدا کا راستہ بتلایا اور حلال اور حرام کی تفصیل کی اور اخلاق کاملہ اور آداب فاضلہ کی تعلیم کی اور آپ کے اتباع کی برکت سے آپ کی امت کو وراثت زمین اور فرمانروائی کا پردانہ ملا اور آپ کی برکت سے خسف اور مسخ اور قذف کا عذاب استیصال اٹھایا گیا۔ جو گزشتہ امتوں پر دنیا میں نازل ہوا اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے

انما انا رحمة مہدۃ یعنی جزا میں نیست کہ میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ رحمت ہوں اور قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ اور خاص کر گناہ گاران امت کے لیے آپ کی شفاعت یہ بھی اس رحمت عامہ کا ایک فرد ہے۔

نظم

عاصیان پر گنہ در دامن آخر فرماں
دست در دامن تو داند و جان در آستیں
نا امید از مغفرت بالنصرت نتوان شدن
چوں توئی در ہر دو عالم رحمت للعالمین

اے نبی آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ میری طرف تو بس یہی وحی نازل کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی موجود ہے میری بخت کا مقصد اول بھی توحید ہے۔

پس کیا تم اس کا حکم مانتے ہو یعنی توحید اور اخلاص کی جو وحی میری طرف آتی ہو اس کو مانو پھر اگر وہ اس کے ماننے سے منہ موڑیں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تم کو صاف طور پر خبردار کر دیا ہے کہ اس کے جاننے میں ہم اور تم سب برابر ہوئے۔ واضح طور پر سب کو اس کی اطلاع دے دی گئی۔

اور میں نہیں جانتا کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے اس کا وقوع قریب ہے یا کچھ دور ہے اور وعدہ سے قیامت اور حشر کا وعدہ مراد ہے یا اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا وعدہ مراد ہے۔

بیشک اللہ خوب جانتا ہے آشکارا بات کو۔ اور اس بات کو بھی خوب جانتا ہے جو تم سینوں میں چھپاتے ہو اس کو تمہارا چھپا اور کھلا حال سب معلوم ہے۔

اور میں نہیں جانتا شاید اس وعدہ کی تاخیر تمہارے لیے آزمائش ہو اور شاید تمہارے لیے ایک وقت معین تک مہلت ہو کہ ممکن ہے کہ تم اس مہلت سے کچھ فائدہ اٹھا لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فوراً نہیں پکڑا۔ بہر حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس تاخیر میں کیا مصلحت ہے بعد ازاں رسول نے حکم خداوندی یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ دیکر فیصلہ کر دیجئے جیسا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کی یہ دعا نقل کی ہے۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی چنانچہ حق تعالیٰ نے بدر کے دن فیصلہ کر دیا اور ہمارا پروردگار بڑا مہربان ہے جس سے مدد چاہی جاتی ہے ان باتوں کے مقابلے میں جو تم کہتے ہو جیسا کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا یا وہ کہتے تھے کہ اسلام تو عنقریب ختم ہو جائیگا اور کبھی کہتے کہ یہ شخص تو ساحر ہے یا شاعر ہے یا مجنون ہے۔ کفار کی اس قسم کی باتوں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد فرمائی اور اپنی رحمت اور عنایت سے آپ کو غلبہ عطا فرمایا۔

مراد خویش زد درگاہ بادشاہی خواہ : کہ پیچ کس نشود نا امید زان درگاہ

الحمد للہ آج بوقت نماز صبح ۱۰ ذی الحجۃ الحرام یوم یکشنبہ ۳۹ سورۃ انبیاء کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فللہ الحمد اولاً و آخراً

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَفْسِيرُ سُورَةِ الْحَجَّةِ

سورہ حج مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی مگر چار آیتیں مکی ہیں وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ سے لے کر عَذَابٌ يُوقِظُ الْعَقِيصَ تک چونکہ اس سورت میں حج کے احکام کا ذکر ہے۔ لہذا یہ سورت الحج کے نام سے مشہور ہوئی اس میں اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر چھ آیتیں هَذَا اِنْ خَضَعَا لِي خَضَعَا لِي رَبِّهِمْ سے صراطِ الحمید تک مدنی ہیں اور امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مخلط ہے بعض آیتیں اس کی مکی ہیں اور بعض مدنی ہیں اور یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ حج کو دوسری سورتوں پر اس لیے فضیلت دی گئی کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت سے یہی منقول ہے کہ اس سورت میں دو سجدے ہیں اور عبد اللہ بن مبارکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحق بن راہویہؒ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض صحابہ اس طرف گئے ہیں کہ اس سورت میں صرف ایک ہی سجدہ ہے یعنی صرف پہلا سجدہ اور امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ اور علماء کوفہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے صرف پہلا سجدہ۔ تفصیل کے لیے شرح بخاری اور ہدایہ دیکھیں۔

﴿آيَاتُهَا ٤٨﴾ = ٢٢ = سُورَةُ الْحَجَّةِ مَدَنِيَّةٌ = ١٠٣ = رُكُوعَاتُهَا ١٠

سورہ حج مدنی ہے اس کی اٹھتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

لوگو! ڈرو اپنے رب سے۔ بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی

شے عظیمہ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

چیز ہے۔ جس دن اس کو دیکھو گے، بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی

عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ

اپنے پلانے کو اور ڈال دے گی ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور

تَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَهُمْ بِسُكْرَىٰ وَلَٰكِنَّ

تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور ان پر نشہ نہیں پر آفت

عَذَابِ اللَّهِ شَدِيدٌ ①

اللہ کی سخت ہے۔

آغازِ سورت بحکمِ تقویٰ کہ آں بہترین زادِ آخرت است و خوف از زلزلہ قیامت کہ ذکر آں غفلت است

قال الله تعالى يَأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ... الى ... وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ -

(دبط) پہلی سورت یعنی سورۃ الانبیاء کا آغاز بھی قیامت کے حساب و کتاب سے ہوا تھا۔ اس سورت کا آغاز بھی قیامت کے ہولناک زلزلہ سے فرمایا اور سب سے پہلے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس لیے کہ تقویٰ بہترین توشہ آخرت ہے کما قال تعالیٰ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ نِزْلَةُ تَقْوَىٰ تمام انبیاء کرام کی متفقہ وصیت ہے کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ۔

اور چونکہ تقویٰ اور خوفِ خداوندی پر سب سے زیادہ برا لگھتہ کرنے والی چیز قیامت کے ہولناک احوال اور اہوال ہیں۔ اس لیے سورت کا آغاز قیامت کے احوال اور اہوال سے فرمایا اور سب سے پہلے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا اور اس کے بعد قیامت کے ہولناک واقعات کا بیان شروع کیا کہ اس دن ایک سخت زلزلہ آئے گا تاکہ اس سے حفاظت کی تیاری کرو اور جان لو کہ سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی کام دے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو مبادا اس کی ناشکری میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق بنو۔ بے شک قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے۔ جس سے دنیا میں تہلکہ اور کہرام مچ جائے گا عجیب و غریب حادثہ ہوگا جس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اور ایسی ہلچل ہوگی کہ جس سے بڑھ کر کوئی ہلچل نہیں اور جس کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں۔ زلزلہ کے معنی لغت میں

لے اشارہ اس طرف ہے کہ تقویٰ کے دو معنی ہیں۔ (۱) ڈرنے کے اور (۲) بچنے کے۔ آیت میں ہر معنی کا مراد لینا درست ہے۔

شدید اور ہولناک حرکت کے ہیں جو زلّٰہ کی تضعیف ہے اور زلّٰہ کے معنی قدم پھسل جانے کے ہیں جس روز تم اس زلزلہ کو دیکھو گے تو اس روز یہ حال ہوگا کہ ہول کے مارے ہر دودھ پلانے والی اپنے اس بچہ سے غافل ہو جائیگی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے اس سے بڑھ کر کیا آفت اور مصیبت ہوگی کہ ماں اپنے شیر خوار بچہ کو بھول جائے اور شدت ہول کی وجہ سے ہر حمل والی عورت حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو ڈال دے گی یعنی ڈر کے مارے حمل ساقط ہو جائیگا اور دیکھے گا تو اس دن لوگوں کو کمال دہشت کی وجہ سے نشہ میں مست ہوا ہوا حالانکہ حقیقت میں وہ نشہ والے نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے اسکی ہول اور دہشت کی وجہ سے مست اور مدہوش نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ مست نہ ہونگے انکی بدحواسی کو دیکھنے والا یہ خیال کریگا کہ یہ نشہ پیئے ہوئے ہیں مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ زلزلہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کب ہوگا۔

زلزلہ مذکورہ میں مفسرین کے اقوال

یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا اور یہ زلزلہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب ظہور ہوگا اور اس کے بعد آفتاب مغرب سے طلوع کریگا یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین زلزلہ میں لائی جائیگی کما قال اللہ تعالیٰ اِذَا زُلْزِلَتْ اَلْاَرْضُ زِلْزَالَہَا وَاُخْرِجَتِ اَلْاَرْضُ اَنْفَالَہَا۔ وَحُمِلَتِ اَلْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَاحِدَۃً فَبِیَوْمٍ مِّثْلِ ذٰلِکَ تَنْفَخُ السُّفُفٰتُ اِلٰی رَبِّہَا فَاِذَا رُجَّتِ اَلْاَرْضُ رَجًا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَکَانَتْ هَبَاۃً مُّنبَثًّا۔ اور اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی مرضہ ہوگی اور نہ کوئی حاملہ ہوگی معلوم ہوا کہ یہ واقعہ دنیا سے متعلق اور یہ زلزلہ اخیر عمر دنیا میں روز قیامت سے پہلے ہوگا اور زلزلہ کی اضافت قیامت کی طرف اس لیے ہے کہ اس کے قریب ہوگا جسے اشراف الساعت کہتے ہیں۔

قول اول

یہ زلزلہ قیامت کے دن نفعہ اولیٰ کے ساتھ ہوگا جس دن صور پھونکا جائیگا اس دن زمین کانپ اٹھے گی اور جیسے کشتی موجوں میں ہلنے لگتی ہے اس طرح زمین ہلنے لگے گی۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَقُوْہُ تَرٰجِفُ التَّرَاجِفَةُ تَتَّبِعُہَا التَّرَاجِفَةُ۔

قول دوم

یہ زلزلہ اس وقت ہوگا کہ جب لوگ نغمہ ثانیہ کے بعد اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر کی طرف روانہ ہوں گے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام ابن جریر طبری نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس بارہ میں چند احادیث ذکر کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت اور قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آیت قرآنی میں اس زلزلہ کے وقت کی کوئی تصریح نہیں۔ لہذا نظم قرآنی میں سب کی گنجائش

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ عَمَّا اَرْضَعَتْ میں تَامُوْہُ مَعْنٰی الذّٰی یَا مَعْنٰی مَنْ جِسْمٌ سَعْدٌ بَیْہُ اَوْ یَہُیْ مُمْکِنٌ سَعْدٌ عَمَّا اَرْضَعَتْ میں لفظ مَامَصْدَرٌ ہُوَ یعنی عَنْ اَرْضَاعِہَا۔ ۱۲

موجود ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

قول چہارم

یہ ہے کہ آیت میں زلزلہ سے روز قیامت کے احوال اور دہشت ناک احوال مراد ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **كَسَتْهُمْ السَّاعَةُ وَالضُّلَّةُ الْبَاسَةُ وَذُلُّوا** اور حدیث میں ہے۔ **اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَذَلِّزْلْهُمْ** (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۲ ج ۱۲)

پس اگر اس آیت میں قیامت سے پہلے دنیا میں زمین کا زلزلہ مراد ہو تو یہ آیت اپنی حقیقت پر محمول ہوگی کہ جس وقت یہ زلزلہ آئیگا تو اس وقت حقیقتاً ایسا ہوگا کہ حاملہ عورتوں کا حمل ساقط ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی دودھ پلانے سے غافل ہو جائے گی۔

اور اگر عین قیامت کے وقت یا قیامت کے بعد کا زلزلہ مراد ہو تو دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ حقیقتاً ایسا ہی ہوگا کہ جو عورتیں دودھ پلانے کی حالت میں مری ہیں یا حمل کی حالت میں مری ہیں وہ قیامت کے دن اس حالت میں زندہ کی جائیں گی اور بچہ کو دودھ پلاتی ہوئی قبروں سے اٹھیں گی اور قیامت کے دن انکی یہ حالت ہوگی اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کلام کو تمثیل اور تصویر پر محمول کیا جائے کہ اگر حاملہ عورتیں اس حالت کو دیکھیں تو ان کے حمل گر جائیں مقصود اس روز کی ہول و دہشت کی تصویر بیان کرنا ہے حقیقی معنی مراد نہیں اور مقصود یہ ہے کہ روز قیامت سخت ہولناک ہے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ اس دن کی شدت سے محفوظ رہو اور اس بارہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں روز قیامت کے احوال اور احوال کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ (یعنی غزوہ بنی المصطلق میں تھے) کہ اثناء سفر میں رات کے وقت یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَكٌّ عِظِيمٌ**۔ **وَاللَّيْلُ كَذَابٌ مُّذِلٌّ**۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَكٌّ عِظِيمٌ**۔ ان کو سن کر اس قدر روئے کہ اس رات سے زیادہ کبھی نہیں روئے تھے اور ایسے غمگین اور متفکر ہوئے کہ نہ کھانا پکایا اور نہ خیمے لگائے اور نہ سواریاں باندھیں۔ جب صحابہ آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے یہ وہ دن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکارے گا تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے پروردگار حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا پروردگار تجھ کو حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا لشکر نکال جو دوزخ کی طرف بھیجے جائیں گے۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے کہ اے میرے پروردگار اسکی مقدار اور اندازہ کیا ہے اور اس لشکر کی تعداد کتنی ہے حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ اس وقت حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں معلوم ہوں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہونگے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ یہ سن کر صحابہ کے چہرے غم کے مارے متغیر ہو گئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ایک ہم سے کون کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا تم کو باجوج و ما بوج سے وہ نسبت ہے جو ایک کو نو سو ننانوے سے ہے اور تمہاری نسبت پہلی امتوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے سفید بیل کے جسم میں سیاہ بال ہو یا سیاہ بیل کے جسم میں سفید بال ہو اور فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں چہارم حصہ ہو گے یہ سن کر ہم نے خوشی سے تجکیر کہی۔ پھر حضور نے فرمایا بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں میں ایک تہائی ہو گے۔ ہم نے خوشی سے تجکیر کہی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنتیوں میں نصف ہو گے۔ ہم نے تجکیر کہی۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے اور امام ترمذیؒ نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو تفسیر

ابن کثیر ص ۲۰۴ ج ۳ -

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی میں نازل ہوئیں معلوم ہوا کہ یہ آیتیں مدنی ہیں۔



وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ

اور بعضا شخص ہے جو جھگڑاتا ہے اللہ کی بات میں بنی خبر

عِلْمٍ وَ يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝ كُتِبَ

اور ساتھ پکڑتا ہے ہر شیطان بے حکم کا۔ جن کی قسمت

عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنَ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يَضِلُّ وَيَهْدِيهِ

میں لکھا ہے، کہ جو کوئی اس کا رفیق ہو سو وہ اس کو بہکا دے اور

إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي

لے جاوے عذاب میں دوزخ کے۔ لوگو! اگر تم کو دھوکہ (شک) ہے جی

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُّرَابٍ ثُمَّ

اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر

مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ

بوند سے پھر پھٹکی سے پھر بوٹی سے نقشہ

مُخَلَّقَةٍ وَ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي

بنی اور بنی نقشہ بنی اس واسطے کہ تم کو کھول سناویں اور ٹھہرا

الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

رکھتے ہیں ہم پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک ٹھہرے ہوئے وعدے تک پھر نکلالتے

طِفْلًا ثُمَّ لَتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى

ہیں لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں پورا بھریا اور کوئی تم میں

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُرْكِ لَا يَعْلَمُ

پھر چلایا۔ نئی عمر تک، تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ

مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً

سمجھنے لگے۔ اور تو دیکھتا ہے زمین میں دبی پڑی

فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ

پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اگائیں ہر

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ

بھانت بھانت رونق کی چیزیں۔ یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے تحقیق

وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور وہ جلاتا ہے مردے اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ

اور یہ کہ قیامت آتی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھادے گا

مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ

قبر میں پڑوں کو اور بعضا شخص ہے جو جھگڑتا ہے

فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ

اللہ کی بات میں بن خبر اور بن سوچہ اور بن کتاب

مُنِيرٌ ۝ ثَانِي عَطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

چمکتی۔ اپنی کمرٹ موڑ کر کہ بہکا دے اللہ کی راہ سے۔

لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اس کو دنیا میں رسوائی ہے اور چکھادیں گے ہم اس کو قیامت کے

عَذَابِ الْحَرِيقِ ⑨ ذَلِكِ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ

دن جلن کی مار۔ یہ اس پر ہے جو آگے بھیج چکے تیرے دو ہاتھ

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ⑩

اور یہ کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

اثبات حشر و نشر و ابطال شبہات مجادلین و منکرین قیامت

قال الله تعالى وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ إِلَىٰ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝
(رابطہ) گزشتہ آیات میں تقویٰ کی تاکید اور قیامت کے بعض احوال اور ہوال کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں جو قیامت کے منکر ہیں اور قیامت اور قرآن کے بارہ میں جہالت سے بغیر علم اور بغیر دلیل کے جھگڑا کرتے ہیں۔ بعد ازاں حشر و نشر کا اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کا ابطال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے بارہ میں یعنی اسکی شان میں اور اس کی قدرت میں بدون کسی علم کے جھگڑتے ہیں یہ نصر بن حارث کا حال ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کتاب الہی کے بارہ میں کہتا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلَیْنَ کہ یہ قرآن تو انگوٹوں کا افسانہ ہے اور کبھی توحید کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور کبھی اللہ کی قدرت کے بارہ میں جھگڑتا اور کہتا کہ جب انسان مر کر اور گل سڑ کر مٹی ہو گیا تو پھر کیسے زندہ ہوگا اور ایسے شخص کے پاس دلیل کوئی نہیں صرف شیطان سرکش کی پیروی کرتا ہے۔ شیطان اس کے دل میں دوسو سے ڈالتا ہے اور بے دلیل اس کو مان لیتا ہے اور انبیاء دلائل عقلیہ و براہین قطعیہ بیان کرتے ہیں تو ان میں بے دلیل جھگڑا لگتا ہے اور شیطان کی پیروی کرتا ہے جس کی نسبت قضائے الہی میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو شخص شیطان کو دوست بنائے گا تو شیطان اس کو ضرور گمراہ کرے گا۔ اور عذاب دوزخ کی راہ پر اسکو لگا دے گا۔ بغرض یہ کہ اس نادان کا گمان یہ تھا کہ قیامت اور حشر و نشر سب محال ہے اس لیے آئندہ آیات میں اثبات سعاد کی دو دلیلیں بیان فرماتے ہیں۔

دلیل اول

اے لوگو اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں تم شک اور تردید میں پڑے ہوئے ہو اور دوبارہ زندہ

ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہو تو حق تعالیٰ کی دلیل قدرت میں ذرا غور کرو اور پہلے اپنے حال پر نظر کرو۔ تحقیق ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہاری اصل خلقت مٹی سے ہے اس لیے کہ آدم علیہ السلام جو سب کی اصل ہیں وہ مٹی سے پیدا ہوئے پھر پیدائش آدم کے بعد جب سلسلہ توالد و تناسل جاری ہوا تو مرتبہ دوم میں ہم نے تم کو لطف سے۔ پھر مرتبہ سوم میں جسے ہوئے خون سے۔ پھر مرتبہ چہارم میں ایسے پارہ گوشت سے کہ کبھی اسکی پوری صورت بن جاتی ہے جس میں کوئی عیب اور نقصان نہیں رہتا اور کبھی پوری صورت نہیں بنتی جو ایام پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ پس ہم نے تم کو اس ترتیب و تدبیر کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہم تم پر اپنی کمال قدرت ظاہر کریں کہ تم پہلی بار کی خلقت سے دوسری بار کی خلقت کو سمجھ سکو۔ کہ جو چیز پہلی بار تغیر اور تکون کو قبول کر سکتی ہے وہ دوسری بار بھی اسے قبول کر سکتی ہے اور جان لو کہ یہ سب قادر مطلق کی صنعت اور کاریگری ہے کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں۔ اور پھر ایک مدت مقررہ تک جس کو چاہتے ہیں رحم مادر میں ٹھہرائے رکھتے ہیں اسکو وقت سے پہلے گرنے نہیں دیتے اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو گرادیتے ہیں پھر اس مدت معینہ کے بعد تم کو بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے نکالتے ہیں۔ پھر ہم تم کو پالتے ہیں تاکہ تم اپنی کمال قدرت کو پہنچ جاؤ یعنی جوانی کو پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو بڑا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی تم میں سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے تاکہ جاننے پہچاننے کے بعد انجان اور بے خبر بن جائے یعنی ہوش و حواس میں فتور آجائے اور جیسا بچپن میں نلیل العلم اور قلیل الفہم تھا ویسا ہی پھر ہو جائے اور جاننے کے بعد کچھ نہ جانے پس جو خدا ایک انسان پر اس قدر مختلف حالتیں طاری کر سکتا ہے اور اخیر میں انتہاء کے بعد پھر ابتداء کی طرف لوٹا سکتا ہے تو کیا وہ گلی سڑی ہڈیوں کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا۔

یہ بعث بعد الموت کی ایک دلیل ہوئی اب آئندہ آیت میں دوسری دلیل بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ اور تروتازہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

دوسری دلیل

اور اگر ان منکرین قیامت کا یہ گمان ہے کہ انسان کی پیدائش میں جس قدر تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ سب شکم مادر میں ہیں شکم قبر میں یہ تغیرات اور انقلابات نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو مردہ کی طرح خشک اور بے رونق دیکھتا ہے کہ عرصہ تک کبھی ہوئی آگ کی طرح خشک پڑی رہتی ہے جس میں سبزہ کاہیں نام و نشان نہیں ہوتا۔ اس طرح قبر میں مردہ بھی خشک پڑا رہتا ہے پھر جب کچھ عرصہ بعد ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو اس خشک زمین کی قوت نامیہ جوش میں آ جاتی ہے اور سبزہ سے لہلہانے لگتی ہے اور پھولنے لگتی ہے۔ اور ولادت حمل کی طرح خردج نباتات کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں گویا کہ زمانہ ولادت قریب آگیا ہے اور پھر باذن الہی ہر قسم کے تروتازہ اور خوشنما چیز آگاتی ہے جس طرح بطن مادر سے ایک خوشنما بچہ نمودار ہوتا ہے پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے اجزاء منفرقہ کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھا کیا یہ تخم شجر لطفہ کے مشابہ نہیں کہ جب یہ تخم زمین میں ڈال دیا جاتا ہے تو گل سطر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر بعد چندے خوشنما ہو کر زمین سے نکل آتا ہے جس طرح لطفہ سے

پچھ پیدا ہونے کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح تخم ریزی کے بعد روئیدگی کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ یہاں تک دونوں دلیلیں ختم ہوئیں اب آئندہ آیت میں ان دونوں دلیلوں کا نتیجہ ذکر فرماتے ہیں۔ اور وہ پانچ باتیں ہیں۔

(اول) یہ سب جو ابتداء خلقت انسان سے اجاء زمین تک ہوا۔ اسکی وجہ اور سبب یہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ جو ہے وہی حق ہے یعنی خدائے برحق وہ ہے کہ جس کی قدرت کاملہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

(دوم) اور یہ کہ تحقیق وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے جیسا کہ نطفہ کو اور مردہ زمین کو زندہ کرنا، تمہاری نظروں کے سامنے ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ موت اور حیات اسکے قبضہ قدرت میں ہے۔

(سوم) اور یہ کہ وہ بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اسکی قدرت مردہ زمین کے ساتھ مخصوص نہیں وہ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

(چہارم) اور یہ کہ بلاشبہ قیامت آتی ہوگی یعنی اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے جس میں کچھ شک نہیں۔

(پنجم) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں مدفون ہیں اور اس دوبارہ زندہ ہونیکام باعث بعد الموت ہے غرض یہ کہ ان دلائل سے بخوبی یہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کا آنا حق ہے ضرور آئیگی اس کے آنے میں ذرا شک نہیں اور باوجود ان دلائل واضحہ کے لوگوں میں سے وہ شخص بھی ہے کہ جو اللہ کی قدرت قاہرہ اور حکومت باہرہ میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑتا ہے یعنی بعض ایسے کج فہم اور ضدی اور عنادی ہیں کہ ان واضح اور روشن دلائل سننے کے بعد بھی اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں۔ نہ انکے پاس علم اور عقل ہے اور نہ کوئی ہدایت اور عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل ہے کہ جو آسمانی کتاب سے پیش کر سکے اور اس کج رو اور بے عقل کی حالت یہ ہے کہ متکبر اور مغرور ہے اپنی گردن اور شانہ کو موڑ کر جھگڑتا ہے جیسا کہ متکبروں کا طریقہ ہے کہ شانہ اور گردن کو موڑ کر گفتگو کیا کرتے ہیں اور غرض اس کی یہ ہے کہ اس قسم کی بے سرو پا باتوں سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے۔ جیسے خود گمراہ ہے اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ دنیا کی ذلت و خواری اس کے تکبر اور غرور کی سزا ہے کیونکہ اس کا اکبر ہم اور مبلغ علم یہی دنیا تھی اس لیے اس دنیا میں اسکو ذلیل کیا اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اور اس وقت ہم اس سے یہ کہیں گے کہ یہ عذاب تیرے ان اعمال کی سزا ہے جن کو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں۔ بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتے اور مغرور اور متکبر مجرم کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتے یہ آیت بھی نضر بن حارث کے بارہ میں ہے۔ بدر کے دن وہ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ یہ دنیا کی رسوائی تھی اور آخرت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ

اور بعضا شخص ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنائے پر

فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ إِيَّاهُ كَانَ بِهِ وَانْ

پھر اگر مل گئی اسکو بھلائی چہیں پکڑا اس پر اور اگر

أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ إِنْ قَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَيْرٌ

مل گئی انکو جالنج (آزمائش) پھر گیا الٹ اپنے منہ پر - گنوائی

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

دنیا اور آخرت یہی ہے ٹوٹا

الْمُبِينُ ۝ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ

صریح - پکارتا ہے اللہ کے سوا ایسی چیز کہ اسکا

وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ط ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝

بُرا نہیں کرتی اور ایسی کہ اسکا بھلا نہیں کرتی - یہی ہے دور پڑنا بھول کر -

يَدْعُوا لِمَنْ ضُرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ط لِبَئْسَ

پکارے جاتا ہے البتہ جسکا ضرر پہلے پہنچے نفع سے - بیشک بُرا

الْمَوْلَى وَ لِبَئْسَ الْعَشِيرُ ۝

دوست ہے اور بُرا رفیق -

نذرت مذہبین و مترددین در بارہ دین متین

قال الله تعالى وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّبِعُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ... الى وَ لِبَئْسَ الْعَشِيرُ (ربط) گزشتہ آیات میں منکرین اور مجادلین کی مذمت تھی۔ جو کھلم کھلا اور صریح طور پر قیامت کے منکر تھے۔ اب ان آیات میں مذہبین اور مترددین کی مذمت بیان کرتے ہیں جو محض دنیاوی طمع پر اسلام لے آئے ہیں مگر ان کے دل میں ابھی تک تردد باقی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ آئے اور اسلام لے آئے پس اگر انہیں وہاں مال اور اولاد کی ترقی معلوم ہوتی تو کہتے دین اسلام اچھا دین ہے اور اگر کچھ اس کے خلاف ہوتا تو کہتے کہ اسلام کچھ اچھا دین

نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں مترزلزل اور متذبذب لوگوں کا حال بیان کیا کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں میں زیان
ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک حقانیت کا معیار دنیاوی منفعت ہے پس جو اسلام محض دنیوی منفعت پر مبنی ہو وہ اسلام شرعییت
میں معتبر نہیں اس لیے آئندہ آیات میں اہل شک اور اہل نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے
کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرتا ہے کہ گویا ایک کنارہ پر کھڑا ہے یعنی دل جماعی اللہ کی عبادت نہیں کرتا۔ شک اور تردد میں پڑا
ہوا ہے۔ اللہ کے وعدہ اور وعید کا اس کو یقین نہیں سوا اگر اس کو کوئی دنیاوی بھلائی پہنچ گئی۔ جیسے صحت اور مالداری
تو اس خیر اور بھلائی کی وجہ سے اس کو دین پر کچھ اطمینان ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کوئی دنیاوی تکلیف پہنچ گئی جیسے بیماری
اور تنگدستی۔ تو پھر اللہ اپنے منہ پر پلٹ جاتا ہے، یعنی دین اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کا انجام یہ ہے کہ اس
نے دنیا بھی گنوائی اور آخرت بھی گنوائی۔ یہی تو کھلا ہوا خسارہ اور نقصان ہے کہ دنیا بھی گئی اور دین بھی گیا۔ دنیا کا خسارہ تو یہ
ہوا کہ مراد کو نہ پہنچا اور آخرت کا خسارہ یہ ہوا کہ سارے اعمال نیست و نابود ہو گئے یہ اس شخص کی حماقت ہے کہ اس نے
دین اسلام کو دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا۔ دنیا کا نفع و نقصان ہر حال میں انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے باطل کے
اتباع سے دنیا کے نقصان سے محفوظ نہیں ہو جاتا۔ یہ مرتد یا مشرک اللہ کے سوا ایسے معبود کو پکارتا یا پوجتا ہے کہ اگر وہ اس
کو نہ پوجے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور اگر اس کی عبادت کرے تو اس کو نفع نہیں پہنچا سکتا۔ یہی تو پرلے
درجے کی گمراہی ہے جو راہ حق سے بہت دور ہے ایک عاقل بالغ آدمی کا ایسی چیز سے روزی اور مدد مانگنا کہ جو نہ مل
سکے اور نہ بول سکے پرلے درجے کی بیوقوفی ہے۔ یہ نادان ایسی چیز کو پکارتا ہے جس کا نقصان بہ نسبت اس کے خیالی نفع
کے بہت زیادہ قریب ہے۔ آخرت کا ضرر تو بعد میں ہوگا۔ ثبوت پرستی کا جو ضرر پیش آیا وہ اس کے سامنے ہے کہ ایک
بے جان چیز کے پوجنے کی وجہ سے دنیا میں احمق اور نادان ٹھہرے اور البتہ تحقیق ایسا کار ساز بھی بہت بُرا اور ایسا رفیق بھی
بہت بُرا۔ جو کہ کسی کام نہ آوے۔ ”مولیٰ سے مراد بت ہے جس کو وہ اللہ کے سوا پکارتا ہے اور عنقریب سے اس کا دست
اور یار و مددگار مراد ہے جو شب و روز اس کے ساتھ خلط ملط رکھتا ہے اور اس کو کفر و شرک پر آمادہ کرتا ہے خدا
نعلے تک پہنچنے کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ آئندہ آیت میں اس کا ذکر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اور کیں

الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

بھلائیوں میں باغوں میں بہتی نیچے اُن کے نہریں۔

الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۳﴾

اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ

جس کو یہ خیال ہو کہ ہر گز مدد نہ کریگا اسکو اللہ دنیا میں اور

آخرت میں تو تانے ایک رسی آسمان کو پھر کاٹ دے

فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيطُ ۝۱۵

اب دیکھے کچھ گیا اس کی تدبیر سے اس کے جی کا غصہ۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِيَ

اور یوں اتارا ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سوجھ

مَنْ يُرِيدُ ۝۱۶

دیتا ہے جس کو چاہے۔

بیان فلاح اہل ایمان و خیریت و خسران دشمنان بدسگالان

قال الله تعالى إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِيَ مَنْ يُرِيدُ .

(ربط) گزشتہ آیات میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جو ایمان اور اسلام میں مبتدئ و مبتدئ تھے اب ان آیات میں ان ایمانداروں کا حال ذکر کرتے ہیں جو ایمان پر جمے ہوئے ہیں اور اعمال صالحہ پر ثابت قدم ہیں۔ حتیٰ جل شانہ نے ان آیات میں اقول تو ایسے مومنین مخلصین کی فلاح اور کامیابی کا ذکر کیا اور اس کے بعد دشمنان اسلام کی ناکامی اور نامرادی کو بیان کیا کہ ان مجاہدین فی الدین اور ان منافقین کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور چند روز میں دین اسلام ختم ہو جائیگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے، ان کے دل میں اسلام کا غیظ و غضب بھرا ہوا ہے وہ جتنی چاہیں تدبیریں کریں مگر خوب سمجھ لیں کہ ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہو گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو صدق دل سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے مکانوں اور درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے دوستوں کو عزت اور کرامت اور فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور مرتدین و منافقین کو ذلیل و خوار کرتا ہے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد

نہیں کریگا یعنی دنیا میں اسکو دشمنوں کے مقابلہ میں غلبہ نہیں دیگا اور آخرت میں اس کے درجے بلند نہیں کریگا تو جس شخص کا یہ خیال ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جلتے پھر وہاں پہنچ کر آپ کی مدد کو قطع کر دے اگر وہ اس پر قادر رہے کیونکہ آسمانی مدد کو رد کرنا بغیر آسمان پر پہنچے ہوئے ممکن نہیں لہذا اس کو چاہیئے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر چڑھے اور وہاں پہنچ کر آپ کی نصرت اور مدد کو قطع کر دے کیونکہ دنیاوی وسائل تو آپ کے پاس موجود نہیں۔ آپ کو نصرت پہنچ رہی ہے وہ آسمان ہی سے پہنچ رہی ہے تو اگر اس سے یہ ممکن ہے اور یہ اس پر قادر ہے تو آسمان پر جا کر اس کو قطع کر دے پھر دیکھے کہ اس کی یہ تدبیر اس کے سینہ کے غیظ و غضب کو دور کرتی ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ غیظ و غضب سے جو چاہے تدبیر کر لو مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتی۔ پس جب یہ امر ناممکن ہے تو پھر اس غیظ و غضب سے کیا فائدہ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِلٰی السَّمَاءِ میں سے لفظ سماء سے آسمان کے معنی مراد نہیں بلکہ چھت کے معنی مراد ہیں۔ کلام عرب میں سماء کا اطلاق چھت پر بھی آتا ہے۔ کل ما علا فہو سماء۔ جو شے تیرے اوپر ہے وہ تیرا آسمان ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور غلبہ کی وجہ سے غصہ اور غیظ و غضب ہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے گھر کی چھت میں ایک رسی باندھ لے پھر اس رسی میں پھندا لگا کر اپنا گلا گھونٹ لے اور رسی کو توڑ دے یہاں تک کہ مر جائے پھر دیکھے کہ اس تدبیر سے اس کا غصہ فرو ہوتا ہے یا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و نصرت پر غصہ آتا ہو اس کو چاہیئے کہ غصہ کے مارے اپنا گلا گھونٹ لے یہاں تک کہ مر جائے اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد کرنے والا ہے اس کا غصہ اسکو کوئی نفع نہیں دے گا اور اپنا گلا گھونٹنے کا نام لیکر اس لیے کہا کہ حاسد کی آخری تدبیر یہی ہے کہ وہ غصہ میں آکر اپنا گلا گھونٹ لے اور اس تعبیر میں آپ کے حاسدوں کے ساتھ استنہار اور تمسخر مقصود ہے کہ تم خواہ کتنا ہی غصہ کرو۔ مگر تم سوائے گلا گھونٹنے کے اور کچھ نہیں کر سکتے جو چاہے کر لو۔ تمہارا مقصد کسی حال میں پورا نہ ہو گا کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ مَوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ۔

اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے لیکن حضرت شاہ عبدالقادر نے اس آیت کی دوسری طرح تفسیر فرمائی جو نہایت لطیف ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس آیت کو وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلَى حَرْفٍ کے ساتھ مربوط اور متعلق قرار دیکر فرمایا کہ مَن كَانَ يَظُنُّ اَنَّ لَّنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ۔ میں ضمیر مفعول مَن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی مصائب اور تکالیف سے گھبرا کر اللہ سے امید قطع کر کے اس کی بندگی چھوڑ دے اور جھوٹی چیزوں کو پوجنے لگے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اونچی لکنتی رسی سے ٹک رہا ہے اگر اوپر چڑھ نہیں سکتا تو یہ توقع تو ہے کہ اگر رسی کوئی اوپر کو کھینچے تو یہ اوپر چڑھ جائے لیکن جب رسی ہی توڑ دی تو پھر کیا توقع رہی گویا کہ آسمان سے بلندی اور بارگاہِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے اور رستی پکڑنے سے اللہ سے امید رکھنا مراد ہے اور رستی قطع کر دینے سے خدا کی رحمت سے ناامید ہو جانا مراد ہے۔ لہذا انسان کو چاہیئے کہ ایک کنارہ پر کھڑا ہو کر عبادت کرنے والا بنے، اور دنیاوی پریشانیوں سے گھبرا کر خدا سے امید کی رستی کو نہ کاٹ ڈالے اور خداوند آسمان سے امید قطع کر کے غیر اللہ کی پوجا نہ کرے۔

اور ایسا ہی اتارا ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتیں جن میں کوئی خفاء اور ابہام نہیں جو شخص ان میں غور کرے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جائے اور حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے مطلب یہ ہے کہ دلائل خواہ کتنے ہی واضح اور روشن کیوں نہ ہوں مگر ہدایت اللہ ہی کے قبضہ میں ہے جسے وہ سمجھ دے وہی سمجھتا ہے۔



إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں

وَالصَّبِيَّانَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ

اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور جو

أَشْرَكُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ

شُرک کرتے ہیں اللہ فیصلہ کریگا ان میں قیامت کے دن

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۴ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

اللہ کے سامنے ہے ہر چیز۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ

يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَ

کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَ

ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت

الدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ

اور جانور اور بہت آدمی - اور بہت ہیں کہ ان پر ٹھہر

الْعَذَابُ ۖ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۖ

چکا عذاب - اور جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی نہیں عزت دینے والا

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝۱۸ هَذَانِ خَصْمَانِ

اللہ کرتا ہے جو چاہے یہ دو مدعی ہیں

اِخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۚ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ

جھگڑے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے ان کے واسطے

ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۖ يَصُبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمْ

یونٹے (کالے) ہیں کپڑے آگ کے۔ ڈالتے ہیں ان کے سر پر جلتا

الْحَمِيمُ ۝۱۹ يَصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۝۲۰

پانی - نہجڑتا ہے اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے۔ اور کھال

وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ۝۲۱ كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ

بھی۔ اور ان کے واسطے موگریاں ہیں لوہے کی۔ جس بار چاہا کہ نکل

يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ۚ وَذُوقُوا

پڑیں اس سے گھٹنے کے مارے۔ پھر ڈال دیئے اندر۔ اور چکھتے رہو

عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝۲۲ إِنَّ اللَّهَ يَدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا

جلن کی مار۔ اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اور کہیں بھلائیوں باغوں میں، بہتی ان کے نیچے نہریں۔

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَ

گنا پہنا دیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اور موتی، اور

لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۝۲۳ وَهَدُّوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ

ان کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی۔ اور راہ پائی انہوں نے ستھری

الْقَوْلُ ۖ وَهْدُ وَآلِي صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝

بات کی - اور راہ پائی اس خوبیوں سراہے کی راہ -

بیان فیصلہ اختلاف ملکہ ائمہ در روز قیامت

قال الله تعالى إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا..... إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝
(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کا دین اسلام اور اہل ایمان کے ساتھ اختلاف کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ دین کے بارہ میں لوگ مختلف ہیں۔ ہر شخص اپنے کو حق اور ہدایت پر بتلاتا ہے اس اختلاف کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا اس دن اہل حق کو عزت اور کرامت حاصل ہوگی اور اہل باطل کو ذلت اور اہانت ملے گی اور اس دن معلوم ہو جائیگا کہ عزت و ذلت کی مالک کون ذات ہے کہ جس کو تمام آسمان اور زمین کی چنریں آفتاب و ماہتاب اور شجر و حجر سب سجدہ کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ (۱) قرآن کریم کی آیات و بینات پر ایمان لائے اور دین اسلام میں داخل ہوئے یعنی مسلمان ہوئے اور جو لوگ (۲) یہودی ہوئے اور ستارہ پرست لوگ جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے معتقد ہیں اور تغیرات عالم کو انہیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نصاریٰ اور مجوس یعنی آتش پرست جو آگ کو پوجتے ہیں اور دو خدا مانتے ہیں۔ خالق خیر کو یزدان کہتے ہیں اور خالق شر کو ابہرن کہتے ہیں اور وہ لوگ (۳) جو مشرک ہیں یعنی بت پرست ہیں۔ کل چھ اہل ادیان ہیں ان میں سے صرف ایک دین والے یعنی مسلمان جن کا مذہب اسلام ہے وہ حق پر ہیں اور ان کا دین اللہ کا دین ہے اور باقی پانچوں باطل پر ہیں اور ان کا دین شیطان کا دین ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی طور پر فیصلہ کر دے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں داخل کر دے گا اور کافروں کو دوزخ میں بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

عام طور پر دنیا میں چھ فریق ہیں (۱) اہل ایمان جن کو اَلَّذِينَ آمَنُوا سے تعبیر کیا (دوم) یہود (سوم) نصاریٰ۔ (چہارم) مجوسی یعنی آتش پرست (پنجم) مشرکین یعنی بت پرست۔ یہ سب مشہور ہیں۔ (ششم) صابئین۔ ان کے بارہ میں اختلاف ہے کہ اس فرقہ کا کیا مذہب ہے۔

صابئین کے بارے میں تین قول

امام شہرستانیؒ عل و نحل میں فرماتے ہیں کہ یہ کواکب پرستوں کا گروہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں تھا کواکب اور نجوم کی تعظیم ان کا مذہب تھا بعض یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تدبیر انہی کواکب کے پیر رہے اور بعض سرے سے قادر مختار کے منکر تھے اور تغیرات عالم کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان کی اصلاح پہلا قول

اور ہدایت کے لیے ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ فرقہ صابئین نہ کسی ملت اور مذہب کا فائل تھا اور نہ پیغمبر اور پیغمبری کا قائل تھا اس فرقہ کے مقابل فرقہ کا نام حنفاء تھا جو ابراہیم حنیف کے ماننے والے تھے

صابئین ایک قوم ہے جو فرشتوں کو پوجتی ہے اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور زبور پڑھتی ہے
دوسرا قول اور صابئین اہل کتاب میں کا ایک فرقہ ہے۔

صابئین ایک قوم ہے جو مجوس اور نصاریٰ کے درمیان ہے اور ان کا کوئی دین نہیں اور نہ ان کی کوئی شریعت ہے اور نہ کسی ملت کی جانب منسوب ہیں اور نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہی مختلف اقوال کی بنا پر فقہاء میں اختلاف ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ جن فقہاء کے نزدیک صابئین اہل کتاب میں کا کوئی فرقہ ہے تو ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور جن فقہاء کے نزدیک یہ بے دین فرقہ ہے ان کے نزدیک ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ چھ دین ہیں جن میں سے پانچ دین شیطان کے ہیں اور ایک دین رحمان کا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ادیان مختلفہ کا فیصلہ فرمائیں گے اہل ایمان اور اہل اسلام کو جنت میں داخل کریں گے۔ اور ان کے سوا سب کافروں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا صابی یا مشرک سب کو جہنم میں داخل کریں گے اور یہ فیصلہ علم کی بنا پر ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر قول و فعل پر شہید ہے کوئی شے اس سے غائب نہیں اور ان چھ فرقوں کے علاوہ ایک ساتواں فرقہ اور بھی ہے جو فرقہ دہریہ کے نام سے مشہور ہے کہ جو خدا کا منکر ہے اور حوادث عالم کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہے دنیا کا گمراہ ترین فرقہ یہی ہے اس کا ذکر سورہ جاثیہ کی اس آیت میں آیا ہے **وَقَالُوا هَآهِيَ اِلَآٰ حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَآٰ الدَّهْرُ**۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم کو بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں اپنی کمال قدرت اور کمال عظمت اور کمال حکومت و سلطنت کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی شے اس کے احاطہ تسخیر اور دائرہ سلطنت سے خارج نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے اس پر نظر نہیں کیا اور عقل کی آنکھ سے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی ہر ایک اپنی اپنی حالت کے مطابق اللہ کو سجدہ کرتا ہے، ایک سجدہ تو یہ ہے کہ جس میں زمین و آسمان سب شامل ہیں وہ یہ کہ انکو بنی طور پر اللہ کی قدرت کے سامنے بے بس ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرانگندہ ہیں اور اس عام سجدہ کے علاوہ ایک اور سجدہ ہے جو ہر چیز کا الگ الگ اور جدا جدا ہے وہ یہ کہ جس چیز کو جس کام کیلئے بنا دیا وہ اسی کام میں لگی ہوئی ہے۔ سب اس کے حکم کے تابع اور فرمانبردار ہیں لیکن بہت سے لوگوں نے اس کے سجدہ سے اعراض اور انحراف کیا۔ اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ قضا و قدر میں ان پر عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے اللہ کا ارادہ انکو ذلیل کرنے کا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ عزت اور ذلت کا مالک ہے جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ زمین کو یہ حق نہیں کہ حق تعالیٰ سے سوال کر سکے کہ میں نے کیا قصور کیا جو مجھ کو پست

بنایا اور آسمان نے کیا خدمت انجام دی کہ اس کے صلہ میں اس کو بلندی عطا ہوئی۔

مسئلہ

یہ آیت سجدہ کی ہے اس کے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق اور اہل باطل کے فیصلہ کا ذکر فرمایا اور تفصیل کے ساتھ اہل باطل کی انواع و اقسام کو بیان فرمایا لیکن یہ تمام فرقے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر ہوا حق اور باطل ہونے کی حیثیت سے دو فریق ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں یہ دونوں یعنی مؤمن اور کافر اور اہل اطاعت اور اہل معصیت دو جھگڑنے والے فریق ہیں۔ ایک فریق مسلمانوں کا ہے اور دوسرا فریق کافروں کا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین سب داخل ہیں اس لیے کہ ہمہ اقسام کفر ملت واحدہ ہیں۔ ہدایت ربانی اور کتاب آسمانی کے نہ قبول کرنے میں سب شریک ہیں اور ایک ہیں۔ غرض یہ کہ یہ دو (۲) فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارہ میں جھگڑا کیا۔ مسلمانوں نے اللہ کے دین کو قبول کیا اور باقی پانچ مذکورہ فرقوں نے یعنی یہود اور نصاریٰ اور مجوسی اور صابئین اور مشرکین نے دین اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور باہم جنگ و جدال اور قتل و قتال کا سلسلہ شروع ہوا جس کا آغاز معرکہ بدر سے ہوا۔ چنانچہ بدر کے میدان میں حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، عتبہ اور شیبہ اور ربیعہ کے مقابلہ پر نکلے۔ اللہ نے مسلمانوں کو عزت دی اور کافروں کو ذلیل کیا۔ اب آگے دونوں فریق کے اخروی انجام کو بتلاتے ہیں۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا سوا اول تو ان کے لیے ان کے جہنم کے مطابق آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے یعنی حقیقتاً آگ کا لباس ہو گا جو ان کی مصیبت کا سامان اور ان متکبرین کی ذلت کا نشان ہو گا اور دوم ان کے سروں کے اوپر سے کھولنا ہوا پانی ڈالا جائیگا جس سے ان کے پیٹوں کی انتڑیاں اور بدن کی کھالیں پگھل جائیں گی اور پھر ان کو دیسا ہی کر دیا جائیگا جیسے پہلے تھے۔ کَلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ۔ اور سوم ان کے مارنے کے لیے لوہے کے بڑے بھاری گرز ہوں گے جو ان کے سروں پر مارے جائیں گے اور کبھی اس مصیبت سے ان کو نجات نہ ہوگی، چنانچہ جب کبھی شدت غم کی وجہ سے اس آگ سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں لوٹا دینے جائیں گے اور فرشتے ان سے کہیں گے کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کیا کرتے تھے۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ایک فریق مخاصم یعنی فریق کفار کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دوسرے فریق مخاصم یعنی فریق مؤمنین کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخرت میں غایت درجہ ناز و نعمت اور عیش و عشرت میں ہوں گے اس آیت میں اہل ایمان کی چار نعمتوں کا ذکر فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) تحقیق اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا ان بندوں کو جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نیک کام کیے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں مؤمن کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک کنگن سونے کا اور ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔ سونے اور موتی کے کنگن کا ذکر تو اس آیت میں ہے اور چاندی کے کنگن کا دوسری آیت میں ہے۔ وَحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ۔ اور ان کا لباس وہاں ریشمین ہو گا۔ اہل جہنم کے ثياب النار کے مقابلہ میں ان کا لباس حریری ہو گا۔ عَلَيْهِمْ

ثِيَابِ سُندُسٍ خُضْرٍ وَاسْتَبْرَقٍ وَحُلُوفٍ أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور ان کو دنیا میں پاکیزہ قول کی طرف ہدایت کی گئی اور خدائے ستودہ کے راستے کی طرف انکو ہدایت کی گئی۔ پاکیزہ قول سے کلمہ توحید یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مراد ہے اور صراطِ حمید سے صراطِ مستقیم اور دینِ اسلام مراد ہے اس کے صلہ میں آج انکو نعمتیں اور کرامتیں مل رہی ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے اور صراطِ حمید سے طریقِ جنت مراد ہے اور سیاقِ کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ گزشتہ آیات کی طرح ان دونوں آیتوں میں اُخروی ہدایت مراد لی جائے کہ اہل جنت جنت میں داخل ہونے کے بعد یہ کہیں گے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا۔ اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے اور ان کو سلام کریں گے وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔



إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی

اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلَهُ

راہ سے اور ادب والی مسجد سے جو ہم نے بنائی

لِلنَّاسِ سَوَاءٌ نِلْعَاكُ فِيهِ وَالْبَادِ

سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں لگا رہنے والا اور باہر کا۔

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نَّذِقْهُ مِنْ

اور جو اس میں چاہے ظیڑھی راہ شرارت سے اسے ہم چکھاویں گے ایک

عَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ

دکھ کی مار۔ اور جب ٹھیک کر دیا ہم نے ابراہیم کا ٹھکانا اس

الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا وَطَهَّرَ بَيْتِي

گھر کا کہ شریک نہ کر میرے ساتھ کسی کو اور پاک رکھ میرا گھر

لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝۲۶ وَآذِنُ

طواف کرنے والوں کے لیے اور کھڑے رہنے والوں کے لیے اور رکوع و سجدہ والوں کے لیے۔ اور پکارنے

فِي النَّاسِ بِالْحَبِجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ

لوگوں میں حج کے واسطے کہ آدمی تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دُبلے دُبلے

يَأْتِيَنَّ مِنْ كُلِّ فِجٍّ عَمِيقٍ ۝۲۷ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ

اونٹوں پر چلے آتے راہوں دور سے۔ کہ پہنچیں اپنے بھلے کی جگہوں

لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ

پر اور پڑھیں اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر

مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةٍ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا

جو پایوں مواشی کے جو اس نے دیئے ہیں ان کو، سو کھاؤ اس

وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝۲۸ ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ

میں سے اور کھلاؤ بُرے حال محتاج کو۔ پھر چاہیئے بنیڑیں اپنا میل کچل

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝۲۹

اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔

ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ

یہ سُن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کے ادب کی سو وہ بہتر ہے اسکو

عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ

اپنے رب کے پاس۔ اور حلال ہیں تم کو جو پاتے مگر جو تم کو سناتے

عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا

ہیں سو نہکتے رہو بتوں کی گندگی سے اور نہکتے رہو جھوٹی بات سے

قَوْلَ الزُّورِ ۳۰ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۖ وَ

ایک اللہ کی طرف کے ہو کر نہ اس کیساتھ سا جھی بنا کر اور

مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ

جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اوچکتے

الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۳۱

ہیں اسکو اڑتے جانور، یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی دور مکان میں۔

ذَلِكَ وَمَنْ يُعِظْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَىٰ

یہ سن چکے! اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا۔ سو وہ دل کی

الْقُلُوبِ ۳۲ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

پر ہیزگاری سے ہے۔ تم کو چوپایوں میں فائدے ہیں ایک ٹھہرے وعدے تک۔

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۳۳ وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ

پھر ان کو پہنچنا اس قدیم گھر تک۔ اور ہر فرقے کو ہم نے

جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّذِكْرِ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقْنَاهُمْ

ٹھہر دی ہے قربانی کہ یاد کریں نام اللہ کا، ذبح پر

مِّنْ بِهِيمَةٍ الْأَنْعَامِ فَالَهُكُمْ إِلَهٌُ وَاحِدٌ فَلَهُ

چوپایوں کے جو ان کو دیئے۔ سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی

أَسْلِمُوا ۖ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۳۴ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ

کے حکم میں رہو۔ اور خوشی سننا عاجزی کرنے والوں کو۔ وہ کہ جب نام یحییٰ اللہ کا

وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ

ڈر جاویں ان کے دل، اور سہنے والے جو ان پر پڑے اور

وَالْمُقِيْمِي الصَّلَاةِ ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳۵﴾

کھڑی رکھنے والے نماز کے۔ اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

وَالْبَدَانَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ

اور کبے کے چڑھانے کے اونٹ، ٹھہرنے ہیں ہم نے تمہارے واسطے نشانی اللہ کے

فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ج

نام کی۔ تمہارا اسمیں بھلا ہے۔ سو پڑھو ان پر نام اللہ کا

فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَاطْعِمُوا

پھر جب رگر پڑے ان کی کردٹ تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ

الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ

صبر سے بیٹھے کو اور بیقراری کرتے کو اسی طرح تمہارے بس میں دیتے ہم نے وہ جانور، شاید

تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَنْتَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا

تم احسان مانو۔ اللہ کو نہیں پہنچتے اُن کے گوشت اور نہ لہو، لیکن

وَلَكِنْ يَنْتَالُهُ الْمُتَّقُونَ ۚ مِنَكَ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا

اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب۔ اسی طرح ان کو بس میں دیا

لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۚ وَبَشِّرِ

تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس پر کہ تم کو راہ سبھائی اور خوشی

الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۷﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا

سنا احسان کرنے والوں کو۔ اللہ دشمنوں کو ہٹا دیگا ایمان والوں سے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿۳۸﴾

اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی دغا باز ناشکر۔



نذرت کفار لئام بر منراحت اہل سلام و زیارت مسجد حرام

و بیان بعض احکام متعلقہ آں مقام واجب الاحترام

قال الله تعالى إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى اللَّهِ لَا يُحِبُّ كُلُّ خَوَّانٍ كَفُورٍ (درجہ) اوپر کی آیتوں میں فریق کفار کی خصوصیت اور جدال اور اضلال کا ذکر تھا کہ کفار مکہ اہل اسلام کی عداوت اور خصوصیت پر تلے ہوئے ہیں اب ان آیات میں انکی دوسری قسم کی خصوصیت اور جدال کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکتے ہیں اور ان کو حج اور عمرہ کے ارکان ادا نہیں کرنے دیتے، حالانکہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اس بیت حرام یعنی خانہ کعبہ کے اولیاء یعنی متولی ہم ہیں کما قال تعالى إِنَّ أَوْلَىٰ لَكَ بِالْمُتَّقِينَ - اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کافر اور مشرک تو کبھی بھی اسکے متولی نہ تھے اسکے اولیاء یعنی متولی تو فقط متقی لوگ ہیں پس اس مناسبت سے آئندہ آیات میں مسجد حرام کا ذکر فرماتے ہیں اور اس مقدس مقام کی فضیلت اور ان ایام کی برکت اور حج اور عمرہ اور قربانی کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں کہ یہ مقدس عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے برابر چلی آرہی ہے مگر کفار قریش اس عبادت میں مانع اور مزاحم ہیں اور اپنے افعال شرکیہ سے باز نہیں آتے حالانکہ خانہ کعبہ کی بنیاد ہی خالص توحید پر رکھی گئی ہے کہ اس گھر میں خالص اللہ کی عبادت کی جائے اور رسوم شرکیہ سے اس گھر کو پاک رکھا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اسلام اور اہل اسلام کی عداوت اور خصوصیت پر اس درجے تلے ہوئے ہیں کہ وہ فقط اپنے کفر اور شرک اور اپنی گمراہی پر قانع نہیں بلکہ شدت اختصام اور جذبہ انتقام کی بنا پر اہل اسلام کی ہدایت میں مزاحم بنے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے یعنی دین اسلام اور طریق حق سے اور مسجد حرام کی زیارت اور حاضری سے روکتے ہیں کہ اس مسجد میں جا کر کوئی خالص اللہ کی عبادت نہ کر سکے اور اس مسجد کی صفت یہ ہے کہ ہم نے سب لوگوں کے لیے اس کو قبلہ اور معبد بنایا ہے کہ اس میں مقیم یعنی مکہ کا منوطن اور باشندہ اور باہر سے آنوالا برابر ہے مقیم اور مسافر اور شہری اور پردیسی سب کو ٹھہرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں ہر ایک وہاں جا کر عبادت کر سکتا ہے کسی کو روکنے کا حق حاصل نہیں اس میں سب کا حق مساوی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسجد حرام کے بارہ میں شہری اور بیرونی کو برابر قرار دیا ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس چیز میں مساوات اور برابری مراد ہے۔

۱۔ اس کلام میں اشارہ اس طرف ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا کی خبر محذوف ہے اور جملہ كَيْصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ خبر محذوف پر معطوف ہے اس آیت کے اعراب میں کلام بہت طویل ہے حضرت مدرسین الجراحیط اور حواشی بیضاوی اور روح المعانی ج ۲۵ کی مراجعت کریں واللہ اعلم۔

سَوَاءِ الْعَافِیِّ مِی اَوَال

قول اول امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اور مناسک حج کی ادائیگی میں برابری مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ مسجد حرام کی حاضری اور وہاں آکر عبادت کرنے میں شہری اور بیرونی سب برابر ہیں کسی شہری کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی بیرونی کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک سکے۔

قول دوم اور ابن عباسؓ اور صحابہؓ و تابعینؓ کی ایک جماعت یہ فرماتے ہیں کہ مسجد حرام سے تمام مکہ اور سرزمین حرم مراد ہے کیونکہ حدیبیہ کے دن مشرکین مکہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو حرم میں داخل ہونے سے روکا تھا اور سَوَاءِ الْعَافِیِّ مِی اَوَال میں مساوات سے مکہ میں قیام اور سکونت اور نزول کے بارہ میں مساوات اور برابری مراد ہے مکہ کی زمینوں اور مکانات میں مقیم لوگوں کا اور باہر سے آنے والوں کا سب کا حق یکساں ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک مکہ کی زمین کسی کی ملک نہیں اور وہاں کے مکانات کا کرایا لینا جائز نہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ آیت ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہؒ کی سند سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا پس اس کی اراضی کی بیع اور اسکا ثمن کھانا حرام کیا اور تیسری دلیل وہ ہے کہ جو علقمہ تابعیؒ سے مرسل مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکرؓ نے وفات پائی اور عمرؓ نے وفات پائی اور انہیں پکارا جاتا تھا مکہ کی زمینوں کو مگر سوائے جس کو جہاں ضرورت ہوتی تھی وہ ٹھہر جاتا تھا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور سوائے جس کے معنی وقف عام اور غیر مملوک کے ہیں اور ایک روایت میں عثمان غنیؓ کا نام اور زیادہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی مکہ کی زمینیں سوائے کے نام سے پکاری جاتی تھیں کوئی اپنی ملک کا دعویٰ نہیں کرتا تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳ ج ۱۲ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۴ ج ۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اراضی مکہ وہاں کے باشندوں کی ملک ہیں ان کو بیع و شراہ کا اور اپنے مکانات کا کرایہ پر دینا جائز ہے اور اس پر چند جہتیں قائم فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے حق میں فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوا مِنْ دِیَارِهِمْ۔ (اپنے گھروں سے نکالے گئے) اس آیت میں گھروں کی اضافت انکی طرف فرمائی معلوم ہوا کہ گھرانے کے مملوک تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہوا وہ امن سے ہے اور جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر اس کی ملک ہے۔

(۳) صحیحین میں اسامہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ کیا آپ کل کو مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے آپ نے فرمایا کیا عقیلؓ نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے اور بات یہ تھی کہ جب ابوطالب کا

انتقال ہوا تو عقیل اس وقت کفر پر تھے اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اسلام پر تھے تو ابو طالب کی میراث عقیل کو پہنچی کیونکہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ میراث اسی چیز میں جاری ہوتی ہے جس کا میت مالک ہو۔

(۴۱) حضرت عمرؓ نے مکہ میں قید خانہ کے لیے ایک مکان خرید فرمایا اور صحابہؓ نے اس پر کوئی انکار نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ غیر مالک ہی مالک سے خرید کر تا ہے تاکہ مالک بن جائے۔

لیکن ان دلائل کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیار کی نسبت سے یہ لازم نہیں کہ یہ اضافت ملک ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اضافت باعتبار سکونت اور عمارت کے ہو کہ وہ عمارت تو بہر حال ان ہی کی ملک تھی۔ علاوہ ازیں زمانہ اسلام سے پہلے لوگ ان مکانات کو اپنی املاک جانتے تھے اور امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے۔ ہدایہ کی کتاب الکرہیۃ میں ہے کہ بیوت مکہ کی عمارت فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن زمین سمیت عمارت کا فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ زمین کے فروخت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت میں یہ قول بھی منقول ہوا ہے کہ مکہ کی زمینوں کی بیع اور مکانات کا کرایہ جائز ہے اور کتب فتاویٰ میں یہ بھی آیا ہے کہ اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔ دیکھو روح المعانی ص ۱۲۶ ج ۱۷ اور تفصیل کے لیے ہدایہ کی کتاب الکرہیۃ دیکھیں اور مزید تفصیل کے لیے شرح ہدایہ اور شرح بخاری دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تم کو معلوم ہو گیا کہ مسجد حرام کی یہ شان ہے اور اس درجہ اسکا احترام واجب ہے اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے تو جو شخص مسجد حرام میں ظلم اور زیادتی کے ساتھ کچ روئی اور راہ حق سے عدول اور انحراف کا ارادہ بھی کرے تو ایسے ظالم کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ الحاد سے، دین سے عدول اور انحراف اور مسجد حرام کی بے حرمتی مراد ہے اور ظلم کے معنی زیادتی اور ستمگاری کے ہیں یہاں بظلم سے عمداً اور قصداً اور دیدہ دانستہ حرم میں الحاد کا ارادہ کرنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حرم محترم میں الحاد اور بے دینی کا ارادہ سخت ترین اور شدید ترین جرم ہے جو اس پاک مقام میں الحاد کا ارادہ کرے اگرچہ اس کو نہ کرے تو اس پر دردناک عذاب ہوگا۔ اسی وجہ سے اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ حرم محترم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا ارتکاب نہ کرے اور حد و حرم سے باہر جب تک گناہ کا ارتکاب نہ کرے اس وقت تک محض ارادہ اور خیال پر وہ عذاب کا مستحق نہیں ہوتا۔ ان آیات میں مسجد حرام سے روکنے کو ظلم قرار دیا اور حرام میں الحاد اور بے دینی کے ارادہ پر وعید فرمائی اب آئندہ آیات میں اس مقام محترم میں ظلم عظیم یعنی شرک کرنے پر وعید اور تہدید فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس محترم مقام کی ابتداء اور بنیاد ہی توحید اور خالص اللہ کی عبادت سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی یاد کرو اس وقت کو جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کی جگہ کو ابراہیمؑ کے لیے ٹھکانا بنا دیا اور خانہ کعبہ بنانے کے لیے جگہ معین اور مقرر کر دی اور بذریعہ وحی کے ہم نے ابراہیمؑ کو یہ حکم دیا کہ عبادت کے لیے اس جگہ کعبہ بناؤ اور یہ حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور میرے اس گھر کو کفر اور شرک کی نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لیے اور نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے اور رکوع اور سجدہ کرنے

والوں کے لیے اور ہم نے ابراہیم کو یہ بھی حکم دیا کہ لوگوں میں حج کے لیے پکار دو کہ اللہ کا گھر تیار ہو گیا اور اس کا حج فرض ہے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار میری آواز لوگوں کو کیسے پہنچے گی۔ حکم ہوا کہ تمہارے ذمہ صرف پکار دینا ہے۔ پہنچانا ہمارا کام ہے، چنانچہ ابراہیم جبل البقیس پر کھڑے ہوئے اور پکارنے لگو! تمہارے پروردگار نے ایک گھر بنایا ہے اور تم پر اس کی زیارت فرض کی ہے حضرت ابراہیم کی یہ آواز تمام اقطار زمین تک پہنچ گئی اور قیامت تک پیدا ہونے والوں نے اس آواز کو سنا جس کے مقدر میں اللہ نے حج لکھ دیا تھا اس نے لبیک کہا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے لوگو! تم پر اللہ نے اپنے گھر کا حج فرض کیا ہے پس تمہارے اس اعلان کے بعد لوگ آئیں گے تیرے پاس یا پیادہ اور بعضے سوار ہو کر ڈبلے ڈبلے اور کمزور اونٹوں پر۔ چلی آئیں گی یہ سواریاں ہر دور دراز راہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لیے مکہ جانا گویا کہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا ہے اور ان کی زیارت کرنا ہے اور وہ لوگ اس لیے آئیں گے تاکہ اپنے دینی اور دنیاوی فائدوں پر حاضر ہوں اور وہاں پہنچ کر دنیا و آخرت کے منافع حاصل کریں، دنیا کی تجارت بھی کریں اور آخرت کی بھی تجارت کریں اور منافع حاصل کریں اور اس لیے آئیں تاکہ مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں یعنی اونٹ اور گائے اور بکری اور بھیڑ پر ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں ایام معلومات سے بعض مفسرین کے نزدیک عشرۃ ذی الحج مراد ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایام نحر یعنی ایام قربانی مراد ہیں۔ دسویں اور گیارہویں اور بارہویں ذی الحج مراد ہے۔ کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اللہ نے حکم دیا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لو پھر اس قربانی کے گوشت سے تم خود بھی کھاؤ اور عاجز اور درماندہ فقیر کو بھی اس میں سے کھاؤ۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ کھانا اور کھلانا مستحب ہے واجب نہیں اور علیٰ ہذا یہ بھی ضروری نہیں کہ اس میں سے فقیر کو کھلائے بلکہ غنی کو بھی کھلانا جائز ہے پھر قربانی کے بعد اپنے بدن کا میل کچیل دور کریں یعنی احرام کھول ڈالیں اور سر کے بال منڈوائیں اور ناخن ترشوائیں اور بغلوں کے بال صاف کرائیں اور مونچھیں کتروائیں اس کے لیے دسویں ذی الحج مقرر ہے ہدی ذبح کرنے کے بعد ان میلوں کو دور کریں اور احرام سے باہر ہو جائیں اور اپنی نذریں پوری کریں اللہ کے لیے جو منتیں مانی ہوں وہ پوری کریں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نذر سے مناسک حج اور واجبات حج مراد ہے جب سے احرام شروع ہوا تھا اور لبیک اللہم لبیک کہا تھا اس وقت سے بالوں کا کٹنا اور ناخونوں کا ترشوانا ممنوع ہو گیا تھا۔ اس مدت میں بدن پر میل کچیل چڑھ گیا تھا۔ جب دسویں تاریخ ذی الحج کو قربانی کر کے احرام ختم ہوا تو حکم ہوا کہ اب حجامت بنواد اور بدن کا میل کچیل دور کرو۔ اور غسل کرو اور خوشبو لگاؤ اور اپنی منتیں پوری کرو اور پھر قربانی کے بعد انہی ایام معلومات میں اس قدیم گھر کا یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں اس طواف کو طواف زیارت اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں جو فرض ہے اور رمی جمار اور قربانی اور حلق کے بعد دسویں ذی الحج کو ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ طواف تین ہیں۔ اول طواف قدوم جب آدمی مکہ میں داخل ہو کر طواف کرے

فائدہ (۱۱)

وہ طواف قدوم ہے۔ دوم طواف زیارت جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اس آیت میں جس طواف کا حکم مذکور ہے وہ یہی طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحج کو رمی جمار اور سر منڈوانے کے بعد ہوتا ہے اور یہ طواف فرض ہے۔ سوم طواف وداع ہے جو مکہ سے رخصت ہوتے وقت کیا جائے یہ طواف واجب ہے

فائدہ (۲۱)

اس آیت میں خانہ کعبہ کو بیت عتیق کہا گیا۔ عتیق کے معنی قدیم کے بھی آتے ہیں اور آزاد کے بھی آتے ہیں پس بعض کہتے ہیں کہ اس کو بیت عتیق اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظالموں

کے ہاتھوں سے آزاد رکھا ہے کوئی جبار اس پر غالب نہیں آیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا معبد ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا یہ وجہ قرآن کریم کی اس آیت اَتَّأَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ۔ سے ماخوذ ہے۔

یہ حکم تو تم سن چکے اور اداء مناسک اور احترام کعبہ کے متعلق بات پوری ہوئی اور اب دیگر احکام کے متعلق دوسری بات سنو کہ جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم اور ادب اور احترام کو ملحوظ رکھے اور انکی بے حرمتی نہ کرے تو یہ تعظیم اور ادب اس کے پروردگار کے یہاں اس کے لیے بہتر ہے یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم اور قابل ادب قرار دیا ہے۔ ان کے ادب اور تعظیم کو ملحوظ رکھنا بڑی خوبی کی بات ہے اور اس کا انجام بہت خوب ہے۔

حُرُمَاتِ اللہ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک قابل احترام اور قابل تعظیم ہیں جو بظاہر تمام احکام الہیہ کو شامل ہے مگر اس مقام پر خصوصیت سے مسجد حرام اور قربانی اور صفا اور مروہ اور منا اور عرفات اس قسم کے مناسک حج اور شعائر اسلام مراد ہیں کہ ان کی تعظیم اور احترام کو ملحوظ رکھے اور جس طرح حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں حکم دیا ہے اسی طرح انکو بجالائے۔

اور اے مسلمانو! تمہارے کھانے کے لیے حالت احرام میں اور بلد حرام میں چوپائے اونٹ۔ گلے، بکری، بھیڑ حلال کر دیئے گئے سوائے ان چیزوں کے جن کی حرمت تم کو دیگر آیات قرآنیہ میں پڑھ کر سنائی جاتی ہے جیسے سورہ مائدہ اور سورہ انعام میں ان محرمات کا ذکر ہے سو وہ چیزیں تمہارے لیے کسی حال میں حلال نہیں جیسے مردار اور دم مسفوح اور خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا، یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں پس تم بتوں کی گندگی سے بچو یعنی بتوں کی بندگی اور ان کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو۔ یہ سب گندے افعال ہیں اور تلبیہ میں لبیک اللہم لبیک کے ساتھ الاشی یکاھو لبک تملک و ما ملک کہنے سے بھی بچو۔ یہ گندہ قول ہے اور جھوٹی بات سے احتراز کرو خدا کا شریک قرار دینا اور جھوٹی گواہی دونوں برابر ہیں۔ شرک بھی تو آخر ایک قسم کا جھوٹ ہے اور زجاج وغیرہ سے منقول ہے کہ قول زور سے مشرکین کا یہ قول مراد ہے۔ هذا حلال و هذا حرام کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے۔ یہ سب اللہ پر افتراء اور جھوٹ باندھنا ہے۔ پس اے مسلمانو! تم بتوں کی پلیدی سے اور جھوٹ بولنے سے احتراز کرو۔ سب سے ہٹ کر اور بچ کر خدا کی طرف جھک جانے والے اور اس کے ساتھ مشرک نہ کرنے والے ہو جاؤ۔ اخلاص اور توحید آدمی کو نجات دیتا ہے اور کفر اور شرک آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہو گیا کہ گویا آسمان سے گر پڑا۔ پھر پرند اس کو اچک لے گئے یا ہوانے اس کو کسی دور دراز مکان میں لے جا کر پھینک دیا۔ تو ایسا شخص کبھی سلامت

لے یہ کلمہ ذلک کا ترجمہ ہے یہ لفظ دو کلاموں میں فصل کے لیے بولا جاتا ہے یا ایک ہی کلام کے دو طرفوں میں فصل کرنے کے لیے لایا جاتا ہے اور اسی طرح کبھی لفظ ذلک کے بجائے لفظ ہذا لایا جاتا ہے (روح المعانی ص ۱۳۴ ج ۱۷)

نہیں رہ سکتا اور اس قدر بلندی سے گرنے کے بعد زندہ نہیں بچ سکتا۔ اسی طرح جس نے شرک کیا وہ آسمان توحید کی بلندی سے شرک کی پستی کی طرف گرا اور مردار خوار پرندوں کی طرح نفسانی خواہشوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں یا وسوسہ شیطانی کی تند اور تیز ہولنے اسکو لے جا کر کسی وادی ضلالت میں پھینک دیا جس سے اس کی تمام ہڈیاں اور پسلیاں الگ الگ ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ کہ شرک کرنے والا اس طرح ہلاک ہوتا ہے کہ پھر نجات کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۸۲ ج ۶)

یہ بات تو ختم ہوئی اب دوسری بات سنو اور وہ دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی یاد گاروں یعنی اس کے دین کی نشانیوں، علامتوں اور اس کی نامزد چیزوں کی تعظیم کرے گا تو اس میں شک نہیں کہ شاعر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیز گاری سے پیدا ہوتی ہے قلب میں جس درجہ کا تقویٰ اور خدا تعالیٰ کی عظمت ہوگی اسی درجہ کی تعظیم اس سے سرزد ہوگی۔ تقویٰ اور فحور کا اصل منشا اور منبع قلوب ہیں اور اعضا و ظاہری ان کے آثار کے منظر ہیں۔ اندر کا اثر ان اعضا پر ظاہر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شاعر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ کی علامت ہے اور آثار توحید میں سے ہے اس لیے کہ عاشق کی شان یہ ہے کہ جو چیز اسکے محبوب کی طرف منسوب ہو یا اس کی نامزد ہو یا اس کے دین کی نشانی ہو۔ دل و جان سے اس کی تعظیم کرے

شعائر جمع شعيرة یا شعارة کی ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اس جگہ شعائر اللہ سے مناسک حج اور قربانی کے جانور مراد ہیں جیسا کہ آئندہ آیت سے مفہوم ہوتا ہے اور تمہارے لیے ان جانوروں میں جن کو تم نے اللہ کے لیے نامزد کر دیا ہے جیسے قربانی کے جانور۔ ان میں تمہارے لیے ایک وقت مقررہ تک بہت سے فائدے ہیں کہ بحالت ضرورت یا بحالت اضطراب پر سواری کرنا بھی جائز ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قربانی کے جانور پر بحالت ضرورت سواری جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اضطراب اور غایت درجہ کی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تفصیل کے لیے تشریح ہدایہ اور تشریح بخاری دیکھیں) البتہ قربانی کے بعد ان کے گوشت اور کھال سے نفع اٹھانا ناجائز ہے۔

پھر ان ہدایا یعنی قربانی کے جانوروں کی حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر کے قریب ہے یعنی منیٰ اور حدود حرم کے اندر اس کو خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حدود حرم سے باہر ذبح جائز نہیں باقی مسائل جو ان آیات سے ماخوذ ہیں وہ کتب فقہ میں دیکھے جائیں۔

اور آپؐ سے پہلے ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور مکان معین اور مقرر کیا تھا تاکہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے انکو دیئے ہیں۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کا حکم تمام شریعتوں میں رہا ہے کہ ذبح کرتے وقت اس خدا نے وحدہ لا شریک لہ کا نام لیں جس نے یہ نعمت عطا کی۔ خدا کے سوا کسی کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا یہ ہر ملت میں شرک رہا ہے پس سمجھ لو کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے۔ سو تم اپنے آپ کو اسی ایک خدا کے حوالہ اور سپرد کردو اور خالص اسی کی اطاعت کرو اور اسی کی اطاعت پر جمے رہو۔ اور اسے نبی خوشخبری

سنا دیجیے۔ اللہ کے سامنے پست ہونے والوں اور اس کے احکام کے سامنے گردن جھکانے والوں کو اور اس کے سامنے نجل اور شرمندہ ہونے والوں کو اور بندگی میں عاجزی اور فروتنی کرنے والوں کو جن کے دل خدا کی عظمت سے اس درجہ لرزے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور دوسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں یعنی مصیبت کے وقت ان کے قدم استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آتا اور تیسری صفت ان کی یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھنے والے ہیں۔ نماز ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور چوتھی صفت ان کی یہ ہے کہ ہمارے دیتے ہوئے میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں یعنی مال کا کچھ حصہ ہمارے نام پر قربان کرتے ہیں تاکہ اللہ کا تقرب حاصل ہو۔

اور قرب الہی کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ایام حج میں جانور کی قربانی ہے اس لیے کہ ہم نے قربانی کے جانوروں کو یعنی اونٹ اور گائے کو اور اسی طرح بھیڑ بکری کو تمہارے لیے اللہ کے دین کی نشانیوں اور علامتوں میں سے بنادیا ہے۔ جن کے ذبح کرنے میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے ان دنوں میں خدا کے لیے قربانی اور اس کے لیے خون بہانے سے بہتر اور بڑھ کر کوئی عمل نہیں پس تم کو ان کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لو۔ خدا کے سوا اور کسی کا نام نہ لو۔ درنہاں وہ قطار باندھے کھڑے ہوں یا یہ معنی ہوں کہ وہ اپنے تین پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اونٹ اسی طرح ذبح کیے جاتے ہیں اور یہی سنت ہے پس تم ان جانوروں کو اس طرح خالص اللہ کا نام لیکر اللہ کے لیے قربان کر دیکر جب ان کے پہلو زین پر گر جائیں اور ان کی جان نکل جاتے اور ٹھنڈے ہو جائیں تو تم خود بھی اس میں سے کھاد اور قناعت کرنے والے فقیر کو جو سوال نہیں کرتا اور سوال کرنے والے کو جو اپنی خواہش لیکر تمہارے سامنے آئے اس کو بھی اس میں کھلاؤ اور کھلانے سے گوشت دینا مراد ہے ”قانع“ سے وہ درویش مراد ہے جو صبر و قناعت کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھا ہے اور سوال نہیں کرتا اور ”معتز“ سے وہ محتاج مراد ہے جو تمہارے سامنے آئے اور ادب کے ساتھ تم سے سوال کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قانع وہ ہے کہ جو تیری طرف جھکے اور سوال کرے اور ”معتز“ وہ ہے کہ جو چالوسی کے ساتھ تیرے سامنے آئے اور سوال نہ کرے بعض کہتے ہیں کہ قانع سے طامع مراد ہے کہ جو طمع کرے اور معتز وہ ہے کہ جو قربانی کے وقت موجود ہو خواہ توانگر ہو یا فقیر ہو، مطلب یہ ہے کہ مبارک گوشت میں سے خود بھی کھاد اور دو سنتوں اور فقروں کو بھی کھلاؤ۔ اور یہ حکم استغیابی ہے و جو بی نہیں۔ اگر سب صدقہ کر دے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر سب اپنے ہی لیے رکھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تہائی صدقہ کر دے اور تہائی اقارب اور احباب کو ہدیہ کر دے اور تہائی اپنے لیے رکھ لے۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ ان سے عظیم الجثہ بڑے بڑے جانور تمہارے قبضہ میں کر دیئے کہ تم انکو پکڑتے اور باندھتے ہو اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو تاکہ تم ہمارا احسان مانو اور شکر کرو مگر تم بجائے شکر کے شرک اور ناشکری کرنے لگے۔ تم کو چاہیے کہ جس طرح یہ جانور تمہارے سامنے گردن جھکائے ہوئے ہیں اسی طرح تم بھی خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ ان جانوروں کو جو اللہ کا عطیہ

لے خجرت کے معنی اصل میں پست زمین کے ہیں اور خجرت اس کو کہتے ہیں کہ جو پستی میں جائے۔ — مخبتین کے اصل معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہم نے یہ ترجمہ کیا (واللہ اعلم)

ہیں انکو خالص اللہ کے نام پر ذبح کر دو، کسی غیر کا نام اس میں شریک نہ کرو اور قربانی میں مشرکوں کا طریقہ نہ اختیار کرو۔ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں جو قربانی کرتے تھے تو اسکا خون بتوں پر چھڑکتے تھے اور کعبہ کی دیواروں پر بھی ملتے تھے، اس کے بارہ میں آئندہ آیت میں نازل ہوا کہ ہرگز نہیں پہنچتے اللہ کو قربانی کے گوشت اور ان کے خون لیکن پہنچتا ہے اس کو تمہارے دل کا تقویٰ اور ادب کہ تم نے کس جذبہ محبت و اخلاص سے ایک قیمتی چیز خالص اس کے نام پر قربان کی اور شرک سے بچے پس تمہارا یہ اخلاص اور یہ تقویٰ یعنی شرک سے پرہیزگاری اور جذبہ جاہل شاری قبولیت کا سبب بنا اور پھر جب تم نے اس گوشت کو مخناجوں کی حاجت رفع کرنے کے لیے محض خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا تو بارگاہ خداوندی میں تمہاری یہ چیز قبول ہوئی ورنہ اس کی ذات والا صفات اس سے بالا اور برتر ہے کہ اس کی بارگاہ میں جانوروں کا گوشت اور خون پہنچے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ان جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس بات پر اللہ کی عظمت اور اللہ کی کبریائی کو بیان کرو کہ تم کو اللہ نے اپنے قرب اور رضا کے حصول کے لیے قربانی کی ہدایت اور توفیق دی اور جہالت اور جاہلیت کے مشرکانہ رسموں سے تم کو آگاہ کیا اور اسے نبی ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو ہمارے قرب و رضا اور قبولیت کی بشارت سنا دیجئے اور بتلاد دیجئے کہ خدا کی طرف جو چیز پہنچتی ہے وہ تمہارا تقویٰ اور اخلاص ہے اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے وَكَثَرِ الْمُحْسِنِينَ پر ختم فرمایا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ احسان یعنی اخلاص اور صدق نیت تمام اعمال صالحہ کی روح ہے۔

تتمہ کلام سابق (یعنی اہل ایمان کی طرف سے مدافعت)

إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُجِيبُ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝
 بلاشبہ اللہ تعالیٰ دفع کرے گا اہل ایمان سے کافروں کے شر اور ضرر کو اور ان کے فتنوں کو کہ عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ کفار اہل اسلام کو مسجد حرام سے نہیں روک سکیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے یعنی جو لوگ کفر اور شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغا بازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے انکو ستاتے ہیں اور مسجد حرام کی زیارت سے انکو روکتے ہیں یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں محبوب نہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کے لیے بطور پیشین گوئی ایک تسلی آمیز وعدہ ہے اور کفار کے لیے وعید ہے اس لیے کہ اس آیت میں اہل ایمان کی حمایت اور دشمنوں کی مدافعت کی خبر دی جا رہی ہے یہ کلام شروع کلام کا تتمہ ہے آغاز کلام اس آیت سے ہوا تھا۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ - یعنی کفار قریش مسلمانوں کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں اب آخر میں اہل اسلام کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم ان احکام مذکورہ کو سن کر یہ خیال نہ کرنا کہ ہمیشہ غلبہ انہی کفار مانعین کا رہے گا۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ مسلمان بے خوف و خطر حج و عمرہ کیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مسلمانوں کے راستے سے ہٹا دے گا اے مسلمانو! تم فی الحال کافروں کے غلبہ سے یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار اللہ کے نزدیک محبوب ہیں بلکہ اللہ کے نزدیک مبغوض اور معتبوب ہیں کیونکہ ستر یا کفر اور خیانت ہیں، ایسے کیسے محبوب ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ان کو مہلت دے رکھی ہے گھبراؤ نہیں عنقریب راستہ بالکل صاف ہو جائے گا اور اللہ اہل اسلام کی مدد کرے گا اور انکو کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا جیسا کہ اسکا وعدہ

ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ پس یہ آیت غلبہ اسلام کی بشارت ہے اور گزشتہ آیت وَكَبَشَرِ الْمُحْسِنِينَ کا تتمہ اور تکمیل ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ط

حکم ہوا ان کو جن سے لوگ لڑتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا

وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

اور اللہ انکی مدد کرنے پر قادر ہے۔

وَالَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ يَغَيْرُ

وہ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور کچھ

حَقِّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبَّنَا اللَّهُ ط وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ

دعوتی نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ

النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ تَهْدِي مَتَّ صَوَامِعُ وَ

لوگوں کو، ایک کو ایک سے تو ڈھائے جاتے تھکتے اور مدر سے اور

بَيْعٍ وَصَلَوَاتٍ وَمَسْجِدٍ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُ

عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ

اللَّهُ كَثِيرًا ط وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ط إِنَّ

کا بہت اور اللہ مقرر مدد کریگا اس کو جو مدد کریگا اس کی

اللَّهُ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۴۰﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي

بیشک اللہ زبردست ہزور والا۔ وہ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک

الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا

میں، کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں

بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ

بھلے کام کا اور منع کریں بُرے سے اور اللہ کے اختیار ہے

الْأُمُورِ ۚ

آخر ہر کام کا ۔

اجازت جہاد و وعدہ نصرت و تمکین بر اعدائے دین

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَيُحِلُّونَ لِنَفْسِهِمْ الْأَمْوَالَ إِلَى وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۚ

(دربط) گزشتہ آیات میں اس بات کا ذکر تھا کہ کفار مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت پر مارتے تھے اور طرح طرح کی ایذاؤں دیتے تھے یہاں تک کہ کفار نے مکہ سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ مسلمان کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آکر کافروں سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے کہ ہم بھی انکا مقابلہ کریں اور ان سے لڑیں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی۔ اور صبر اور توکل کا حکم دیتے تھے، یہاں تک کہ باطنی جہاد کی منزلیں طے ہو گئیں اور نفوس ایسے پاک اور مقدس ہو گئے کہ ہر تنگ ملائکہ ہو گئے اور ادھر کفار ناسخار کی ستم رانی انتہا کو پہنچ گئی تب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کفار کی مضرت کو دور کرے گا اور کافروں کے شر کو مسلمانوں سے دفع کریگا اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے اس لیے اجازت دی جاتی ہے کہ خدا کے شکر گزار بندے خدا کے کفر کرنے والوں اور خیانت اور دغا بازی کرنے والوں کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ سب سے پہلی آیت جو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت کے بارے میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے۔ اجازت دی گئی مسلمانوں کو جن کے ساتھ مشرکین قتال کرتے ہیں کہ کافروں سے جہاد و قتال کریں اور یہ جہاد و قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں کافروں نے ان پر ظلم کیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلومین کی مدد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ مظلوم ہیں اور مظلوم کو ظالم کے ظلم کا مقابلہ تمام مذاہب میں نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب اور لازم ہے اور حق کو باطل کی سرکوبی کا ہر وقت حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر حق مصلحت سمجھے قبل اسکے کہ باطل سر اٹھائے۔ سر اٹھانے سے پہلے ہی اسکا سر کچل دیا جائے تو یہ بھی عین حق ہے اور کمال تدبیر و دانائی ہے اور انتظار میں رہنا کہ جب باطل مجھ پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کرونگا تو یہ کم عقلی ہے اور مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے اور تعداد میں بھی بہت قلیل تھے۔ اس

لے حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد اور عروہ بن زبیر اور زید بن اسلمؓ اور مقاتل بن حیانؓ اور قتادہؓ وغیرہم سے منقول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے کہ جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۵ ج ۳

یہ انکی تسلی کے لیے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم جہاد و قتال کی اجازت سے گھبرانا نہیں وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔
بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مدد پر قادر ہے اگرچہ تمہاری تعداد قلیل ہے مگر تم اپنی قلت اور دشمن کی قوت اور کثرت پر نظر نہ
کرو۔ ہماری قدرت پر نظر رکھو۔ یہ کلام مسلمانوں کے لیے عجیب عنوان سے فتح کی بشارت ہے اور کافروں کے لیے ہمدید ہے
یہ ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کمال مہربانی کی حالت میں اپنے وفاداروں سے یہ کہے کہ کیا تم تمہارے سرفراز کرنے پر قدرت نہیں
رکھتے اور غصہ کی حالت میں باغیوں سے یہ کہے کہ کیا تم تمہارے تباہ اور برباد کرنے پر قادر نہیں۔ یہ مختصر سا کلام صریح وعدہ اور وعید
سے بدرجہا زیادہ بلیغ ہے۔ وَالْكُنَايَةُ اَبْلَغُ مِنَ النَّصِيحَةِ۔ اب آگے یہ بتلانے ہیں کہ کیوں لوگ تھے جن کو کافروں
سے جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اور ان کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا سو یہ لوگ وہ مؤمنین صادقین تھے کہ جو بدون کسی وجہ کے ناحق
اور بلا قصور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ کوئی کام ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا تھا کہ جو ان کے نکلنے کا سبب بنتا۔ مگر محض اس
کے لیے کی وجہ سے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے انکو انکے گھروں سے نکالا گیا اس عنوان میں کافروں کے ساتھ عجیب تہکم اور استہزاء
ہے کہ یہ لوگ عجیب نادان ہیں کہ اول تو مسلمانوں کو انکے گھروں سے بغیر کسی قصور کے اور دوسرا یہ کہ توحید کو کہ جو عظیم و توقیر کا سبب
تھی اسکو جرم اور گناہ قرار دیکر موحدین کے ساتھ مجرمین کا سا معاملہ کیا اور ان کے اخراج کے درپے ہوئے۔ مسلمانوں کا اگر کوئی جرم
اور گناہ تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ایک اللہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے نزدیک توحید ایسا بڑا
گناہ تھا کہ جس کی بنا پر مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی يُخْرِجُكَ الرَّسُوْلُ وَ اَيَّاكُمْ
اَنْ تَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ تَوْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔ هَلْ
تَنْقِمُوْنَ مِنْآ اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔ وَمَا تَنْقِمُوْا مِنْآ اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا۔ حالانکہ توحید خداوندی عقلاً
اخراج کا سبب نہیں ہو سکتی۔ خدا پرستی جرم نہیں البتہ بت پرستی اور صلیب پرستی عقلاً بھی جرم ہے پس یہ پہلی آیت ہے کہ
جو جہاد کی اجازت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اللہ نے جو نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا کہ مہاجرین اور انصار کو قیصر و کسری
کے تحت کاما مک بنا دیا اور الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ میں مہاجرین کے محب صادق ہونے کی طرف اشارہ
ہے کہ ان لوگوں نے ہماری محبت میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنے خویش و اقارب سے جدا ہونا گوارا کیا مگر ہمارے دین کو چھوڑنا
گوارا نہ کیا۔ جتنا چاہیے کہ اس وعدہ میں اگرچہ تمام صحابہ کرام شریک ہیں مگر آیت کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ اس آیت میں
نصرت اور تمکین فی الارض کا جو وعدہ ہے وہ اولاً مہاجرین اولین سے ہے اس لیے کہ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
کا مصداق مہاجرین اولین ہیں۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ الْاِيْمَةُ بَعْدِي مِنْ قَرِيْشٍ يَعْنِيْ مِثْرَةَ بَعْدِ مِثْرَةِ
خَلِيْفَةِ مِهَاجِرِيْنَ مِيْنَ سَعْدٍ۔ اس لیے کہ الَّذِيْنَ اِنْ تَمَكَّنَا هُمْ كِضْمِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ کظن
راجع ہے جس کا مصداق بلا کسی شبہ کے مہاجرین ہیں۔ اب آئندہ آیت میں اجازت جہاد کا دوسرا سبب بیان فرماتے ہیں اور
اگر اللہ تعالیٰ شریر اور بدکاروں کو ایمانداروں اور نیک کاروں کے ذریعہ دفع نہ کرتا اور ان کے شر اور فساد کو نہ دور کرتا تو زمین
میں فساد برپا ہو جاتا اور راہبوں کے بہت سے خلوت خانے اور نصاریٰ کے کلیسے اور یہود کے کینے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن
میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے سب مہدم اور مسمار کر دیئے جاتے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت جہاد کا دوسرا
سبب بیان فرمایا یعنی جس طرح مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کی مداخلت اجازت جہاد کا سبب بنی۔ اسی طرح اجازت جہاد کا

ایک سبب ایک دینی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کی حکمت اس امر کی مقتضی ہے کہ ہر زمانہ میں دین حق انبیاء کرام اور ان کے نائبوں کے ہاتھ غالب ہوتا رہے۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو تمام کارخانہ ملت و مذہب درہم برہم ہو جاتا حتیٰ کہ ہر مذہب کے عبادت خانے اور درویشوں کے خلوت خانے ویران ہو جاتے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ **وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَآتَاكَ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ**۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت اور مشرعبیت کا سبب بیان فرمایا اور مجاہدین سے نصرت کا وعدہ فرمایا اب آئندہ آیات میں شرائط نصرت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا یعنی خدا کی طرف سے مدد جب آتی ہے کہ جب وہ شخص بھی دین کی مدد کا ارادہ کرے اور دل و جان سے کمر ہمت کلمہ الہی کے بلند کرنے کے لیے باندھ لے۔ بغیر اس کے وعدہ نصرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُخَيِّطْ أَقْدَامَكُمْ**۔ اے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تم کو فتح و نصرت دیگا اور تمہارے قدم جمادیکار اور فرمایا **إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ** اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور عزت والا ہے دم کے دم میں جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل و خوار کرے۔ خدا جس کی مدد کرے مظهر و منصور ہے اور خدا جس کی مدد نہ کرے وہ ذلیل و خوار ہے۔ **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ إِن يَخْذُ لَكُمْ فَتْحٌ خَالِدٌ يَنْصُرْكُمْ** **مِنْ بَعْدِهِ** یعنی اگر خدا تمہاری مدد نہ کرے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُودُونَ وَإِن جُنَدُنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ**۔ یعنی بارگاہ خداوندی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مرسلین مظهر و منصور ہوں گے اور خدا کا لشکر غالب ہو گا حتیٰ جل شانہ نے اس آیت میں قسم کھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے جس فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا اور دنیا نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مہاجرین و انصار جو بے سروسامان اور فقیر اور درویش تھے ٹوٹے پھوٹے ہتھیاروں سے بڑی شان و شوکت والی سلطنتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان پر فتیاب ہوئے۔ صحابہ کرام حسب ارشاد خداوندی **وَ إِن جُنَدُنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ**۔ خدا تعالیٰ کا لشکر تھے، باوجود بے سروسامانی ساز و سامان والوں کے لشکر پر غالب آئے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بے سروسامان درویش فتح اور غلبہ کے بعد جب برسر حکومت اور برسر اقتدار آجائیں گے تو ان کا کیا حال ہو گا تو فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان بے سروسامانوں کو جو چند روز پہلے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔ زمین میں تمکین یعنی حکومت اور اقتدار عطا کریں تو یہ وہ لوگ ہیں کہ قوت اور غلبہ اور حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد بھی ہم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے یعنی بذات خود نیک ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ دوسروں کو ہر بھلے کام کا حکم دیں گے اور ہر بُری بات سے انکو منع کریں گے اور اللہ ہی کے لیے ہے یعنی اسی کے ہاتھ میں ہے ہر کام کا انجام وہ سوائے اس کے کسی کو معلوم نہیں کہ امت محمدیہ کے حکمران کب تک ان صفات مذکورہ کے ساتھ متصف رہیں گے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فائدہ

اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں جس میں صحابہ کرامؓ اور درویشان اسلام سے تمکین فی الارض کا وعدہ فرمایا۔ اس آیت میں خلافت راشدہ کی طرف اشارہ ہے جس کی حقیقت ایسی تمکین فی الارض ہے جس کے ساتھ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہو یعنی حکومت کے ساتھ ولایت بھی ہو۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں جو اہل تمکین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی عنقریب انکو روئے زمین کی حکومت اور سلطنت عطا ہوگی اور یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد دین کے قائم کرنے والے ہونگے پس یہ آیت خلفائے اربعہ کی خلافت کی صحت اور حقانیت کی دلیل ہے کہ چاروں ہاجرین اولین میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کے بموجب انکو زمین کی تمکین عطا فرمائی اور وہ چاروں ان صفات مذکورہ کے ساتھ علی وجہ الکمال موصوف تھے یہ آیت چاروں خلیفہ کی خلافت کے حق ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر انسان کی کیا خوبی ہے کہ فرمانروا ہو اور ان چاروں صفتوں کا جامع ہو بادشاہ بھی ہو اور ولی بھی ہو۔ امیر سلطنت بھی ہو اور شیخ طریقت بھی ہو۔ امیری اور فقری ایک کمال میں جمع ہوں جانا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے دو جز ہیں ایک تمکین فی الارض یعنی حکومت اور سلطنت اور دوسرا اقامت دین یعنی قانون شریعت کا اجراء اور نفاذ جو انبیاء کرامؓ کی بعثت اور اسلامی حکومت کا اولین مقصد ہے۔ اصل مقصود دین ہے اور حکومت اس کی خادمہ ہے اس لیے حق تعالیٰ نے تمکین فی الارض کے بعد جو اصحاب تمکین کے اوصاف بیان کیے ان میں پہلا وصف یہ بیان فرمایا۔ وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ۔ اس جملہ میں تمام شعائر اسلامیہ کے قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ میں تمام علوم دینیہ کے اجراء کی طرف اشارہ ہے اور نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ میں کافروں سے جہاد اور جزیہ لینے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی منکر اور کوئی بدتر شے نہیں اور مسلمانوں پر حدود اور تعزیرات قائم کرنے کو بھی یہ لفظ شامل ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ سلطنت ملنے کے بعد خود بھی احکام شریعت کے پابند ہونگے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ دوسروں کو بھی شریعت کا پابند بنائیں گے اور اخیر میں وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ انجام کی خبر اللہ ہی کو ہے تم کو خبر نہیں کہ اس جہاد کا کیا اثر ہوگا اور کیسے عجیب و غریب ثمرات و برکات اس پر مرتب ہیں گے نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ درمیانی احوال اور وقتی شکست پر نظر نہ کرنا۔ انجام پر نظر رکھنا۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَ كَذَٰلِكَ تَكُونُ الْعَاقِبَةُ لِلرَّسْلِ۔ جیسے مریض کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں مگر انجام اس کا صحت ہے۔ بہر حال یہ تمکین فی الارض اللہ کا وعدہ ہے جو عرش سے نازل ہوا ہے لہذا یہ ناممکن ہے کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس خدائی وعدہ کو کوئی غصب کرے اللہ تعالیٰ نے اس کے ایفاء کو اپنے ذمہ لیا ہے جو خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ وعدہ خداوندی میں نہ مخالفت کا امکان ہے اور نہ نفاصت کا اور نہ تسلط اور تغلب کا اور نہ غصب کا اور نہ خیانت کا۔

نکتہ

سورہ حج کی اس آیت کو آیت تمکین کہتے ہیں اور سورہ نور کی آیت یعنی وَ عَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔ اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے اگرچہ عبارت مختلف ہے۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ اور الَّذِیْنَ اِنْ تَمَکَّنَّا مِنْهُمْ لَمَبْیَکُنْ لَهُمْ دِیْنُهُمْ الَّذِیْ اَرْتَضٰی لَهُمْ اور اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ وَ اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

سب کا مفہوم ایک ہے اور دَکِبْدَ لَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمَّا وَإِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا۔
 وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ۔ کا مفہوم ایک ہے۔ ایک مضمون کو مختلف عبارتوں سے اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ ایک عبارت سے
 دوسری عبارت کا مضمون نص اور محکم ہو جائے۔ غرض یہ کہ دونوں آیتیں حقیقت میں ایک ہیں اور عبارت میں مختلف ہیں اور دونوں خلفائے
 راشدین کی خلافت پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے یہ ناممکن ہے کہ اللہ وعدہ کرے
 اور پورا نہ کرے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ دُرُسْلَهُ۔ اِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ اَلْحَقَّ اور نہ کسی جبار و قہار میں یہ
 طاقت ہے کہ خدا کے وعدہ کو پورا نہ ہونے دے یا اسے اپنے لیے غضب کرے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ
 مہاجرین اولین کو تمکین دین عطا فرمائیں گے اور ان کے ہاتھوں پر دین حق قائم ہوگا۔ آیت میں اگرچہ ان اشخاص کے ناموں کی
 تصریح نہ تھی لیکن جب خلفائے راشدین کے ہاتھوں سے تمکین دین اور اعلیٰ کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ظہور
 ہو گیا تو حقیقت سے پردہ اٹھ گیا اور سب نے جان لیا بلکہ دیکھ لیا کہ وہ شخص کون کون ہیں کہ جن کے ہاتھ پر اللہ نے ان وعدوں
 کے ظہور کو مقدر فرمایا تھا جب استخلاف فی الارض اور تمکین فی الارض کا فرعہ خلفائے راشدین کے نام پر نکلا تو متعین ہو گیا کہ آیت
 میں یہی اشخاص مراد ہیں۔ جیسے واقعہ خیبر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں
 گا جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ اور رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے، لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کون اس
 دولت اور عزت سے سرفراز ہوگا۔ جب دو سکر دن حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت ہوا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ مرد موصوف حضرت
 علی مرتضیٰؓ ہیں اسی طرح ان آیات کے نزول کے وقت لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ کن اشخاص کے سرور پر استخلاف اور تمکین فی الارض کا
 تاج رکھا جائیگا اور کار پرداز ان قضا و قدر اس تمکین دین میں کس کے معین اور مددگار ہونگے۔ پس جب تمکین دین کا ظہور خلفائے
 کے ہاتھ پر ہوا تو متعین ہو گیا کہ اللہ کے علم میں یہی اشخاص مراد تھے۔ (ازالۃ الخفاء)

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو ان سے پہلے جھٹلا چکے ہیں

قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ۚ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ

نوح کی قوم اور عاد اور ثمود۔ اور ابراہیم کی قوم

وَقَوْمُ لُوطٍ ۚ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۚ وَكَذَّبَ

اور لوط کی قوم۔ اور مدین کے لوگ اور موسیٰؑ

مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ

کو جھٹلایا پھر میں نے ڈھیل دی منکروں کو پھر انکو پکڑا۔ تو کیسے

كَانَ نَكِيرٌ ۝ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَ

ہوا میرا انکار؟ سو کئی بستیاں ہم نے کھپا دیں اور وہ

هِيَ ظَالِمَةٌ فِيهَا خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَ

گناہ گار تھیں اب وہ ڈھے پڑی ہیں اپنی پھتوں پر اور

بِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا

کتے کنوئیں بکھے پڑے اور کتے محل بگج گری کے۔ کیا پھرے نہیں ملک

فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا

میں، جو ان کو دل ہوتے جن سے بوجھتے، یا

أَوْ أَذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْيَى الْأَبْصَارُ

کان ہوتے جن سے سنتے؟ سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں

وَلَكِنْ تَعْيَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝

ہوتیں پر اندھے ہوتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں۔ اور

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ

تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز نہ ٹالے گا اپنا وعدہ

وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝

اور ایک دن تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے۔ جو

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

تم گنتے ہو اور کئی بستیاں ہیں کہ میں نے انکو ڈھیل دی اور وہ گناہ گار تھیں

ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَى الْمَصِيرِ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا

پھر ان کو پکڑا اور میری طرف پھر آنا ہے۔ تو کہہ لوگو! میں



النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِينَ

تو ڈر سنا دینے والا ہوں تم کو کھول کر۔ سو جو

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ

یقین لائے اور کیں بھلائیاں ان کے گناہ بخشے ہیں اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا

روزی عزت کی۔ اور جو دوڑے ہماری آیتوں کو

مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۵۱﴾

ہراتے۔ وہ ہیں لوگ دوزخ کے۔

تسلیہ رسالت مآب و تہدید کفار بر استعجال عذاب و وعدہ مغفرت و رزق کریم برائے اہل طاعت و وعید عذاب جہنم برائے اہل مہیت

قال الله تعالى وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ... أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (دربط) گزشتہ آیات میں کفار کے جہاد و قتال اور ان کی ایذا رسانی کی بنا پر مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت دی گئی اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ان کفار کی مخالفت اور تکذیب اور عداوت سے ملول نہ ہوں ہمیشہ سے عام انبیاء کی تکذیب ہوتی چلی آئی ہے اور کافروں نے اسکا نتیجہ دیکھ لیا اور یہ کافر ملک شام کو جاتے ہوئے راستہ میں ان مقامات سے گزرتے ہیں جہاں ان پر عذاب نازل ہوا تھا پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کیا انکی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں اور اس درجہ دلیر ہو گئے ہیں کہ جلدی عذاب کی خواہش کرتے ہیں اور آپ سے مجادلہ اور مخاصمہ کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈرانے والا ہوں۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا جس کا علم اللہ ہی کو ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر یہ کفار آپکی تکذیب کریں اور اپنی موجودہ قوت و کثرت کے گھمنڈ میں یہ کہیں کہ آپ جو ان فقرار مہاجرین کو تمکین فی الارض کی خبر دے رہے ہیں یہ سب جھوٹ اور غلط ہے اور ناممکن اور محال ہے اور محض ایک خواب و خیال ہے تو آپ انکی تکذیب کی پروا نہ کریں اور ان سردارانِ مکہ سے پہلے قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی اور قوم عاد نے ہود علیہ السلام کی اور قوم ثود نے صالح علیہ السلام کی اور قوم ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کی اور قوم لوط

نے لوط علیہ السلام کی اور اصحابِ مدین نے شعیب علیہ السلام کی اور موسیٰ علیہ السلام جیسے صاحبِ معجزات کی بھی تکذیب کی گئی پھر میں نے ان منکروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ مہلت دی پھر جب حد سے گزر گئے اور حجت ان پر پوری ہو گئی تو میں نے ان کو عذاب میں پکڑا، پس دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت ہوئی کہ کوئی نکل نہ سکا اور کس طرح رسوا ہوئے۔ نیکر کے معنی انکار کے ہیں پس یا تو نیکر سے عذاب منکر یعنی عذاب شدید مراد ہے جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ **فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا تُكْرَهُ** کہ شدت اور سختی کی وجہ سے اس عذاب کو منکر کہا گیا کہ وہ عذاب ایسا تھا کہ جس کو کوئی جانتا اور پہچانتا ہی نہ تھا۔ یا نیکر کے معنی الٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انکی حیات کو موت سے اور انکی آبادی کو بربادی سے بدل دیا اور جس حالت پر تھے اس کو بری حالت سے متغیر اور تبدیل کر دیا۔ پس آیت میں نیکر سے بایں معنی انکار مراد ہے اور یہ معنی نہیں کہ زبان سے انکار کر دیا الغرض کفار خدا تعالیٰ کی چند روزہ مہلت سے غرہ میں پڑ گئے بالآخر گرفتار ہو کر سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اسکو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا اور پھر آپ نے یہ آیت **وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّكَ أَخْذُكَ إِلَيْهِ** شہید۔ تلاوت فرمائی۔

سو جان لو کہ ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور وہ بستیاں بڑی ظالم تھیں، خدا کے رسولوں کی تکذیب پر تلی ہوئی تھیں پس وہ بستیاں اب اپنی چھتوں پر گر پڑی ہیں کوئی ان میں رہنے والا اور بننے والا نہیں انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کا نام و نشان نہیں رہا اور کتنے ہی کنوئیں ہیں جو بیکار پڑے ہیں یعنی جن کنوؤں پر بھیڑ رہتی تھی اب وہاں کوئی پانی بھرنے والا اور ڈول ڈالنے والا نظر نہیں آتا۔ اور کتنے ہی اونچے اونچے اور قلعی چوٹ سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں جو کھنڈر بنے پڑے ہیں جن میں کوئی آدم اور آدم زاد، دکھائی نہیں دیتا پس کیا اہل مکہ نے ملک کی سیر نہیں کی اور یہ مواضع عبرت ان کی نظروں سے نہیں گزرے تاکہ ہوتے ان کے لیے ایسے دل جن سے وہ ان مکذبین کے انجام کو سمجھ لیتے یا ایسے کان ہوتے جن سے وہ گزشتہ مکذبین کے انجام کو سنتے اور ہوش میں آجاتے، پس حقیقت یہ ہے کہ انھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں یعنی جب یہ مکذبین گزشتہ مکذبین کی بستیوں کو دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں پکڑتے تو معلوم ہوا کہ یہ دل کے اندھے ہیں۔ بصارت رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے اور اصل اندھا وہی ہے جو دل کا اور عقل کا اندھا ہو اور یہ دل کے نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور عداوت میں ایسے اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ سے جلد عذاب طلب کرتے ہیں اور اب یہ تقاضا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا جس عذاب کے نازل کرنے کا اللہ نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلد لے آؤ اور ان کو جان لینا چاہتے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو نہیں ٹالے گا۔ عذاب اپنے وقت پر آکر رہے گا۔ ان کا جلدی بچانا فضول ہے اور دنیا کے دن تو چھوٹے ہیں اور تحقیق ایک دن تیرے پروردگار کے نزدیک ان ہزار برس کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ وہ حلیم و کریم اگر تم کو اپنے حلم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دیدے تو اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن کی مہلت اور ایک ہزار سال کی مہلت برابر ہے۔ عذاب کی تاخیر سے اسکی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لوگوں کے نزدیک جو مدت طویل ہے وہ خدا کے نزدیک قصیر ہے۔ **إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ كَیَوْمًا وَ أَرَأَيْتُمْ أَفَرَأَوْهُ قَرِیبًا** وہ اس کو دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں اس کی قدرت کے اعتبار سے ایک دن اور ہزار برس برابر ہے اور اسکی قدرت کے اعتبار سے وقوع عذاب میں استعجال اور تاخیر یکساں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل فرمایا کہ انکو مہلت دی پس اگر وہ قادر مطلق کسی کو اپنے

حکم سے ایک ہزار سال کی بھی مہلت دے تو اس کے نزدیک بمنزلہ ایک روز کے ہے وہ اپنے حکم سے جتنی چاہے طویل سے طویل مہلت دے دے مگر کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتی وہ جب چاہے پکڑ سکتا ہے۔ بادشاہ لوگ مجرم کے پکڑنے میں اس لیے جلدی کرتے ہیں کہ مجرم کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے مگر اللہ کے قبضہ قدرت سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا اس لیے خدا تعالیٰ کو کوئی جلدی نہیں کہ وہ اپنے مجرم کو فوراً پکڑے۔ پس سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کا مہلت دینا عجز کی بنا پر نہیں بلکہ حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے اس کی ذات الاصفات زمان اور مکان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نزدیک زمانہ کا وجود اور عدم اور مدت کی قلت اور کثرت سب برابر ہے پھر یہ نادان کس لیے عذاب میں جلدی کرتے ہیں پس اگر خدا تعالیٰ اپنی کسی حکمت اور مصلحت سے ایک ہزار سال بھی عذاب کو مؤخر کر دے تو تمہارے حساب سے تو ایک ہی دن کی تاخیر ہوئی اور ایک دن کی تاخیر کوئی تاخیر نہیں۔

یہ تمام تشریح تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۶ اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸۸ ج ۳ سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں اور بعض مفسرین نے یہ کہل ہے کہ آیت میں عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے اور دن سے روز قیامت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہاں کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا مگر یہ تفسیر سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہے۔ ظاہر نظم قرآنی کا اقتضایہ یہ ہے کہ اس جگہ عذاب سے عذاب دنیوی مراد ہے (دیکھو تفسیر ابوالسعود و تفسیر روح المعانی)

خلاصہ کلام یہ کہ اہل مکہ اور نضر بن حارث وغیرہ آپ سے جلدی عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ نے اپنے نبی سے جو وعدہ کیا ہے وہ قطعی ہے ہرگز اس میں خلاف نہ ہوگا اور اس کی تاخیر سے خدا کی قدرت میں کوئی فرق نہیں آتا، اس کے نزدیک قصیر مدت اور طویل مدت سب برابر ہیں اور اس کی طرف سے جو مہلت مل رہی ہے وہ اس کا حکم اور اس کا فضل و کرم ہے۔ ہماری ڈھیل سے یہ نہ سمجھیں کہ ہم پکڑنے پر قادر نہیں اور ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستوں کو ڈھیل دی اور وہ بھی انکی طرح نافرمان تھے مگر ہم نے اس کو مہلت دی اور فوراً نہیں پکڑا حالانکہ وہ بھی عذاب میں جلدی کرتے تھے پھر بالآخر جب ان کے جرم کا پیمانہ بسر ہو گیا تو میں نے انکو پکڑا اور وہ ہماری ڈھیل دینے سے کہیں نکل کر بھاگ نہیں سکے اور آخرت میں سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہاں اپنی جزا کو پہنچیں گے اسے نبی آپ ان مکذبین اور مستعجلین سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم کو اللہ کی نافرمانی کے نتیجہ بد سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں اور اختیار سب اللہ کو ہے۔ اللہ کی اس مہلت سے یہ نہ سمجھو کہ وہ تمہارے پکڑنے سے عاجز ہے بلکہ اس مہلت کو غنیمت جانو کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے کا موقع دیا پس جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے آخرت میں گناہوں کی مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے مٹانے میں کوشش کی اور اس گمان میں رہے کہ ہم اللہ پاک کو عاجز کر دیں گے اور اس کے عذاب سے نکل کر کہیں بھاگ جائیں گے اور اس کی گرفت سے چھوٹ جائیں گے۔ زجاج کہتے ہیں کہ معاجزین سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جنکا عقیدہ یہ ہے کہ بعث اور حشر و نشر کوئی چیز نہیں اور مرنے کے بعد اللہ کو ہم پر کوئی قدرت نہیں (تفسیر قرطبی ص ۴۹ ج ۱۲) کما قال تعالیٰ اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْصُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَنَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ۔

یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں نے یہ کوشش کی کہ خدا کی آیتوں کو مٹا دیں اور مقابلہ کر کے اہل حق کو عاجز کر دیں کہ وہ حق پر نہ چل سکیں مطلب یہ ہے کہ معجزین سے مخالفین اسلام مراد ہیں جو لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں (تفسیر قرطبی ص ۸ ج ۱۲) انکا گمان یہ ہے کہ انکی کوشش سے اسلام مرٹ جائیگا تو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں نہ ان کے لیے مغفرت ہے اور نہ رزق کریم ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی

وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى

سو جب لگا خیال باندھنے، شیطان

الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ^ج فَيَنْسَخُ اللَّهُ

نے مٹا دیا اس کے خیال میں - پھر اللہ مٹاتا ہے

مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ آيَتِهِ وَاللَّهُ

شیطان کا ملایا پھر چکی کرتا ہے اپنی باتیں - اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ^{۵۲} لِيَجْعَلَ^{۵۳} مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ

سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا - اس واسطے کہ اس شیطان کے ملائے سے

فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ

جانچے ان کو جن کے دل میں روگ ہے اور جن کے دل

قُلُوبُهُمْ طَوَّانٌ^ط وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ^{۵۴}

سخت ہیں - اور گناہ گار تو ہیں مخالفت میں دور پڑے -

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور اس واسطے کہ معلوم کریں جنکو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے میرے

رَّبِّكَ فَيَوْمَئِذٍ فَتُخَبِّتُ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ

رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لادیں اور وہیں اسکے آگے ان کے دل اور اللہ

اللَّهُ لَهَاذِهِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۴﴾

سو جھانے والا ہے، یقین لانے والوں کو راہ سیدھی -

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ

اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں دھوکا جب تک

تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ

آپہنچے ان پر قیامت بے خبر یا آپہنچے انکو آفت ایک دن

عَقِيمٍ ﴿۵۵﴾ أَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمُ فَالَّذِينَ

کی جس میں راہ نہیں خلاصی کی۔ راج اس دن اللہ کا ہے ان میں چکوٹی (فیصلہ) کریگا سو جو یقین

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۵۶﴾ وَ

لائے اور کہیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں - اور

الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

جو منکر ہوتے اور جھٹلائیں ہماری باتیں سو ان کو ہے

مُهِينٌ ﴿۵۷﴾

ذلت کی مار -

ذکر قنہ شیطان برائے امتحان مخلصان و منافقان

قال الله تعالى وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ... إِلَى ... فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (ربط) گزشتہ آیت وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ - میں اس بات کا بیان تھا کہ مجادلین اور معاندین

ہمیشہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں اور دین حق کی تخریب کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اب آئندہ آیات میں یہ بتلاتے ہیں ابطال آیات کی سعی اور اس میں جدوجہد ان مجادلین اور معاندین کی قدیمی عادت ہے اور اس سلسلہ میں شیطان طرح طرح کے فتنے برپا کرتا رہتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہ ڈالتا رہتا ہے جو کافروں اور ضعیف الایمان لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتے ہیں۔ اسے نبی آپ اس قسم کے فتنے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں۔ ہر نبی اور رسول کے زمانہ میں اسی قسم کا فتنہ پیش آیا ہے، جب کبھی کسی نبی اور رسول نے اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر لوگوں کو سنایا تو شیطان نے آیات الہیہ میں طرح طرح کے شبہات لوگوں کے دلوں میں ڈال دیئے جس سے لوگ شبہات کے دلدل میں پھنس گئے بعد میں اللہ تعالیٰ آیات محکمات کو نازل کرتا ہے جس سے تمام شیطانی شکوک اور شبہات کی جڑ کٹ جاتی ہے اور حکم خداوندی ایسا صاف اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی یہ سب شیطان کا فتنہ ہے جس سے اللہ کا مقصود مخلصین اور منافقین کا امتحان اور آزمائش ہے لہذا اسے نبی آپ اس قسم کے فتنے کو دیکھ کر رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔

شان نزول

مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں ایک قصہ ذکر کیا ہے جو اشکال کا سبب بنا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیت کی تفسیر سے پہلے اس قصہ کو ذکر کر دیا جائے وہ قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ نجم ایک مجلس میں پڑھی جس میں مشرکین مکہ بھی حاضر تھے جب آپ اس آیت — یعنی أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَ مَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ — پر پہنچے تو شیطان نے اس کے ساتھ آپ کی طرف سے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعَلَىٰ - وَاِنْ شَفَاعَتُهُنَّ لَتَرْجُنَّ - یہ شہباز (بت) بڑے بلند پرواز اور معظم و محترم ہیں اور انکی سفارش قبول ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

شیطان نے یہ عبارت آپ کے لہجے میں آپ کے کلام کے ساتھ اس طرح ملا کر پڑھی جس سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ الفاظ آپ ہی کی زبان سے نکلے ہیں، کافران الفاظ کو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے موافق ہو گئے کہ بتوں کی تعریف میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے اور اس قدر خوش ہوئے کہ جب مسلمانوں نے اس سورت کے ختم پر سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی سجدہ کیا اور کافروں میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ سوائے ولید بن مغیرہ کے اس نے سجدہ نہ کیا اور ایک مٹھی سنگریزوں کی بھری اور اس پر سجدہ کیا۔ مکہ میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو قریش بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب محمدؐ نے اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکا علم ہوا تو آپ بہت رنجیدہ ہوئے کہ میری اثناء تلاوت میں وہ چیز بھی پڑھ دی گئی جو اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل نہیں ہوئی تھی اور خوف زدہ اور پریشان ہو گئے، اس پر آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

یہ قصہ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے جس کو امام قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اور جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔

اس قصہ کے بارہ میں علماء کے دو گروہ

چونکہ یہ قصہ بظاہر منصب نبوت اور شان عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو یہ قدرت حاصل ہو جائے کہ نبی کی اثنائے تلاوت میں اپنی طفس سے کوئی آمیزش کر سکے اس لیے اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور بے اصل اور موضوع ہے اور علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ فی الجملہ کسی درجہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے جس کو روایت کی تفصیل دیکھنا منظور ہو وہ تفسیر درمختور کو دیکھے۔

بہر حال اس قصہ کی روایت کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہو گئے اور ہر گروہ نے اپنے اپنے مسلک کی بنا پر آیت کی اس طرح تفسیر کی کہ جو منصب نبوت اور عصمت کے خلاف نہ ہو کیونکہ عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے اصول مسلمہ میں سے ہے جس پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے۔ علماء کا جو گروہ کسی درجہ میں فی الجملہ اس قصہ کے ثبوت کا قائل ہے عصمت انبیاء کے اجماعی مسئلہ سے وہ بھی غافل نہیں یہ گروہ کثرت طرق اور تعدد اسانید سے مجبور ہو کر اس قصہ کو فی الجملہ ثابت ماننے کے بعد آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے کہ جو عصمت نبوت کے منافی نہ رہے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

امام بیہقی اور امام ابن خزمیہ اور قاضی عیاض اور امام رازی اور امام بزار اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ اور دیگر حضرات محققین یہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ بالکل باطل ہے اور ملاحظہ اور زنادقہ (بے دین لوگوں) کا بنایا ہوا اور گھڑا ہوا ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور براہین عقلیہ سے ثابت ہے۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَادِيلِ
لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ
الْوَتِينَ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر بالفرض پیغمبر ہماری نسبت کوئی غلط بات کہے تو یقیناً ہم انکو پکڑتے اور ہلاک کر ڈالتے۔

معلوم ہوا کہ نبی کی زبان سے خدا کی نسبت غلط بات کا نکلنا محال ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تقول (افترار) کو بصیغہ لَوْ تعبیر فرمایا ہے جو محالات اور ناممکنات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَبَدَّ لَهُ
مِنْ نَفْلَائِي فَسَيَرَأِىَ إِنِ اتَّبَعِ إِلَّا
مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس قرآن میں اپنی طفس سے ذرہ برابر تغیر و تبدل کر سکوں میں تو صرف اللہ کی وحی کا تابع ہوں۔

یعنی میں خدا کے کلام میں ایک شوشہ کا بھی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

(۳) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ

خدا کی قسم آپ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات

نہیں کہتے آپ جو کہتے ہیں وہ محض خالص اللہ
کی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کو بھیجی
جاتی ہے۔

هُوَ إِلَّا وَحْيٌ
يُوحَىٰ -

یعنی آپ کی زبان مبارک سے جو نکلتا ہے وہ ستر یا وحی ہوتا ہے اور نفسانی اور شیطانی آمیزش سے بالکل پاک
ہوتا ہے یہ سورہ نجم کی آیت ہے جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ستارہ کی کہ تمہارا پیغمبر کبھی گمراہ اور بے راہ نہیں
ہوا کوئی بات اس کی زبان سے ہوائے نفسانی سے نہیں نکلتی وہ جو بولتا ہے وہ وحی الہی ہوتی ہے جو خدا کی طرف سے بھیجی
جاتی ہے۔

پس جب اسی سورت میں خدا تعالیٰ نے قسم کھا کر آپ کی نزاہت اور عصمت کو بیان فرمایا تو یہ کیونکر ممکن ہے
کہ اس سورت کے اثنائے تلاوت میں شیطان لعین آپ پر کچھ القاء کرے اور بتوں کی مدح کے الفاظ اس میں ملا دے اور آپ کی
زبان مبارک سے نکلوا دے۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ

ایک صحیح حدیث میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری طریقہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
زبان مبارک سے جو نکلتا وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش مجھے منع کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ بشر ہیں کبھی حالت رضا میں ہوتے ہیں اور
کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں۔ سو تم آپ کی ہر بات نہ لکھا کرو معلوم نہیں کہ غصہ کی حالت میں زبان سے کیا نکل جائے عبد اللہ
بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ میں نے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا اے عبد اللہ جو کچھ مجھ سے
سنا کرو لکھ لیا کرو قسم ہے اس ذات مبارک کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس زبان سے سوائے حق کے کچھ
نہیں نکلتا اور اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ پس جب آپ کی زبان مبارک سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا
تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کی زبان مبارک سے بتوں کی تعریف میں کوئی لفظ نکل سکے۔

(۶۷) نیز اسی سورت میں شرک اور مشرکین کی مذمت مذکور ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اسی سورت کی اثنائے تلاوت میں بتوں کی
مدح کے متعلق آپ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلیں۔

(۵۱) نیز نبی تو توحید کی دعوت اور کفر و شرک سے زجر اور ممانعت کے لیے مبعوث ہوتا ہے اس کی زبان سے بتوں کی
مدح میں کسی لفظ کا نکلتا قطعاً محال اور ناممکن ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کی زبان سے ایسے الفاظ کا نکلتا جن میں بتوں
کی تعظیم اور مدح ہو بلاشبہ محال اور ناممکن ہے۔ ایسا کلمہ تو نبی کی زبان سے نہ قصداً نکل سکتا ہے۔ اور نہ سہواً اور نہ نسیاناً نکل
سکتا ہے اور نہ جبراً و قہراً نکل سکتا ہے کہ نفس اور شیطان آپ کو اس کلمہ کے تلفظ پر مجبور کر دے جس میں بتوں کی تعظیم اور مدح
ہو۔ (۱) قصداً اور عمداً تو ایسا کلمہ نبی کی زبان سے اس لیے نہیں نکل سکتا کہ قصداً بتوں کی تعظیم اور اس کی مدح کفر و شرک
ہے اور نبی کی زبان سے قصداً تو کیا سہواً بھی کفر و شرک کا کلمہ نکلتا قطعاً محال ہے اور جو شخص نبی کی زبان پر بتوں کی تعظیم اور

۱۔ دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۵ ج ۲

۲۔ اس تمام تفصیل کی اصل بنیاد تو امام رازیؒ کا کلام ہے لیکن تفصیل میں دلائل کا کچھ اضافہ ہو گیا ہے وہ تفسیر روح المعانی وغیرہ سے ماخوذ ہے نہ غطاء اللہ عنہ

مدح کو جائز قرار دے وہ بلاشبہ کافر ہے۔ نبی کی تمام تر سعی اور جدوجہد شرک اور بت پرستی کے مٹانے کے لیے ہے نہ کہ انکی مدح اور تعظیم کے لیے۔ (۲۱) اور سہو اس وجہ سے محال ہے کہ تلاوت وحی اور امور تبلیغیہ میں نبی سے سہو اور نسیان اور غفلت کا صدور ناممکن اور محال ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَى
إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ
ہم آپ کو یہ قرآن پڑھائیں گے پس آپ اس میں
سے کوئی حرف نہیں بھولیں گے مگر یہ کہ خدا تعالیٰ
ہی کسی حکمت اور مصلحت سے اس لفظ کو باقی نہ
رکھنا چاہے۔

حدیث میں ہے کہ جب جبریل امین وحی لیکر آتے تو حضور پر نور بھی جبریل کے ساتھ ساتھ پڑھتے کہ کہیں کوئی حرف بھول نہ جاؤں اس پر یہ آیت نازل ہوئی لَا تُحَرِّكُ بِهِ لِسَانَكَ لِتُحْثِلَ فِيهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْتَ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ یعنی جب جبریل وحی قرآنی آپ کے سامنے پڑھا کریں تو آپ ان کے ساتھ ساتھ نہ پڑھا کریں بلکہ خاموش رہیں اور غور سے سنیں۔ قرآن کا آپ کے سینہ میں تمام و کمال جمع کر دینا اور اس کا محفوظ کر دینا ہمارے ذمہ ہے آپ بے فکر رہیے قرآن کا کوئی لفظ آپ بھول نہیں سکتے۔

غرض یہ کہ تلاوت وحی اور دعوت و تبلیغ میں نبی کو سہو و نسیان کا پیش آجانا بالاجماع ناممکن اور محال ہے البتہ نبی کو اپنے ذاتی افعال میں جیسے نماز وغیرہ میں سہو و نسیان کا لاحق ہونا ممکن ہے جیسا کہ نماز ظہر یا عصر میں آپ نے بھولے سے دو رکعت یا تین پر سلام پھیر دیا اور بعد یاد آنے کے سجدہ سہو کیا تو یہ سہو و نسیان بھی حکمت و مصلحت پر مبنی تھا جس سے سجدہ سہو کی تشریح مقصود تھی کہ اگر نماز میں سہو پیش آجائے تو امانت کو کیا کرنا چاہیے اور لیلیۃ التعریس میں جو حضور پر نور کی نماز فوت ہوئی تو اس سے قضاء فائتہ کی تشریح مقصود تھی کہ اگر بھولے سے نماز قضا ہو جائے تو کس طرح اس کی قضا کی جائے یہ سہو و نسیان جو آپ کو پیش آیا اس کا وحی رسالت اور تبلیغ شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۳۱) اور یہ بھی ممکن نہیں کہ شیطان جبر و قہر کسی بہانہ یا دھوکہ سے آپ کی زبان مبارک سے اس قسم کے الفاظ نکلوا دے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ إِنَّ عِبَادِي لَكُنْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ اے شیطان میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی غلبہ اور زور نہیں اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّهُ لَكُنْ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّكُمْ سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَكَّلُوْنَكَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُّشْرِكُوْنَ اور شیطان کا خود اقرار ہے اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ اے پروردگار میرا اغواء تیرے عباد مخلصین پر نہیں چل سکے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو سید المخلصین تھے۔ آپ پر شیطان کے کسی زور اور زور کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ جبراً بلا اختیار آپ کی زبان مبارک پر ایسے کفر و شرک کے الفاظ جاری کر سکے اگر خدا نخواستہ شیطان کو یہ قدرت ہوتی تو کوئی کلمہ حق آپ کی زبان سے جاری نہ ہونے دیتا پھر یہ کہ جب شیطان کو آپ پر یہ قدرت حاصل ہو گئی تو خدا کے خاص اور مخلص بندے کون ہیں جن پر شیطان کو قدرت اور غلبہ نہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اگر نبی اور رسول پر بھی شیطان کا زور چل سکے تو پھر نبی اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہا۔ نیز نزول وحی کے وقت فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اس وقت کسی شیطان کی مجال نہیں کہ وہاں کوئی پر مار سکے یا اس کے

قریب سے گزر سکے جیسا کہ سورہ جن میں ہے اَلَا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَكُنْ بِكَ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۙ لَّيَعْلَمَنَّ اَنْ قَدْ ابْلَغُوْا رِسَالَتِ رَبِّهٖمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ۔ یعنی جب
وحی الہی کا نزول ہوتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوتا ہے اور وحی الہی کی حفاظت کے زبردست انتظامات ہوتے ہیں
کہ کوئی شیطان قریب یا بعید سے وحی ربانی میں کوئی القاء نہ کر سکے اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول اللہ کے پیغامِ بلاکم وکاست
بندوں تک پہنچا دے پس اگر نبی القاء شیطانی سے محفوظ نہ رہے تو پھر فرشتوں کی رصد اور ان کے پہروں کا کیا فائدہ (دیکھو
روح المعانی ص ۱۶۳ ج ۱۷ و ص ۱۶۵ ج ۱۷)

نیز قرآن کریم میں ہے۔ وَ اِنَّهٗ لَكُنْزٌ عَزِیْزٌ ۙ لَا یَاْتِیْہٖ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہٖ وَ لَا
مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ ۙ مَنْ حَكَمَ حَکْمِہٖ۔ یعنی اس کتاب عزیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ خود ذمہ دار ہے کسی باطل
کی مجال نہیں کہ وہ آگے یا پیچھے سے وہاں آسکے بہر حال یہ امر قطعاً محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے القاء سے کسی
چیز کا تلفظ کر دیں اور آپ کو القاء شیطانی اور وحی جبریلی میں اور قرآن اور غیر قرآن میں تمیز نہ ہو اور معاذ اللہ آپ کی زبان سے قرآن
میں کوئی حرف اور کوئی لفظ زیادہ ہو جائے جو اللہ نے آپ پر نازل نہیں کیا اور شیطان وحی خداوندی میں کوئی آمیزش کر دے اور
آپ کو اس پر تنبیہ نہ ہو اور آپ یہ نہ سمجھ سکیں کہ وحی ربانی تو یہ ہے اور یہ مزید القاء شیطانی ہے۔ غرض یہ کہ یہ امر ناممکن ہے
کہ نبی کو وحی اور غیر وحی میں کوئی اشتباہ لاحق ہو جائے۔ اشتباہ کا واقع ہونا علامت ہے قلت بصیرت کی اور اللہ کا نبی اس
سے پاک اور منزہ ہے۔

(۶) نیز اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو علاوہ اس کے کہ یہ واقعہ آیات مذکورہ کے خلاف ہے ایک خرابی یہ لازم آئے
گی کہ قرآن کریم اور وحی الہی سے وثوق اور اعتماد اٹھ جائیگا اور امان اور اطمینان زائل ہو جائے گا اس لیے کہ اس واقعہ کی طرح دوسری
جگہ بھی القاء شیطانی سے وحی الہی اور پیغام خداوندی میں کمی اور زیادتی کا جواز اور امکان نکل آئیگا کہ ممکن ہے کہ دوسرے موقع پر
بھی القاء شیطانی سے احکام الہیہ اور پیغامات خداوندی میں اسی قسم کی کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل پیش آیا ہو اور لازم آئے
گا کہ حسب حکم خداوندی یَاٰتِہَا الرَّسُوْلُ ۙ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ احکام خداوندی کی پوری
پوری اور صحیح صحیح تبلیغ نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں وحی الہی پر یقین نہیں رہ سکتا کہ بالیقین یہ پوری اور صحیح وحی ہے اور بعینہ وہی
وحی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے ممکن ہے کہ القاء شیطانی کی وجہ سے اس میں غیر وحی کی آمیزش ہو گئی ہو غرض
یہ کہ ایسی صورت میں وحی الہی پر اعتماد اور یقین نہیں رہتا بلکہ وحی الہی مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹۴ ج ۶
روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۱۷)

(۷) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ نظم قرآنی باہم متضاد اور متناقض اور مختلف ہو جائے گی اس لیے کہ اَفْرِءَیْتُمُ اللَّاتِ
وَ الْعُزٰی الْج۔ سے تو بتوں کی مذمت مقصود ہے اور تِلْكَ الْغُرَابِیْقُ الْعُلٰی۔ سے بتوں کی مدح مقصود ہے
تو سوال یہ ہے کہ ایسا صریح اختلاف اور واضح تناقض و تضاد حاضرین مجلس پر اور خاص کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی
رہا یہ ناممکن ہے کہ صاحب نبوت پر یہ اختلاف اور تضاد مخفی رہے۔

(۸) نیز ایک خرابی یہ لازم آئے گی کہ تِلْكَ الْغُرَابِیْقُ الْعُلٰی ایک معمولی عبارت ہے اور نظم قرآنی حاد عجز کو پہنچی

ہوئی ہے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیا حاضرین مجلس پر ان دو مختلف النوع کلاموں کا تفاوت مخفی رہا اور وہ اس فرق پر متنبہ نہ ہوئے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور پر نورؐ پر وحی الہی مشتبہ ہو گئی اور آپؐ کو وحی روحانی اور وحی شیطانی میں فرق نہ معلوم ہوا اور قرآن اور غیر قرآن اور منزل من اللہ اور غیر منزل من اللہ میں آپؐ کو فرق نہ معلوم ہوا اور فرشتہ اور شیطان آپؐ پر کیسے ملتبس اور مشتبہ ہو گئے اور ملک معصوم اور شیطان خبیث میں آپؐ نے فرق نہ کیا اور توحید اور شرک اور فرشتہ اور شیطان کا فرق آپؐ پر ملتبس ہو گیا (روح المعانی ص ۱۶۵ ج ۱۷)

(۹) نیز اس آیت کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہ آیت حضور پر نورؐ کی تسلی کے لیے نازل ہوئی نہ کہ عتاب اور تنبیہ کے لیے مقصود آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپؐ ان معاجزین اور معاندین کی سعی فی ابطال الآیات سے رنجیدہ نہ ہوں پس اگر واقعہ مذکورہ صحیح ہوتا تو آپؐ پر عتاب نازل ہوتا۔ (روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۱۷)

(۱۰) نیز حدیث متواتر سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من دانی فی المناہر فقد دانی حقاً فان الشیطن لا یتمثل بی۔ یعنی جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ کو خواب میں دیکھا اس لیے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ میری صورت بنا سکے اور کسی کے سامنے میری شکل میں ظاہر ہو سکے۔ پس جب شیطان عام مؤمنین کے لیے لبشکل نبی متمثل اور تشکل نہیں ہو سکتا تاکہ اہل ایمان مجھے خواب میں دیکھ کر کسی اشتباہ میں نہ پڑیں تو شیطان کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لبشکل جبریل متمثل اور تشکل ہونا بدرجہ اولیٰ محال اور ناممکن ہو گا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۱۶۸ ج ۱۷ (فتلک عشرة کاملہ) پس یہ دس دلیلیں جو زیادہ تر امام رازیؒ کی تفسیر کبیر اور علامہ آلوسیؒ کی تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہیں اور کچھ حصہ شروح بیضاوی سے بھی ماخوذ ہے۔ ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے۔ حضرات اہل علم تفاسیر مذکورہ بالا کی مراجعت فرمائیں۔ دلائل مذکورہ کے علاوہ اور بھی دلائل ملیں گے جن کو ہم نے اختصار کی بنا پر چھوڑ دیا۔ بہر حال اس قصہ کا موضوع اور باطل ہونا دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے اور صحیح روایتوں میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور مسلمانوں کے ساتھ مشرکین نے بھی سجدہ کیا سب نے سجدہ کیا مگر قریش میں کے ایک شیخ نے مٹھی بھر کر کنکریاں لیں اور ان کو اپنی پیشانی پر اٹھایا اور ان پر سجدہ کیا۔ صرف اتنی روایت صحیح ہے اور باقی موضوع اور باطل ہے، تمام روایات صحیحہ میں واقعہ غرابیۃ العالی کا کہیں ذکر نہیں۔

آدیم برسر مطلب

اب ہم آیت ہذا کی صحیح تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن تفسیر آیت سے پہلے یہ بتلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس آیت میں دو لفظ مذکور ہیں ایک تمنیٰ دوسرا القار آیت کی تفسیر سے پہلے ان دونوں لفظوں کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سو جاننا چاہیئے کہ لفظ تمنیٰ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے ایک بمعنی قرار و تلاوت جس کے معنی پڑھنے کے ہیں اور دوسرے معنی دلی آرزو اور تمنا کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ کلام عرب میں دونوں معنی میں مستعمل ہوا ہے سورہ نجم میں ہے۔ اَمْ لِلْإِنْسَانِ هَا تَمْنَىٰ يَهَاں سے تمنیٰ سے دلی خواہش اور آرزو کے معنی مراد ہیں اور سورہ بقرہ میں وَمِنْهُمْ

اُمِّيُونَ لَا يَخْلَعُونَ الْكِتَابَ إِلَّا اَعْمَانِيَّ۔ یہاں اُمْنِیَّہ سے صرف زبان سے الفاظ تو ریت پڑھنے کے معنی مراد ہیں۔

لفظ القاء | اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان ایسے الفاظ القاء کرتا ہے جن کو سن کر لوگ فتنہ میں پڑ جائیں یا معنی کے اعتبار سے القاء مراد ہے یعنی شیطان کفار کے دلوں میں کوئی ایسی چیز القاء کرے جو ان کے فتنہ کا سبب بن جائے تو آیت میں تمنی اور القاء کے دونوں معنوں میں جو نسے معنی بھی مراد لیے جائیں تو آیت کا مطلب صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔

اب ہم اس بارہ میں حضرت مفسرین کے اقوال ذکر کرتے ہیں اور اول ان حضرات مفسرین کے گروہ کے اقوال نقل کرتے ہیں جو قصہ غرائق کو باطل اور بے اثر قرار دیتے ہیں۔

تفسیر اول

اکثر مفسرین کے نزدیک تمنی کے معنی قرار ت کے ہیں اور القاء سے القاء معنوی مراد ہے یعنی جب کبھی کسی نبی نے اللہ کی وحی کی قرار ت کی تو شیطان نے انکی قرار ت اور تلفظ میں کافروں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات ڈال دیئے پس اگر اس آیت میں تمنی سے تلاوت اور قرار ت کے معنی مراد لیے جائیں اور اُمْنِیَّہ کو معنی متلو اور مقرر دیا جائے یعنی وہ الفاظ مراد لیے جائیں جن کو نبی نے پڑھا ہے اور القاء سے باعتبار معنی کے القاء مراد لیا جائے یعنی شیطان نے انبیاء کی قرار ت کے بعد لوگوں کے دلوں میں کچھ شبہ اور دوسوسہ ڈال دیا جس سے وہ وحی متلو اور مقرر لوگوں پر مشتبہ ہو گئی تو اس صورت میں آیت کی صحیح تفسیر اس طرح ہوگی اور اے نبی آپ ان کفار معاجزین یعنی معاندین کے مجادلہ سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ لوگ جو ابطال آیات کی سعی اور جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اسکی فکر میں نہ پڑیئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا کہ جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب کبھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا یا اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سنایا تو اس وقت شیطان نے اس کی تلاوت کردہ چیز کے بارہ میں لوگوں کے دل میں بذریعہ دوسوسہ کچھ شکوک اور شبہات ڈال دیئے جس سے لوگ نبی کی تلاوت کردہ یعنی اسکی پڑھی ہوئی اور سنائی ہوئی چیز کے بارہ میں شک اور شبہ میں پڑ گئے مطلب یہ ہے کہ قدیم سے یہ عادت رہی ہے کہ جب کبھی اللہ کے کسی رسول اور نبی نے کوئی آیت تلاوت کی یا اللہ کا کوئی حکم پڑھ کر سنایا یا کوئی بات بیان کی تو شیطان نے اللہ کے حکم اور اللہ کی بات اور نبی کی بیان کردہ چیز کے متعلق لوگوں کے دلوں میں بذریعہ دوسوسہ شکوک اور شبہات ڈال دیئے بعد ازاں کفار شیطاں کے انہی القاء کردہ شبہات اور اعتراضات کی بنیاد پر انبیاء و رسل سے مجادلہ کرتے تھے اور اپنے اس مجادلہ باطلہ سے انبیاء و رسل کی بیان کردہ چیزوں کے ابطال اور محو کی سر توڑ کوشش کرتے تھے مگر نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی سعی اور جدوجہد ناکام ہوتی تھی۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُفْجَوْنَ إِلَىٰ أُولِيَاءِهِمْ لِيُجَادِلُوهُمْ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔

پس اسی قسم کے شبہات سے کفار مکہ آیات خداوندی کے ابطال کی سعی میں لگے ہوئے ہیں جیسا کہ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي

الَّذِينَ مُعَاجِزِينَ فِيهِمْ اسکا ذکر ہو چکا ہے۔

(۱) مثلاً جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ پڑھ کر سنائی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ ڈالا کہ دیکھو مسلمان اپنی ماری (یعنی ذبیحہ) کو تو حلال بتاتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیز (یعنی میتہ اور مردار) کو حرام بتاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قول نازل کر کے اسکو منسوخ یعنی زائل اور باطل کر دیا یعنی وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ اور فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ نازل کر کے ان کے شبہ کو زائل کر دیا اور بتلادیا کہ جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے وہ حلال ہے اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ حرام ہے باقی مارنے والا اور جان نکلنے والا ہر حال میں اللہ ہی ہے۔ جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے بندہ کا کام ذبح کرنا یعنی چھری چلانا ہے اسکا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر چھری چلاؤ تو جانور حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

(۲) اور مثلاً جب آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ تو شیطان نے اس میں یہ شبہ الفار کیا کہ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ میں تو حضرت مسیح اور حضرت عزیر اور ملائکہ کرام بھی داخل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انکے اس شیطانی شبہ کے ازالہ کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ۔ مطلب یہ تھا کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ میں کلمہ مائے اُن کے اصنام اور بت مراد ہیں۔ خدا کے برگزیدہ بندے مراد نہیں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ بر تفسیر بیضاوی ص ۳۹ ج ۳

پس اس طرح اللہ تعالیٰ اس الفار شیطانی کو مٹا دیتا ہے یعنی شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات اور اعتراضات کو محکم اور قطعی دلائل سے اور کافی و شافی جوابات سے دور کر دیتا ہے اور انکو بالکل نیست و نابود کر دیتا ہے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ قطعی دلیل اور محکم جواب کے بعد شبہ اور اعتراض کی سیخ و من بھی باقی نہیں رہتی پس حق جل شانہ کے اس قول فَيَنْسَخُ اللَّهُ مِنْ نَسْخٍ سَخٍ لِّغْوٰی مَعْنٰی مَرَادٍ شَرْعٰی مَعْنٰی مَرَادٍ نَهٰی۔ نسخ کے لغوی معنی محو اور ازالہ کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ الفار شیطانی کی تاثیر کو باطل اور زائل کر دیتا ہے اور شیطانی خلط و ملط کو مٹا دیتا ہے۔ لغت کے اعتبار سے نسخ کی حقیقت رفع اور ازالہ ہے سو آیت میں نسخ سے لغوی معنی مراد ہیں عرفی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے جو وحی نازل کرتا ہے اسکی حفاظت اور حراست کرتا ہے اور اگر کوئی دوسری چیز اس میں خلط و ملط ہو جائے تو اسکو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۹ ج ۶)

پھر شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کے ازالہ کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ان آیات بینات کے مضامین کو جن کو نبی نے پڑھ کر سنایا تھا پہلے سے زیادہ محکم اور مضبوط بنا دیتا ہے وہ آئینیں اگرچہ پہلے سے محکم اور مضبوط تھیں مگر قطعی اور شافی جواب کے بعد انکا استحکام اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے جس سے الفار شیطانی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور شیطان کے الفار کردہ شکوک و شبہات یکلخت کافور ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے جواب کے بعد کسی تسک اور شبہ کی ذرہ برابر گنجائش باقی نہیں رہتی اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی شیطان نے جو الفار کیا۔ اللہ اس کو خوب جانتا

اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

آیت کی دوسری تفسیر

اور اگر آیت میں تمنیٰ کے معنی بجلتے پڑھنے کے دل سے تمنا اور آرزو کرنے کے لیے جائیں اور القادر سے معنوی القادر مراد لیا جائے تو پھر آیت کی صحیح تفسیر دوسری ہوگی جس کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہما نے اختیار فرمایا ہے جس کو اب ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضع القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں جس کو ہم ذرا وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی طرف سے کوئی حکم آتا ہے اس میں ذرہ برابر بھی ہرگز کوئی تفاوت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اللہ کی بات ہوتی ہے اور ایک نبی کی طرف سے اسکے دل کا طبعی میلان اور خیال ہوتا ہے۔ اور اسکی دلی آرزو ہوتی ہے وہ کبھی ٹھیک پڑتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ وہ نبی کی طبعی اور ذاتی آرزو ہوتی ہے اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی اس لیے اس میں فرق ہو سکتا ہے کہ پوری نہ ہو۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا۔ خواب تو صرف اسی قدر تھا جس میں کسی وقت کا ذکر نہ تھا مگر دلی آرزو اور شوق کی بنا پر یہ خیال آیا کہ شاید اسی سال ایسا ہو جائے۔ اسی آرزو اور خیال کی بنا پر عمرہ کی نیت سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا مگر اس سال آپ عمرہ نہ کر سکے۔ اور واپس آگئے اور اگلے سال خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

یا مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کو کافروں پر غلبہ دے گا آپکو خیال آیا کہ شاید اسی لڑائی میں فتح ہوگی مگر اس لڑائی میں آپ کو غلبہ نہ ہوا بعد میں ہوا۔

غرض یہ کہ اس طرح گاہ بگاہ اصل وعدہ الہی کے ساتھ نبی کے خیال اور آرزو کی آمیزش ہو جاتی ہے اور لوگوں کے لیے فتنہ بن جاتی ہے جس سے لوگ شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ نبی نے جو کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا حالانکہ وہ نبی کی آرزو تھی وہ اگر پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ تو جب لوگ نبی کی آرزو پوری نہ ہونے کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شبہ میں پڑ جاتے ہیں تو اللہ اس آمیزش کو دور کر دیتا ہے اور بتلا دیتا ہے کہ اللہ کا حکم اور اللہ کا وعدہ صرف اس قدر تھا وہ سترتا پاحق ہے اس میں سر و فرق اور تفاوت نہیں اور اس قدر اس میں نبی کا ذاتی خیال اور دلی آرزو تھی۔ نبی نے کسی چیز کی خبر نہیں دی تھی اور نبی کی آرزو اور اس کے طبعی خیال میں فرق نکل سکتا ہے کہ پورا نہ ہو۔ غرض یہ کہ جب اس قسم کا کوئی شبہ پیش آجائے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اصل حکم الہی اور اصل وعدہ خداوندی صرف اس قدر تھا اور اس کے علاوہ نبی کی دلی تمنا اور آرزو تھی جو اس کے ساتھ مل گئی تھی کوئی خبر اور پیش گوئی نہ تھی، اللہ تعالیٰ وحی نازل کر کے اصل وعدہ اور اصل حکم کو نبی کی طبعی آرزو سے جدا اور الگ کر دیتا ہے تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں اس سے اللہ کی بات کی مضبوطی ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ ہو پوری ہو اور بلاشبہ اللہ کی بات ضرور پوری ہو کر رہتی ہے البتہ نبی کی

تمنا اور دلی آرزو کبھی پوری نہیں ہوتی اور اس سے پیغمبری میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اللہ نے پیغمبروں کو علم غیب عطا نہیں کیا۔ پیغمبر باقتضای بشریت اپنے دل سے کچھ خیال باندھ لیتے ہیں اور وہ کبھی کبھی پورا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کے ہر خیال اور آرزو کا پورا ہونا ضروری نہیں ہاں یہ ناممکن اور محال ہے کہ نبی کسی چیز کی خبر دے اور وہ غلط نکلے۔ خبر اور چیز ہے اور خیال اور آرزو اور چیز ہے آنحضرتؐ کی آرزو تو یہ تھی کہ سب ایمان لے آئیں مگر یہ آرزو پوری نہیں ہوئی وَ مَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ آپکی دلی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں مگر پوری نہیں ہوئی اور یہ آیت نازل ہو گئی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ رہا یہ امر کہ اس صورت میں القار کی نسبت شیطان کی طرف کیوں کی گئی۔ سو جاننا چاہیے کہ اس آیت میں القار کی نسبت شیطان کی طرف دیسی ہے جیسا کہ وَ مَا اَلْسَانُ لَهٗ اِلَّا الشَّيْطَانُ اِنْ اَذْكُرْهُ۔ میں النساء (بھلا دینے) کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی اور سہو و نسیان نہ عصمت کے منافی ہے نہ نبوت کے منافی ہے۔ انبیاء سے بمقتضائے بشریت کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو ادب خداوندی کی بنا پر اس کو شیطان کی طرف نسبت کر دیتے ہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ یہ تمام کلام حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس اللہ سرہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ جو اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب کے قلم حقیقت رقم سے موضح القرآن میں نکلا ہے اور شاہ عبدالقادر کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ فتح الرحمن میں لکھتے ہیں۔

مترجم گوید مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیدند کہ ہجرت کردہ اند بزمینے کہ نخل بسیار دارد پس وہم بجانب یمامہ و ہجر رفت در نفس الامر مدینہ بود۔ و مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیدند کہ بمکہ در آمدہ اند و خلق و قصر می کنند پس وہم آمد کہ در ہماں سال اس معنی واقع شود و در نفس الامر بعد از سال ہائے چند منتحق شد و در امثال اس صورت امتحان مخلصان و منافقان در میان می آید۔ واللہ اعلم (فتح الرحمن)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کی ہے کہ جہاں کھجور کے درخت کثرت سے ہیں آپکو خیال آیا کہ عجب نہیں کہ وہ سرزمین ہجر یا یمامہ ہو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بستی مدینہ ہے جس قدر روحی آسمانی تھی وہ حق تھی اس میں سر مو تفاوت نہیں ہوا۔ البتہ آپؐ کے خیال اور وہم و گمان میں فرق نکلا اور پورا نہ ہوا اور آپؐ نے ہجر اور یمامہ کی بابت جو خیال فرمایا تھا وہ بھی غلط نہ تھا کیونکہ جو خواب آپؐ کو دکھلایا گیا تھا اس میں کسی بستی کی تعین نہ تھی۔ صرف اس قدر تھا کہ آپؐ نے ایسی بستی کی طرف ہجرت کی جہاں کھجور کے درخت بکثرت ہیں چونکہ ہجر اور یمامہ میں بھی بکثرت کھجور کے درخت تھے اس لیے آپکا خیال اس طرف گیا کہ شاید وہ بستی ہجر یا یمامہ ہو بعد میں یہ نکلا کہ وہ بستی مدینہ منورہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بات میں کبھی فرق نہیں نکلتا اور نہ نکل سکتا ہے۔ البتہ نبی کے طبعی خیال اور دلی آرزو میں بایں معنی فرق نکل سکتا ہے کہ پوری نہ ہو اور اگر نبی کی کوئی آرزو پوری نہ ہو تو اس سے نبوت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ نبی بمقتضائے بشریت کبھی کوئی آرزو کرتا ہے مگر کسی حکمت غیبی سے وہ پوری نہیں ہوتی تو یہ نبوت کے منافی نہیں۔ ابتداء میں اللہ کی طرف سے جو وعدہ ہوا وہ مجمل تھا اور اجمال کی وجہ سے متعدد معانی کا اس میں احتمال تھا اللہ کی طرف سے کوئی تعین نہ تھی۔ ایسے مجمل اور محتمل وعدہ میں نبی کا

خیال اور اسکی آرزو کسی ایک معنی کی طرف چلی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے بتلا دیتے ہیں کہ اس مجمل اور مختل سے ہماری مراد فلاں معنی ہیں۔ سو یہ نہ کوئی خطا ہے اور نہ کوئی غلطی ہے اور نہ نبوت اور عصمت کے منافی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر تمنا سے پہلے معنی یعنی پڑھنے کے معنی مراد لیے جائیں اور القار سے باعتبار معنی کے القار مراد ہو تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جس کو سب سے پہلے ہم نے جمہور مفسرین سے نقل کیا اور اگر تمنا سے آرزو اور دلی خواہش کے معنی مراد ہوں تو آیت کی وہ تفسیر ہوگی جو ہم نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالقادر سے نقل کی اور یہ دوسری تفسیر تھی اور یہاں ایک تیسری تفسیر بھی ہے وہ یہ ہے۔

تیسری تفسیر

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں تمنی سے اپنی قوم کے ایمان کی حرص اور تمنا مراد ہے یعنی ہر نبی اپنی قوم کے ایمان اور ہدایت کی تمنا کرتا ہے مگر شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہ ڈال دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان شبہات کا ازالہ فرما دیتے ہیں۔

ابن ذر کلام میں ہم یہ بتلا چکے ہیں کہ قصۂ غرانیق علی کے بارہ میں علماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ وہ ہے جو اس

آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کا دوسرا گروہ

قصۂ کو بالکل باطل اور موضوع قرار دیتا ہے جمہور علماء کا یہی مسلک ہے اور گزشتہ تین تفسیریں اسی قول پر مبنی تھیں جو گزشتہ دو گروہ علماء کا وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ قصہ اگرچہ پورا صحیح نہیں مگر بالکل باطل اور بے اصل بھی نہیں بلکہ فی الجملہ ثبوت رکھتا ہے۔ حافظ عسقلانی اور جلال الدین سیوطی کا میلان اسی طرف ہے اس لیے کہ یہ قصہ متعدد اسانید سے منقول ہے اگرچہ ان میں سے بعض روایتیں مرسل ہیں اور بعض منقطع ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی کچھ نہ کچھ اصل ہے اس گروہ کے نزدیک بھی آیت ہذا کی تفسیر میں مختلف اقوال ہو گئے ہیں جن کو امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی درجہ میں اس قصہ کو ثابت مانا جائے تو بر تقدیر ثبوت آیت کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجلس میں سورۂ نجم پڑھی تو وہاں بشکل انسان شیطان بھی حاضر تھا جب آپ پڑھتے پڑھتے مَنَافَةُ الثَّالِثَةِ الْاٰخِرَةِ پر پہنچے تو آپ نے حسب عادت سکوت فرمایا اس لیے کہ آپ کی عادت یہ تھی کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے شیطان نے آپ کے اس وقفہ کو غنیمت اور فرصت جانا اور آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ کی قرارت کے متصل ان الفاظ کو یعنی تِلْكَ الْغُرَانِيقُ العلیٰ کو پڑھ دیا۔ نیز قریش کا یہ طریقہ تھا جب آپ قرآن پڑھتے تو بہت شور و غل مچاتے تاکہ آپ کی قرارت کسی کو سنا نہ دے پس ایسی

لے قال الامام القرطبی واما الماخذ الثانی فهو مبني علی تسليح الحديث لوصح۔۔ الی قوله۔ وهذا التاويل احسن ما قيل في هذا (قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲)

حالت میں شیطان نے آپکی آواز بنا کر یہ الفاظ پڑھ دیئے جو کفار اور مشرکین شیطان کے قریب تھے انہوں نے ان الفاظ کو سنا اور گمان کیا کہ یہ الفاظ حضور ہی کے ہیں اور حضور پر نورؐ نے اسی طرح پڑھا ہے مشرکین ان الفاظ کو سُن کر خوش ہو گئے کہ آج تو ہمارے بنوں کی تعریف کی گئی اور تمام مکہ میں اس کو مشہور کر دیا اور شیطان کی یہ آواز صرف ان چند کفار نے سنی جو شیطان کے قریب تھے باقی مسلمانوں نے صرف اسی قدر سنا جو آپؐ نے انکو پڑھ کر سنایا اس کے سوا کچھ نہیں سنا۔ مشرکین کی مشہور کردہ خبر کو جب مسلمانوں نے سنا تو تعجب اور حیرت میں پڑ گئے کہ ہم نے تو یہ الفاظ حضورؐ کی زبان سے نہیں سنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس شہرت کا علم ہوا کہ مکہ میں آپؐ کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آج آپؐ نے اس طرح پڑھا ہے تو آپؐ بہت رنجیدہ اور غمگین ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تسلی کے لیے یہ آئینیں نازل کیں کہ اے نبی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے آپؐ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کے ساتھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ جب اللہ کے پیغمبر نے خدا کی طرف سے کوئی بات بیان کی تو شیطان نے موقع پا کر وحی الہی کے ساتھ اپنی طرف سے کوئی بات ملا دی اور اپنی جانب سے اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ کر دیا تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کر دے مگر شیطان کا یہ فتنہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کبھی ایسا فتنہ پیش آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس القاء شیطانی کو نیست و نابود کر دیتا ہے یعنی اپنے بندوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ اتنا حصہ القاء شیطانی ہے اور اتنا حصہ وحی ربانی اور القاء آسمانی ہے پس اس طرح وحی ربانی۔ القاء شیطانی سے جدا اور ممتاز ہوجاتی ہے اور دونوں کا فرق لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے اور اس وقتی خلط ملط اور عارضی آمیزش سے جو اشتباہ ہوا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر مظہری ص ۳۳۹ ج ۶)

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجلس میں سورہ نجم پڑھی تو شیطان نے موقع پا کر آپکی آواز میں آواز ملا کر اس قسم کا کلام ان مشرکین کے کانوں میں ڈالا جو اسکے قریب تھے جس سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ کلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہے حالانکہ نفس الامر میں ایسا نہ تھا بلکہ وہ شیطان کی کاریگری تھی۔ اور شیطان کی عادت ہے کہ وہ اس قسم کے جھوٹ کے لیے موقع کا متلاشی رہتا ہے اور انسان کی صورت میں ظاہر ہو کر کفار کی مجالس میں حاضر ہوتا ہے۔ اور انکو مشورے دیتا ہے۔ مثلاً مشرکین دار الندوہ میں حضور پر نورؐ کے قتل کے مشورہ کے لیے جمع ہوئے تو شیطان شیخ نجدی کی صورت میں ظاہر ہوا اور انکو مشورہ دیا۔

اور اسی طرح جب قریش جنگ بدر میں جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو اس موقع پر شیطان سراقتہ بن مالک کی

لے قال القاضي ثناء الله الفاني فتى قال بعضهم ان الرسول لم يقرأه ولا سمع منه اصحابه و لكن الشيطان القى ذالك بين قراءته في اسماع المشركين فظن المشركون ان الرسول صلى الله عليه وسلم قرأه او جرى على لسانه... وهو يخل بالوثوق بالقرآن قلنا قد تكفل الله بالوثوق بقوله فينسخ الله ما يلقي الشيطان اى يبطله و يظهر على الناس انه من القاء الشيطان ثم يحكم الله اياته اى يثبتته او يحفظها من لحوق الزيادة من الشيطان (كذا في التفسير المظهر ص ۳۳۹ ج ۶)

صورت میں ظاہر ہوا اور انکو غلبہ اور کامیابی کا اطمینان دلایا کما قال اللہ تعالیٰ وَاذَرَيْنَا لَهُمُ الشَّيْطَانَ اَعْمَالَهُمْ
وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ اَلْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَرَآنِي جَادُّكُمْ فَلَمَّا تَرَ آتِ الْفِتْنَانِ نَكَصَ
عَلَىٰ حَقْبَيْهِ وَقَالَ رَآنِي حَسْبُكُمْ۔ تو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی مجلس میں آپ کی قرأت کے وقت
شیطان کسی انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو اور وہاں بیٹھ کر یہ الفاظ پڑھے ہوں۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی
صفحہ ۳۹ ج ۳۔

غرض یہ کہ یہ الفاظ حضور پر نورؐ نے ہرگز ہرگز اپنی زبان مبارک سے نہیں پڑھے بلکہ حضور کو تو اسکا علم بلکہ تصور بھی نہ تھا
شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیئے جنکو کفار نے سن کر مشہور کر دیا جو فتنہ کا سبب بن گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو جب اس خبر کا علم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی بتلادیا کہ یہ سب القار شیطان تھا وحی
ربانی نہ تھی اور بتلادیا کہ ہماری یہ قدیم عادت ہے کہ ہم شیطان کو اس قسم کے القار پر اول قدرت دیتے ہیں اور بعد میں اس
کا ازالہ کر دیتے ہیں اور ہمارا مقصود اس سے ایک قسم کا امتحان اور آزمائش ہوتا ہے جس سے سچے اور سچے ایمان والوں اور
بمذہب اور سچے ایمان والوں کا حال ظاہر کر دیا جاتا ہے لہذا اے نبی آپ اس سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں۔ حضرت اہل علم
تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۲۔ اور احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۱ ج ۳۔ اور احکام القرآن للجصاص ص ۲۴۴ ج ۳ اور حاشیہ شیخ زادہ
علی تفسیر البیضاوی ص ۳۸۹ ج ۳ ضرور دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کے دو مسلک ہیں ایک مسلک تو جمہور علماء کا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قصہ
مذکورہ بالکل باطل ہے، اول کی تین تفسیریں اس مسلک پر مبنی ہیں۔ اور دوسرے مسلک یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل بے اصل نہیں بلکہ
فی الجملہ کسی درجہ میں کچھ اصلیت اور ثبوت رکھتا ہے۔ اس دوسرے مسلک کی بنا پر صرف ایک تفسیر ہے جس کو قاضی
ابوبکر بن عربیؒ اور قرطبیؒ اور قاضی بیضاویؒ نے اس عنوان سے ذکر کیا کہ اگر بالفرض والتقدیر کثرت طرق اور اسانید پر نظر
کر کے اس واقعہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو پھر آیت کی تفسیر اس طرح کی جائے جو ہم ان حضرات سے نقل کر چکے ہیں
اس تفسیر سے اگرچہ پورے اشکالات دور نہ ہوں گے مگر انشاء اللہ تعالیٰ اکثر اشکالات تو ضرور دور ہو جائیں گے اور امام قرطبیؒ
اور قاضی ابوبکرؒ بن عربیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اس قصہ کو کسی درجہ میں ثابت مان لیا جائے تو آیت کی
اس طرح تفسیر کی جائے تاکہ کوئی اشکال لازم نہ آئے۔

۱۰ قال البیضاوی وھو (ای مادوی عن قصۃ الخرائق) مردود عند المحققین و ان صح فابتلاء
یتمیز بہ الثابت علی الایمان من المتزلزل فیہ و قال ابن الشیخ والظاہر ان مبنی الصحۃ ان
یتکلم بہ الشیطان عند سکوتہ علیہ السلام بعد قولہ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاٰخِرٰی فانہ اقرب الاحتمال
المذکورۃ الی الصحۃ فیكون المعنی ما من رسول ولا نبی قبلك الا مکنا الشیطان ان یلقی فی قراءتہم
مثل ما التقی فی قراءتک عند ما تمنیت فلا تہتم لذلك فانا نجعل ذالک لاضلال قوم و ہدایۃ اخرین
بین الثابت علی الایمان والمتزلزل فیہ انتہی کلام شیخ زادہ حاشیۃ البیضاوی۔

دوسری اور تیسری تفسیر

جن لوگوں نے اس قصہ کو بدرجہ مجبوری کسی درجہ میں ثابت مانا تو بعض نے اس قصہ کی یہ تاویل کی ہے کہ غرائب علی سے ملائکہ مقررین مراد ہیں۔ بت مراد نہیں اور بعض نے یہ کہہا ہے کہ یہاں حرف استفہام مفرد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے قریش کیا یہ غرائب جو تمہارے نزدیک بڑے عالی مرتبہ ہیں کیا ان سے کسی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے ہرگز نہیں، مگر یہ دونوں قول سراسر تکلف ہیں جن سے قلب مطمئن نہیں ہوتا (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

تتمہ بیان سابق

اب اس کے بعد آئندہ آیات بیان سابق کا تتمہ ہیں جن میں یہ بتلانے ہیں کہ کفار مجادلین اور معاجزین ہمیشہ آپ کی نبوت و رسالت میں شک کرتے رہیں گے اور آپ سے مجادلہ کرتے رہیں گے اور ابطال آیات کی سعی کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے یا انکو موت آجائے اس لیے فرماتے ہیں اور ہمیشہ پڑے رہیں گے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے قرآن کی طرف سے یا انکار شیطانی کی وجہ سے شک اور شبہ ہی میں۔ یا ہمیشہ جدال و خصام میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ آپ پہنچے ان پر ناگہانی قیامت کبریٰ یا قیامت صغریٰ یعنی ان پر موت آجائے یا آپ پہنچے ان پر ایک منحوس دن کی آفت منحوس دن سے جنگ بدر کا دن مراد ہے یا قحط کا زمانہ مراد ہے۔ عقیقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی خیر نہ ہو۔ گویا کہ وہ دن بانجھ عورتوں کی طرح ہے جو کسی خیر اور بھلائی کو نہیں جنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ معاجزین اور معاندین اپنے کفر اور عناد اور جدال و خصام پر سختی سے جمے ہوئے ہیں۔ بغیر مشاہدہ عذاب کے کفر اور عناد سے باز نہ آئیں گے مگر اس وقت کا باز آنا نفع نہ دے گا۔ اس دن یعنی قیامت کے دن بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی یعنی آج تو بادشاہوں کو اپنی سلطنت اور بادشاہت کا دعویٰ ہے مگر اس روز سوائے خدا کی بادشاہت اور حکومت کے کسی کی حکومت کا ظاہری اور مجازی طور پر بھی نام و نشان نہ رہے گا۔ اور بادشاہ حقیقی کی حکومت سب پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس دن وہ بادشاہ حقیقی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ ان دو فریق کے حق میں ہوگا۔ جن کی تفصیل آئندہ آیت میں ہے سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ نعمت کے باغوں میں آرام سے ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کے لیے ذلت و خواری کا عذاب ہوگا۔ اس روز لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کر دیا جائے گا کہ جن متکبرین نے انبیاء کا مقابلہ کیا سو ان کے استکبار کے مقابلہ میں انکو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا۔ حق اور اہل حق کے ذیل کرنے والے اس دن ذلیل اور رسوا ہونگے۔

لے اشارہ اس طرف ہے کہ مزید کے دو معنی آتے ہیں ایک شک اور شبہ کے اور دوسرے معنی مراد اور جدال کے یعنی مجادلہ اور خصامت کے آتے ہیں۔ آیت میں ہر معنی صحیح اور درست ہے۔ (واللہ اعلم)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں ، پھر

قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لِيَرْزُقْنَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَ

مارے گئے یا مر گئے پھر البتہ انکو دے گا اللہ روزی خاصی - اور

إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لِيَدْخُلَنَّهُمْ

اللہ ہے سب سے بہتر روزی دیتا۔ البتہ پہنچا دے گا انکو

مَدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ط وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

ایک جگہ جس کو وہ پسند کریں گے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا -

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّقَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ

یہ سن چکے ! اور جس نے بدلا دیا جیسا اس سے کیا تھا ، پھر اس پر کوئی زیادتی

عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

کرے تو البتہ اسکی مدد کریگا اللہ - بیشک اللہ درگزر کرتا ہے بخشتا -

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ

یہ اسواسطے کہ اللہ پیٹھاتا (داخل کرتا) ہے رات کو دن میں اور دن

النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذَلِكَ

کو رات میں اور اللہ سُنّا ہے دیکھتا - یہ اس

بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

واسطے کہ اللہ وہی ہے صحیح اور جس کو پکارتے ہیں اس کے سوا

هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾

وہی ہے غلط ، اور اللہ وہی ہے اُوپر بڑا -

بشارت مہاجرین و مجاہدین نعمائے آخرت و وعدہ فتح و نصرت

و تنبیہ بر کمال قدرت و حکمت

قال الله تعالى وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الى وَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (دبط) گزشتہ آیات میں عام مومنین صالحین کی فضیلت بیان فرمائی ان آیات میں خاص مہاجرین و مجاہدین کی فضیلت بیان فرماتے ہیں آیت مذکورہ بالا اَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصَبِهِمْ لَقَدِيرٌ میں مہاجرین کو جہاد کی اجازت اور فتح و نصرت کی بشارت سناتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی ان مہاجرین کی ضرورت مدد کریں گے اس لیے کہ یہ مظلوم ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیے کہ ان مہاجرین اور مجاہدین کی بے سرو سامانی کی طرف نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی قدرت کی طرف نظر کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انکی مدد پر قادر ہے جیسا کہ وہ گزشتہ آیت میں بتلا چکا ہے۔ وَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصَبِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور خدا کے لیے اپنے اہل و عیال کو اور خویش و اقارب کو اور اپنے گھر کو اور وطن کو چھوڑا جن کا ذکر گزشتہ آیت۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ میں ہو چکا ہے پھر وہ لوگ جہاد میں قتل اور شہید ہوئے یا ویسے ہی اپنی موت سے مر گئے بے شک اللہ تعالیٰ انکو مترکہ اموال کے بدلہ میں ایک عمدہ رزق دیگا اور بے شک اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے وہ ہر جگہ بہتر سے بہتر روزی دینے پر قادر ہے اور مترکہ مکانات کے بدلہ میں البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ انکو ایسے مقام میں پہنچا دے گا جس کو یہ لوگ نہایت پسند کریں گے اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ گزری ہوں گی اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں کتنی مشقت برداشت کی اور وہ بڑا بردبار ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا یہ بات تو ہو گئی اب دوسری سُنو اور وہ یہ ہے کہ جس مظلوم نے ظالم سے اپنا بدلہ لے لیا بمقدار اس کے کہ جتنی اس پر تعدی اور زیادتی کی گئی تھی کہ صرف اس قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس پر ظلم اور زیادتی کی گئی تھی یعنی اس مظلوم نے اپنا واجب بدلہ لیا۔ بدلہ لینے میں اس نے کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی اس طرح دونوں برابر برابر ہو گئے پھر اس مظلوم پر اس ظالم دشمن کی طرف سے از سر نو دوبارہ زیادتی کی گئی یعنی وہ ظالم پھر بھی اپنے ظلم سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس نے اس پر ظلم کیا تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی

لے قال الزجاج ای الامر ما قضينا عليك من انجاز الوعد للمهاجرين الذين قتلوا او هاتوا تفسیر کبیر ص ۲ ج ۶۔ زجاج کہتے ہیں کہ ذلک کے معنی یہ ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو ہم نے بیان کر دی کہ خاص مہاجرین کے لیے ہم نے جو وعدہ کیا ہے اسکو ضرور پورا کریں گے خواہ وہ جہاد میں شہید ہوں یا اپنی موت سے مریں مطلب یہ ہے کہ ذلک خبر ہے قبل از محذوف کی اور ما بعد کا کلام متناف ہے دوسری صورت یہ ہے کہ ذلک کو مبتدا بنایا جائے اور خبر محذوف مانی جائے۔

ضرور مدد کرے گا اور اب کی بار ظالم کو گزشتہ کی طرح ہمت نہ دے گا اس لیے کہ یہ مظلوم پہلی بار بھی مظلوم تھا اور اب دوبارہ پھر مظلوم ہوا۔ اور اس نے انتقام لینے میں کوئی ظلم اور زیادتی نہ کی تھی تو اللہ تعالیٰ اس مظلوم کی ضرور مدد کرے گا اور ایسی مدد کرے گا کہ ظالم سیرٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ہے یعنی مظلوم کو ظالم سے انتقام لینے کی جو اجازت دی گئی تھی اس میں مماثلت کی قید تھی لیکن بعض اوقات باوجود حتی الامکان کوشش کے انتقام میں مماثلت نہیں رہتی بلکہ سہواً اور نسبتاً کچھ زیادتی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو معاف کرنے والا ہے ایسی غفلت پر اللہ کی طرف سے مواخذہ نہیں اور نہ اسکی وجہ سے وعدہ نصرت میں کوئی خلل پڑتا ہے ایسی کوتاہی معاف ہے۔

یہ مظلوم کی مدد اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے اور منجملہ اسکی قدرت کے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے حالانکہ وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس وہ اپنی قدرت سے کسی کو غلبہ دیتا ہے اور کسی کو پست کرتا ہے پس اسی طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیر و زبر کرے اور بے شک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ سب کی آوازیں سن سکتا ہے اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ ظالم اور مظلوم سب اسکی نظروں کے سامنے ہیں یہ سب اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خدائے برحق ہی ہے کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت اور مشیت میں مزاحمت کر سکے اور یہ بے عقل جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہیں یعنی جن بتوں کو یہ پکارتے ہیں وہ سب غلط ہے وہ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔ اور اللہ وہی ہے جو بلند اور برتر ہے اور سب اسکے سامنے ذلیل اور حقیر ہیں وہ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے یہ شان تو اللہ ہی کی ہے بتوں میں یہ قدرت کہاں ہے اور اللہ اس پر قادر ہے کہ حق کو بلند کرے اور باطل کو پست کرے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتَصَبٰهُ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی، پھر صبح کو

الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۶۳﴾ لَّہٗ

زمین ہو جاتی ہے سبز۔ بیشک اللہ چھپی تدبیریں جانتا ہے خبردار۔ اسی

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ

کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے۔ اور اللہ وہی ہے

لَهُوَ الْغَنٰی الْحَمِیْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ

بے پروا سب خوبیوں سراہا۔ تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں دیا



مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ط

منہا سے جو کچھ ہے زمین میں اور کشتی چلتی دریا میں اس کے حکم سے ۔

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط

اور تمام رکھتا ہے آسمان کو اس سے کہ گر پڑے زمین پر ، مگر اسکے حکم سے

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَكَرُوفٌ رَحِيمٌ ۝۶۵ وَهُوَ الَّذِي

مقرر اللہ لوگوں پر نرمی کرتا ہے مہربان ۔ اور اسی نے تم کو

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ط إِنَّ الْإِنْسَانَ

جلا یا ، پھر مارتا ہے ، پھر جلاوے گا ۔ بیشک انسان

لَكَفُورٌ ۝۶۶

ناشکر ہے ۔

بیان بعض دلائل کمال قدرت و حکمت بالغہ و کمال تسخیر

قال الله تعالى أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝۶۵
(ربط) گزشتہ آیات کی طرح ان آیات میں بھی اپنی کمال قدرت اور کمال حکمت اور کمال تسخیر کے کچھ دلائل بیان کرتے ہیں جو چھ ہیں اور وہ چھ دلائل قدرت بھی ہیں اور دلائل نعمت بھی۔

دلیل اول

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضِقَةً إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

اے مخاطب تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے زمین سرسبز اور تروتازہ ہو جاتی ہے یعنی ہر قسم کے نباتات اُگتی ہے بیشک اللہ بڑا مہربان ہے کہ اس نے بندوں کی زندگی کا سامان اُگایا اور بیشک وہ خبردار ہے بندوں کا ۔ اہل اور انکی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے یہ سب اللہ کی نعمت ہے اور اس کے کمال قدرت

کی دلیل ہے کہ یہ سارا کارخانہ اسکی مشیت سے چل رہا ہے جس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ پس اس سے تم اس کی معرفت حاصل کرو۔

دلیل دوم

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُو الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور سب اسی کے قبضہ قدرت میں مقہور اور مسخر ہیں اور اسکے زندہ رکھنے سے زندہ ہیں اور اسی کے حرکت دینے سے متحرک ہیں اور اسی کے ساکن رکھنے سے ساکن ہیں اور بیشک اللہ ہی سب سے بے نیاز ہے لے کسی کی حاجت نہیں اور سب اسکے محتاج ہیں اور ہر شان میں اور ہر آن میں وہی مستحق حمد و ستائش ہے اسے اپنے دوستوں کی مدد کرنا اور انکو غلبہ دینا کیا مشکل ہے۔

دلیل سوم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِی الْاَرْضِ
اے منکر توجید کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور اس سے منافع حاصل کرو ایک ضعیف البنیان انسان کو اتنی بڑی زمین اور اسکی چیزوں میں تصرف کرنے کی قدرت آخر کس نے دی پس جس ذات نے اس کو ارضی کو تمہارے بس میں کر دیا وہی تمہارا خدا ہے۔

دلیل چہارم

وَالْفُلُكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ
اور اس خدا نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہے یہ بھی اسکی نعمت ہے اور اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دلیل پنجم

و یُصِیْبُكُمُ السَّعَیْءُ اِنْ تَقَعْ عَلٰی الْاَرْضِ الْاِیْذِنِہٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَكَرُوْفٌ رَّحِیْمٌ
اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ ہے کہ وہ آسمان جیسے عظیم کو تھامے ہوئے ہے اور زمین پر گرنے سے اسکو روکے ہوئے ہے اور اسی کی مشیت سے وہ اپنے مقام پر قائم ہے زمین پر گرتا نہیں مگر یہ کہ اسکا حکم ہو جائے تو فوراً گر پڑے

اور بندے ہلاک ہو جائیں۔ دیکھو یہ اللہ کی کیسی رحمت ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ قیامت کے دن یہ زمین و آسمان سب لپیٹ دیئے جائیں گے۔

دلیل ششم

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝
اور وہ ہے کہ جس نے تم کو زندگی بخشی اور عدم کے بعد تم کو وجود عطا کیا اور تم میں جان ڈالی پھر جب تمہاری آجلی آجلی گئی تو تم کو موت دیگا اور دن رات تم اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہو کہ اس عالم میں اب کوئی آ رہا ہے اور کوئی جا رہا ہے پھر قیامت میں تم سب کو جزا سزا کے لیے زندہ کریگا پس سمجھ لو کہ وہ موت اور حیات اور وجود اور عدم کا مالک ہے پس اسکی قدرت پر نظر کرو اور جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو۔ بے شک انسان بڑا ناشکر ہے کہ اس کو اس قدر کثیر نعمتیں دی ہیں مگر وہ ہماری ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتا اور ہمارا احسان نہیں مانتا اور ہماری الوہیت اور وحدانیت کا قائل نہیں ہوتا۔



يَكُلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ

ہر فرقے کو ہم نے ٹھہر دی ہے ایک راہ بندگی کی کہ وہ اس طرح

فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَأُدْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ

کرتے ہیں بندگی، سو چاہیئے تجھ سے جھگڑا نہ کریں اس کام میں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف بیشک

لَعَلَّٰ هُدًى مِّنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلْ

تو ہے سیدھی راہ سوچھا۔ اور اگر جھگڑنے لگیں تو تو کہہ، اللہ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۖ ۶۸ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اللہ چکوٹی کریگا تم میں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۖ ۶۹ أَلَمْ

قیامت کے دن جس چیز میں تم کئی راہ تھے۔ کیا تجھ

تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ط

کو معلوم نہیں؟ کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں۔

إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ط إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝

یہ ہے لکھا کتاب میں۔ یہ اللہ پر آسان ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا جس کی سند نہیں اتاری

سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ط وَمَا

اس نے۔ اور جس کی خبر نہیں اُن کو۔ اور

لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝ وَإِذَا تَتَلَّى عَلَيْهِمْ

بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار۔ اور جب سنائیے ان کو

آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہماری آیتیں صاف تو پہچانے منکروں کے منہ بُری

الْمُنْكَرُط يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ

شکل۔ نزدیک ہوتے ہیں کہ دوڑ پڑیں ان پر جو پڑھتے

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ط قُلْ أَفَأَنْبِئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

ہیں انکے پاس ہماری آیتیں تو کہہ، میں تم کو بتاؤں ایک چیز اس

ذِكْكُمْ ط النَّارُ ط وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ط وَ

سے بُری۔ وہ آگ ہے۔ اسکا وعدہ دیا ہے اللہ نے منکروں کو۔ اور

بِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

بہت بُری ہے پھر جانے کی جگہ۔



تہدید مجادلین در بارہ احکام شریعت

قال الله تعالى كُلُّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا الى وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

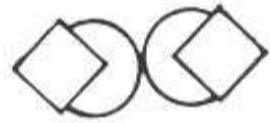
در لفظ گزشتہ آیات میں دلائل الوہیت کو بیان کیا، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ فردن ماضیہ میں ہر امت کو ایک خاص شریعت عطا کی گئی جو اس زمانے کے مناسب تھی اور اب اخیر میں آپکو یہ شریعت عطا کی گئی تمام شریعتیں اپنے اپنے وقت میں حق تھیں اور واجب الاتباع تھیں اب اخیر زمانہ میں یہ شریعت کاملہ ہے جو آخری شریعت ہے سب پر اسکا اتباع واجب ہے کسی کو اس میں مجادلہ اور منازعت کا حق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں، ہر امت کے لیے ہم نے ایک شریعت اور بندگی کی ایک راہ مقرر کر دی جس پر وہ چلتے ہیں اسی طرح ہم نے آپکو ایک شریعت عطا کی پس لوگوں کو چاہیے کہ دین کی کسی بات میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور اس طبع میں نہ پڑیں کہ آپ کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اپنی جگہ سے آپ کو پھسلا دیں بلکہ چاہیے کہ آپکی شریعت کی پیروی کریں اور آپ انکی منازعت کی طرف التفات نہ کریں۔ آپ حق پر ہیں اور آپ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ پس آپ اپنے حق پر قائم رہیے اور اسی پر جمے رہیے اور لوگوں کو اپنے پروردگار کے دین کی طرف ملاحظت اور نرمی کے ساتھ دعوت دیتے رہیں۔ اور انکی منازعت کی طرف التفات نہ کیجیے، بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں جس میں کسی طرح کی کجی نہیں توجید اور اصول دین میں تمام انبیاء متفق رہے، البتہ ہر امت کے لیے عبادت اور بندگی کے طریقے بدلتے رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک خاص شریعت عطا کی ہے جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور آپ لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہیں پھر یہ لوگ آپ سے کیوں جھگڑا لگاتے ہیں۔ توجید تو ایک مسلم امر ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اسکا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور اگر باوجود اس کے وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ انکے جواب میں فقط اتنا کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ تم کو تمہارے اعمال کی سزا دے گا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں اختلاف کرتے ہو اس روز تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں منسک سے شریعت اور منہاج یعنی طریقہ عبادت کے معنی مراد ہیں لفظ منسک منسک سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبادت کے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ منسک سے ذبح اور قربانی کے معنی مراد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے جس کے عموم میں ذبائح بھی داخل ہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳ ج ۶ اور روح المعانی ص ۱۷۸ ج ۱۷)

اب آئندہ آیات میں اثبات توجید اور ابطال شرک کے لیے اپنے کمال علم کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کا علم آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو محیط ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مخاطب کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے تحقیق یہ یعنی آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا جانا اور از روئے علم

انکا احاطہ کرنا اور لوح محفوظ میں انکا ثبت کرنا اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔ اللہ کا علم اور اسکی قدرت غیر محدود و غیر متناہی بالفعل ہے وہاں کسی دقت اور مشقت کا کوئی امکان ہی نہیں اب آگے مشرکین کی جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جنکے معبود ہونے کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی۔ بے دلیل انکو پوجتے ہیں اور اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی بابت انکو کوئی علم نہیں۔ یعنی محض جہالت کی بنا پر انکی عبادت کرتے ہیں کسی عقلی یا نقلی دلیل کی بنا پر نہیں کرتے غرض یہ کہ جن بتوں کو انہوں نے معبود بنایا ہوا ہے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ کوئی عقلی دلیل ہے۔

اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہ جو قیامت کے دن انکو عذاب سے بچا سکے یا چھڑا سکے اور ان ظالموں کے ظلم اور عناد کا حال یہ ہے کہ جب ان پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو اسکی الوہیت اور وحدانیت کی روشن دلیلیں ہوتی ہیں تو اسے دیکھنے والے تو اس وقت ان کافروں کے چہروں میں ناگواری کو اچھی طرح پہچان لے گا کہ اس قسم کی آیات بنیات کو سنتے ہی انکے تیور بدل جاتے ہیں اور ناگواری اور ترش روئی سے بڑبڑانے لگتے ہیں اور کمال نفرت سے حال یہ ہوتا ہے کہ قریب ہوتا ہے ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں یعنی غیظ و غضب میں آکر اسکے قریب ہو جاتے ہیں کہ حضور پر نورؐ پر اور آپ کے اصحاب پر حملہ کر دیں اور یہی حالت انکی جہالت کی واضح دلیل ہے۔ اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو اس سے بُری اور ناگوار چیز کی خبر نہ دوں۔ وہ آگ ہے جسکا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے تو اس قرآن سے کیا ناخوش ہوتے ہو۔ ناگواری اور ناخوشی کی چیز تو وہ آگ ہے جو تمہارے لیے مہیا ہے اس ناگواری کی کچھ فکر کرو اور سوچو کہ یہ قرآن تمہارے حق میں زیادہ بُرا ہے یا وہ آگ زیادہ بُری ہے۔



يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ فَاسْتَمِعُوا

لوگو! ایک کہادت کہی ہے اس کو کان رکھو۔

لَهُ ۥ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے

اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۥ وَ

سوائے۔ ہرگز نہ بنا سکیں ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں۔ اور

إِنْ يَسْلُبْهُمْ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۥ

اگر کچھ چھین لے اُن سے مکھی، چھڑا نہ سکیں وہ اس سے۔

ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿۴۳﴾ مَا قَدَرُوا

بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے۔ اللہ کی قدر نہیں

اللَّهُ حَقٌّ قَدَرُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۴۴﴾

سمجھی جیسی اسکی قدر ہے۔ بیشک اللہ زور آور ہے زبردست۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ

اللہ چھانت لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور

النَّاسِ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۴۵﴾ يَعْلَمُ مَا

آدمیوں میں - اللہ سنتا ہے دیکھتا - جانتا ہے جو ان

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

کے آگے اور جو ان کے پیچھے اور اللہ تک پہنچ ہے

الْأُمُورُ ﴿۴۶﴾

ہر کام کی -

بیان مثال معبودات باطلہ برائے ابطال شرک

قال الله تعالى يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاذْكُرُوا لَهُ... إلى... وإلى الله تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۖ (ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا کہ جن چیزوں کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل اور سند نہیں اب ان آیات میں شرک کی شاعت اور قباحت کو اور مشرکین کی حماقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ جن چیزوں کو یہ معبود بناتے ہوئے ہیں وہ چیزیں قابل عبادت نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہ ذات ہے کہ جو قادر مطلق ہو اور یہ بُت تو عاجز مطلق ہیں۔ ان میں کسی چیز کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں یہ تو اس قدر عاجز ہیں کہ اپنے اوپر سے کھٹی دَفْع کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتے، چنانچہ فرماتے ہیں، اے انسانو! تمہارے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کی جاتی ہے تو اس مثال کو کان کھول کر خوب غور سے سنو۔ تحقیق جن بتوں کو تم اللہ

کے سوا اپنی مرد کے لیے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ ایک نہایت حقیر و صغیر جانور ہے اگرچہ وہ سب اس کام کے لیے جمع بھی ہو جائیں اور متفق ہو کر پیدا کرنا چاہیں تو مکھی جیسی چھوٹی اور حقیر چیز کو بھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور پیدا کرنا تو درکنار انکی عاجزی کا حال تو یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جاتے تو اس سے چھڑا نہیں سکتے مشرکین اپنے بتوں پر زعفران لگاتے اور انکے سامنے کھانے اور مٹھائیاں رکھتے تو مکھیاں جمع ہو جاتیں اور اس میں سے لے جاتیں تو یہ بت ان مکھیوں سے بھی بدتر ہوئے اور وہ مکھیاں ان بتوں سے بہتر ہوئیں کہ وہ ان سے چھین لے جاتی ہیں اور یہ بت ان سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ طالب اور مطلوب دونوں ہی ضعیف اور ناتواں ہیں۔ طالب سے عابد اور بت پرست مراد ہے اور مطلوب سے انکا معبود یعنی بت مراد ہے افسوس کہ ان نادانوں نے اللہ کی قدر نہ جانی۔ جیسا کہ اسکا حق تھا، جہالت اور حماقت کی حد ہے کہ خالق السموات والارض کے ساتھ ان بتوں کو معبودیت میں شریک بنا لیا کہ جو ایک مکھی کے سامنے بھی عاجز اور لاچار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور عزت والا ہے، عبادت تو اس کا حق ہے۔ قوی اور عزیز کو چھوڑ کر ایک حقیر و کمزور چیز کو خدا بنا کر لے درجہ کی حماقت ہے اور انسانیت کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ کو صحیح طور پر پہچان سکے اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کی ہدایت کے لیے رسول بھیجتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی ذات و صفات سے آگاہ کریں بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ محض اپنی عقل سے خدا کو پہچان سکیں، اس لیے آئندہ آیت میں نبوت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں اللہ ہی انتخاب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور اسی طرح لوگوں میں سے پیغمبروں کو اپنے پیغامات اور احکام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ پیغام پہنچانے کے لیے انتخاب کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ اپنا پیغام دیکر ملائکہ کو انبیاء کی طرف بھیجتا ہے اور انبیاء کو لوگوں کی طرف بھیجتا ہے۔ پیغام لے جانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فرشتہ ہی ہو خدا کو اختیار ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ بھیجے یا بشر کے ذریعہ۔

بے شک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں اور وہ سمیع و بصیر خوب جانتا ہے جو ان کے رد برد اور سامنے ہے اور جو ان کے پس پشت اور پیچھے ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور پیغمبروں اور تمام احوال سے اور انکے ماضی اور حال اور استقبال سے پورا پورا باخبر ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنی رسالت کے لیے منتخب کرے اللہ اَحْكَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔ اور تمام امور کا مرجع اللہ ہی کی ذات بابرکات ہے، ہر چیز کا اختیار اسی کو ہے اللہ کے سوا اختیار کسی کو نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو

وَاعْبُدُوا رَبَّكُمُ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

اور بندگی کرو اپنے رب کی اور بھلائی کرو شاید تم

تُفْلِحُونَ ﴿۴۷﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط

بھلا پاؤ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیے اسکی محنت

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ

اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں

حَرَجٍ ط مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ط هُوَ سَمُّكُمْ

کچھ مشکل۔ دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اس نے نام رکھا

الْمُسْلِمِينَ ه مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ

تمہارا مسلمان حکمدار۔ پہلے سے اور اس قرآن میں تا رسول ہو

الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ

بنانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں

عَلَى النَّاسِ ص فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

پر۔ سو کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ

وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ط هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ

اور گٹھ پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے سو خوب صاحب

وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۴۸﴾

ہے اور خوب مددگار۔

خاتمہ سورت بر غریب اعمال و تاکید اعتصام بملت اسلام

قال الله تعالى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا... الى... وَنِعْمَ النَّصِيرُ ه
(دریغ گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال اور توحید و رسالت کا اثبات فرمایا اب ان آیات میں مسلمانوں کو

اعمال خیر کی ترغیب اور دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی تاکید اکید فرماتے ہیں جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں اور اعمال خیر میں تمام خیرات و صدقات اور مکام اخلاق اور محاسن اعمال سب داخل ہیں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا جو اعمال خیر میں ایک بہترین اور افضل ترین عمل ہے اور ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ دین اسلام بہت آسان دین ہے اس پر عمل کرنا کوئی مشکل نہیں لہذا تم کو چاہیے کہ دن رات سرگرم عبادت رہو۔ اور ملت ابراہیمی پر قائم و دائم رہو اور اللہ کی رستی کو مضبوط پکڑے رہو تاکہ مولائے برحق کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ رہے اور ملت ابراہیمی اور ملت اسلام تمام اصول و فروع کے مجموعہ کا نام ہے اس پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے مضامین کو ملت ابراہیمی کے اتباع کے حکم پر ختم فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو جو انبیاء کی ہدایت سے ہماری باتوں پر ایمان لائے اگر تم ہماری رضا اور خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری عبادت اور بندگی کو اختیار کرو۔ رکوع کرو اور سجدہ کرو اور دن رات اپنے پروردگار کی بندگی میں لگے رہو اور عبادت کے علاوہ ہر خیر اور نیکی کا کام کرو جو خدا کے نزدیک نیکی اور بھلائی ہے امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ اس آیت پر امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ ہے اس سورت میں جو پہلا سجدہ گزرا وہ تو متفق علیہ ہے اور یہ دوسرا سجدہ مختلف فیہ ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ حج میں دو سجدے ہیں جیسا کہ ترمذی اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ عقبہ بن عامرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سورۃ حج میں دو سجدے ہیں آپ نے فرمایا ہاں اور جو شخص دو سجدے نہ کرے وہ اس سورت کو نہ پڑھے۔

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت پر سجدہ نہیں۔ کیونکہ اس سجدہ کا ذکر رکوع کے ساتھ ہوا ہے لہذا یہ سجدہ نماز کا ہے تلاوت کا نہیں۔

اور اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو حق ہے اس کے جہاد کا۔ ظاہری دشمن یعنی کافروں اور مشرکوں سے بھی جہاد کرو اور باطنی دشمن یعنی نفس امارہ اور نفسانی خواہشوں کے لشکر سے اور شیطان کے لشکر سے بھی جہاد کرو اور ایسا جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔ خدا نے برحق نے تم کو اپنی عبودیت اور اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب کیا ہے اور اسی لیے تم کو منتخب کیا ہے کہ تم اسکی عبودیت اور اس کے دین کی خدمت میں اپنی جان و مال اور جد و جہد کو پانی کی طرح بہا دو۔ اور خدا کے ظاہری اور باطنی دشمنوں کا مقابلہ کرو اور دین کے بارہ میں اللہ نے تم پر کوئی سنجائی اور سختی نہیں رکھی۔ خدا نے تم کو کوئی حکم ایسا نہیں دیا کہ جو تمہاری طاقت سے باہر ہو اور ضرورت کے وقت تم کو رخصتیں عطا کیں جیسے سفر میں نماز کا قصر کرنا اور بیماری کی حالت میں نسیم کرنا اور سفر اور بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا غرض یہ کہ اللہ نے فرائض اور واجبات میں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں رکھی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے الدین یسر دین اسلام بہت آسان ہے لہذا تم اپنے باپ ابراہیم کی قمت کو لازم پکڑو جو نہایت آسان ہے اور حدیث میں ہے

لے اشارہ اس طرف ہے کہ ملۃ ابراہیم منصوب علی الاغراء یعنی الزموا مقدر کا مفعول ہے اور زجاج کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں اتبعوا ملۃ ابراہیم۔ اور فرار یہ کہتے ہیں کہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی کملۃ ابراہیم وغیرہ وغیرہ۔

بعثت مع الحنیفۃ السمحة میں ابراہیم حنیف کی ملت اور آسان شریعت دیکر بھیجا گیا ہوں اور ابراہیم علیہ السلام اکثر عرب کے باپ تھے اور انکی حیات جسمانی کے سبب تھے اور انکی ملت جو آپ لیکر آئے ہیں، وہ قیامت تک کے لیے تمام عالم کے روحانی حیات کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گزشتہ کتابوں میں اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا اور مسلم اور مسلمان کے معنی فرمانبردار اور وفادار کے ہیں تو تم کو چاہیئے کہ اس نام کی لاج رکھو اور اپنے آپکو اسکے حوالہ اور سپرد کردو اور اسکے حکم کے سامنے گردن ڈال دو۔ اسلام کے معنی لغت میں تسلیم کے ہیں یعنی اپنے آپکو کسی کے سپرد کر دینے اور اسکے سامنے گردن ڈال دینے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور اگلی کتابوں میں تمہارا نام مسلمین اور مومنین اور عباد اللہ رکھا ہے۔ پس فرمانبردار بندہ بن کر دکھلاؤ تاکہ اسم با اسمی کا مصداق بن سکو اور اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تم کو یہ شرف اور امتیاز اس لیے عطا کیا تاکہ قیامت کے دن رسول خدا تم پر گواہ ہوں اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو۔ قیامت کے دن جب تمام امتیں اور انکے رسول جمع ہونگے تو وہ امتیں یہ کہیں گی کہ ہم کو پیغمبروں نے تبلیغ نہیں کی۔ پیغمبر کہیں گے کہ ہم نے انکو تبلیغ کر دی تھی، اللہ تعالیٰ پیغمبروں سے گواہ مانگے گا تو وہ امت محمدیہ کو بطور گواہ پیش کریں گے، امت محمدیہ گواہی دے گی کہ پیغمبروں نے امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو اس وقت امت محمدیہ سے سوال ہوگا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا۔ سو جواب دیں گے کہ ہم کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی تھی۔ بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکی تصدیق فرمائیں گے۔

پس اے مسلمانو! اللہ نے تم کو جو تمام امتوں میں سے منتخب کیا اور تم کو خیر الائم بنایا اور تمہارا نام ہی مسلمان رکھا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے ایک بڑے مقدمہ میں تم کو بطور گواہ کھڑا کرنا ہے تاکہ تمہاری شہادت سے تمام امتوں کے مقابلہ میں تمہاری عدالت اور فضیلت ظاہر ہو۔ پس اس عزت و کرامت کی لاج رکھنا اور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا۔ پس جب خدا تعالیٰ نے تمکو یہ فضل و شرف عطا کیا ہے تو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور زکوٰۃ و خیرات دیتے رہو اور ہر حال میں اللہ کے دین کو مضبوط پکڑے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔ لہذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو۔ اس سے تعلق رکھنے والا بندہ کبھی ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا۔ فلاح دارین کا دار و مدار اس سے وابستگی اور تعلق پر ہے اسکے بعد سورۃ مومنون آتی ہے جس کے شروع میں ان اعمال خیر کا ذکر ہے جن سے انسان کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ
الحمد لله آج بتاریخ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ روز سہ شنبہ بعد اذان ظہر بمقام جامعہ شرفیہ لاہور۔ سورۃ حج کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے بقیہ قرآن کی تفسیر بھی مکمل فرما۔ آمین یا رب العالمین۔ اور قبول فرما۔
ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہوسا کہہ کی ضمیر ہو خدا تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۱ ج ۶)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر سورہ مؤمنون ۴

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اس میں ایک سواٹھارہ یا ایک سو انیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں چونکہ اس سورت کی ابتداء مؤمنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لیے اس سورت کا نام مؤمنون ہو گیا اور یہ اوصاف درحقیقت ایمان کے اہم شعبے ہیں۔

(ربط) گزشتہ سورت کے آخر میں اعمال خیر کے کرنے کا حکم مذکور تھا وَافْعَلُوا الْخَيْرَ جس پر فلاح کا وعدہ فرمایا تھا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ اب اس سورت کا آغاز فلاح سے فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ فلاح کا دار و مدار ایمان اور ایمان کے شعبوں پر ہے اور گزشتہ سورت کے اخیر میں جن اعمال خیر کرنے کا حکم تھا اس سے یہی ایمان کے شعبے مراد ہیں جو ان کو بجالائے گا وہ فلاح پائے گا۔

نیز سورہ حج کی اس آیت فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ نُّرٍّ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ میں انسان کی پیدائش کا ذکر تھا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ۔ الی اخر الامیات۔

آیاتہا ۱۱۸ = ۲۳ = سورۃ المؤمنون مکیۃ = ۴۷ رکوعا ۶

سورہ مؤمنون مکی ہے اور اس میں ایک سواٹھارہ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو مہربان ہے بڑا رحم والا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ

کام نکال گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں بنوے

خِشْعُونَ ۲ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۳

ہیں اور جو زنجمی بات پر دھیان نہیں کرتے۔

وَالَّذِينَ هُمْ يُلْزَمُونَ ۖ فَعِلُوا ۙ وَالَّذِينَ هُمْ

اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں - اور جو اپنی

لِفُرُوجِهِمْ حِفْظُونَ ۚ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ

شہوت کی جگہ تھامتے ہیں - مگر اپنی عورتوں پر یا

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۚ فَمِنْ

اپنے ہاتھ کے مال پر سو ان پر نہیں اُلاہنا - پھر جو

اَبْتَغَىٰ وَرَأَىٰ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۚ وَ

کوئی ڈھونڈے اس کے سوا وہی ہیں حد سے بڑھنے والے - اور

الَّذِينَ هُمْ لِأَمْدَانِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رِعُونَ ۚ وَ

جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں - اور

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو اپنی نماز سے خبردار ہیں - وہی ہیں

الْوَارِثُونَ ۚ اَلَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا

میراث لینے والے - جو میراث پادیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے، وہ اسی میں

خَالِدُونَ ۝

رہ پڑے

صفات مؤمنین مفلحین

قال تعالى: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الى هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ
(ربط) گزشتہ سورت کے اخیر میں اعمال خیر کا حکم اور نلاج کی امید کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں

مؤمنین صالحین کے لیے وقوع فلاح کی خبر دیتے ہیں کہ بلاشبہ وہ مسلمان کامیاب ہیں جن میں یہ سات صفتیں پائی جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق فلاح پائی اہل ایمان نے جس کی پہلے ہی سے اہل ایمان کو اُمید اور توقع تھی اہل ایمان سے اہل تصدیق اور اہل اطمینان مراد ہے۔ اب اس بشارت کے بعد ان مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہیں۔

اول صفت خشوع

ان میں سے پہلی صفت یہ ہے جو اپنی نماز میں خشوع اور خضوع اور عجز و زاری کرنے والے ہیں یعنی ان کے دل میں اللہ کی عظمت اور ہیبت اور اس کا ادب ایسا ہے کہ جس کا اثر ظاہر ہر پر نما یاں ہوتا ہے کہ جب نماز پڑھتے ہیں تو لرزاں اور ترساں ہوتے ہیں گویا کہ اپنے خدا کو دیکھ رہے ہیں۔

دوسری صفت اعراض عن اللغو

اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ مسلمان اور اہل ایمان لغو یعنی بیکار باتوں سے اعراض کرنے والے اور مرنے پھرنے والے ہیں یعنی جس چیز کا خدا تعالیٰ سے تعلق نہ ہو اور آخرت میں کام نہ آئے اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

تیسری صفت اداء زکوٰۃ

اور تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مالی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے اصل زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں شروع ہو چکی تھی، البتہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کی تعیین مدینہ پہنچ کر ہوئی۔

چوتھی صفت عفت و عصمت

اور چوتھی صفت یہ ہے کہ جو اپنی شرمگاہوں کی ناجائز شہوت رانی سے حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی منکوحہ یا منکوحہ عورتوں کے کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے سوا یسوں پر بلاشبہ کوئی ملامت اور عہ۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ بَانْدِیَاں مراد ہیں اگرچہ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ کے ظاہری عموم میں غلام بھی داخل ہیں مگر وہ باجماع مراد نہیں اس لیے کہ لواطت بالاجماع حرام ہے ۱۲۔

الزام نہیں سو جس نے ان کے سوا یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا اپنی شہوت پوری کرنے کے لیے کوئی اور راہ ڈھونڈی سو ایسے ہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور عصمت اور عفت کے دائرہ سے باہر نکلنے والے ہیں کہ حلال کی حدود سے نکل کر حرام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایسے لوگ بلاشبہ قابل ملامت ہیں۔ شریعت نے جب تم کو بیوی اور باندی سے قضاء حاجت کی اجازت دے دی تو ضرورت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد قضاء شہوت کے لیے کوئی راہ ڈھونڈنا جیسے زنا اور لواطت اور متعہ اور جلق اور وطی بہائم وغیرہ وغیرہ یہ سب حد سے گزرنا ہے۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ حرام ہے کیونکہ زن متعہ نہ تو بیوی ہے اور نہ لونڈی ہے۔ بیوی تو اس لیے نہیں کہ مرد پر اس کا نان و نفقہ نہیں اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور باندی اس لیے نہیں کہ اس کی بیع و شراء اور ہبہ اور عتق صحیح نہیں اور جب زن متعہ نہ ازواج میں سے ہے اور نہ ماکت ایما نھم سے ہے تو لامحالہ فمعن ابتغی و راء ذلک فاولئک ہم العادون کسی عورت سے متعہ کرنا حد و شریعت سے تجاوز کرنا اور حلال کو چھوڑ کر حرام میں پڑنا ہو گا۔ جس کی تفصیل پارہ پنجم کے شروع میں گزر چکی ہے۔ غرض یہ کہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ باندی ہے اس لیے حسب آیت مذکورہ لامحالہ وہ حرام ہوگی اور اسی پر تمام صحابہ و تابعین کا اجماع ہے کہ متعہ حرام ہے اور اسی پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اگر حسب زعم شیعہ۔ متعہ کسی قسم کا نکاح ہوتا یا کوئی خیر و برکت کی چیز ہوتی تو نکاح کی طرح متعہ کے لیے بھی دعوتی خطوط اور ولیمہ وغیرہ بھی ہونا چاہیے تھا اور اعزاء اور اقارب اور احباب کو نکاح متعہ کی شرکت کے لیے مدعو کیا جاتا اور ہر طرف سے مبارکباد کی آوازیں آتیں اور سننے والے اس پر آمین کہتے۔ متعہ کو چھپا کر کرنا اور اس کے اعلان کو باعث ندامت سمجھنا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ متعہ شیعوں کے نزدیک بھی جرم ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔

پانچویں اور چھٹی صفت اداء امانت اور ایفا عہد

اور پانچویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی امانتوں کی حفاظت کرنے والے ہیں وہ امانت خواہ اللہ کی ہو یا بندوں کی ہو اور چھٹی صفت یہ ہے کہ جو اپنے عہد اور پیمان کی پوری رعایت اور نگہبانی کرنے والے ہیں امانت میں خیانت نہیں کرتے اور عہد کا پاس رکھتے ہیں عہد اور پیمان کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں آنکھ اور کان اور اعضاء اور جوارح سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو خلاف حکم خداوندی استعمال کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے اور شر مگاہ کو سوائے بیوی اور شرعی باندی کے دوسری جگہ استعمال کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے وقال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَخُونُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُونُوْا اٰمَانَکُمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُوْدُوْا الْاٰمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا۔ وَ اَوْفُوْا بِالْعٰہِدِ اِنَّ الْعٰہِدَ کَانَ مَسْئُوْلًا۔

ساتویں صفت نماز کی پابندی

اور ساتویں صفت یہ ہے کہ جو اپنی پنجگانہ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یعنی نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ ان پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے وقت پر ان کو ادا کرتے ہیں۔ شروع کلام میں نماز کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاح کا زیادہ تر دار و مدار نماز پر ہے ایسے ہی اہل ایمان جن میں ایمان کے یہ شعبے اور یہ صفتیں جمع ہوں۔ فردوس بریں کے دارست ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے اور نہ دہاں سے نکالے جائیں گے اور یہی فلاح اور کامیابی کا بلند ترین مقام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ مومنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مومنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ

اور ہم نے بنایا ہے آدمی، چن لی مٹی

طِينٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۱۳ ثُمَّ

سے - پھر رکھا اس کو بوند کر کر ایک جے ٹھہراؤ میں - پھر

خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

بنائی اس بوند سے پھٹکی پھر بنائی اس پھٹکی سے بوٹی،

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ

پھر اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت، پھر

أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝۱۴

اٹھا کھڑا کیا اُس کو ایک نئی صورت میں، سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝۱۵ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ

پھر تم اس کے پیچھے مرد گے - پھر تم قیامت کے دن

الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٦﴾ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ

کھڑے کیے جاؤ گے ۔ اور ہم نے بنائی ہیں تمہارے اوپر سات

طَرَائِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَفِيلِينَ ﴿١٧﴾ وَ أَنْزَلْنَا

راہیں اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر ۔ اور اتارا ہم

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَ

نے آسمان سے پانی ناپ کر ، پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں اور

إِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَدِيرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ

ہم اس کو لے جاویں تو سکتے ہیں ۔ پھر اُگا دیئے تم کو اس

بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّحِيلٍ ۖ وَ أَعْنَابٍ ۖ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاقِلُ

سے باغ کھجور اور انگور کے ، تم کو ان سے میوے

كَثِيرَةٌ ۖ وَ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَ شَجَرَةٌ تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ

ہیں اور انہی میں سے کھاتے ہو ۔ اور وہ درخت جو نکلتا ہے سیناء

سِينَاء تَنْبُتُ بِالذُّهْنِ ۖ وَ صَبِغٍ لِّلْأَكْلِيلِ ﴿٢٠﴾ وَ إِنَّا

پہاڑ سے ، لے اُگتا ہے تیل ، اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کو ۔ اور تم

لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ ۖ نَّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا

کو چوپایوں میں دھیان کرنا ہے ۔ پلاتے ہیں تم کو ان کے پیٹ کی چیز سے

وَ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ ۖ وَ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَ

اور تم کو ان میں بہت فائدے ہیں اور بعضوں کو کھاتے ہو ، اور

عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تَحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

ان پر اور کشتی پر لدے پھرتے ہو ۔

ذکر مبدء و معاد۔ و دلائل توحید

قال الله تعالى- وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ.... الى.... وَ عَلَى الْقُلُوبِ نُفَعْمُونَ-
(ربط) گزشتہ آیات میں اہل سعادت اور اہل فلاح کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں ان کے مبداء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

(رابطہ دیگر) کہ گزشتہ آیات میں مؤمنین مفلحین کے لیے جنت الفردوس کا وعدہ تھا تو منکرین حشر اس بات کو نہیں مانتے تھے اس لیے آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائی پیدائش کا حال ذکر فرمایا تاکہ اس کی کمال قدرت ثابت ہو اور قیامت کے لیے دلیل بنے اور انسان کو اپنا مبداء اور معاد معلوم ہو جائے۔

اب آئندہ آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بیان کرتے ہیں جس سے عابد کو اپنے معبود کی معرفت کاملہ حاصل ہو اس سلسلہ حق جل شانہ نے چار قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

(اَدَل) انسان کی پیدائش کو اور مختلف اطوار اور ادوار سے اس کے گزرنے کو اور پھر مرنے کے بعد اس کے دوبارہ زندہ ہونے کو بیان فرمایا۔

دوم) آسمانوں کی عجائب صنعت کو ذکر فرمایا کما قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقٍ
(سوم) آسمان سے پانی نازل کرنا کما قال اللہ تعالیٰ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدْرِ
(چہارم) حیوانات مختلفہ الاوضاع اور مختلف المنافع کا پیدا کرنا بیان کیا کما قال اللہ تعالیٰ وَإِنْ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ
لَعِبْرَةٌ أُولَئِكَ أَنْ تَرَوْا بِالْإِبِلِ وَالْغَنَمِ نَارًا تَلَظَّى وَلَآ يَذْكُرُونَ لَوْلَا رَبُّهُمَا هِيَ حِمٌّ وَلَبِئْسَ الْحَكِيمُ

قسم اول

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ.... اِلی.... ثُمَّ رَأَيْنَاكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ۔

اور بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرار گاہ میں یعنی رحم میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لو تھڑا بنایا پھر اس گوشت کے ٹکڑے کو ہم نے پٹیاں بنایا پھر ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اس میں روح پھونک کر اس کو ایک نئی صورت میں کھڑا کیا یعنی پھر ہم نے اس کو انسانی صورت و شکل عطا کی جس سے اس کی خلقت اور پیدائش ہی دوسری ہو گئی کہ روح پھونکنے سے وہ حرکت کرنے لگا اور سمجھنے لگا۔ جمادیت سے

نباتیت میں داخل ہوا اور پھر نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہوا اور پھر حیوانیت سے انسانیت میں داخل ہوا۔ ان عجیب و غریب تغیرات اور انقلابات میں ذرا غور کر دو کہ دوسری حالت پہلی حالت سے بالکل مغایر و مباین ہے۔

اور پھر پیدائش کے بعد سے بڑھاپے تک جو تغیرات پیش آتے ہیں وہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہیں تو کیا یہ تغیرات خود بخود پیش آتے ہیں یا کسی بے شعور مادہ اور نیچر کا طبعی اقتضاء ہے یا محض کوئی اتفاقی امر ہے یہ کچھ نہیں بلکہ صرف ایک علیم و قدیر کی کارگیری اور اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ پس بڑا ہی بزرگ ہے اللہ جو سب کاریگروں میں سب سے بہتر ہے کہ کسی صنّاع کی صنعت اور کاریگری اس کی صنعت اور کاریگری کو نہیں پہنچ سکتی نظر کہ کرد است بر آب صورت گری

اس آیت میں خالقین سے خالق حقیقی کے معنی مراد نہیں تاکہ یہ شبہ کیا جائے کہ خالق حقیقی متعدد ہو سکتے ہیں بلکہ خالق کے معنی صنّاع اور کاریگری کے ہیں۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصہ بعد بلاشبہ تم مردہ ہو جاتے ہو اور تمہارا سارا حسن و جمال خاک میں مل جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس پیدائش کے بعد تمہارا انجام موت ہے، پھر تم قیامت کے دن حساب و کتاب کے لیے اسی مٹی سے زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلی پیدائش بھی تمہاری مٹی سے ہوئی تھی اور پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی، پس جو ذات اجزاء نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ اس اجزاء منتشرہ کو جمع کر کے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ انسان کا مبداء ہی اس کے معاد کی دلیل ہے جو فلاسفہ حشر اجساد کو ناممکن سمجھتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مبداء ہی کو نہیں سمجھے ہوئے ہیں جو ذات اجزاء نطفہ میں انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان کے اجزاء منتشرہ میں دوبارہ انسان ہونے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں پس جب وہ ایک مشت خاک اور قطرہ مٹی سے ایک زندہ انسان اور متکلم انسان بنانے پر قادر ہے تو ایک زندہ اور متکلم ہستی کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اور متکلم بنانا کیا مشکل ہے لہذا جو ذات تمہاری موت اور حیات کی اور تمہارے وجود اور عدم کی مالک ہے وہی تمہارا خدا ہے جس طرح اس نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح تم کو وہ دوبارہ مرنے کے بعد پیدا کرے گا۔ اور یقین رکھو کہ تم کیسے ہی توانا اور دانا اور فلسفی اور سائنسدان بن جاؤ مگر انجام تمہارا موت ہے اور سمجھ لو کہ اس جہان کی زندگی اس جہان کی زندگی کا نمونہ ہے، سفر درپیش ہے تیاری کر لو۔ فلسفہ اور سائنس موت سے نہیں بچا سکتا۔

قسم دوم

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ۔

اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اوپر راستوں والے سات طبق پیدا کیے یعنی سات آسمان پیدا کیے ایک طبقہ کے اوپر دوسرا طبقہ جس میں فرشتوں کی آمد و رفت کی راہیں ہیں اور وہ راہیں اس قدر بلند ہیں کہ

نگاہیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور چونکہ آسمان زمین سے پانسو میل کے راہ پر ہے اس لیے دُور بین بھی وہاں کام نہیں دیتے اور کسی چیز کا دُور بین وغیرہ سے نظر آنا یہ اس شے کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا اور کسی چیز کا محض اس بنا پر انکار کر دینا کہ یہ چیز ہمارے دائرہ ادراک اور احساس سے خارج ہے۔ جہالت اور حماقت ہے۔

جن چیزوں کا انسان ادراک کر سکا وہ محدود اور قلیل مقدار میں ہیں اور جن چیزوں تک انسان کی رسائی نہیں ہوئی وہ غیر محدود اور غیر متناہی ہیں اور محدود تجربہ کی بنا پر غیر محدود چیزوں پر حکم لگانا یہ غیر محدود جہالت اور غیر متناہی حماقت کی دلیل ہے۔

اور ہم اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں آسمان اور زمین کا کوئی حال ہم سے پوشیدہ نہیں یہ تمام کائنات اس کے علم اور قدرت سے قائم اور محفوظ ہیں یہ سب ہماری مخلوق ہے ہم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

قسم سوم

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ اِلٰی وَصَبَّحْتَ لِلْأَعْلٰیٰ

اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کو زمین میں ٹھہرایا تاکہ وہ پانی تمہاری حیات اور زندگی کا سامان بنے اور جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس پانی کے لے جانے پر بھی قادر ہیں کہ زمین کو خشک اور بنجر بنادیں۔ اور تم پیاسے مر جاؤ پھر ہم نے اپنے اس نازل کردہ پانی سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ تمہارے لیے ان باغات میں کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ اور بھی بہت سے میوے ہیں۔ جن سے تم لذت حاصل کرتے رہو اور ان باغات میں سے کھاتے بھی ہو اور ہم نے اسی پانی سے تمہارے لیے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا سے بکثرت اگتا ہے جو تیل کو اور کھانے والوں کے لیے سالن کو لے کر اگتا ہے۔ وہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن نکلتا ہے جو سینہ کے امراض کے لیے غایت درجہ مفید ہے اور کھانے والوں کے لیے وہ سالن کا کام دیتا ہے یہ بڑا مبارک درخت ہے جس کے منافع کثیر ہیں اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔

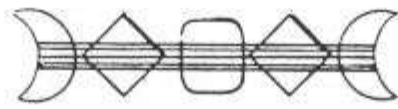
قسم چہارم

وَإِنَّ كَثْرَ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً اِلٰی وَ عَلَى الْفُلْكِ تَحْمَلُونَهُ

نباتات کے بعد حیوانات میں اپنی قدرت اور اپنی نعمت کا ذکر کرتے ہیں کہ تم ان کے گوشت اور پوست اور ان کے دودھ سے اور ان کی سواری سے نفع اٹھاتے ہو ان نعمتوں سے اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے لوگو! تحقیق ان چوپایوں میں تمہارے لیے بڑی عبرت اور نصیحت کا سامان ہے اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو خدا کی قدرت کو اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو ہم ان کے پیٹوں میں سے جو خالص دودھ نکالتے ہیں اس میں سے ہم تم کو پلاتے ہیں خدا کی عجیب قدرت ہے کہ وہ خدا فرشت اور دم یعنی گوہر اور خون کے درمیان سے تمہارے لیے ایک نہایت خوش ذائقہ اور خوش گوار اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوہر اور خون کی کوئی آمیزش نہیں ہوتی یعنی دودھ جو تمہاری غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے سولہ خدا تعالیٰ کے کون ایسا کر سکتا ہے۔ (اس مضمون کی زیادہ تفسیر سورہ نحل میں گزر چکی ہے) اور اس کے علاوہ اور بھی تمہارے لیے ان چوپایوں میں بہت سے فوائد ہیں۔ ان کے گھی اور مکھن اور صوف اور ادن وغیرہ تمہارے کام آتے ہیں اور یہ جانور تمہارے زراعت میں کام دیتے ہیں اور ان میں سے بعض جانوروں کو تم کھاتے ہو یعنی ان کا گوشت کھاتے ہو اور خشکی میں تم ان جانوروں پر سوار ہوتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور تری میں تم کشتیوں پر لدے لدے پھرتے ہو اور ان پر سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہو، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

اب آگے کشتی کی مناسبت سے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جن سے کشتی کی صنعت کا آغاز ہوا اور اس کے بعد دیگر انبیاء کرام کے واقعات ذکر فرماتے ہیں جن میں یہ بات بتلاتے ہیں کہ انبیاء کرام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین توحید اور مکذبین رسل کا کیا انجام ہوا لہذا ان کے واقعات سے عبرت پکڑو



وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس تو اُس نے کہا

يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس

غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

کے سوا۔ کیا تم کو ڈر نہیں؟ تب بولے سردار جو

كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ لَا يُرِيدُ

منکر تھے اس کی قوم کے یہ کیا ہے، ایک آدمی ہے جیسے تم، چاہتا ہے کہ

أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مِّنَّا

بڑائی کرے تم پر ، اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ ہم نے یہ

سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٣﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ

نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں ۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد

بِهِ جَنَّةٌ فَنَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ

ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اس کی ایک دقت تک ۔ بولا اے رب!

أَنْصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بَؤُونَ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ

تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو۔ کہ بنا کشتی

الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا فَاذْجَأْ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورَ

ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے، پھر جب پہنچے ہمارا حکم، اور اُبلے تنور تو

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا

تو ڈال لے اس میں ہر چیز کا جوڑا دوہرا ، اور اپنے گھر کے لوگ مگر

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي

جس کی قسمت میں آگے پڑ چکی بات ۔ اور نہ کہہ مجھ سے ان

الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ

ظالموں کے واسطے ان کو ڈوبنا ہے ۔ پھر جب چڑھ چکے تو

وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے

نَجَّيْنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَبِّ أُنْزِلْنِي

چھڑایا ہم کو گنہگار لوگوں سے ۔ اور کہہ اے رب اتار مجھ کو

مَنْزَلًا مُّبَرَّكًَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ

برکت کا اتارنا اور تو ہے بہتر اتارنے والا - اس میں نشانیاں

لَايَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۰﴾

ہیں، اور ہم ہیں جانچنے والے -

قصۃ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ.... إِلَى.... وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جو عبادت کا مستحق ہو اس لیے کہ وہی تمہارا خالق ہے کیا پس تم ڈرتے نہیں کہ اپنے خالق کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کرتے ہو کہیں وہ خالق تم کو تباہ نہ کر دے۔ اس پر اس کی قوم کے سرداروں اور صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں سے یہ کہا نہیں ہے یہ شخص جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہے مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے پیغمبری کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سردار بن کر تم کو اپنا تابع اور محکوم بنائے اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنا پیغام بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا۔ علاوہ انہیں یہ انوکھی بات ہم نے اپنے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی کہ آدمی بھی مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں صرف ایک آدمی ہے جس کو جنوں آ لگا ہے، ساری دنیا کے خلاف یہ کہتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے سو ایک وقت تک انتظار کرو۔ یا تو مر جائے اور قصہ ختم ہو یا جنوں سے ہوش میں آجائے۔ نوح علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی دعوت اور نصیحت کا رگر نہیں ہوئی اور اسی کشمکش میں نو سو سال گزر گئے تو ان کے ایمان سے مایوس ہو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے میرے پروردگار میری مدد کیجئے اور میرا بدلہ لے لیجئے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اور طرح طرح کی ایذا میں پہنچائیں یعنی ان کو غارت کر کے میرے جھٹلانے کی سزا پائیں پس ہم نے ان کی دعا قبول اور ان پر وحی نازل کی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے لہذا ایک کشتی تیار کرو تاکہ تم اور تمہارے متبعین اس کشتی میں سوار ہو کر غرق سے نجات پائیں۔ پس جب ہمارا حکم عذاب کے متعلق آپہنچے تو تنور جوش میں آجائے، یعنی تنور میں سے پانی اُبلنے لگے تو اس وقت اس کشتی میں ہر قسم کے حیوانات سے ایک جوڑا یعنی نرد مادہ دو عدد بٹھالینا جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لو مگر ان گھر والوں میں سے جس کی بابت اس کے کفر کے باعث ڈوبنے کا حکم صادر ہو چکا ہے۔

اس کو سوار مت کرو۔ اشارہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف ہے جو باوجود سمجھانے کے کفر پر قائم رہے اور یہ بھی سن لو کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارہ میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر کیا ان کی نجات کے بارہ میں کوئی حرف سفارش کا زبان پر نہ لانا تحقیق یہ لوگ ضرور غرق کیے جائیں گے۔ ان کافروں کے لیے نجات کی دعا نہ کرنا ممکن ہے کہ ان کی ہلاکت کو دیکھ کر بمقتضائے شفقت و رحمت آپ ان کے لیے دعا مانگنے لگیں تو ایسا نہ کرنا یہ لوگ دریائے ضلالت میں تو پہلے ہی غرق ہو چکے ہیں اب وقت آگیا کہ ان کو دریائے ہلاکت میں بھی غرق کر دیا جائے۔ پھر جب عذاب الہی کے ظہور کے وقت تو اور جو ایمان والے تیرے ساتھ ہیں۔ اطمینان کے ساتھ سب کشتی میں سوار ہو جائیں تو اللہ کا شکر بجالانا اور یہ کہنا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے نجات دی ہم کو ظالم قوم سے کہ ان کے درمیان سے ہم کو نکال لیا، کافروں کے درمیان میں رہنا ایک مصیبت ہے اور خدا کے دشمنوں سے علیحدہ ہو جانا اللہ کی عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

بامجاں باش دائم ہمنشین تا توانی روئے اعدا را ببین

حضرت نوح علیہ السلام کے اصحاب و احباب طوفان آنے سے پہلے ہی باطنی طور پر ایمان اور اعتقاد صحیح کے کشتی پر سوار ہو چکے تھے اس لیے صرف اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اے نوح یہ دعا تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار ہونے کے وقت بتلائی تھی اور اب جب تم کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا اے میرے پروردگار مجھے کشتی سے زمین پر اتار مبارک اتارنا، یعنی اترنا بھی برکت کے ساتھ ہو اور جس جگہ اتر دو وہ بھی برکت والی ہو۔ نزول بھی بابرکت ہو اور منزل بھی بابرکت ہو اور اے پروردگار تو تو سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے، آپ کی مہمانی میں داخل ہونے کے بعد تو کوئی خطرہ ہی نہیں بیشک نوح علیہ السلام کے اس واقعے میں اور اس معاملہ میں جو قوم نوح کے ساتھ ہوا۔ عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور ہم تو امتحان کرنے والے تھے، اس تمام ماجرے سے مقصود امتحان اور آزمائش تھا۔ سود کھلا دیا کہ ایمان اور کفر کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ایمان نجات کی کشتی ہے اور کفر ہلاکت کا طوفان اور سیلاب ہے۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

پھر اٹھائی ہم نے ان سے پیچھے ایک سنگت اور

فَارْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول اُن میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُهُ ط أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ

کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا ، پھر کیا تم کو ڈر نہیں۔ اور بولے سردار



مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَ

اس کی قوم کے جو منکر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو۔ اور

أَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا

آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کے جیتے۔ اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم،

يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾

کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو، اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا الْخِسْرُونَ ﴿٣٤﴾

اور کبھی تم چلے کہے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے۔

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں،

أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هِيَ هَاتِ هِيَ هَاتِ لِمَا تُوْعَدُونَ ﴿٣٦﴾

کہ تم کو نکالنا ہے۔ کہاں ہو سکتا ہے، کہاں ہو سکتا ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے؟

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

اور کچھ نہیں، یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہم کو

بِسَبْعُوْثَيْنِ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ يُفْتَرَى عَلَى اللَّهِ

پھر اٹھنا نہیں۔ اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے۔ باندھ لایا اللہ پر جھوٹ

كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي

اور ہم اس کو نہیں ماننے والے۔ بولا اے رب! میری مدد کر،

بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِّيُصْبِحَنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾

کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا۔ فرمایا اب تھوڑے دنوں میں صبح کو رہ جاویں گے پچھتاتے۔

فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَهُمْ غُثَاءً فَبَعْدًا

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑنے، تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا۔ سو دور ہو

لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾

جادیں گنہگار لوگ -

قصہ قوم عاد یا قوم ثمود

قال الله تعالى ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ.... الى.... فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ هـ
(ربط) ان آیات میں بھی اہم سابقہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ مگر ان آیات میں اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ کس نبی اور کس قوم کا ذکر ہے بعض کہتے ہیں کہ ہود کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود کا ذکر ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شعیب کی قوم کا ذکر ہے۔ یہ قصے پہلے گزر چکے ہیں جن کے مطالب واضح ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے قوم نوح کے بعد ابتلاء اور آزمائش کے لیے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قوم عاد مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قوم ثمود مراد ہے پھر ہم نے ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہود علیہ السلام مراد ہیں یا صالح علیہ السلام مراد ہیں۔ اور بدیں حکم بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں پس کیا شرک کر کے تم کو ڈر نہیں کہ تم پر اللہ کا کوئی عذاب آجائے، یہ تو اللہ کے رسول نے ان کو ہدایت اور نصیحت کی اب آگے ان کی قوم کا جواب مذکور ہوتا ہے اور ان کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات یعنی حشر و نشر کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دولت و ثروت دے کر دنیاوی زندگی کے عیش و عشرت میں ایسا غرق کر دیا تھا کہ اترانے لگے تھے۔ تو ان متکبرین نے اپنے رسول کی بات سن کر یہ کہا کہ نہیں ہے یہ شخص مگر تم ہی جیسا ایک آدمی ہے جس چیز سے تم کھاتے ہو اسی سے یہ کھاتا ہے اور جس سے تم پیتے ہو اسی سے یہ پیتا ہے یہ شخص تم سے کس بات میں بڑھا ہوا ہے جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اگر تم اپنے جیسے آدمی کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسی حالت میں بلاشبہ تم بڑے گھائے میں رہو گے یہ ان کافروں کی حماقت تھی کہ آخر دنیا کے حاکم اور سردار بھی تو تمہاری ہی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، پھر کیوں ان کی اطاعت کرتے ہو۔ اور اس سے بڑھ کر حماقت یہ کہ اپنے جیسے بشر کی اطاعت کو تو عیب جانا اور شجر اور حجر اور بت کی عبادت کو عیب نہ جانا جو اپنے سے مکھی کو بھی دفع نہیں کر سکتے۔ اپنے سے بدتر پتھروں کے بندے بننے میں تو عار نہ آئی اور بشر کو رسول ماننے سے عار آئی اور باوجود آیات مبینات کے دیکھنے کے دل ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ بات تو کافروں نے انبیاء کرام کے متعلق کہی کہ اپنے جیسے معمولی آدمی کو اپنا مخدوم اور مطاع بنا لینا بڑی ذلت ہے، اب آگے قیامت کے متعلق اپنا خیال

ظاہر کرتے ہیں کہ کیا یہ پیغمبر تم کو اس کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاؤ گے تو تم حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے بہت بعید ہے۔ بہت بعید ہے وہ بات جس کا تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے قیامت کا قائم ہونا اور مردوں کا قبروں سے اٹھنا بعید از عقل و امکان ہے جس کا وقوع کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہے کوئی زندگی مگر یہی ہماری دنیاوی زندگی قدیم سے اسی طرح سلسلہ جاری ہے کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہمیشہ اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ہم نہیں ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جائیں یہ شخص تو کچھ بھی نہیں مگر ایک آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ سب جھوٹ ہے اور ہم تو ہرگز اس بات کو ماننے والے نہیں اور ہمیں اس شخص کی خبر کا بالکل یقین نہیں۔ اس پر رسول نے کہا اے میرے پروردگار ان کی تکذیب اور عداوت کے مقابلہ میں میری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اپنے کفر اور تکذیب پر سخت نادم ہوں گے۔ ہم نے ان کو جو مہلت دی ہے وہ ذرا پوری ہو جائے۔ چنانچہ جب وہ مہلت پوری ہو گئی تو ایک کرخت آواز نے ان کو وعدہ برحق کے موافق پکڑ لیا کہ جبریل امین نے ایک سخت آواز دی جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح ریزہ ریزہ کر دیا۔ پس پھٹکار ہو ظالموں پر۔ جس طرح سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے، اسی طرح عذاب الہی کا سیلاب ان کو بہا کر لے گیا اور اللہ کی رحمت سے دور ہو گئے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مِمَّا بِيَمِينِهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مِمَّا بِيَمِينِهِمْ

فائدہ | یعنی کرخت آواز اور چنگھاڑ سے وہی لوگ ہلاک کیے گئے۔ (واللہ اعلم)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًاۙ اٰخَرِيْنَ ﴿۳۲﴾ مَا تَسْبِقُ

پھر اٹھائیں ہم نے ان سے پیچھے سنگتیں - اور نہ پہلے

مِنْۢ اُمَّةٍۭ اَجَلَهَاۙ وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

جادے کوئی قوم اپنے وعدہ سے نہ پیچھے رہیں - پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول

تَتَرَّاۙ كَلٰٓسًا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذِبُوْهُۥ فَاتَّبَعْنَاۙ بَعْضُهُمْ

لگا تار، جہاں پہنچا کسی امت پاس ان کا رسول اس کو جھٹلادیا پھر چلاتے گئے ہم ایک

بَعْضًاۙ وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَۙ فَبَعْدًاۙ لِّقَوْمٍۭ

کے پیچھے دوسری اور کر ڈالا ان کو کہانیاں، سو دور ہو جاویں جو لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۳﴾

نہیں مانتے ۔

قصہ بعض دیگر ائم سابقہ بطریق اجمال

قال الله تعالى ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ... إلخ... فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ .
 (ربط) ان آیات میں اجمالاً حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب اور حضرت یونس اور حضرت ایوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصوں کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ان سب کا قصہ اسی ترتیب کے ساتھ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ پھر قوم عاد یا ثمود کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے دوسری امتیں پیدا کیں انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مدت مقررہ پر ہلاک ہوئی۔ کوئی امت اپنی ميعاد ہلاکت سے نہ آگے جاسکتی ہے اور نہ اس سے پیچھے رہ سکتی ہے بلکہ ٹھیک اس وقت ہلاک ہوئے جو خدا نے ان کے لیے مقرر کر دیا تھا پھر ان کے بعد ہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کو ہلاکت میں ایک دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ یعنی تباہی اور بربادی میں ان کا تانتا باندھ دیا اور ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگایا اور ان کو پچھلی امتوں کے لیے قصہ اور افسانہ بنا دیا وہ تو ختم ہوئے اور ان کی داستانیں عبرت کے لیے باقی رہ گئیں پس لعنت اور پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لائی، جو ایمان لایا وہ اللہ کی رحمت سے قریب ہوا۔ اور جس نے کفر کیا وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کا بھائی ہارون، اپنی نشانیاں دیکر

سُلْطٰنٍ مُّبٰیِّنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلٰٓئِہٖ

اور سند کھلی، فرعون اور اس کے سرداروں پاس

فَاَسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عٰلِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْا

پھر بڑائی کرنے لگے، اور تھے وہ لوگ چڑھ رہے۔ سو بولے

اَنۡوُمِنُ لِبَشَرٍ مِّثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبْدُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا ہم مانیں گے ایک دد آدمیوں کو ہمارے برابر کے اور ان کی قوم کرتی ہیں ہماری بندگی۔

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٣٨﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا

پھر جھٹلایا ان دونوں کو، پھر ہوئے کھینے والوں میں - اور ہم نے دی

مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٣٩﴾

موسیٰ کو کتاب شاید وہ راہ پاویں ۔

قصہ موسیٰ ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام

قال الله تعالى ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ... لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ه (رابطہ) ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال اور فرعون اور اس کی قوم کی تکذیب اور ان کا غارت ہونا بیان کیا، چنانچہ فرماتے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دے کر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوئے۔ تو کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی کل قوم ہماری غلام اور تابعدار رہی ہے۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ان کے تابعدار بنیں پس فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ اور ہارون دونوں کی تکذیب کی پس ہو گئے وہ غارت شدہ لوگوں میں سے۔ اس تکذیب کی وجہ سے بحر قلزم میں غرق کر دیئے گئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کی تاکہ بنی اسرائیل ہدایت پاویں اور احکام شریعت پر عمل کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ

اور بنایا ہم نے مریم کا بیٹا - اور اس کی ماں ایک نشانی، اور ان کو ٹھکانا دیا ایک

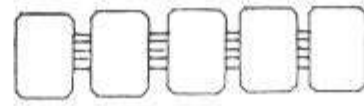
رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٤٠﴾

ٹیلے پر، جہاں ٹھہراؤ تھا اور پانی نتھرا ۔

قصہ مریم و عیسیٰ علیہما السلام

قال الله تعالى وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ه

(ربط) اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم صدیقہؑ کا نہایت اختصار کے ساتھ حال بیان کیا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا اور بغیر باپ کے ان کو پیدا کیا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اور ان کی ماں مریم کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا کہ مریم کے بغیر شوہر بچہ جننے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا تعالیٰ کی قدرت عیاں ہے اور ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور چشموں والی تھی یعنی سرسبز و شاداب تھی جہاں پانی کے چشمے جاری تھے یہ مقام شام یا فلسطین میں واقع ہے غالباً اس سے وہ ٹیلہ مراد ہے جہاں یا جس کے قریب حضرت مریمؑ کی ولادت ہوئی تھی اور آپ نے اس پر پناہ لی تھی۔ قادیان کے دھقان اول تو یہ کہتے ہیں کہ ربوہ سے کشمیر مراد ہے اور اب ان لوگوں نے اپنی ایک خاص آبادی کا نام ہی ربوہ رکھ لیا ہے جو کھلی ڈھٹائی اور بے حیائی ہے، اب اگر کوئی دیوانہ دوسجی بنائے اور ایک کا نام مسجد حرام اور دوسری کا نام مسجد اقصیٰ رکھے تو وہ بلاشبہ مجنون اور دیوانہ ہے اور جو اس کو مانے وہ اس سے بڑھ کر خبطی اور دیوانہ ہے۔ ایبٹ آباد اور کوہ مری میں سرسبز ٹیلوں کی کیا کمی ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں بھی کوئی اس قسم کا خبطی پیدا ہو جائے اور دعویٰ کرنے لگے کہ میں بھی مسیح موعود ہوں اور یہ میرا ربوہ ہے۔



يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ

اے رسولو ! کھاؤ سُتھری چیزیں اور کام کرو بھلا ،

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۖ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ

جو کرتے ہو میں جانتا ہوں ۔ اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین

أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ ۖ وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۖ ۝۵۲ فَتَقَطَّعُوا

کے ، سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو۔ پھر چھوٹ کر کر لیا

أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ

اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ۔ ہر فرقہ ، جو ان کے پاس ہے اس پر

فَرِحُونَ ۖ ۝۵۳ فَذَرَهُمْ فِي غُرَّتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ۖ ۝۵۴

ریکھ رہے ہیں ۔ سو چھوڑ دے ان کو اپنی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک ۔

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ۝۵۵

کیا خیال رکھتے ہو کہ یہ جو ہم ان کو دیتے جاتے ہیں مال اور اولاد -

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۵۶

دوڑ دوڑ ملاتے ہیں ان کو بھلائیوں، کوئی نہیں، ان کو بوجھ نہیں -

اتحادِ رسل دربارہ حکم توحید و تقویٰ و اکلِ حلال و محاسنِ اعمال و تحذیر و تخویف از مخالفت پیغمبران و ذم، متکبرین و ہوا پرستوں

قال الله تعالى - يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا... الخ... بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

(ربط) گزشتہ رکوعات میں انبیاء و رسل کے واقعات بیان کیے جن میں یہ بیان تھا کہ تمام انبیاء و رسل توحید و تقویٰ اور ایک خدائے برحق کی عبادت کے داعی تھے، اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ توحید اور تقویٰ اور اکلِ حلال اور نیک اعمال کی دعوت بھی تمام انبیاء کا دین ہے اور یہی تمام پیغمبروں کی راہ ہے اور سب رسولوں نے اس کی تعلیم دی لیکن متکبرین اور ہوا پرستوں نے نفسانی خواہشوں کی بنا پر پیغمبروں کی مخالفت کی اور دین کو پارہ پارہ کیا اور ہر ایک نے اپنا دین جدا جدا بنا لیا اور جس فرقہ نے جو طریقہ نکال لیا وہ اس پر رہنے لگا ہے خوب سمجھ لو کہ ہر زمانہ میں اللہ نے ہر رسول کو یہی حکم دیا ہے مگر ان کی امتوں نے اس میں اختلاف کیا اور مال و دولت کے نشہ میں اپنے تراشیدہ خیالات اور نفسانی خواہشوں کے پیرو بن گئے اور نئے نئے مذاہب نکال لیے۔ انبیاء کرام میں اختلاف نہیں البتہ تمہاری نفسانی خواہشیں مختلف ہیں اور یہی خرابی کا باعث ہیں۔ ان لوگوں نے انبیاء کرام کی پیروی کو تو برا سمجھا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی ان کو لذیذ معلوم ہوئی اس لیے مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے زعم پر نازاں اور فرحاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتلادیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ حق کا اتباع کریں اور اپنی نفسانی خواہش کا اتباع نہ کریں، بالفرض اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین تباہ ہو جائیں۔ لہذا لوگوں کو چاہیے کہ جس چیز پر تمام انبیاء متفق رہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس پر عمل کریں اور جن لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ان کے طریقہ پر نہ چلیں اس لیے ان آیات میں حق سے اختلاف کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھایا کرو اور کہا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور شریعت کے مطابق نیک کام کیا کرو۔ بیشک میں تمہارے اعمال سے پورا باخبر ہوں۔

یعنی اللہ نے ہر زمانہ میں اپنے رسولوں کو یہ حکم دیا کہ جو چیزیں اللہ کے نزدیک پاکیزہ یعنی حلال ہیں وہ کھاؤ اور حرام سے بچو اور نیک عمل کرو۔ اکل طیبات کے حکم میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین اسلام میں رہبانیت نہیں اور نصاریٰ کی طرف تعریض ہے کہ وہ ترک لُذائذ طیبات کو قرب الہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر رد فرمایا اور قرب الہی کا دار و مدار توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور حسن اعمال پر ہے اور ان باتوں پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے نیز اس حکم میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کھانا اور پینا نبوت کے منافی نہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ پیغمبر ہماری طرح کھاتے اور پیتے ہیں ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے کہ جو ہم ان کی اطاعت کریں جیسا کہ نوح علیہ السلام کے قصہ میں گزرا۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا جَشْرٌ مِثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ

اس لیے بتا دیا کہ فضیلت کا دار و مدار توحید اور تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ہے اور اکل حلال اعمال میں مدد اور معاون ہے اور کھانا پینا لوازم بشریت میں سے ہے نبوت کے منافی نہیں۔

اور اے رسولو! تحقیق یہ ہے کہ تمہاری ملت ایک ملت ہے یعنی ہر ملت میں توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور نیک اعمال کا حکم ہے تم سب کا دین ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ اے گروہ انبیاء تم سب ایک جماعت ہو۔ ایمان اور توحید اور تقویٰ اور اکل حلال اور صدق مقال اور نیک افعال پر تم سب متفق ہو۔ لفظ اُمت جس طرح جماعت پر بولا جاتا ہے اسی طرح جماعت کے دین اور ملت پر بھی بولا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ اِلٰہِی دین و ملت) لہذا اس آیت میں لفظ اُمت سے ملت کے معنی مراد لینا بھی صحیح ہے اور جماعت مراد لینا بھی صحیح ہے۔ اور میں ہی تنہا تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ہی ڈرو اور میرے سوا کسی طرف نظر نہ کر دپس لوگوں کو چاہیے تھا کہ سب اسی ایک دین اور ایک ملت پر متفق ہو جاتے لیکن لوگ دین کے بارہ میں مختلف اور متفرق ہو گئے اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اور خوب اختلاف کیا اور ہر ایک نے اپنا دین الگ الگ بنالیا اور ہر فرقہ اور گروہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے، ہر فرقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور اس پر خوش اور نازاں ہے حالانکہ ازاول تا آخر سب غلط ہے۔ اور مگر اہی ہے پس اے نبی آپ کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں آپ ان کو ایک زمانہ تک ان کی غفلت اور جہالت میں چھوڑ دیجئے وقت آنے پر ان کو اپنی جہالت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ کی ڈھیل کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کیا ان منکرین کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور اولاد سے مدد دیتے چلے جا رہے ہیں تو کیا ہم ان کے لیے بھلائیوں کو پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں اور طرح طرح سے ان کو نفع پہنچا رہے ہیں۔ یہ بات نہیں بلکہ وہ سمجھے نہیں کہ بات کیا ہے۔

یہ لوگ مال و اولاد کی کثرت کو اپنی فضیلت کی دلیل سمجھے ہوئے ہیں۔ بات یہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت استدراج ہے خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تاکہ ناڈ پوری بھر کر ڈوبے مگر کافر اس بات کو سمجھتے نہیں۔ حق تعالیٰ نے کافروں کو خوب کھانے پینے کو دیا۔ کھاپی کر مست ہو گئے اور سمجھے کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا بَلٰی لَا يَشْعُرُونَ یعنی یہ لوگ اللہ کے چہیتے نہیں بلکہ خدا

کے نزدیک مثل بہائم کے ہیں، سمجھتے نہیں کہ ہم کو یہ چارہ اور گھانس دانہ کیوں خوب دیا جا رہا ہے۔ مقصود ذبح کرنا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝۵۷

البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝۵۸ وَالَّذِينَ

اور جو لوگ اپنے رب کی باتیں یقین کرتے ہیں۔ اور جو لوگ

هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝۵۹ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا

اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو دیتے

آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝۶۰

ہیں اور ان کے دلوں میں ڈر ہے کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝۶۱

وہ دوڑ دوڑ لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے۔

ذکر صفات اہل صدق ایمان

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ... الی... وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ
 (۱) اللہ سے ڈرتے ہیں (۲) اللہ کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں (۳) شرک نہیں کرتے (۴) نیکیاں کرتے ہیں مگر باوجود اس کے ان کو اپنے ایمان اور عمل پر ناز نہیں بلکہ ان کو ہر وقت اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ ہمارا عمل قبول ہوگا یا نہیں۔ (۵) ان کو آخرت کا یقین ہے ایسے لوگ حق تعالیٰ کے

نزدیک مقبول اور محبوب ہیں اور سابقین اولین میں سے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) تحقیق جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حق جل شانہ کی خشیت اور

اس کی عظمت و ہیبت نے ان کو مضطرب اور بے چین بنا رکھا ہے۔

(۲) اور وہ لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) اور وہ ایسے مخلص ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ سرتاپا اخلاص اور صدق

ہیں ان کی عبادت جلی اور خفی شرک اور ریاء اور نفاق کے شائبہ سے پاک ہے۔

(۴) اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ دیتے ہیں خدا کی راہ میں جو کچھ بھی دیتے ہیں اور باوجود اس کے ان کے دل ڈرتے

رہتے ہیں کہ ان کی خیرات و صدقات یا ان کے اعمال خیر نہ ہو جائیں اور آخرت میں ان کو نفع نہ دیں۔

(۵) اور خوف کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یقین ہے کہ وہ بلا شبہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

یعنی ان کو قیامت کا یقین ہے۔ ایسے ہی لوگ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں نیکیوں بھلائیوں میں

دوڑتے ہیں یعنی بصدق شوق و رغبت اعمال صالحہ کو بجالاتے ہیں اور اس کوشش میں رہتے ہیں کہ

کوئی طاعت ان سے نہ رہ جائے اور نیکیوں میں سبقت کرنے والے اور سب سے آگے نکل جانے

والے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے حق تعالیٰ کی سعادت سابق ہو چکی ہے۔

وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر جو اس کی سمائی ہے اور ہمارے پاس لکھا ہے

يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ

جو بولتا ہے سچ - اور ان پر ظلم نہ ہو گا - کوئی نہیں، ان کے دل

فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ

بے ہوش ہیں اس طرف سے۔ اور ان کو اور کام لگے ہیں اس کے سوا

ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عَمِلُونَ ﴿۶۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيہِمْ

کہ وہ ان کو کر رہے ہیں - یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ

بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْرُونَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ

لوگوں کو آنت میں، تبھی وہ لگیں گے چلانے - مت چلاؤ! آج کے دن

إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنْصَرُونَ ۝۶۵ قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُتْلَىٰ

تم ہم سے چھڑائے نہ جاؤ گے - تم کو سنائی جاتیں میری آیتیں تو

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تُنْكِصُونَ ۝۶۶ مُسْتَكْبِرِينَ ۝۶۷

تم ایڑیوں پر اُلٹے بھاگتے تھے - اس سے بڑائی کر کر

بِهِ سِمَرًا تَهْجُرُونَ ۝۶۸

ایک کہانی والے کو چھوڑ کر چلے گئے۔

ترغیبِ اعمالِ خیر و بیانِ حالِ اہلِ طغیان

قال الله تعالى وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا وِزْرًا ۚ وَلَا تُلْهِمْ فِي شَيْءٍ مِّنْهُ سَمِيرًا ۚ تَهْجُرُونَ ۝۶۸

(ربط) گزشتہ آیات میں جن اعمالِ خیر کی مدح فرمائی تھی اب ان آیات میں ان کی ترغیب دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ افعال و اعمال جو خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اور جن لوگوں کو ان نیکیوں کی طرف رغبت نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ احکام اسلام سخت اور دشوار ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جب خدا کا عذاب دیکھتے ہیں تب ہوش آتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جن اعمالِ خیر میں اہل ایمان مسارعت اور مسابقت کر رہے ہیں، یہ اعمال کچھ دشوار نہیں بلکہ آسان ہیں اس لیے کہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے وہ بیٹھ کر پڑھ لے وغیرہ وغیرہ یعنی ہم بندہ کو اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے یعنی ہر شخص کا نامہ اعمال ہمارے پاس محفوظ ہے جو قیامت کے دن لوگوں کا حال سچائی کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی خلاف واقع اس میں کچھ نہیں لکھا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بایں طور کہ جو انہوں نے نہیں کیا وہ لکھ دیا جائے اور جو کیا ہے اس کو نہ لکھا جائے کتاب سے اس جگہ نامہ اعمال مراد ہیں جن کو قیامت کے دن خود پڑھ لیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ اَنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اور نطق سے مراد بیان اور اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ نامہ اعمال قیامت کے دن تمہارے سب کاموں کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے گا اور بدو کی اور زیادتی تمہارے اعمال کو ظاہر کر دے گا کوئی بات اس میں خلاف واقع نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ناہائے اعمال کی شہادت کے متعلق جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کفار یہ باتیں سن کر خیرات یعنی نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف رغبت نہیں کرتے بلکہ ان کے دل اس طرف سے غفلت اور حیرت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے لیے سوائے کفر اور شرک اور انکار قرآن کے اور بھی بُرے عمل ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح برابر شک اور غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولتمند اور آسودہ حال لوگوں کو آفت اور مصیبت میں پکڑیں گے تو فوراً بلبلاؤں گے۔ اور گریہ و زاری کریں گے اس وقت غفلت کا پردہ آنکھوں سے اٹھے گا اور غرور و نخوت کا سارا نشہ کا فوراً ہو جائے گا اس وقت ان کو ہماری طرف سے یہ کہا جائے گا آج تم بلبلاؤ نہیں اس میں شک نہیں آج تم ہماری طرف سے مدد نہ دیتے جاؤ گے یعنی تمہارا یہ بلبلانا اور گرہ گڑانا بے سود ہے اور تم ہمارے عذاب سے رہائی نہیں پاؤ گے۔ کیونکہ تم پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کو حقارت اور نفرت سے سنتے تھے اور تم اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاتے تھے تکبر کرتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے اور قرآن کو افسانہ اور مشغلہ بناتے ہوئے اور قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ باتیں کہتے ہوئے ایسوں کا عذاب سے بچنا ممکن نہیں جو قرآن سے اعراض کریں اور افسانوں اور نادلوں میں مشغول رہیں۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ

سو کیا دھیان نہیں کی یہ بات یا آیا ہے اُن پاس

مَا لَكُمْ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَوَّلِينَ ۚ أَمْ لَكُمْ

جو نہ آیا تھا اُن کے پہلے باپ دادل پاس۔ یا پہچانا

يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۚ أَمْ يَقُولُونَ

نہیں انہوں نے اپنا پیغام لانے والا۔ سواس کو ادپری سمجھتے ہیں۔ یا کہتے ہیں اس کو

بِهِ جَنَّةٌ ۖ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَكَثُرَهُم لِلْحَقِّ

سودا ہے۔ کوئی نہیں وہ لایا ہے ان کے پاس سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات

كَرَهُونَ ۚ وَلَوْ أَتَبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ

بُری لگتی ہے۔ اور اگر سچا رب چلے اُن کی خوشی پر، تو خراب ہوں

السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ بَلْ أَتَيْنَهُمُ

آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے بیچ ہے۔ کوئی نہیں، ہم نے پہنچائی

يَذْكُرُهُمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٤١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ

ہے ان کو نصیحت، سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے۔ یا تو اُن سے

خَرْجًا فَخَرَّاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ﴿٤٢﴾ وَ

مانگتا ہے کچھ حاصل؛ سو حاصل تیرے رب کا بہتر ہے، اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا۔ اور

إِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ

تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔ اور جو لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ﴿٤٤﴾

نہیں مانتے پچھلا گھر، راہ سے ٹیڑھے ہوئے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي

اور اگر ہم ان کو رحم کریں، اور کھول دیں جو تکلیف ہے اُن پر، مقرر لگے جادیں

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

اپنی شرارت میں بہکے۔ اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں۔ پھر

اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا

نہ دبے اپنے رب کے آگے، اور نہیں گڑ گڑاتے۔ یہاں تک کہ جب کھولیں گے

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٤٧﴾

ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا، تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی۔

بیان اسباب جہالت و ضلالت متکبرین معرضین

قال الله تعالى: أَفَلَمْ يَذَّبِرُوا الْقَوْلَ إِلَى إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ه

(رابطہ) گزشتہ آیات میں متکبرین کی جہالت اور ضلالت کا اجمالی بیان تھا، اب ان آیات میں ان کی

علیہ یہ تمام کلام تفسیر کبیر اور حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی کے کلام کی تفصیل ہے۔ ۱۲ منہ عقائد اللہ عنہ

جہالت اور ضلالت کے اسباب کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کا رد فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ کن وجہ اور اسباب کی بنا پر کفر اور انکار پر آمادہ ہوئے ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہ بتلایا کہ ان لوگوں کی گمراہی کا سبب ان پانچ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہے۔

(۱) یا تو یہ وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کیا جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ اور ہر شان میں توریت اور انجیل سے کہیں بلند اور برتر ہے اور فصحاء عالم اس کے معارضہ سے عاجز ہیں۔

(۲) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں نے آپ کی بعثت کو بدعت اور امر غریب جانا۔

(۳) یا یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ کے حال سے اور آپ کے صدق اور امانت سے واقف نہیں کہ امتی ہیں پڑھا لکھا کچھ نہیں مگر علم اور حکمت کے چشے ان کی زبان فیض ترجمان سے جاری ہیں ذرا غور تو کریں۔

(۴) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ معاذ اللہ حضور پر نورؐ۔ مجنون اور دیوانہ ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ حضور پر نورؐ تو عقل مجسم ہیں جس نے آپ کو دیکھ لیا گویا اس نے عقل کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۵) یا یہ وجہ ہے کہ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے کچھ مالی منفعت کے امیدوار اور طلب گار ہیں۔

حق جل شانہ نے کفار کی ان باتوں کو نقل کر کے سب کا جواب دیا اور بتلادیا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی اصل وجہ یہ نہیں کہ یہ لوگ قرآن کریم کے ظاہری اور معنوی اعجاز سے واقف نہیں یا آپؐ کی صداقت اور امانت سے یا آپؐ کی فہم و فراست سے واقف نہیں یا آپؐ کو پہچانتے نہیں یا آپؐ ان سے کسی مالی منفعت کے امیدوار ہیں ان میں سے انکار کی کوئی بھی وجہ نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ حسد اور بغض کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور غرور اور تکبر کی وجہ سے حق کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں اور بجائے اس کے کہ وہ حق کا اتباع کریں چاہتے ہیں کہ حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے، بالفرض اگر حق ان کی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو کارخانہ عالم درہم برہم ہو جائے۔ یہ لوگ بڑے سرکش ہیں بغیر کسی عذاب اور بلا آسمانی کے حق کے سامنے جھکنے والے نہیں۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴ ج ۳ وحاشیہ صادمی علی تفسیر جلالین)

چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو قرآن اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں اور کفر اور انکار پر نکلے ہوئے ہیں آخر اس کا کیا سبب ہے پس یا تو اس کی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس قرآن میں غور نہیں کیا تاکہ قرآن کا لفظی اور معنوی اعجاز ان پر ظاہر ہو جاتا اور جان لیتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور سرتاپا حق اور صدق ہے اور دلائل توحید اور دلائل نبوت پر مشتمل ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایسی انوکھی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی تاکہ یہ غدر کریں کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کوئی خبر ہی نہیں ان سے پہلے پیغمبر بھی آپکے ہیں اور ان پر اللہ کی کتابیں بھی نازل ہو چکی ہیں۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اور اس کی امانت اور صداقت اور فہم و فراست

کو نہیں جانا پس اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ سو یہ غلط ہے یہ سب لوگ آپ کو اور آپ کے حسب و نسب کو اور صدق و راستی اور امانت کو پہچانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ پھر انکار کی کیا وجہ۔ سوائے حسد کے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اور علماء بنی اسرائیل تو آپ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں یَعْرِفُونَہُ کَمَا یَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ اور ہر قتل شاہِ روم کا آپ کے حسب و نسب اور صدق اور امانت کے متعلق سوال کرنا اور ابوسفیان کا جواب دینا معروف و مشہور ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ کو جنوں ہے سو یہ امر بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے جن مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ آپ آراستہ ہیں اور جن کا آپ دوسروں کو حکم دیتے ہیں یہ سب آپ کے کمال عقل اور کمال حکمت کی روشن دلیل ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی باتوں کو جنوں اور دیوانگی بتلانا یہ خود جنوں اور دیوانگی ہے یہ سب باتیں غلط ہیں کچھ بھی نہیں بلکہ تکذیب کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ نبی ان کے پاس حق بات لے کر آیا ہے جس کی صحت اور حسن اور خوبی میں کسی عاقل کو کلام نہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے متنفر اور بیزار ہیں کیونکہ وہ حق بات ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے اور نفس پرستوں کا کسی چیز سے ناخوش ہونا بھی اس کے حق ہونے کی دلیل ہے عقل کا فتویٰ یہ ہے کہ حق کا پیرو بنے اور اپنی نفسانی خواہشوں کو حق کے تابع کر دے۔ اور اگر بالفرض حق ان کی نفسانی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ سب تباہ و برباد ہو جائیں یہ کارخانہ عالم عجیب و غریب حکمتوں اور مصلحتوں پر چل رہا ہے اور لوگوں کی خواہش اور اغراض مختلف ہیں اور عالم میں جو بھی فساد ہے وہ نفسانی خواہشوں کی بنا پر ہے پس ہم نے ان کو ایسی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں۔ یعنی ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس میں ان کے لیے وعظ و نصیحت ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے پاس ان کی عزت اور شرف کی چیز لائے ہیں پس وہ لوگ اپنی نصیحت کی چیز سے یا اپنی عزت و شرف کی چیز سے منہ موڑنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی نصیحت سے اور اپنی عزت اور شرف کی چیز سے روگردانی سخت حماقت ہے۔

یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ آپ ان سے کچھ مال حاصل کرنا چاہتے ہیں یا تبلیغ رسالت پر آپ ان سے اجرت چاہتے ہیں اس وجہ سے آپ پر حرص اور طمع کی تہمت رکھتے ہیں پس ان لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کی اجرت کی اور ان کے مال و دولت کی ذرہ برابر ضرورت نہیں تیرے پروردگار کا مال و دولت اور اس کا عطیہ سب سے بہتر ہے، آسمان و زمین کے خزانے تیرے پروردگار کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے آپ ان سے کیا اجرت مانگتے، آپ تو علی الاعلان فرماتے تھے قُلْ لَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ اجْرًا۔ قُلْ مَا أَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ۔

اور تحقیق آپ تو ان کو سید راستہ کی دعوت دیتے ہیں آپ کا مقصود تو آخرت ہے معاذ اللہ اجرت آپ کا مقصود نہیں اور آپ کی راہ ایسی سیدھی ہے کہ تمام عقول سلیمہ گواہی دیتی ہیں کہ وہ راہ راست ہے، اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔

اور تحقیق جو لوگ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سید راستے سے منحرف ہیں۔ اور گمراہی کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ آخرت کے راستے سے بھاگ رہے ہیں اور آنکھ بند کر کے دنیا کے راستے پر چلے جا رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی آسمانی آفتیں اور مصیبتیں سامنے آرہی ہیں مگر ہوش میں نہیں آتے۔

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور قحط کی تکلیف اور سختی جو ان پر پہنچ رہی ہے اس کو دور کر دیں تو تب بھی احسان نہ مانیں اور برابر اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں اور مصیبت کے وقت جو خدا سے وعدے کیے تھے وہ سب طاق نسیان میں رکھ دیئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا۔ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝

اور البتہ تحقیق ہم نے ان کو بعض اوقات آفت اور مصیبت اور سختی میں بھی پکڑا۔ پھر بھی یہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ بھگے اور نہ نرم پڑے اور نہ عاجزی اور زاری کی بلکہ برابر اپنی غفلت میں غرق رہے اور کفر اور مخالفت پر جسے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو فوراً اس میں ناامید اور اس توڑنے والے ہو گئے اور دل کی ساری امیدیں ختم ہوئیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ

اور اسی نے بنا دیئے تم کو کان اور آنکھیں اور دل۔

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۴۸﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي

تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو۔ اور اسی نے تم کو بکھیر رکھا ہے زمین

الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۴۹﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَ

میں۔ اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے۔ اور وہی ہے جلاتا اور

يُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۰﴾

مارتا، اور اسی کا کام ہے بدلنا رات اور دن کا۔ سو کیا تم کو بوجھ نہیں؟

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا

کوئی نہیں، یہ وہی کہتے ہیں جیسے کہہ چکے ہیں پہلے۔ کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے،

وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ؕ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۵۲﴾ لَقَدْ

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، کیا ہم کو جلا اٹھانا ہے؟ وعدہ مل چکا

وَعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا

ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے ، اور کچھ نہیں یہ

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا

نقلیں ہیں پہلوں کی ۔ تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس کے بیچ

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا

ہے ، بتاؤ اگر تم جانتے ہو ؟ اب کہیں گے اللہ کو ۔ تو کہہ ، پھر تم

تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ

سوچ نہیں کرتے ۔ تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾

اس بڑے تخت کا ؟ بتادیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈر نہیں رکھتے ؟

قُلْ مَنْ مِّنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَ

تو کہہ کس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی ؟ اور وہ بچا لیتا ہے ، اور

لَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ

اس سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ بتاؤ اگر تم جانتے ہو ۔ اب بتادیں گے اللہ کو

قُلْ فَإِنِّي تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ

تو کہہ ، پھر کہاں سے تم پر جادو پڑ جاتا ہے ۔ کوئی نہیں ، ہم نے ان کو پہنچایا سچ ۔ اور وہ

لَكَذِبُونَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ

البتہ جھوٹے ہیں ۔ اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا

مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ الذَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَ

حکم چلے ۔ یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنے بنائے کو اور

لَعَلَّابَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا

چڑھ جاتا ایک پر ایک - اللہ نرالا ہے ان کے

يَصِفُونَ ۙ ۙ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَى عَمَّا

بتانے سے - جاننے والا چھپے اور کھلے کا - وہ بہت اوپر ہے اس سے

يُشْرِكُونَ ۙ ۙ

جو یہ شریک بتاتے ہیں۔

تذکیر انعامات و ذکر دلائل قدرت برائے اثبات قیامت

قال الله تعالى وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ... إِلَى... فَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ هـ
(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کے اسباب جہالت و ضلالت کا بیان تھا اور ان سب کا اصل منشاء
حشر و نشر کا انکار تھا کہ یہ لوگ جزاء اور سزا اور قیامت کے قائل نہ تھے۔ اس لیے اب آئندہ آیات میں
اپنی نعمتوں کو یاد دلاتے ہیں تاکہ اس کا شکر کریں اور اپنی قدرت کا ملہ کے آثار کو ذکر کرتے ہیں تاکہ مردوں
کو دوبارہ زندہ کیے جانے میں شک نہ کریں اور قیامت اور جزاء اور سزا پر ایمان لے آئیں کہ جس خدا کی قدرت
کے یہ کرشمے ہیں اس کے نزدیک مردوں کا زندہ کرنا کیا بڑی بات ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار دلائل
بیان فرمائے جو دلائل وحدانیت بھی ہیں اور دلائل قیامت بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل۔ اگر حق تعالیٰ تمہارے لیے
یہ اعضاء پیدا نہ کرتا تو تم نہ سُن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے ان کے بغیر زندگی موت سے بدتر ہے تم کو یہ عجیب و غریب
نعمتیں اس لیے عطا کیں کہ تم خدا کا خوب ہی شکر کرو۔ لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو تو کیا ایسا ناشکر اس کا
مستحق نہیں کہ اس پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا جائے۔

دلیل دوم

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور پھیلایا اور تمہاری حاجتوں اور ضرورتوں کو زمین میں بکھیر دیا کہ ان کے لیے ادھر سے ادھر جا رہے ہو اور پھر قیامت کے دن اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور تم سے سوال ہوگا کہ تم نے ہماری نعمتوں کا کیا شکریا کیا۔ یہ خدا کی رحمت اور نعمت بھی ہے اور کرشمہ قدرت بھی ہے۔

دلیل سوم

اور وہ وہ ہے جو جلتا ہے اور مارتا ہے یعنی تمہاری موت اور حیات اور تمہارا وجود اور عدم سب اس کے ہاتھ میں ہے۔

دلیل چہارم

اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے دن رات کی آمد و رفت یعنی ان کا روشنی اور تاریکی میں مختلف ہونا اور ان کا گھٹنا اور بڑھنا یہ سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے ہے سو کیا تم سمجھتے نہیں کہ یہ کارخانہ کسی قادر مختار کے اختیار سے جاری ہے اور کیا ان دلائل قدرت کو دیکھ کر بھی بعث اور حشر و نشر کا انکار کرتے ہو، لیکن ان لوگوں نے اس عجیب و غریب کرشمہ کو دیکھ کر عقل سے کام نہیں لیا بلکہ انہوں نے وہی بات کہی جو انہوں نے کہی تھی عقل کو تو بالائے طاق رکھ دیا اور بولے بھلا جب ہم سر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ ان کا یہ کلام خالی خیال ہی خیال تھا کوئی دلیل عقلی نہ تھی جس سے دوبارہ زندگی کا محال ہونا معلوم ہو اور بولے یہی وعدہ یعنی دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ مگر ہم نے اس کی کوئی اصلیت نہیں دیکھی اور اب تک یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف انہوں کے افسانے اور من گھڑت قصے ہیں، انہی کی نقل یہ نبی بھی کرتا ہے۔ اے نبی آپ ان منکرین بعث سے جو مٹی سے انسان کے پیدا ہونے کو محال سمجھتے ہیں یہ سوال کیجئے کہ اچھا یہ بتلاؤ کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی ملک ہے اور کون اس کا خالق اور موجد ہے اگر جانتے ہو تو بتلاؤ۔ عنقریب مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ سب زمین مع اپنی مخلوقات اور عجائبات کے اللہ ہی کی ملک ہے اور اسی کی پیدا کی ہوئی ہے پس جب وہ یہ اقرار کر لیں تو آپ ان سے یہ کہیں کہ پھر دھیان کیوں نہیں کرتے یعنی جب تم اس کو ابتداء خالق مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں مانتے نیز آپ ان منکرین بعث سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ اچھا بتلاؤ کہ سات آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے۔

سو اس کے جواب میں بھی ضرور وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کا ہے تو پھر آپ ان سے یہ کہیے کہ پھر تم خدا سے ڈرتے کیوں نہیں کہ تم اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز بتلاتے ہو، جس ذات کی قدرت کی یہ شان ہو اسے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے نیز اے نبی آپ ان منکرین بعثت سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ بتلاؤ کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر شے کی بادشاہی اور حکومت ہے اور اس کے ہاتھ میں ہر شے کا اختیار ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے برخلاف پناہ نہیں دی جاسکتی۔ بتلاؤ اگر تم کچھ جانتے ہو وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ سب صفتیں تو اللہ ہی کے لیے خاص ہیں تو آپ ان سے یہ کہیے کہ اچھا بتلاؤ کہ پھر تم کہاں سے جادو کر دیئے گئے ہو یعنی ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ اس کی قدرت میں شک کرنے لگے اور اس کی وحدانیت میں شک کرنے لگے اور باوجود اس علم اور اقرار کے اس کے غیر کو پوجنے لگے، خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور بعثت حق ہے اور یہ اسطیقاؤاؤ ولین نہیں بلکہ ہم ان کے پاس حق اور صدق لے کر آئے ہیں۔ اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور بلاشبہ یہ مشرکین ہی جھوٹے ہیں جو خدا کے لیے شریک اور اولاد ٹھہراتے ہیں اور اس بارہ میں ان کے پاس کوئی دلیل اور برہان نہیں اللہ تو وحدہ لا شریک ہے کوئی اس کا ہم جنس نہیں اس لیے کہ اللہ نے کسی کو اولاد نہیں ٹھہرایا۔ نہ بیٹا اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو الگ لے جاتا یعنی خدائی تقسیم ہو جاتی اور ہر خدا اپنی مخلوق کو دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا کر لیتا تاکہ اس کی قدرت اور سلطنت کا علم ہو اور لوگ جانیں کہ یہ فلاں نے خدا کی مخلوق ہے اور ہرگز پسند نہ کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ مل جاوے، اس لیے کہ جب دو خدا ہوتے تو ان کی مخلوق بھی دو حصوں میں منقسم ہوتی اور ہر ایک خدا اپنی سلطنت اور ملکیت کو علیحدہ کر لیتا تاکہ دوسرا خدا اس خدا کی حدود ملکیت و سلطنت میں مداخلت نہ کر سکے ایک بادشاہ کبھی بھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ اس کی حدود سلطنت دوسرے کی حدود سلطنت کے ساتھ مل جائیں۔ ہر کارخانہ کا نشان اور مہر الگ ہوتی ہے تاکہ اس کارخانہ کی چیز دوسرے کارخانہ کی چیز سے متبیس نہ ہو سکے۔ غرض یہ کہ ایک خدا کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتا کہ دوسرا خدا اس کی ملک اور اس کے ملک میں شریک اور دخیل ہو سکے اور ایک خدا ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کی مخلوق دوسرے کی طرف منسوب ہو سکے، تمام دنیا کی سلطنتوں کا قاعدہ ہے کہ ایک بادشاہ کی حدود سلطنت دوسرے بادشاہ کی حدود سلطنت سے جدا اور ممتاز ہوتی ہیں اور ہر سلطنت کا امتیازی نشان علیحدہ ہوتا ہے پس اسی طرح اگر دو خدا ہوتے تو ہر ایک کی مخلوق اور ہر ایک کی حدود سلطنت دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتے۔ لیکن مخلوقات میں کوئی علامت فرق کی نظر نہیں آتی کہ یہ مخلوق اس خدا کی ہے اور وہ مخلوق اس خدا کی ہے معلوم ہوا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور اگر دو خدا ہوتے تو آخر کار ان دو خداؤں میں لڑائی اور جھگڑا ہوتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا اور ہر ایک اپنا غلبہ چاہتا اور اپنی جمعیت اور طاقت فراہم کر کے دوسرے پر ہلہ بول دیتا اور پھر اس لڑائی میں لامحالہ ایک دوسرے پر غالب آتا اور زور آور کمزور کو دبا لیتا۔ اور اس کا ملک اس سے لے لیتا اور دوسرا مغلوب ہو جاتا، جیسا کہ لڑائی کا انجام ہے۔ اور جو مغلوب ہو جاتا وہ خدائی کے قابل نہ رہتا اور جو ایک غالب

ہوتا وہی خدا ہوتا اور ظاہر ہے کہ دو خداؤں کی لڑائی سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور سارا جہاں تہ و بالا ہو جاتا۔ اور دو خداؤں کی جنگ میں عالم کا یہ محکم نظام ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ مگر سب دیکھتے ہیں کہ نظام عالم میں کوئی خلل اور فساد نہیں۔ اور نہ کوئی علامت فرق کی نظر آتی ہے کہ یہ چیز اس خدا کی مخلوق ہے اور وہ چیز فلاں خدا کی مخلوق ہے اور نہ کسی مخلوق پر کسی خدا کی خاص علامت ہے کہ یہ فلاں خدا کی ہے۔ پس جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور ممتاز نہیں اور نہ آپس میں کوئی لڑائی اور جھگڑا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سارا کارخانہ ایک ہی خدا کے اختیار سے چل رہا ہے اور سارے عالم کا خالق ایک ہی خدا ہے اور یہ سارا عالم ایک ہی خدا کی مخلوق ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں اسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ کسی شریک کی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۳۶ ۲۴۰) اور اس دلیل کی مفصل تقریر سورہ انبیاء کی آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اللہ منزہ ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے لیے بتاتے ہیں یعنی نہ اس کے لیے اولاد ہے اور نہ کوئی اس کا شریک ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا اول تو علو اور غلبہ کو چاہے گا کہ دوسرے پر غالب آجاؤں اور اگر بالفرض ایک خدا سے دوسرا خدا پر چڑھائی ممکن نہ ہوئی تو کم از کم وہ اپنی مخلوق کو دوسرا خدا کی مخلوق سے جدا اور علیحدہ تو ضرور کرے گا شریکت اور خلط ملط پر ہرگز راضی نہ ہوگا۔

دلیل دیگر

وہ تو غیب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب اور شہادت کا جاننے والا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے کہ اگر دو خدا ہوں تو لامحالہ دونوں عالم الغیب ہوں گے اور ہر ایک کا علم اپنے ماسوا کو محیط ہوگا تو لازم آئے گا کہ ہر خدا ایک ہی اعتبار سے محیط بھی ہوا اور محاط بھی اور یہ بات عقلاً محال ہے۔ پس وہ بالا اور برتر ہے اس سے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی قدرت بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی غیر محدود ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔

قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيْنِي مَا يُوعَدُونَ ﴿۹۳﴾

تو کہ اے رب کبھی تو دکھا دے مجھ کو جو ان کو وعدہ ملتا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۹۴﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ

تو اے رب مجھ کو نہ کر لو، ان گنہگار لوگوں میں - اور ہم کو قدرت

أَنْ تُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدْ رُودُنَ ⑨۵ اِدْفَعْ بِأَلَّتِي

ہے کہ تجھ کو دکھادیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں ۔ بُری بات کے جواب

هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ⑨۶ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ⑨۷ وَ

میں وہ کہہ جو بہتر ہے ۔ ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں ۔ اور

قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ⑨۸ وَأَعُوذُ

کہہ اے رب ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ، شیطان کی چھیڑ سے ۔ اور پناہ

بِكَ رَبِّ أَنْ يُحْضِرُونِ ⑨۹ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ

تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آویں ۔ یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ⑩۰ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا

موت ، کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیجو ، شاید کچھ میں بھلا کام کروں

فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ⑩۱ وَمِنْ

اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا ۔ کوئی نہیں ، یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے ۔ اور ان کے

وَرَأَيْهِمْ بَرَزَخُ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ⑩۲ فَإِذَا نُفِخَ فِي

پیچھے اٹکاؤ ہے جس دن تک اٹھائے جاویں ۔ پھر جس وقت پھونکے

الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ⑩۳

مارے صور میں ، تو نہ ذاتیں ہیں ان میں اُس دن ، نہ آپس میں پوچھنا ۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑩۴ وَ

سو جس کی بھاری ہوئیں تولیں وہی لوگ کام لے نکلے ۔ اور

مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

جس کی ہلکی ہوئیں تولیں سو وہی ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان

فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا

دوزخ میں رہا کریں گے۔ مارتی ہے ان کے منہ پر آگ اور وہ اس میں

كَلْحُونَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تَتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

بدشکل ہو رہے ہیں۔ تم کو سناتے نہ تھے ہماری آیتیں؛ پھر تم ان کو جھٹلاتے

تُكٰذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا

تھے۔ بولے اے رب! زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ

قَوْمًا ضَالِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

بہکے۔ اے رب! نکال لے ہم کو اس میں سے، اگر ہم پھر کریں تو

ظٰلِمُونَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اٰخُسُّوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

ہم گنہگار۔ فرمایا پڑے رہو پھٹکارے اس میں اور مجھ سے نہ بولو۔ ایک

كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُولُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ

فرق تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے! ہم یقین لائے، سو معاف کر

لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرَّحِیْمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذَ تَمَوْهُمْ

ہم کو، اور مہر کر ہم پر اور تو سب مہر والوں سے بہتر ہے۔ پھر تم نے ان کو

سِخْرِیًّا حَتّٰی اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ

ٹھٹھوں میں پکڑا۔ یہاں تک کہ بھولے ان کے پیچھے میری یاد، اور تم ان سے ہنسے

تَضَحَّكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیْ جَزٰیْتَهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوا اِنَّهُمْ

رہے۔ میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے سہنے کا، کہ وہی ہیں

هُمْ اَلْفَاۤیِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ

مراد کو پہنچے۔ فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں برسوں

سِنِينَ ۱۱۲ ﴿قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلُ

کی گنتی سے؟ بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم، تو پوچھ لے

الْعَادِينَ ۱۱۳ ﴿قُلْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْتُمْ

گنتی والوں سے۔ فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۱۱۴

جانتے ہو

تلقین دعا و آداب تبلیغ و دعوت و ذکر احوال

واہوال آخرت برائے تخویف اہل شقاوت

قال الله تعالى قُلْ رَبِّ اِمَّا تَرَيِّنِي مَا يُوعَدُونَ ---- الى ---- لَوْ اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ
(رابط) ادھر کی آیتوں میں کفار کے عناد طغیان کا بیان تھا کہ وہ بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ آپ کے منکرین پر عذاب کب آئے گا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مناسب وقت دعا کی تلقین فرماتے ہیں کہ کافروں کی ایذا رسانی اور بدکلامی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں بلکہ ان کی بدی کا نیکی سے جواب دیں اور یقین رکھیں کہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بدیر یا بسویر ضرور آکر رہے گا اور اس کے بعد قیامت کے احوال اور اہوال بیان کیے کہ اس دن ہماری آیات کے ساتھ ان کے تمسخر کا انجام ان کے سامنے آجائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ حق تعالیٰ سے یہ دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار اگر مجھ کو میری زندگی میں اس عذاب کا مشاہدہ کرا دیں جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالموں میں نہ شامل کرنا یعنی اگر وہ عذاب میری زندگی اور میری موجودگی میں نازل ہو تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اللہ کے رسول کا ظالموں کے ساتھ عذاب میں شامل ہونا قطعاً ناممکن ہے لیکن اظہار عبودیت کے لیے ایسی دعا فرمائی۔ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ خدا کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظلم کی نحوست سے عذاب عام آتا ہے جس کی لپیٹ میں بے قصور بھی آجاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ واذا اردت بقوم فتنة فتوفني غيب مفتون یعنی اے پروردگار جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کریں تو مجھ کو فتنہ سے محفوظ رکھنا اور مجھ کو ایسی حالت میں اپنے پاس بلا لینا کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

غرض یہ کہ اس دعا کی تلقین سے تواضع اور کسر نفسی کی تلقین ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے بعض مرتبہ کفر اور ظلم کی نحوست بے گناہ کو بھی پہنچ جاتی ہے۔ عذاب تو نازل ہوگا بدوں پر۔ لیکن اندیشہ ہے کہ عذاب کی کوئی چنگاری کسی بے گناہ کو نہ جا لگے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان ظالموں پر عذاب آیا تو وہ بڑا ہولناک ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے شرارے اور چنگارے کہاں کہاں تک پہنچیں سب کو اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

اور بلاشبہ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ وہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھادیں۔ اور آپ اپنی آنکھوں سے اپنے دشمنوں کی ذلت و خواری کو دیکھ لیں لیکن جب تک عذاب نہ آوے اس وقت تک آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ ان کی بدی اور برائی کا نیک خصلت کے ساتھ مقابلہ کیجیے یعنی دشمنوں کی ایذا دہی کا مقابلہ حلم و صبر اور عفو اور درگزر کے ساتھ کیجیے ہم خوب جانتے ہیں جو یہود و بکواس وہ تیری اور میری شان میں کرتے ہیں۔ آپ کو شاعر اور ساجز بتلاتے ہیں اور مجھ کو صاحب اولاد بتلاتے ہیں اور اگر مقتضائے بشریت ان کی باتوں پر غصہ آجائے تو اس طرح دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار میں پناہ لیتا ہوں تیری اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کچھ ضرر پہنچائیں اور اپنا کوئی تیر مجھ پر چلائیں۔ آگے پھر انہی کافروں کا حال بد مال بیان کرتے ہیں کہ یہ اس طرح اپنی غفلت میں رہیں گے اور کفر اور عناد سے باز نہیں آئیں گے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر پر موت آکھڑی ہوتی ہے اور عالم آخرت اسے نظر آنے لگتا ہے اس وقت اس کی آنکھ کھلتی ہے اور نادام ہو کر یہ کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں وہاں جا کر نیک عمل کروں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض اس کو واپس بھی کر دیا جائے تو تب بھی یہی کرے گا جو اب تک کرتا رہا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ۝

یہ اس کی ایک بات ہے جو کہے جا رہا ہے اور غلبہ حسرت و ندامت کی وجہ سے زبان سے کہے چلا جا رہا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس کر دو۔ مگر ہمارے یہاں اس کی کوئی شنوائی نہیں اور ابھی کیا دیکھا ہے ابھی تو موت ہی آئی ہے جسے دیکھ کر اس قدر گھبرا گیا اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آ رہا ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک پردہ ہے وہاں پہنچ کر اس پر عذاب شروع ہوگا۔ جو عذاب آخرت کا ایک نمونہ ہوگا جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہے گا یعنی اس دن تک کہ جب مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے موت سے لے کر قیامت تک جو زمانہ ہے وہ برزخ ہے۔

فائدہ | برزخ کے اصل معنی یہ ہیں کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے

ہیں اسی طرح سمجھو کہ اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان میں یہ عالم برزخ ہے موت سے لے کر حشر تک کا جو درمیانی زمانہ ہے وہ برزخ ہے اور اس کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد سے اور قیامت سے پہلے ایک نیا جہان بسایا ہے اور وہ جہان دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے، یہاں ایمان اور کفر کی اور اعمال کی جانچ پڑتال ہوتی ہے اور عذابِ آخرت کا کچھ نمونہ دکھلا دیا جاتا ہے۔ عالم برزخ کی تکلیفیں تو بطور ماحضر کے ہیں اصل عذاب اور پوری پوری سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ہوگی۔

پس عالم برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور مردے قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے تو اس دن جس مصیبت کا سامنا ہوگا وہ بیان سے باہر ہے۔ اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ ناظم باقی نہیں رہے گا اور نہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے اس روز نہ کوئی قرابت باقی رہے گی اور نہ محبت ایک دوسرے سے بالکل اجنبی ہو جائیں گے، اس روز سوائے ایمان اور عمل صالح کے کوئی چیز کام نہ دے گی، اس دن ایک میزان (ترازہ) قائم کی جائے گی جس میں ایمان اور عمل کا وزن ہوگا، سو جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا تو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار اور مشرکین تو ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ان کے مونہوں کو آگ جھلس لے گی اور وہ اس میں نہایت بد شکل ہوں گے، دانت باہر نکلے ہوئے ہوں گے اور پر کا ہونٹ سُکڑ کر سر کی کھوپڑی سے جا ملے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک آگے گا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس وقت حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا۔ کیا یہ بات نہیں تھی کہ دنیا میں تمہارے سامنے میرے قرآن کی آیتیں بار بار پڑھی جاتی تھیں پس تم ان کو جھٹلاتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اس لیے تم عذاب کے مستحق ہوئے اور یہ اس کی سزا تم کو مل رہی ہے تو وہ کہیں گے کہ پروردگار ہم پر ہماری بد بختی غالب آگئی تھی اور بے شک ہم گمراہ لوگ تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے۔ اے ہمارے پروردگار اب ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ ہم کو اس آگ سے نکال دیجئے اور ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے۔

پس اگر ہم دنیا میں جانے کے بعد پھر ایسے ہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں اس وقت جو چاہیں سزا دینا۔ مگر اس وقت تو چھوڑ دیجئے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا درد ہو جاؤ اور ذلت و خواری کے ساتھ اسی آگ میں پڑے رہو اور بولو بھی نہیں۔ اب تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں رہا کہ تحقیق دنیا میں میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا جو یہ کہا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں، پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے، یہ گروہ ہمارے خاص محبوبین اور مخلصین کا گروہ تھا۔ پس تم نے ان درویشانِ اسلام کا جو ہم سے مغفرت اور رحمت کی دعا مانگا کرتے تھے مسخرہ اور مضحکہ بنایا اور تم ان کے ساتھ مسخرہ پن اور عیب جوئی میں یہاں تک پہنچے کہ ان کے اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی سو ایسے مسخروں کو جو خدا سے دعا مانگنے والوں کے ساتھ مسخرہ پن کریں آج ان کی کوئی دعا قبول نہیں۔

اے نابکارو دور ہو جاؤ آج تمہیں بولنے کی بھی اجازت نہیں اور تم وہی ہو جو مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے تمہارے اس مسخرہ پن اور ہنسی سے اہل ایمان کا کچھ نہیں بگڑا۔ صبر کیا۔ چند روز کی تکلیف تھی گزر گئی، تحقیق آج میں ان درویشانِ اسلام کو ان کے صبر کی جزا دوں گا۔ جو انہوں نے تمہاری ہنسی پر کیا تھا اور وہ جزا یہ ہے کہ یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں اور تم ہنسنے والے سب ناکام اور نامراد ہو۔ حق کی تکذیب اور اس کا تمسخر ایسا عظیم جرم ہے کہ وہ کسی طرح قابلِ معافی نہیں۔ یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ وغیرہ فقراءِ مہاجرین کے بارہ میں نازل ہوئی جن سے سردارانِ قریش تمسخر کیا کرتے تھے اور دلداد گانِ مغربیت جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ سیدھے سادے اور پرانے وضع قطع کے مسلمانوں کے مذاق اڑانے میں کچھ کم نظر نہیں آتے۔

بعد ازاں کافروں سے بطور تویخ اور ملامت سوال ہو گا تا کہ ان کی ذلت و حسرت میں اور شدت ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کفار سے پوچھے گا تم زمین میں کتنے سال رہے اور کتنے سال ٹھہرے۔ تمہارا گمان یہ تھا کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دنیا کو فانی بتلاتے تھے ان کا تم مذاق اڑاتے تھے اب بتلاؤ کہ دنیا کی زمین پر کتنے برس زندہ رہے اور پھر قبر کی زمین میں کتنے برس مردہ رہے تو جواب میں یہ بولیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ٹھہرے ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے، یعنی فرشتوں سے دریافت کر لیجیے۔ جو اعمالِ بنی آدم کے کاتب اور ان کی عمروں کے شمار کرنے والے ہیں۔ آخرت کے ہولناک منظر نے دنیا کی طویل و عریض زندگی کو یکلخت بھلا دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا بہر حال تم نہیں ٹھہرے دنیا میں مگر بہت تھوڑے آخرت کے مقابلہ میں تمام دنیا کی زندگی قلیل ہے۔ کاش اگر تم دنیا میں دنیا کے قلیل اور فانی ہونے کو جانتے تو فانی کو باقی کے مقابلہ میں اختیار نہ کرتے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا

سو کیا تم خیال رکھتے ہو؟ کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو، اور تم ہمارے پاس پھر نہ

تَرْجِعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ

آؤ گے - سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم نہیں

إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ

اُس کے سوا۔ مالک اس خاصے تخت کا - اور جو کوئی پکارے اللہ

اللَّهُ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ

کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اُس کے پاس، سو اس کا حساب ہے

عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٤﴾ وَقُلْ رَبِّ

اس کے رب کے نزدیک۔ بیشک بھلا نہ پاویں گے منکر۔ اور تو کہہ لے رب

اَغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١١٥﴾

معاف کر، اور مہر کر اور تو ہے بہتر سب مہر والوں سے ۛ

خاتمہ سورت برہمدید اہل غفلت از حساب آخرت

قال الله تعالى: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا.... إلى.... وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ.

(ربط) اب سورت کو اہل غفلت کی تنبیہ اور تہدید پر ختم کرتے ہیں کہ جن لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی زندہ نہیں کیا جائے گا اور کسی کو کوئی جزا اور سزا نہیں ملے گی یہ گمان بالکل غلط ہے اور اس کا فلاح ان اہل ایمان کو نصیب ہوگی جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے اور خشوع و خضوع کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔

اس سورت کی ابتداء قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے فرمائی اور اِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ پر اس سورت کو ختم فرمایا۔ شروع سورت میں اہل ایمان کے فلاح اور کامیابی کی خبر دی اور اخیر سورت میں کافروں کی ناکامی اور فلاح سے محرومی کی خبر دی۔ اور وَقُلْ رَبِّ اَغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ فلاح کا اصل دار و مدار اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت پر ہے۔ لہذا اگر فلاح چاہتے ہو تو توبہ استغفار کی راہ اختیار کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم لوگ حساب و کتاب اور جزا اور سزا کے منکر ہو اور کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی لغو اور بے کار بغیر کسی حکمت اور مصلحت کے پیدا کیا اور کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد پھر ہماری طرف واپس نہیں آؤ گے اور نیکی اور بدی کی تم کو سزا نہیں ملے گی۔ تمہارے دونوں خیال غلط ہیں۔ تمام اہل عقل اور دانش جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عبث یعنی بے فائدہ اور خالی از حکمت نہیں پیدا کیا۔ اہل عقل کہتے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا۔

اور تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیامت کے دن تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور جزا سزا کچھ نہیں۔ دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے حشر و نشر کا امکان ہے اور کل انبیاء مرسلین نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے جن کا صدق دلائل قطعیہ سے واضح ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بڑا عالی شان ہے اور بادشاہ برحق ہے کہ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ پیدا کرے۔ اور بادشاہ اور سلطنت کے وفاداروں اور اطاعت شعاروں کو انعام ملنا اور بادشاہ سلطنت کے باغیوں اور غداروں اور مجرموں کو سزا ملنا لوازم سلطنت میں سے ہے اور عین حکمت اور مصلحت ہے اور کسی حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔ قانون کی پابندی سب پر لازم ہے۔

اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رب ہے عرش عظیم کا۔ جو تمام آسمانوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے پس جو عرش کا مالک ہے وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود سمجھ کر پکارے۔ جس کے معبود ہونے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں تو ایسے مشرک کا اللہ کے یہاں ضرور حساب و کتاب ہوگا اور ضرور اس کو اس کی سزا ملے گی کہ جس خدا کی وحدانیت کے بے شمار دلائل تھے اس کے ساتھ بے دلیل کسی کو شریک ٹھہرا لیا۔ ایسے شخص سے ضرور حساب لیا جائے گا اور ضرور سزا دی جائے گی۔ بلاشبہ کافروں کو فلاح اور کامیابی نہیں بلکہ ابد الابد تک عذاب میں مبتلا رہیں گے اور کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

شروع سورت میں اہل ایمان کے لیے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔ اے نبی آپ اور آپ کے تابعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ - وَاسْتَغْفِرْ لِحَقِّكَ بِالْعِشِيِّ وَالْإِبْكَارِ۔

فائدہ جلیلہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لیے ایک سریر (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنْتُمْ اَخْلَقْنَاكُمْ عَبَثًا ۚ۔

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صبح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے آخرجہ ابن السنی وابن مندہ والیو نعیم بسند حسن۔ (روح المعانی صفحہ ۶۵-۱۸۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی عبداللہ بن مسعود نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے آخرجہ الحکیم الترمذی وابن المنذر والیو نعیم فی المحلیۃ وَاخرون عن ابن مسعود۔ (روح المعانی صفحہ ۶۵-۱۸۶)

و تفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲

الحمد لله! آج بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ یوم چہار شنبہ کو بوقت عصر سورہ مؤمنون کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔
 فلله الحمد والمنة - اللهم اجعلنا من عبادك المؤمنين المفلحين الذين هم في
 صلاتهم خاشعون والذين عن اللغو معرضون والذين هم للزكوة فاعلون والذين هم لفروجهم
 حافظون والذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون والذين هم على صلواتهم يحافظون والذين
 هم للفرس وارثون آمين يا رب العالمين - رب اغفر وارحم وانت خير الرحمين وصلى الله تعالى
 على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين وعلينا معهم يا رحيم الرحمن ۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسير سورة النور

یہ سورت مدنی ہے اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں اس سورت سے زیادہ مقصود عفت اور پاکدامنی اور ستر اور نظر کے احکام بیان کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا۔

علموا نساءکم سورۃ
 النور۔
 اپنی عورتوں کو سورۃ نور سکھاؤ تاکہ عورتوں کو معلوم ہو
 جائے کہ عفت اور پاکدامنی نور ہے اور بدکاری
 ظلمت اور تاریکی ہے۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمایا کرتی تھیں۔

لَا تَنْزِلُوا النِّسَاءَ الْغُرَفَ
 وَلَا تَعْلَمُوهُنَّ الْكِتَابَةَ
 وَعَلَمُوهُنَّ سُورَةَ النُّورِ
 وَالْفِزْلِ۔
 عورتوں کو بالا خانوں میں نہ اتارو اور نہ ان کو
 لکھنا سکھاؤ یعنی ان کو تعلیم یافتہ نہ بناؤ اور ان کو
 سورۃ نور سکھاؤ (تاکہ اپنی عفت اور پاکدامنی
 کی حفاظت کریں بے حیائی سے محفوظ رہیں) اور
 ان کو سوت کا تناسکھاؤ۔

(تفسیر قرطبی ص ۱۵۸ ج ۱۲)

گزشتہ سورت کے شروع میں مؤمنین کے اوصاف اور ایمان کے شعبوں کا ذکر
 خلاصہ و ربط | فرمایا جن میں وَالَّذِينَ هُمْ يَفْرُوجِهِمْ حِفْظُونَ سے شعبہ عفت و
 پاکدامنی کو ذکر فرمایا جو ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے اور اس کے ساتھ فرمایا تَهَا فَمِنْ ابْتَغَىٰ وَرَأَىٰ ذَٰلِكَ
 فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُودُ جس میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو اپنی منکوحہ یا اپنی کینز پر قناعت نہ کرے وہ

حدود الہیہ سے تجاوز نہ کرنے والوں میں سے ہے اس لیے اب اس سورت میں اول زیادہ تر ان احکام کا بیان ہے جو زنا اور عفت اور پاکدامنی اور پاک نظری اور معاشرہ سے متعلق ہیں تاکہ بندہ حد سے نہ نکل جائے اور اخروی فلاح سے اور جنت الفردوس کی وراثت سے محروم نہ ہو جائے، اب اس سورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ النور ہوا کہ عفت اور پاکدامنی سے اور نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو دار عز و (دنیا) سے متنفر اور بیزار اور دار بقاء کا مشتاق اور عاشق زار بنا کر چھوڑتا ہے اور یہی نور ایمانی قیامت کے دن پلصراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ اور پلصراط پر جب منافقین کا نور بجھ جائے گا تو اہل ایمان کو ڈر ہوگا کہ کہیں ہمارا نور ایمان نہ بجھ جائے اس لیے وہ اس نور کے اتمام کی دعا کریں گے اور یہ کہیں گے۔ رَبَّنَا آتِنَا نُورَنَا وَاعْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

اس لیے ان احکام عفت و عصمت کے بیان کے بعد۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ سے نور ہدایت کو بیان فرمایا اور بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور کہاں ملتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے یعنی مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے اور اس کی عبادت سے ملتا ہے۔ اس کے بعد۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فِيْ اَعْمَالِهِمْ كَسْرَابٍ سے کفر کی ظلمتوں اور تاریکیوں کو بیان کیا۔ کیونکہ نور کی ضد ظلمت ہے۔ اہل ایمان کے اعمال نورانی ہیں اور کافروں اور منافقوں کے اعمال ظلماتی ہیں۔ اس کے بعد اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اور سے کچھ دلائل توحید بیان کیے جس سے اشارہ اس طرف فرمایا کہ باطنی ظلمتوں کے ازالہ کے لیے توحید اور تسبیح و تحمید سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں۔ بعد ازاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ وَمَنْ يُّطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللّٰهَ وَيَتَّقْهُ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اول ایمان اور اطاعت کی اخروی کامیابی کو بیان فرمایا اور اس کے بعد وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ میں ایمان اور اعمال صالحہ کے دنیوی ثمرہ کو بیان کیا کہ ہم مومنین صالحین کو اپنے نبی کا جانشین کریں گے اور روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ان کو عطا کریں گے۔ اس کے بعد چند آداب معاشرت اور آداب مجلس کی تعلیم دی جس میں اللہ کے رسول کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنے کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور پھر توحید اور آخرت کی یاد دہانی پر سورت کو ختم فرمایا، یہ اس سورت کے مضامین کا اجمالی بیان ہے اور اس سورت میں عفت اور پاکدامنی کے ذیل میں جو احکام بیان فرمائے ان میں وہ حصہ جس کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق کے قصہ انک سے ہے وہ ایک خاص شان امتیازی رکھتا ہے، اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اس قصہ کی وہی شان ہے جو حضرت مریم صدیقہ کے قصہ کی شان ہے جس کی تفصیل سورۃ مریم میں گزری اور جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور

اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیقؓ کی عفت و عصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہؓ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت و عصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔

ایاتہا ۶۴ = سُورَةُ النُّورِ مَدَنِيَّةٌ = ۱۰۲ رُكُوعَاتُهَا ۹

سورہ نور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

ایک سورت ہے ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی، اور اتاریں اس میں باتیں صاف

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ①

شاید تم یاد رکھو -

تمہید اجمال احکام سورت دربارہ عفت و عصمت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے اتارا ہے۔ جو عفت اور عصمت کے احکام پر مشتمل ہے، جیسے حد زنا اور حد قذف اور حکم لعان اور حکم استیذان اور حکم غض بصر۔ یعنی نظر اور بصر کو نامحرموں کو دیکھنے سے محفوظ رکھنے کا حکم وغیرہ وغیرہ۔ اور ہم نے ان احکام کو مقرر کیا ہے۔ یعنی یہ احکام ہمارے نازل کردہ اور مقرر کردہ ہیں ان میں کوتاہی نہ کرنا، یا یہ معنی ہیں کہ ان احکام کو ہم نے فرض اور لازم کیا ہے۔ تم پر ان احکام کی تعمیل لازم ہے اور ہم نے اس سورت میں تمہارے لیے واضح اور روشن آیتیں نازل کیں جو ایسی ہدایتوں اور نصیحتوں پر مشتمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے تمہارا دل منور ہو جائے۔ شاید نصیحت پکڑو اور سمجھو کہ بدکاریوں اور بے حیائیوں سے دل کا نور رخصت ہو جاتا ہے اور جانو کہ نفس کی تطہیر بغیر ان حدود اور تعزیرات کے ممکن نہیں کہ جو تم کو اس سورت میں بتلادی گئیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سورت میں معاشرہ کا دستور العمل بتلادیا کہ زنا سے بچو اور عورتوں کو بے حجابی

سے بچاؤ اور بے دھڑک اور بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں کس حال میں ہے یہ چیزیں معاشرہ اور تمدن کو خراب کرنے والی ہیں۔ اب اس تمہید کے بعد احکام کی تفصیل شروع فرماتے ہیں اور چونکہ تمام ردائل میں خبیث ترین اور سب سے زیادہ گندہ فعل زنا ہے اس لیے اس سورت کے احکام کی ابتدا حکم زنا سے فرمائی کیونکہ زنا سے حسب و نسب کا نظام درہم دبر ہم ہو جاتا ہے اور قریبتوں کا فرق ملتبس اور مشتبه ہو جاتا ہے جس پر نکاح اور میراث کا دار و مدار ہے، دینی اور دنیوی فلاح اور کامیابی بغیر عفت اور پاکدامنی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو بار ایک ایک کو دونوں میں سے ، سو

جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ

چوٹ قچی ۔ اور نہ آدے تم کو ان پر ترس ، اللہ کے حکم چلانے میں ۔ اگر

كُنْتُمْ تَوَاقُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْشَهِدَ

تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر ۔ اور دیکھیں ان کا

عَذَابُهَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ②

مارنا ، کوئی لوگ مسلمان

حکم اول حد زنا

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً ... إِلَى ... طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد سو ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو درے مارو۔ اور اے مسلمانو! تم کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ان دونوں پر رحم اور ترس نہ آنا چاہیے کہ

علہ۔ اس تعبیر میں سورہ مؤمنون کے آغاز قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الخ اور اس کے خاتمہ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

الْكَافِرُونَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ۔ منہ عفا اللہ عنہ،

رجم کھا کر ان کو چھوڑ دو یا ان کی سزا میں کچھ کمی کر دو دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔

اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوئے ہو تو حکم الہی کو پوری طرح جاری کرو اور اس میں نرمی اور سستی نہ کرو ورنہ خدا تعالیٰ آخرت میں تم سے سوال کرے گا کہ تم نے ہمارے قانون کے جاری کرنے میں لوگوں کی رعایت سے سستی اور بزدلی دکھلائی۔ اللہ کا حق یہ تھا کہ اس کی تعمیل میں ہمت اور دلیری سے کام لیتے اور جب تم یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اس دن کی باز پرس سے ڈرنا چاہیے تھا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ کی مقرر کردہ حد کو بلا کسی رعایت کے پوری طرح جاری کرو اور چاہیے کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے تاکہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس سزا کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ اس فضیحت کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں۔ اگر کسی بند مکان میں یہ سزا جاری کی گئی تو یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔ اور یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد عاقل اور بالغ اور غیر شادی شدہ ہو۔ ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں غیر محسن کہتے ہیں اور جو شخص شادی شدہ ہو اور ہمبستری بھی کر چکا ہو ایسے شخص کو محسن کہتے ہیں اس آیت میں غیر محسن یعنی غیر شادی شدہ کی سزا کا ذکر ہے کہ اس کے سو کوڑے مارے جائیں اور جو شخص محسن ہو یعنی جس کا نکاح ہوا ہو اور وہ ہمبستری بھی کر چکا ہو تو اس کی سزا رجم سنگسار کرنا ہے یعنی سب کے سامنے اس کے پتھر مارے جائیں یہاں تک کہ وہ مرجائے جیسا کہ سورہ مائدہ میں بحوالہ تورات یہ گزر چکا ہے۔ وَكَيْفَ يُحْكِمُؤُنْكَ وَعِنْدَ هُمْ التَّوْرَةُ فَمِنْهَا حُكْمُ اللَّهِ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت پر جو شادی شدہ تھے زنا کی سزا میں ان کو بحکم تورات رجم سنگسار کیا اور سب نے طوعاً و کرہاً اس کو قبول کیا کہ تورات میں شادی شدہ زنا کار کا حکم رجم سنگسار کرنا ہے اور علی الاعلان رجم کی سزا جاری کی گئی اور اسی بارہ میں سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی۔ جس میں رجم کی سزا کو حکم اللہ کہا گیا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے بارہ میں رجم کا فیصلہ فرمایا تو یہ ارشاد فرمایا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذَا اَمَّا تَوَجَّخُوا فَاِیْمِنْهُمْ پھلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم (رجم) کو زندہ کیا جب کہ وہ مٹا چکے تھے بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی شادی شدہ زانیوں کو رجم کی سزا دی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ فرمایا اور پھر اس واقعہ یہود کے بعد جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں آپ نے زانی محسن کو رجم کی سزا دی اور اس بارہ میں اس قدر احادیث مروی ہیں کہ ان کا قدر مشترک بلاشبہ تواتر معنوی کو پہنچا ہوا ہے اور حضور پُر نورؐ کے بعد خلفاء راشدینؓ کا بھی یہی عمل رہا اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نے اور خلفاء راشدین کے عمل نے یہ واضح کر دیا کہ تورات میں جو رجم کا حکم تھا وہ شریعت محمدیہ میں حسب سابق باقی ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا میں قتل کا حکم قرآن حکیم میں بحوالہ تورات بیان کیا گیا ہے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ اِسی طرح رجم کے حکم کو سمجھو۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت میں جو سو کوڑے لگانے کا حکم مذکور ہے وہ اس بدکار مرد اور عورت کا ہے کہ جو غیر شادی شدہ ہوں اور جو مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور وہ بدکاری کریں تو ان کا حکم رجم (یعنی سنگسار کرنا ہے)۔

جیسا کہ احادیث صریحہ اور متواترہ سے اور خلفاء راشدین اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے جس میں نہ مجال انکار کی ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے (دیکھو احکام القرآن للجصاص ص ۲۶۳ ج ۳) بخاری اور مسلم وغیرہ میں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے آخری حج سے واپسی کے بعد اور اپنی شہادت سے ایک ماہ قبل طویل خطبہ دیا جس میں یہ ارشاد فرمایا۔

ان الله بعث محمداً صلى الله عليه وسلم بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله آية الرجم فقرأنا ها وعقلنا ها ودعينا ها رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجمنا بعده فاخشي ان طال بالناس زمان يقول قائل والله ما نجد آية الرجم في كتاب الله فيضلوا بترك فريضة انزلها الله والرجم في كتاب الله حق على من زنى اذا اُحصن من الرجال والنساء اذا قامت البيّنة او كان الحمل او الاعتراف۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیکر بھیجا اور ان پر قرآن اتارا اور اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے رجم کی آیت بھی اتاری پس ہم نے اس آیت رجم کو پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا اور اس کو یاد رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں رجم کے حکم پر عمل کیا اور آپ کی وفات کے بعد ہم لوگوں نے یعنی صحابہ نے رجم کے حکم پر عمل کیا اور اس حکم کو جاری کیا۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا یہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پھر گمراہ ہوں ایک فرض کے ترک سے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتارا (یعنی آیت رجم کی تلاوت اگرچہ منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم باقی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو رجم کا حکم نازل فرمایا وہ بالکل حق اور درست ہے اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہے کہ جو مرد یا عورت شادی شدہ ہو۔ اور وہ زنا کرے اور وہ زنا کو اہی سے ثابت ہو جائے یا حمل سے ظاہر ہو جائے یا مرد یا عورت کے اقرار سے ثابت ہو جائے تو ایسے زنا کار مرد اور عورت کا رجم از روئے کتاب الہیہ کے حق اور درست ہے۔

علہ۔ قال ابو بکر وقد انكرت طائفة شاذة لا تعد خلافا للرجم وهم الخوارج وقد ثبت الرجم عن النبي صلى الله عليه وسلم بفعل النبي صلى الله عليه وسلم وبنقل الكافة والجزء الشائع المستفيض الذي لا مساع للشك فيه۔ واجمعت الامة عليه فردى الرجم ابو بكر وعمر وعلي وجابر بن عبد الله والبوسعيد الخدرى والبهريرة وبريدة الاسلمى وزيد بن خالد في آخرين من الصحابة وخطب عمر فقال لولا ان يقول الناس زاد عمر في كتاب الله لا ثبت في المصحف آه كذا في احكام القرآن للجصاص ص ۲۶۳ ج ۳

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا پوری آیت اس طرح ہے۔
 الشيخ والشيخة اذا زنيا
 فارجموهما البتة نکالا
 من الله والله عزيز حكيم
 اخرجہ النسائي وصححه الحاكم
 دیکھو فتح الباری ص ۱۲۶ باب
 الاعتراف بالزنا۔
 ان عمر بن الخطاب خطب الناس
 فقال لا تشكوا في الرجم فانه حق۔
 (فتح الباری ص ۱۲۶)

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ
 رجم کے حکم میں شک نہ کرنا۔ اس لیے کہ رجم
 کا حکم بلاشبہ حق ہے۔

اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ
 عمرؓ نے قرآن میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا تو میں اپنے ہاتھ سے قرآن کے حاشیہ میں یہ آیت لکھ دیتا۔
 الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزيز حكيم۔
 (دیکھو فتح الباری ص ۱۲۶)

بے شمار روایتوں سے ثابت ہے کہ آیت رجم جو اوپر مذکور ہوئی وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔
 تلاوت اگرچہ اس کی منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم بالاجماع باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت
 کے موافق عمل کیا اور آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اور صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا۔
 حضرت عمرؓ نے اپنی وفات سے پہلے بار بار رجم کے حکم کا اعلان فرمایا۔ مقصود یہ تھا کہ رجم کا حکم اللہ کی
 طرف سے قرآن میں نازل ہوا، اور اب اگرچہ اس آیت کی تلاوت منسوخ ہے مگر اس کا حکم بدستور باقی ہے
 اور اس حکم سے اعراض اور انحراف گمراہی ہے (دیکھو زرقانی شرح موطا ص ۱۴۵)

حضرت عمرؓ کو ڈر یہ تھا کہ آئندہ چل کر کچھ لوگ ایسے پیدا نہ ہوں کہ جو رجم کے حکم کا انکار کریں اور یہاں یہ
 بنائیں کہ رجم کا حکم صراحتہ قرآن میں موجود نہیں اس فتنہ کے انسداد کے لیے بار بار آیت رجم کا برسر منبر اعلان
 فرمایا تاکہ آئندہ چل کر کسی کو رجم کے انکار کی مجال نہ رہے۔

حضرات اہل علم تفصیل کے لیے فتح الباری باب الاعتراف بالزنا اور باب رجم الجہلی کی مراجعت
 کریں۔ حافظ عسقلانی نے ان ابواب کی شرح میں حضرت عمرؓ کے خطبہ کے بارے میں جو روایتیں وارد
 ہوئی تھیں ان کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

نیز زرقانی شرح موطا امام مالک ص ۱۴۵ ج ۴ کتاب الحدود دیکھیں جس میں آیت رجم کا ذکر ہے۔

اور امام بخاری نے جامع صحیح میں کتاب المحاربین کے ذیل میں رجم پر مختلف ابواب اور تراجم قائم فرمائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ رجم محسن کا حکم قطعی اور یقینی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا کہ آئندہ زمانہ میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم رجم کا حکم صراحتہ کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ حضرت عمرؓ کا یہ گمان صحیح نکلا اور خارجیوں نے یہی کہہ کر رجم کے حکم کا انکار کیا کہ قرآن میں تو صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ رجم۔ سنگسار کرنے کا حکم مذکور نہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زور بصیرت سے پہلے ہی اس فتنہ کو دیکھ لیا اور اس کا انسداد فرما دیا اور اس شدت کے ساتھ حکم رجم کا اعلان فرمایا کہ آئندہ چل کر کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔

شریعت کے جن طرح تمام احکام حکمت اور مصلحت پر مبنی ہیں اسی طرح زنا کے بارہ میں جو حکم دیا گیا وہ بھی سراسر حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

زنا کے بدترین خصلت ہونے میں تو کسی عاقل کو شبہ ہی نہیں۔ شریعت نے اس بیجائی کے انسداد کے لیے یہ حکم دیا کہ اگر زنا کار غیر شادی شدہ ہے تو اس کو اس نفسانیت کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں مگر اس کو مارا نہ جائے بلکہ سزا دے کر اسے زندہ رہنے دیا جائے اور اگر یہ حرام کار شادی شدہ ہے تو اب اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حرام کاری میں مبتلا ہو اس لیے شریعت نے ایسے شخص کے رجم کا حکم دیا تاکہ ایسے خبیث کے وجود سے اللہ کی زمین ہی پاک ہو جائے۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ

بدکار مرد نہیں بیاہتا مگر عورت بدکار یا مشرک دلی۔ اور بدکار عورت

لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى

کو بیاہ نہیں لیتا مگر بدکار مرد یا مشرک دالا۔ اور یہ حرام ہوا ہے،

الْمُؤْمِنِينَ ③

ایمان والوں پر۔

حکم دوم نکاح زانی و زانیہ

قال الله تعالى: الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً إلخ۔ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (ربط) گزشتہ آیت میں زنا کی سزا کو بیان کیا اب آئندہ آیت میں زنا کے متعلق ایک دوسرا حکم

بیان کرتے ہیں، آئندہ آیت میں اول زنا کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں کہ زنا ایسی خبیث اور گندی چیز ہے جس سے آدمی کی طبیعت ہی خبیث اور گندی بن جاتی ہے کہ خبیث ہی چیزوں سے رغبت کرنے لگتی ہے اور اس کے بعد زنا کے متعلق یہ حکم بیان کیا کہ مومنوں کے لیے زانیہ اور مشرک سے نکاح کرنا حرام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی عورت سے جو زنا کو برا نہیں سمجھتی یا مشرک عورت سے اور زنا کرنے والی عورت سے کوئی نکاح نہیں کرنا چاہتا مگر زنا کرنے والا مرد یا مشرک مرد جس کے دل میں زنا اور شرک کی نفرت نہ رہی ہو مطلب یہ ہے کہ زنا ایسی بُری خصلت ہے کہ اس کی وجہ سے زنا اور شرک سے نفرت نہیں رہتی اور یہ کام یعنی زانیہ اور مشرک سے نکاح کرنا مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا ہے ایک مومن، مومن رہتے ہوئے یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ جان بوجھ کر ایک بدکار عورت یا کافر عورت سے جو اپنی بدکاری اور کفر پر مُصر اور قائم ہو۔ ازدواجی تعلق قائم کرے جب اس کو یہ علم ہے کہ یہ عورت بدکار ہے اور اپنی بدکاری پر قائم ہے اور اس بدکاری سے باز نہیں آتی تو ایسی عورت سے نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ بے غیرت اس بات پر راضی ہے کہ اس کی عورت بدکاری کرتی رہے اور یہ اُسے کچھ نہ کہے۔ شریعت میں اس بے غیرتی کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نکاح کے حلال اور جائز ہونے کی شرط یہ بتلائی ہے کہ وہ عورتیں عقیف اور پاکدامن ہوں بدکار اور زنا کار اور آشنا بنانے والی نہ ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَ أَجَلَ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ مُحْصِنَاتٍ غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ وَلَا تُمْسِكُوا بِأَخَافٍ۔

قال الامام النسفی واصح الاقاویل
فی هذه الآية الشریفة
انها تنهى فی حق
نکاح البغایا و تاویل ذلك
ان اهل الاسلام والايمان
سیبتلیهم ان لا یرغبوا الا
فی المسلمات العقیفات و
اما الزانی فانما یمیل الی کل
من كان علی مذهبہ فی
الزنا او الی من لا یعتقد الايمان
فضلا عن ان تفکر فی
التعفف والزانیة ایضا
انما تمیل الی احد الرجلین
اما زانی او الی مشرک

امام نسفی فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر
میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس
آیت کا مقصود بدکار اور زنا کار عورتوں سے
نکاح کرنے سے نفرت دلانا ہے اور مطلب
یہ ہے کہ اہل ایمان اور اہل اسلام کا طریقہ یہ
ہے کہ سوائے مسلمان پاکدامن عورتوں کے کسی
عورت سے نکاح کی طرف راغب نہ ہوں۔
اس لیے کہ زانی اور بدکار مرد کا میلان اور
رغبت اسی عورت کی طرف ہوتا ہے کہ
جو زنا اور بدکاری میں اس کے مذہب پر ہو
یا اس عورت کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے
جو سرے سے ایمان ہی کی قائل نہ ہو۔ چہ جائیکہ
وہ عفت اور پاکدامنی میں کچھ غور و فکر کرے
اور علیٰ ہذا القیاس زانیہ اور بدکار عورت کا

شر منها۔

میلان دو شخصوں میں سے کسی ایک شخص کی
طرف ہوتا ہے یا تو زانی مرد کی طرف یا کسی کافر
اور مشرک مرد کی طرف جو زانی سے بھی بدتر ہے
اور کسی حلال و حرام کا قائل نہیں۔

حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی
(ص ۱۴ ج ۳)

مثلاً

اس آیت کے ظاہر کی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ اس طرف گئے کہ پارسا مرد کا نکاح
زانیہ عورت سے صحیح نہیں اور اسی طرح پارسا عورت کا نکاح زانی اور فاجر مرد سے
جائز نہیں یہاں تک کہ وہ صحیح تو بہ کرے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ و جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ زانیہ
اور فاجرہ عورت جو زانیہ پر مصر ہو نکاح کرنا تو ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر وہ نکاح کر لے تو وہ نکاح فی حد ذاتہ
درست ہے۔

اور بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ ایک بدکار عورت نے جس کا نام ام مہزول تھا اس نے ایک مسلمان
سے نکاح کرنا چاہا تو اس مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی۔ تو اس پر یہ آیت
نازل ہوئی۔

عجب نہیں کہ جس طرح ابتداء اسلام میں مشرک سے نکاح جائز تھا اسی طرح زانیہ سے بھی نکاح جائز ہو
مگر اس آیت کے نزول سے زانیہ سے نکاح کرنا حرام اور ناجائز ہوا حرمت اور بطلان میں فرق ہے حرام
ہونے سے باطل ہونا لازم نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک زانیہ سے نکاح باطل ہے اور جمہور علماء کے
دیکھنا کہ زانیہ اور اہل کتب کی کافرہ سے نکاح کرنا تو ناجائز ہے لیکن اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح درست
ہو جائے گا۔ شاید نکاح اس زانیہ کی عفت اور پاکدامنی کا سبب بن جائے جیسے یہودیہ اور نصرانیہ سے بلا ضرورت نکاح کرنا
جائز نہیں لیکن اگر کر لیا تو نکاح درست ہو جائیگا شاید یہ نکاح اس یہودیہ اور نصرانیہ کے اسلام کا سبب بن جائے اور اہل کتاب
کی عورتوں سے نکاح کی تفصیل سورہ مائدہ میں گزر چکی۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید دایوں کو۔ پھر نہ لائے چار مرد شاہد،

فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً

تو مارو ان کو اسی چوٹ قہجی کی، اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی۔

أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۳ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن

اور وہی لوگ ہیں بے حکم۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اس

بَعْدَ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ⑤

پیچھے اور سنوار پکڑی۔ تو اللہ بخشتا ہے مہربان۔

حکم سوم حد قذف

قال الله تعالى: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ.... إلخ.... فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

گزشتہ آیت میں زانیہ سے نکاح کی حرمت بیان کی اب اس آیت میں کسی پر زنا کی تہمت لگانے والے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جو کسی پر بغیر ثبوت کے زنا کی تہمت لگائے اس کی کیا سزا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر ان کے زنا کے ثبوت پر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسٹی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو ایسے ہی لوگ خدا کے نزدیک فاسق ہیں کہ انہوں نے ایک پاکدامن کو بے آبرو کیا اور بلا ثبوت کے اس پر زنا کی تہمت لگائی مگر جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق معاف کر دیا اور فسق کا نام ان سے اٹھ گیا مگر توبہ کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی اس لیے کہ وہ بندہ کا حق ہے توبہ کرنے سے اس کو یہ فائدہ پہنچا کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قذف یعنی تہمت لگانے کا جو گناہ اس کے ذمہ تھا۔ وہ توبہ سے رفع ہو گیا۔ باقی رہی حد۔ سو یہ اس کی دنیوی سزا ہے کہ تم نے کسی پاکدامن کو بلا ثبوت کے کیوں بے آبرو اور خوار کیا یہ اسٹی کوڑے بلا ثبوت تہمت کی دنیوی سزا ہے جس سے مقصود دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔ یہ سزا توبہ کرنے سے بالاجماع ساقط نہیں ہو سکتی۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ توبہ کرنے کے بعد فسق کے دائرہ سے توبہ باہر ہو جائے گا مگر اس کی شہادت اور گواہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد اس کے فسق کا حکم بھی ختم ہو جائے گا اور عدم قبول شہادت کا حکم بھی اس سے اٹھ جائے گا۔

فائدہ | جاننا چاہیے کہ اس آیت میں قَازِفٌ یعنی تہمت لگانے والے کے تین حکم مذکور ہیں۔ ایک شَمَانِيْنَ جَلْدًا یعنی اسٹی کوڑے لگانا۔ دوم لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا یعنی اس کی کوئی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ سوم اُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ایسے لوگ فاسق ہیں۔ اب تین حکموں کے بعد تائیین کا استثناء فرمایا اِلَّا الَّذِينَ تَابُوا۔ تو علماء نے اختلاف کیا کہ یہ استثناء تین حکموں میں سے کس حکم کی طرف راجع ہے پس اس پر توائمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ یہ استثناء پہلے حکم یعنی اسٹی کوڑے مارنے کی طرف راجع نہیں تہمت لگانے والے پر حد قذف یعنی اسٹی کوڑوں کی مار

بالاجماع جاری ہوگی چاہے وہ توبہ کرے یا نہ کرے اب باقی رہے دو جملے ایک لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا۔ یعنی ان کی شہادت قبول نہ کرو اور دوسرا جملہ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یہ لوگ فاسق ہیں اب اخیر میں إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا کا استثناء مذکور ہے تو امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس استثناء کا تعلق دونوں جملوں سے ہے یعنی توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اور فسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس استثناء کا تعلق صرف اخیر جملہ سے ہے پس توبہ سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر شہادت اس کی ہمیشہ کے لیے مردود رہے گی اور قاضی شریحؒ اور ابراہیم نخعیؒ اور سعید بن جبیرؒ اور مکحولؒ اور ابن زیدؒ بھی اسی طرف گئے ہیں اور یہی مذہب سفیان ثوریؒ کا ہے اور قواعد عربیت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جب تین جملوں کے بعد کوئی استثناء آ رہا ہے یا تو تینوں سے متعلق کر دیا صرف اخیر جملہ سے اس کو متعلق کر دے۔ اور اس آیت میں یہ استثناء بالاجماع پہلے جملہ کی طرف راجع نہیں کیونکہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی اور یہ امر بھی متعین ہے کہ یہ استثناء جملہ اخیرہ کی طرف ضرور راجع ہے اب درمیانی جملہ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا محتمل رہا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ استثناء اخیر جملہ کی طرف راجع کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے قریب ہے اور متصل ہے۔ نیز قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں توبہ کا ذکر آیا ہے اس کا تعلق حقوق اللہ اور احکام آخرت سے ہے۔ نہ کہ دنیوی احکام سے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ یہ استثناء فقط وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ سے متعلق اور مربوط ہے کیونکہ فسق کا تعلق احکام آخرت سے ہے۔ اور درمیانی جملہ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً کا مضمون احکام دنیا سے متعلق ہے جیسا کہ پہلے جملہ کا حکم ثَمَانِينَ جَلْدَةً احکام دنیا سے متعلق ہے، پس بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا کو فَا جَلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً کا تتمہ اور تکملہ قرار دیا جائے اور تائبین کے استثناء کو فقط اخیر جملہ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ سے متعلق رکھا جائے۔ نیز وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ کی جزاء تو فَا جَلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا پر پوری ہوئی اور وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ جملہ متانفہ ہے جو قذف کے جزا اور سزا بیان کرنے کے بعد لایا گیا ہے اور اسلوب کلام بھی بدلا ہوا ہے اس لیے کہ فَا جَلِدُوهُمْ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً دونوں خطاب کے صیغے ہیں اور دونوں جملے، جملہ انشائیہ میں سے ایک امر ہے اور ایک نہیں ہے اور جملہ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ مستقل جملہ ہے جو سابق خطاب کے ختم کے بعد لایا گیا ہے اور یہ جملہ خبریہ اسمیہ ہے۔ پہلے دو جملوں کی طرح جملہ انشائیہ فعلیہ نہیں۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ اس جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف یعنی وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ کا عطف ثَمَانِينَ جَلْدَةً اسمیہ خبریہ یعنی وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ پر کیا جائے اور وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا جو کہ جملہ انشائیہ فعلیہ ہے اس پر اس کا عطف نہ ہو کیونکہ جملہ انشائیہ فعلیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ یعنی وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ کا عطف باعتبار قواعد بلاغت جائز ہی نہیں یا مناسب نہیں۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ۔

حضرات اہل علم اس مقام پر حاشیہ شیخزادہ وحاشیہ تنویری علی تفسیر البیضاوی ملاحظہ فرمادیں۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ

اور جو عیب لگادیں اپنی جوڑوں کو اور شاہد

لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

نہ ہوں اُن کے پاس سوائے اپنی جان، تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ

اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶

چار گواہی دیوے اللہ کے نام کی، مقرر یہ شخص سچا ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَّعَنَتَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ

اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اُس شخص پر اگر وہ ہو

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ

جھوٹا اور عورت سے ملتی ہے مار یوں کہ

تَشْهَدَ اَرْبَعٌ شَهَدَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَ

گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی مقرر وہ شخص جھوٹا ہے۔ اور

الْخَامِسَةُ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ

پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر وہ شخص

الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ

سچا ہے اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اسکی مہربانی اور یہ کہ

اللّٰهُ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

اللہ معاف کرنیوالا ہے، حکمتیں جانتا (تو کیا کچھ ہوتا)



حکم چہارم لعان

قال الله تعالى: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَرْوَاحَهُمْ ... الى ... وَ اَنَّ اللهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ
(ربط) پہلی آیت میں اجنبی عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان فرمایا تھا، اب ان آیات میں اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ جس کو اصطلاح شریعت میں لعان کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنی منکوحہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز ان کی ذات کے اور کوئی گواہ نہ ہوں۔ جس کے لیے چار عدد گواہوں کا ہونا ضروری ہے تو ایسے شخص کی شہادت جو اس کو حد قذف اور سزا جس سے بچالے یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ وہ بلا شبہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔ یہ مرد کا لعان ہوا۔ جس سے مرد سے حد قذف ساقط ہوئی۔

چونکہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے اور اپنے گھر کے معاملہ میں شہادت کا فراہم کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے شریعت نے یہ حکم دیا کہ اگر مرد اپنی بیوی کو زنا کے ساتھ متہم کرے تو بجائے چار گواہوں کے چار حلفیہ شہادتیں دیدے تو یہ چار حلفیہ شہادتیں قائم مقام چار گواہوں کے ہو جائیں گی۔ اس طرح شوہر خاندانی ذلت سے بچ جائے گا ورنہ شوہر کے لیے چار گواہوں کا میسر آنا بہت دشوار ہے اور اس کے بعد عورت کا لعان ہے کہ وہ بھی پانچ مرتبہ اسی طرح کہے۔ چنانچہ عورت سے حد زنا اور قید کو دور کرنے والی چیز یہ ہے کہ وہ عورت اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بے شک اس کا شوہر جھوٹوں میں سے ہے جو اس نے میری بابت کہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ گواہی دے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا خاوند سچوں میں سے ہو۔ مرد اور عورت کا اس طرح کہنا یہ لعان ہے اور لعان سے فراغت کے بعد میاں بیوی کے درمیان فرقت واقع ہو جاتی ہے اور وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ پھر کبھی وہ اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ لعان کے بعد مرد یا اس کو طلاق دیدے یا قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر اس عورت سے کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ اس باپ کے نام سے نہ پکارا جائے۔

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور اللہ تو بہ قبول کرنے والا اور حکمت والا نہ ہوتا تو لعان کا حکم نازل نہ کرتا اور تم کو تہمت لگانے پر فوراً ہی سزا دے دیا کرتا مگر چونکہ اس کا تم پر بڑا فضل و کرم ہے اس لیے اس نے تمہاری پردہ پوشی کے لیے لعان کا حکم نازل کر دیا اور مرد سے حد قذف کو اور عورت سے حد زنا کو ساقط کر دیا۔ یہ اس کی عنایت اور حکمت کا تقاضا ہے کہ اس نے شوہر کو چار گواہوں کی گواہی پیش کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ لعان سے معاملہ ختم کر دیا اس لیے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں خود اس کی بے عزتی ہے اس لیے بغیر کسی قوی دلیل اور بغیر اپنے مشاہدہ کے کوئی سلیم الطبع اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا۔

اور ایسے موقع پر چار گواہوں کا فراہم کرنا بہت دشوار ہے۔ شریعت نے طرفین کی رعایت کر کے لعان کا حکم دیا۔

اختلاف روایات در شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ہلال بن امیہ صحابیؓ کے بارہ میں اتری اور بعض کہتے ہیں کہ عویر عجلانیؓ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں قصے صحیح روایتوں میں آئے ہیں اور ایک ہی زمانہ میں پیش آئے ہیں، اس لیے دونوں قصوں کو آیت کا شان نزول کہنا درست ہے اور قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں کہ ایک ہی قسم کے کئی قصے گزرنے کے بعد وہ آیتیں نازل ہوئیں لہذا ان چند قصوں کا مجموعہ آیت کا شان نزول ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِإِلْفِكَ عَصَبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تحْسَبُوهُ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان، تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم ان کو نہ سمجھو

شَرَّاءُ لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ

بُرا اپنے حق میں، بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں۔ ہر آدمی کو ان میں سے

مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ

پہنچتا ہے جتنا کمایا گناہ، اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا

مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَبَعْتُمْوهٗ

بوجھ، اُس کو بڑی مار ہے۔ کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا

تھا، خیال کیا ہوتا ایمان والے مردوں نے اور عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال۔ اور کہا

هَذَا آفَاكُ مُبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوْهُ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ

ہوتا یہ صریح طوفان ہے؟ کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد؟

فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهْدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَذِبُونَ ﴿۱۳﴾

پھر جب نہ لائے شاید ، تو وہ لوگ اللہ کے ہاں وہی ہیں جھوٹے

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر ، اور اُس کی مہر دنیا اور آخرت میں

لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلْقَوْنَ

البتہ تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی ۔ جب لینے لگے

بِالْأَسْنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ يَا فَوَاحِشُ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے ، جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْ لَا

تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات ۔ اور یہ اللہ کے ہاں بہت بڑی ہے ۔ اور کیوں نہ

اِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا ۖ

جب تم نے اس کو سنا تھا ، کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لادیں یہ بات ؛

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ اَنْ

اللہ تو پاک ہے یہ بڑا بہتان ہے ۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ

تَعُوذُوا بِالْمِثْلِ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيَبَيِّنُ اللَّهُ

پھر نہ کرو ایسا کام کبھی ، اگر تم یقین رکھتے ہو ۔ اور کھولتا ہے اللہ

لَكُمْ الْاٰيٰتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ

تمہارے واسطے پتے ۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ

اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ

چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کو دُکھ کی

اَلَيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

مارہے دنیا اور آخرت میں ۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں

تَعْلَمُونَ ۱۹) وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَاَنَّ اللّٰهَ

جانتے ۔ اور کبھی نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر، اور اس کی مہر اور یہ کہ اللہ

رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۲۰) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ

نرمی کرنے والا ہے مہربان (تو کیا کچھ ہوتا) اے ایمان والو! نہ چلو قدموں پر

الشَّيْطٰنِ ط وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ

شیطان کے، اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے، سودہ یہی بتا دے گا

بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

بے حیائی، اور بُری بات۔ اور کبھی نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر،

مَا ذٰكِي مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَنْ

نہ سنورتا تم میں ایک شخص کبھی ۔ لیکن سنوارتا ہے اللہ جس کو

يَشَاءُ ط وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۱) وَلَا يَأْتِلْ أُولُو الْفَضْلِ

چاہے، اور اللہ سب سنتا ہے جانتا ۔ اور قسم نہ کھا دیں بڑائی والے

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِيَ الْقُرْبَىٰ وَالسَّكِينِ

تم میں اور کشائش والے اس سے کہ دیویں نالتے والوں کو اور محتاجوں کو،

وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ط وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا

اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں ۔ اور چاہیے معاف کریں اور درگزر کریں کیا

يُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۲۲)

تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے؟ اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعْنُوا

جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید والی بے خبر ایمان والیوں کو اُن کو پھٹکار

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ

دنیا میں اور آخرت میں، اور ان کو بڑی مار - جس دن

تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا

بتاویں گی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں، جو کچھ کرتے

يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَ

تھے - اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہے - اور

يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ

جانیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا - گندیاں ہیں

لِلْخَبِيثَاتِ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ

گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور ستھریاں ہیں واسطے ستھروں کے

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ

اور ستھرے واسطے ستھریوں کے - وہ لوگ بے لگاؤ ہیں اُن باتوں سے جو کہتے ہیں،

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

اُن کو بخشنا ہے اور روزی ہے عزت کی -

بیان براءت نزاہت عائشہ صدیقہ از انکس تہمت

ونصیحت مؤمنین وفضیحت منافقین

قال الله تعالى - إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ... إلخ... لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں مطلق محسنات یعنی عام مسلمان اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان فرمایا۔ اب ان آیات میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے کی شناعت اور قباحت کو بیان کرتے ہیں اس لیے کہ آپ کا رتبہ بوجہ ام المؤمنین ہونے کے اور بوجہ زوجہ سید المرسلینؐ ہونے کے تمام محسنات مؤمنات سے بہت بلند اور برتر ہے۔ یہاں سے یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ سَے لے کر اٹھارہ آیتوں تک یعنی اُولَٰئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جن میں عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نراہت کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ام المؤمنین اور زوجہ سید المرسلینؐ پر تہمت لگانا کفر اور نفاق ہے۔ عام محسنات مؤمنات پر تہمت لگانے والا فاسق اور فاجر اور مردود الشہادۃ ہے مگر ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ پر تہمت لگانے والا کافر اور منافق ہے اور ان آیات کے خاتمہ پر حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اُولَٰئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اس بارہ میں نص صریح ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کی اس برأت اور نراہت کی شہادت کے بعد بھی عائشہ صدیقہؓ اور دیگر ازواج مطہراتؓ کے بارہ میں بدگمانی کرے وہ بلاشبہ کافر ہے اور حق تعالیٰ کی اس شہادت کا منکر ہے، (دیکھو صاویؒ حاشیہ جلد ۱ ص ۱۲۹) اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نراہت کے بارہ میں نازل ہوئیں جو منافقین نے آپ پر تہمت لگائی تھی۔

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے خلاصہ اس کا یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس آ رہے تھے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے ہمراہ تھیں اور ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا اور اس پر ایک ہودج تھا۔ اسی ہودج میں ام المؤمنین سوار کی جاتی تھیں اور اسی ہودج میں اتاری جاتی تھیں۔ واپسی میں ایک منزل پر نزول ہوا کوئچ سے پہلے حضرت عائشہؓ قضاء حاجت کے لیے پڑاؤ سے باہر چلی گئیں وہاں اتفاق سے ان کے گلے میں جو منکوں کا ہار تھا ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی یہاں پیچھے کوئچ ہو گیا جو لوگ اونٹ پر ہودج کسا کرتے تھے انہوں نے یہ خیال کر کے کہ ام المؤمنین ہودج ہی میں ہیں۔ ہودج کو اونٹ پر کس دیا چونکہ اس زمانہ میں عورتیں نہایت ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، موٹی تازی نہیں ہوتی تھیں۔ اور اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بھی کم تھی اس لیے ہودج کسنے والوں کو کچھ شبہ بھی نہ ہوا اور اونٹ کو لے کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے جب لشکر روانہ ہو گیا تب عائشہ صدیقہؓ کو بار مل گیا اور آپ پڑاؤ

عَلَيْهِ قَالَ الصَّوٰى قَوْلُهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْاِفْكِ اِلٰى شُرُوْعِ ذِكْرِ الْاٰیٰتِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْاِفْكِ دَهِيْ ثَمٰنِيَةِ عَشْرٍ تَنْتَهٰى بِقَوْلِهِ اُولَٰئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ وَ مَنَاسِبَةٌ هٰذِهِ الْاٰیٰتِ لِمَا قَبْلُهَا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا ذَكَرَ مَا فِى الزَّيْنَمِ الشَّنَاعَةَ وَالْقُبْحَ وَ ذَكَرَ مَا يَتَرْتَبِىْ عَلٰى مِنْ رَمٰى غَيْرَهُ بِهِ وَ ذَكَرَ اَنَّهُ لَا يَلِيْقُ بِاَحَادِ اُمَّةٍ فَضْلًا عَنْ ذَوِّجَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ مَا يَتَعَلَّقُ بِذٰلِكَ اَنْتَهٰى كَلَامُهُ۔

پرائیں۔ دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں۔ قافلہ کوچ کر چکا ہے آخر یہ سوچ کر کہ آنحضرتؐ جب منزل پر پہنچ کر مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کے لیے یہیں کسی کو روانہ کریں گے یہ خیال کر کے وہیں بیٹھ گئیں۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ان پرندوں نے غلبہ کیا اور سو گئیں۔ لشکر کے پیچھے گری پڑی چیز کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے ایک شخص صفوان بن معطل سلمیٰ رہا کرتا تھا وہ لشکر کے پیچھے آ رہا تھا۔ علی الصبح سویرے ہی سویرے حضرت عائشہؓ کی منزل کے قریب آپہنچا اور دُور سے دیکھ کر یہ سمجھا کہ کوئی شخص پڑا سوتا ہے جب قریب پہنچا تو اس نے عائشہ صدیقہؓ کو دیکھ کر پہچان لیا کیونکہ نزول حجاب سے پہلے انہوں نے عائشہ صدیقہؓ کو دیکھا تھا جب اس نے ام المؤمنین عائشہؓ کو اس طرح دیکھا تو غایت تأسف سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اس پڑھنے کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور فوراً چادر سے منہ ڈھانک لیا حضرت صفوانؓ نے اونٹ لاکر ان کے قریب بٹھلا دیا ام المؤمنین پردہ کے ساتھ اس اونٹ پر سوار ہو گئیں اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر اس کو کھینچتے ہوئے پایادہ آگے آگے چلے یہاں تک کہ عین دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ اتنی سی بات پر منافقوں نے بہتان طرازی شروع کر دی اور اس معمولی سے واقعہ کا ایک افسانہ بنا دیا۔ جس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اس خبیث دشمن کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور طرح طرح سے داہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اصل فتنہ پر داز تو منافقین تھے، لیکن بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے، جیسے حضرت حسانؓ اور مسطحؓ اور حمزہ بنت جحشؓ جو ام المؤمنین زینب بنت جحشؓ کی بہن تھیں حضرت عائشہ صدیقہؓ وہاں پہنچ کر بیمار ہو گئیں۔ جب ان کو اس کی خبر ہوئی تو زار و قطار روئیں اور ہچکیاں بندھ گئیں اور بیماری میں اور اضافہ ہوا۔ آنحضرتؐ سے اجازت لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں اور آنسو نہیں تھمتے تھے، اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے جو صحیح بخاری میں مذکور ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کو سیرۃ المصطفیٰ میں ذکر کر دیا ہے۔ بالآخر جب حضرت عائشہؓ کا صدمہ حد سے گزر گیا اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح فَصْلٌ جَمِیلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ کا کلمہ زبان پر جاری ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کی برأت میں یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَاؤْا بِالْاِفْکِ سَے لے کر اُولٰٓئِکَ مُبْرَءُوْنَ مِمَّا یَقُولُوْنَ لَہُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّزِدْکَ کَرِیْمٌ تک نازل ہوئیں۔ جن سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت اور نراہت پر قیامت تک کے لیے مہر لگ گئی اور کسی منافق کی مجال نہیں رہی کہ وہ عائشہ صدیقہؓ کی شان میں کوئی لفظ اپنی زبان سے نکال سکے، چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے ہیں وہ تم ہی میں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے، یعنی بظاہر وہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے خیر سے نام اسلام کا لیتے ہیں خواہ وہ سچ ہو یا جھوٹ ہو۔ اصل سازش تو منافقوں کی ہے اور چند مسلمان نادانستہ طور پر ان کی اس عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے باقی ان چند کے سوا جمہور اہل اسلام اس سازش میں نہیں پھنسے۔ اصل فتنہ کا بانی مبانی تو عبد اللہ بن سلول منافق تھا اور اس کے ساتھ منافقین کی جماعت تھی اس کے علاوہ چند مخلص مسلمان جیسے حسانؓ اور مسطحؓ اور حمزہؓ۔ وہ صرف کسی غلط فہمی یا سادہ لوحی کی وجہ سے منافقین کے جال میں پھنس گئے مؤمنین مخلصین

میں سے صرف یہ تین تھے باقی منافقین تھے اور عام اہل اسلام اس خبر سے غایت درجہ رنجیدہ اور ملول تھے۔ اس لیے ان آیات میں ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھو۔ ظاہر میں اگرچہ بُرا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں بُرا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ خود برأت کا متولی اور کفیل بنا اور آسمان سے عائشہ صدیقہ کی برأت میں اور اہل ایمان کی مدح میں اور منافقین کی فیضیت اور مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں جو قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور سجدوں اور محرابوں میں زبانیں ان کی تلاوت کرتی رہیں گی یہ تو لسان صدق ہے۔ دنیا اور آخرت میں جس سے تمہاری بزرگی اور عظمت شان سب پر ظاہر ہو گئی اور دشمنان اسلام ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو گئے سو یہ بہتان تمہارے حق میں بُرا نہیں ہوا بلکہ ان کے حق میں بُرا ہوا اور ان کی ایذاء اور بدزبانی پر صبر کا اجر اس کے علاوہ رہا۔ یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہو جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا۔ بالخصوص یہ خطاب آنحضرتؐ اور عائشہ صدیقہؓ اور ابوبکر صدیقؓ اور ان کے گھر والوں کو ہے جن پر صدمہ کا پہاڑ آگرا۔ یہ آیتیں نازل کر کے ان کو تسلی بخشی اور دنیا کو متنبہ کر دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کا اور خاص کر عائشہ صدیقہؓ کا کیا مرتبہ ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے اسی قدر سزا ہے جس قدر اس نے گناہ کیا ہے۔ جس شخص نے جس قدر اس فتنہ میں حصہ لیا۔ بقدر حصہ وہ سزا کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ بعض اس خبر کو سن کر ہنستے تھے اور بعض نے کچھ زبان سے بھی کہا تھا بعض خاموش رہے مگر بولنے والے کو منع نہ کیا۔ اس مختصر جملہ میں اس قسم کے تمام لوگوں پر عتاب ہے اور وہ شخص جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اس سے مراد عبد اللہ بن ابی منافق ہے دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں ذلیل اور خوار ہو گا۔ اس آیت میں منافقین کے مرغنہ عبد اللہ بن ابی کو تہدید فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں ان مؤمنین کو نصیحت فرماتے ہیں کہ جو نادانستہ طور پر منافقین کی اس سازش کا شکار ہو گئے تھے بعض اس خبر کو سن کر خاموش ہو گئے اور بعض نے اس خبر کو نقل کیا اگرچہ وہ اس خبر کو سچا نہیں سمجھتے تھے لیکن نقل کرنے سے ایک درجہ میں منافقین کے معاون بنے اس لیے آئندہ آیت میں اس قسم کے مسلمانوں کو نصیحت اور ملامت فرماتے ہیں کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو ایمان والے مردوں نے جن میں حسانؓ اور مسطحؓ بھی آگئے اور ایمان والی عورتوں نے جن میں حمہؓ بھی آگئیں اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا۔ اور سنتے ہی فوراً زبان سے یہ کیوں نہ کہہ دیا یہ تو کھٹا جھوٹ ہے یعنی مسلمانوں کو چاہیئے تھا کہ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ نیک گمان رکھتے اور اپنے جیسا ان کو سمجھتے اور صاف کہہ دیتے کہ یہ تو کھٹا جھوٹ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی طہارت اور نزاہت اور ان کا اُم المؤمنین ہونا اور ان کا ذات اطہر کی زوجیت میں ہونا اور صفوانؓ کا مرد صالح اور متقی ہونا اور عبد اللہ بن ابی کا منافق ہونا اور دشمن رسول ہونا اور اس کا جھوٹا ہونا یہ سب باتیں تمہارے سامنے تھیں۔ پھر دشمنان رسول کی ایک جھوٹی افواہ پر تم نے کیسے کان لگایا۔ ابویوب انصاریؓ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو سنتے ہی کہہ دیا کہ سب جھوٹ ہے صدیقؓ کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جاسکتا۔

غرض یہ کہ ان آیات میں قاذفین منافقین کے علاوہ ان مؤمنین اور مؤمنات پر زنا صمانہ ملامت ہے جنہوں نے اس خبر کو سن کر خاموشی اختیار کی یا تردد میں رہے یا بطور تذکرہ اس خبر کو نقل کیا ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ سنتے ہی کہہ دیتے هَذَا اِفْكٌ مُّبِينٌ یہ صریح بہتان ہے۔

اہل انک اپنی اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیونکہ اثبات گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ پس جب یہ لوگ اس پر چار گواہ نہ لاسکے تو ایسے لوگ قانون شریعت کے موافق اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ کیونکہ شریعت نے جب یہ قاعدہ اور یہ قانون مقرر کر دیا کہ ثبوت گناہ کے لیے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ دعوے میں ذاتی سعائینہ کافی نہیں بلکہ ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے پس جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کر سکے تو قانون شریعت کے مطابق وہ شخص جھوٹا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو لیکن عدالتی ثبوت کے لیے چار عینی شاہدوں کی شہادت ضروری ہے بغیر ثبوت کے ایسی سنگین بات کا زبان سے نکالنا جرم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت میں عِنْدَ اللَّهِ کے معنی فی علم اللہ کے نہیں بلکہ فی حکم اللہ اور فی قانون اللہ کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص دعوائے زنا میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ قانون خداوندی اور ضابطہ شریعت کے اعتبار سے جھوٹا ہے گو واقعہ میں وہ سچا ہو اس لیے کہ بغیر ثبوت فراہم ہوئے اس کو اجازت نہ تھی کہ زبان سے ایسی بات نکلے اس لیے قانون شہادت اور ضابطہ گواہی کے اعتبار سے اس کو کاذب کہنا جائز ہے اگرچہ وہ فی الواقع اور فی علم اللہ صادق ہے لیکن عدالت میں تو قانون شہادت کے اعتبار سے اس کے صدق اور کذب کو جانچا جائے گا جو شخص کسی پر زنا کا دعویٰ کرے اور چار عینی گواہ نہ پیش کر سکے تو وہ از روئے قانون جھوٹا ہے۔

اور اے مسلمانو! اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس چیز کے چرچے میں تم پڑے تھے تو اس میں تم کو بڑا بھاری عذاب پہنچتا۔ اللہ نے تم کو ایمان کی برکت سے توبہ کی توفیق دی اور تمہارا قصور معاف کیا اور عذاب سے بچالیا اور یہ عذاب عظیم تم کو اس وقت پہنچتا جبکہ تم اپنی زبانوں سے باہم اس بات کو نقل کرتے تھے، اور مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کی تمہیں خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی اور معمولی بات سمجھتے ہو اور یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں کچھ گناہ نہیں، حالانکہ وہ اللہ کے یہاں بہت بڑی اور بھاری ہے خاص کر ائمہ المؤمنین کی شان میں ایسی صریح البطلان چیز کو زبان پر لانا جرم عظیم ہے اور چونکہ اس بات کا جرم عظیم ہونا بالکل واضح ہے تو تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری مجال نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان سے نکالیں۔ سبحان اللہ۔ یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ اس کے رسول اعظم کی بیوی فاجرہ ہو۔ کسی درجہ میں کافرہ تو نبی کی بیوی بن سکتی ہے مگر فاجرہ اور زانیہ عورت ہرگز کسی نبی کی بیوی نہیں بن سکتی، حضرت نوح اور لوط کی بیبیاں کافرہ تھیں مگر معاذ اللہ فاجرہ نہ تھیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ جو خبیث کسی نبی کی زوجہ کو فاجرہ بتلاتا ہے وہ درپردہ نبی کو دیوث بتاتا ہے چنانچہ سورہ تحریم کی اس آیت كَانَتْ تَحْتَ

عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتْهُمَا كِ تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ما بغت امرأة نبي قط یعنی کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے پیغمبروں کے ناموس کی حفاظت کی ہے۔ شروع اسلام میں کافرہ اور مشرک سے نکاح کی اجازت رہی جو بعد میں منسوخ ہو گئی لیکن بدکار عورت سے کسی حال میں نکاح کی اجازت نہیں دی گئی الا یہ کہ وہ زنا سے توبہ کرے خلاصہ کلام یہ کہ منافقین جو بک رہے ہیں وہ ایسا صریح اور واضح بہتان ہے کہ جس میں غور و فکر کی بھی گنجائش نہیں۔ لہذا اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی بات نہ کرو اگر تم ایماندار ہو تو خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ اور اللہ تمہارے لیے احکام اور آداب کو بیان کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔ اس کو عائشہ صدیقہ اور صفوان کا حال خوب معلوم ہے۔

اب آئندہ آیات میں مسلمانوں کی تادیب کے لیے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو اس قسم کے فواحش اور بے حیائیوں کی نشر و اشاعت کو پسند کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اس لیے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور کرم نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑا نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔ تو فوراً تم پر عذاب نازل کرتا لیکن اس نے اپنے فضل اور محبت سے تم کو تنبیہ اور تادیب کر دی اور توبہ اور استغفار کا موقع دے دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور حد شرعی جاری کر کے تم کو پاک کر دیا اور جو زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ توبہ کی توفیق دی اور نہ ان پر حد جاری کر کے ان کو پاک کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ اب آگے پھر تائبین کو نصیحت فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اور شیطان کے نشان قدم پر نہ چلو یعنی انک کے متعلق جو کچھ کہا سنا جا رہا ہے۔ وہ سب شیطانی دسو سے ہیں ان کی پیروی نہ کرو اور جو شیطان کے قدموں پر چلے گا تو لا محالہ شیطان اس کو بے حیائی اور بُری بات کا حکم دے گا۔ جو اس کی تباہی اور بربادی کا سامان ہو گا۔

اور اے مسلمانو! اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو وہ تم میں سے کبھی کسی کو اس جرم سے پاک نہ کرتا یعنی تم میں سے کسی کو توبہ کی توفیق نہ دیتا اور نہ اس کی توبہ قبول کرتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے توبہ قبول کر کے اس کو گناہ سے پاک کر دیتا ہے یہ وعدہ مؤمنین سے ہے جیسے حضرت حسان اور مسطحؓ اور عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع سے نہیں۔ ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے اور اللہ تمہارے اقوال کا سننے والا ہے اور تمہاری نیتوں کا جاننے والا ہے۔ ان مؤمنین مخلصین میں مسطحؓ بھی تھے جو نادانی سے اس قصہ میں شریک ہو گئے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے، قصہ انک سے پہلے ابوبکر صدیقؓ ان کو خراج دیا کرتے تھے جب حضرت عائشہؓ کے برأت نازل ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ کو مسطحؓ کی طرف سے رنج ہوا اور قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی مدد نہ کروں گا تو آئندہ آیت ابوبکر صدیقؓ کی تنبیہ کے لیے نازل ہوئی کہ اہل فضل اور اہل کرم کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائیں عوام کے لیے ایسی قسم اگر چہ جائز ہو مگر صدیق اکبرؓ کی شان فضل کے شایان

نہیں۔ عجب نہیں کہ بمقتضائے بشریت غصہ میں آکر کسی صدقہ نافرمان سے ہاتھ روک لینا کسی درجہ میں خطواتِ الشیطن کا اتباع ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ابو بکر صدیقؓ شیطان کے قدموں کے اس معمولی گرد و غبار سے بھی محفوظ رہیں۔ اس لیے آئندہ آیت نازل فرمائی۔

اور جو لوگ تم میں سے صاحبانِ فضل اور مقدرت ہیں ان کو اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی قسم نہ کھانی چاہیے یا بمقتضائے بشریت کسی ناراضگی کی بنا پر ان کی امداد اور اعانت میں کمی نہ کرنی چاہیے یہ شانِ فضل و وسعت کے خلاف ہے اشارہِ مسطح کی طرف ہے کہ وہ ابو بکر صدیقؓ کا رشتہ دار ہے ان کا خالہ زاد بھائی ہے اور مسکین ہے اور مہاجر ہے نادانی سے اس قصہ میں مبتلا ہو گیا اور اہلِ فضل و وسعت کو چاہیے کہ تصورِ معاف کریں اور درگزر کریں اور کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ یعنی جب تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہارے قصور کو معاف کرے تو تم بھی دوسروں کے قصور کو معاف کرو۔ تخلق باخلاق الہیہ کا یہی مقتضی ہے کہ عفو اور مسامحت اختیار کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس آیت کو ابو بکرؓ پر پڑھا تو ابو بکرؓ نے کہا بے شک میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کر دے اور مسطحؓ کا وظیفہ جاری کر دیا بلکہ پہلے سے دگنا کر دیا اور قسم کھائی کہ بخدا اب کبھی بند نہ کر دوں گا۔ اور اپنی گزشتہ قسم کا کفارہ ادا کیا۔

اب آئندہ آیات میں عام عنوان سے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر لعنت اور عذابِ آخرت کا ذکر کرتے ہیں جس سے اصل مقصود عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے پر دنیا اور آخرت کی لعنت اور عذابِ عظیم کو بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ ان پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں جو ایسی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہیں کہ انہیں ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں اور وہ ایمان والیاں ہیں تو ایسے لوگوں پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے جس دن ان کے برخلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی گواہی دیں گے ان اعمال پر جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی قیامت کے دن ان کے مونہوں پر تو ہر لگادی جائیگی مگر ان کی زبانیں خود بخود بولیں گی اور ان کے ہاتھ اور پیر بھی بولیں گے اور ان کے اقوال اور اعمال کی شہادت دیں گے، دنیا میں انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے بولتا ہے اور زبان اس کے ارادہ کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہوتی ہے مگر قیامت کے دن زبان خود بخود بولے گی اور پیچ بولے گی اور زبان کا بولنا اس کے ارادہ کے تابع نہ ہوگا۔

نکتہ قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ ہوا جو نہ پیش کر سکا اس لیے آخرت میں اس کے بالمقابل پانچ چیزیں گواہی دیں گی۔ زبان کے مقابلہ میں تو زبان بولے گی اور پیچ کہہ دے گی اور چار گواہوں کے مقابلہ میں دو ہاتھ اور دو پیر اس کے جھوٹ کی گواہی دیں گے اس طرح اس کے جھوٹ پر چار گواہ قائم کیے جائیں گے اور لعنت اور عذاب کی سزا اس کے لیے ثابت ہو جائے گی۔

اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری حق حق جزا دے گا۔ اور اس وقت

جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے جو حق اور صدق کو ظاہر کرنے والا ہے جس میں ذرہ برابر بھی غلطی کا امکان نہیں۔

اب ام المؤمنین کے طہارت و نزاہت کے بیان کو خبیثین کی مذمت اور طیبین کی تعریف پر ختم فرماتے ہیں جس کو بطور قاعدہ کلیہ بیان کیا تاکہ اس کے عموم سے خاص عائشہ صدیقہؓ کی پاکیزگی پر استدلال کیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گندی اور بدکار عورتیں گندے اور بدکار ہی مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد — گندی عورتوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ اور ستھری عورتیں پاکیزہ اور ستھرے مردوں کے لائق ہیں، اور پاکیزہ اور ستھرے مرد پاکیزہ اور ستھری عورتوں کے لائق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت طیب اور طاہر ہیں اسی طرح آپؐ کی حرم محترم بھی غایت درجہ کی طیبہ اور طاہرہ ہیں اور منافقین جیسے خود خبیث ہیں ایسی ہی ان کی عورتیں بھی خبیث ہیں۔

ذرہ ذرہ کا ندیں ارض و سما است	جنس خود را ہجو کاہ و کھر باست
ناریاں مرناریاں را جاذب اند	نوریاں مرنوریاں را طالب اند
اہل باطل باطلان را می کشند	اہل حق از اہل حق ہم سرخوشند
طیبات آمد ز ہر طیبین	للخبیثات الخبیثون است یقین

نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیبیاں کافرہ تو تھیں مگر زانیہ اور بدکار نہ تھیں۔
فائدہ | حدیث میں ہے ما بغت امرأة بنی قبط کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا نہیں کیا ایسے پاکیزہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ خبیثین ان کے بارہ میں کہہ رہے ہیں ان لوگوں کے لیے تو خدا کی طرف سے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔ خبیثین کی بد زبانی سے ان کی عزت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یہاں تک کلام الہی کی آیتیں ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ بنت صدیقؓ کی برأت اور نزاہت کے بیان میں ختم ہوئیں اور عجیب شان سے ختم ہوئیں کہ اب اس کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عند اللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔ حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بد باطن عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے تو بالاتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم صدیقہؓ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروقؒ (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہؓ بنت صدیقؓ جیبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مبراۃ من السمائم نے اس طرح بیان کیا۔

خاتمہ پر اَوَّلَکَ مُبْرَکُونَ ۚ ۛمَا یَقُولُونَ۔ بسیغہ جمع ذکر فرمایا۔ سو اس
نکتہ | عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

(واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ

اے ایمان والو ! مت جایا کرو کسی گھروں میں اپنے گھروں کے سوا

حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

جب تک نہ بول چال کرو اور سلام دے لو اس گھر والوں پر۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا

میں، شاید تم یاد رکھو - پھر اگر نہ پاؤ اس میں کوئی، تو اس میں

تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا

نہ جاؤ، جب تک پردہ انگلی نہ ہو تم کو اور اگر تم کو کہے کہ پھر جاؤ،

فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾

تو پھر جاؤ اسی میں خوب ستھرائی ہے تمہاری، اور اللہ، جو کرتے ہو جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری۔ اور اللہ کو معلوم ہے جو کھولتے ہو

وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۲۹﴾

اور جو چھپاتے ہو۔

حکم پنجم استیذان

قال الله تعالى - يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ... إِلَى... وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ.

(ربط) گزشتہ آیات میں زنا اور زنا کی تہمت کے احکام بیان کیے اب اس آیت میں کسی کے گھر

میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت فرماتے ہیں تاکہ زنا اور بدگمانی اور تہمت کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اسے ایمان والو اپنے خاص رہائشی مکان کے سوا دوسرے گھروں میں جس میں دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں داخل نہ ہو۔ یہاں تک کہ ان سے اجازت طلب کرو اور اجازت لینے سے پہلے ان گھروں کے رہنے والوں پر سلام کرو یعنی داخل ہونے سے پہلے یہ کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَدْخُلُوْا۔ سلام ہو تم پر۔ کیا میں آ سکتا ہوں۔ یہ اجازت لے کر اندر جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ بغیر اجازت لیے اندر گھس جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم نہیں کہ آدمی اپنے گھر میں کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے، یہ بات تم کو اس لیے بتادی گئی تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ اور اس ہدایت پر عمل کرو۔

پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ جو تم کو آنے کی اجازت دے خواہ اس میں کوئی نہ ہو یا کوئی ہو اور اجازت نہ دے تو ایسے گھروں میں مت داخل ہونا یہاں تک کہ تم کو صاحب خانہ کی طرف سے داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر اجازت لینے کے وقت تم سے یہ کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ نہ وہاں ٹھہرو اور نہ دروازہ پر بیٹھو یہ بات یعنی واپس آنا ہی تمہارے لیے بہتر ہے کسی کے انتظار میں اس کے دروازہ پر بیٹھ جانا یا دروازہ کے درازوں سے جھانکنا بہت بُرا ہے بلکہ اجازت لینے والے کو چاہیے کہ دروازہ کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دائیں یا بائیں طرف کھڑا ہو۔ مبادا کہ اہل خانہ پر نظر پڑ جائے اور اجازت لینے کا حکم نظر اور بصر ہی کی حفاظت کے لیے ہے اور احادیث میں گھر میں جھانکنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو تمہارا ظاہر باطن اس سے مخفی نہیں جس نیت سے جو کام کر دگے اسی کے مناسب جزا ملے گی۔ یہاں تک ان بیوت (گھروں) کا حکم بیان کیا کہ جو مَسْكُوْنَتَہ ہوں۔ یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا ہو اور جو بیوت غیر مسکونہ ہوں یعنی ان گھروں میں کوئی رہتا نہ ہو تو آئندہ آیت میں ایسے گھروں میں داخل ہونے کا حکم بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔ تمہارے لیے ایسے مکانات میں بغیر اجازت داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہاری کوئی ضرورت اور منفعت ہو یا ان میں تمہارا کوئی سامان رکھا ہوا ہو تو ایسے مکانات میں بغیر اجازت کے داخل ہونا جائز ہے جیسے سرائے یا خانقاہ یا مدرسہ یا مسجد اس قسم کے مکانات میں جانے کے لیے خاص اجازت کی ضرورت نہیں جیسے لوگ مسافر خانے بنادیتے ہیں اگر وہ خالی ہوں تو وہاں اترنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اذن کی ضرورت وہاں ہے کہ جہاں کسی عورت پر نظر پڑ جانے کا اندیشہ ہو یا صاحب خانہ کی کسی راحت یا مصلحت میں خلل پڑنے کا خطرہ ہو اور جب یہ بات نہیں تو اذن کی ضرورت نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہ کسی کے مکان میں تمہارے داخل ہونے سے تمہاری کیا نیت ہے اور اگر تم اجازت بھی لے لو تو اس اجازت لینے میں تمہاری کیا نیت ہے۔ ان آیات میں معاشرۃ اور تمدن کے احکام کی تعمیل فرمائی۔ افسوس کہ مسلمان ان آیات اور احادیث پر نظر نہیں کرتے اور غیر قوموں نے تمہارے دین سے جو چند باتیں چرائی ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں۔

یک سبڈانے ترا بر فرقہ مر تو ہی جوئی لب نان در بدر

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا

کہہ دے ایمان والوں کو، نیچی رکھیں ٹمک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں

فَرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكٰى لَّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ

اپنے ستر ۔ اس میں خوب ستھرائی ہے ان کی۔ اللہ کو خبر ہے جو

بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ

کرتے ہیں ۔ اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹمک

مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فَرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ

اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنی ستر، اور نہ دکھادیں

زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبَنَّ بِخُرُجِهِنَّ عَلَىٰ

اپنا سنگار مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے، اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی

جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ

اپنے گریبان پر، اور نہ کھولیں اپنا سنگار، مگر اپنے خاوند کے آگے یا

أَبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ

اپنے باپ کے یا خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا خاوند کے بیٹے کے،

أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ

یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے

أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّبِيعِينَ غَيْرِ

یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے ہاتھ کے مال کے، یا کمروں کے جو

أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ

مرد کچھ غرض نہیں رکھتے۔ یا لڑکوں کے جنہوں نے نہیں

يُظْهِرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۚ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ

پہچانے عورت کے بھید - اور نہ دھمکادیں اپنے پاؤں سے

لِيُعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا

کہ جانا پڑے جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار ، اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر

آيَةُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۳۱﴾

اے ایمان والو ! شاید تم بھلائی پاؤ ۔

حکم ششم متعلق بہ نظر و بصر

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ.... اِلٰی.... لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُوْنَ۔
(ربط) یہ چھٹا حکم ہے جو مرد کا عورت کو دیکھنے سے اور عورت کا مرد کو دیکھنے سے متعلق ہے اور نگاہ کی حفاظت کا حکم۔ عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کا بے مثال سامان ہے۔ گزشتہ آیات میں زنا کی مزا اور زنا کی تہمت لگانے کے احکام کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں اسبابِ زنا کے احکام بیان کرتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی ممانعت کرتے ہیں کہ جو زنا کا سبب اور ذریعہ بنتی ہیں تاکہ ان پر عمل کرنے سے خود زنا سے محفوظ رہ سکے اور بندوں کے اتہام اور اشتباہ سے محفوظ رہ سکے مثلاً مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنا ایک عظیم فتنہ ہے کیونکہ کسی کا چہرہ دیکھنے سے اس کا حسن و جمال معلوم ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر اس کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور نفس کو اس کی طرف کشش ہوتی ہے اور پھر یہ کشش نفس کو کوشش پر آمادہ کرتی ہے کسی نے خوب کہا ہے ع

برق نگاہ یار میرا کام کر گئی

اس لیے ان آیات میں اہل ایمان کو نظر اور بصر کے احکام اور آداب بتلاتے ہیں تاکہ اس فتنہ سے محفوظ رہیں اور اس بارہ میں مردوں کے حکم کو مقدم کیا کہ وہ اصل طالب اور متقاضی ہیں اور عورتیں بوجہ حیاء کے ان سے کم ہیں (نیز گزشتہ آیات میں کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ سو اس کی وجہ یہی تھی کہ کسی کے زنا نہ اور گھرانہ پر تمہاری نظرنہ پڑے اور یہ ناگہانی نظر آئندہ چل کر کسی فتنہ کا سبب نہ بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے انما جعل الاستیذان من اجل البصر یعنی کسی کے گھر میں کسی کی نگاہ داخل ہوگئی تو پھر اجازت ہی کی کیا ضرورت رہی۔

اس لیے آئندہ آیات میں مرد اور عورت کو علیحدہ علیحدہ نظر نیچی رکھنے کا صراحتہ حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ اپنے نورِ ایمان کی حفاظت چاہتے ہیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جن چیزوں کا دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ پس جن چیزوں کا مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے ان کو بالکل نہ دیکھیں اور جن چیزوں کا فی حد ذاتہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت کے ساتھ دیکھنا ناجائز نہیں تو ان کو نظر شہوت سے نہ دیکھیں۔ ناجائز نظر دیا چڑ زنا ہے اور اگر اتفاق سے نظر پڑ جائے تو اس کو دوسری طرف پھیر لیں۔ غرض یہ کہ نظر اور بصر میں درجات ہیں، بعض صورتوں میں معاف ہے اور بعض صورتوں میں حرام ہے اس لیے مِنْ أَبْصَارِهِمْ میں من تبعضیہ انہی درجات اور مراتب کے فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بڑھایا گیا۔

اور اہل ایمان کو چاہیئے کہ اپنی شرمگاہوں کی بھی حفاظت کریں یعنی اپنی شہوت کو ناجائز فعل میں استعمال نہ کریں اس میں زنا اور لواطت سب آگئے یا یہ معنی ہیں کہ ہر وقت اپنی شرمگاہوں کو مستور رکھیں مطلب یہ ہے کہ حفاظت ستر یعنی ان کا مستور رکھنا مراد ہے اور خلوت اور تنہائی میں بھی اپنی شرمگاہ کی طرف نظر رکھنا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگرچہ تو تنہا ہو جب بھی اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھنا اللہ تعالیٰ زیادہ اَحَقُّ ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

یہ یعنی آنکھ اور نگاہ کی اور شرمگاہ کی حفاظت ان کے حق میں بڑی ستھرائی ہے اور پاکیزہ ترین خصلت ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے اور یہ پاکیزگی مومنین کو مشرکین سے اور مومنات کو کافرات سے ممتاز کرنے والی ہے۔

اور بے شک اللہ اس چیز سے باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری نگاہ کس طرف اور کس لیے اُٹھ رہی ہے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے زنا کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں شرمگاہ کے زنا کی ممانعت فرمائی اس لیے کہ نامحرم کی طرف نظر کرنا یہ زنا کا پیش خیمہ ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانَا زَنَا کے قریب بھی مت جاؤ۔ نامحرم کو دیکھنا یہ زنا کے قریب جانا ہے یہ آنکھ کا زنا ہے جو شرمگاہ کے زنا کا پیش خیمہ ہے اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر ہے۔ جدھر بھی نظر اٹھاؤ گے تمہاری نظر اس چیز پر بعد میں پڑے گی اور اللہ کی نظر تم پر پہلے پہنچ جائے گی لہذا تم کو ڈرتے اور بچتے رہنا چاہیئے۔

اب آئندہ آیات میں عورتوں کو بھی یہی حکم دیتے ہیں کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کے حق میں اس کے علاوہ بعض دیگر احکام کا اضافہ ہے اور اسی طرح اے نبی آپ ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اگر مقتضائے ایمان تم کو اپنی عفت اور عصمت کی حفاظت درکار ہے تو فقط مردوں کے نیچی نگاہ کرنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ عورتوں کو بھی چاہیئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور غیروں کے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور جس چیز کی طرف نظر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر

نہ دیکھیں۔ اجنبی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا یہ شیطان کا زہریلا تیر ہے۔ شیطان کا مقولہ ہے کہ جو تیر میں عورت کے ذریعہ چلتا ہوں وہ تیر کبھی خطا نہیں جاتا اور بزرگوں کا قول ہے کہ نگاہ بد زنا کا ڈالیکہ ہے اور فسق و فجور کا قاصد ہے۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اب آیات میں عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیتے ہیں کہ اسے ایمان والی عورت تو تم کو چاہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو خواہ وہ مرد تم کو دیکھے یا نہ دیکھے جو مرد تمہارے سامنے ہے اگرچہ وہ نابینا ہے مگر تم تو نابینا نہیں جیسا کہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہؓ یہ دونوں بیبیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں اتنے میں عبداللہ بن ام مکتومؓ (جو نابینا تھے) آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم دونوں پردہ میں ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو نابینا ہیں ہم کو دیکھ بھی نہیں سکتے، آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ کیا تم بھی نابینا ہو اور تم ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابینا سے بھی پردہ واجب ہے اگرچہ کسی فتنہ کا احتمال نہ ہو، خاص کر جب کہ شوہر بھی گھر میں موجود ہو غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کو علیحدہ علیحدہ نیچی نگاہ رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ دونوں طرف سے فتنہ کی روک تھام ہو جائے اور ایمان والیوں کو چاہیے کہ اپنی شر مگاہوں کی پوری پوری حفاظت کریں کہ کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکے حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنی خلوت اور اپنی تنہائی میں بے ضرورت اپنی شر مگاہ کو نہ دیکھیں۔ میاں بیوی کو اگرچہ باہم صحبت اور مباشرت کی اجازت ہے مگر بلا ضرورت ایک دوسرے کی شر مگاہ کی طرف نظر کرنے کی اجازت نہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ شر مگاہ کی طرف دیکھنے سے نگاہ کمزور ہوتی ہے، جیسا کہ یہ مضمون ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

غرض یہ کہ زنا سے حفاظت کی ایک تدبیر اور ایک صورت تو یہ ہوئی کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور دوسری تدبیر جس سے زنا سے محفوظ رہ سکیں یہ ہے کہ ایمان والی عورتیں اپنی آرائش اور زیبائش کو ظاہر نہ کریں مگر زیب و زینت کی وہ چیز جو عادتاً اور غالباً کھلی رہتی ہے یعنی جس کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا عادتاً ممکن نہیں جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے بغیر منہ کھولے عورت گھر میں چل پھر نہیں سکتی اور بغیر ہاتھوں کے گھر کا کام کاج نہیں کر سکتی۔ تو جس زینت کا چھپانا اور اس کو مستور رکھنا ممکن نہیں تو ایسی زینت کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور جب ابداء زینت یعنی اظہار زینت حرام ہوا تو اس کی نقیض اور ضد یعنی اخفاء زینت فرض اور واجب ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے اپنے گھر میں بھی اس کو مستور اور پوشیدہ رکھنا فرض اور لازم ہے مگر چہرہ اور دونوں ہاتھ کہ ہر وقت ان کو چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے یہ اعضاء ستر سے خارج ہیں اپنے گھر میں ان اعضاء کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ ضروریات زندگی ان اعضاء کے کھلے رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اگر مطلقاً ان اعضاء کے چھپانے کا بھی حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لیے اپنے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آتی اس لیے

شریعت نے ان اعضاء کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضاء کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو اپنے چہرہ کے حسن و جمال کو نامحرم مردوں کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے اور نہ اجنبی مردوں کو اس کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کیا کریں اور ان سے آنکھیں لٹایا کریں۔ شریعت کی طرف سے کسی عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت دینا اس کو مستلزم نہیں کہ مرد کو اس کی طرف دیکھنا بھی جائز ہو، شریعت مطہرہ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ مرد اور عورت کو اس قسم کی بے حیائی کی اجازت دے اور مرد عورت کو زنا کی دہلیز پر قدم رکھنے کی اجازت دے۔ حاشا وکلا عورت کے لیے اپنی زیبائش یعنی مواضع زینت کا اظہار سوائے محارم کے جن کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے اور کسی کے سامنے ہرگز ہرگز جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور یہ سامنے آنا ازراہ شفقت قرابت ہونہ کہ بطریق شہوت ہو۔ بطریق شہوت تو محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہے اور حرام ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے یعنی فی حد ذاتہ عورت کو خواہ اپنے گھر کے اندر ہو یا باہر ہو کس حصہ بدن کا مستور رکھنا واجب ہے اور کس حصہ بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے، اس جملہ میں اس سے بحث نہیں کہ کس سے اپنا چہرہ چھپائیں اور کس کے سامنے ظاہر کریں اس کی تفصیل آئندہ آیت میں آنے والی ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں فقط یہ بتلانا ہے کہ بدن کا کتنا حصہ فی ذاتہ اور فی نفسہ قابل ستر ہے اور کتنا حصہ قابل کشف و اظہار ہے، اس آیت میں فقط عورتوں کا مسئلہ بیان کیا گیا۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ نامحرم مردوں کو عورتوں کے دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی، کسی مسئلہ میں عورتوں کی کسی اجازت سے مردوں کی اجازت کا مسئلہ نکالنا حماقت ہے۔

باقی رہا مسئلہ حجاب (پردہ) یعنی عورت کو گھر میں رہنا کس درجہ لازم ہے اور کن حالات میں اس کو گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور اگر بفردورت نکلے تو کس حالت میں نکلے سو اس مسئلہ کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں آئے گی یعنی وَ قَرْنَ حُفِّ بُيُوتِكُنَّ کی تفسیر میں آئے گی۔ مرد کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے مرد کے لیے صرف اتنے حصہ بدن کو ہر وقت مستور رکھنا واجب ہے اس کے علاوہ مرد کے لیے تمام بدن کا کھلا رکھنا جائز ہے اور عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے۔ ہر وقت تمام بدن کا مستور رکھنا واجب ہے باقی یہ امر کہ عورت اپنا چہرہ کس مرد کے سامنے کھول سکتی ہے سو آئندہ آیت میں اس کی پوری تفصیل آ رہی ہے۔ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ هُنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ خَوَالَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ إِخْوَانُ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَ أَخَوَاتِ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ

آیت میں دو حکم بیان کیے گئے ایک مرد کے لیے اور ایک عورت کے لیے۔ شریعت نے ضرورت کی بنا پر منہ کھولنے کی اجازت دی ہے اس اجازت سے یہ لازم نہیں آتا کہ

تنبیہ

دوسروں کو بھی اس کے چہرہ کی طرف نظر کرنا جائز ہو۔ مرد کے لیے پردہ کا حکم نہیں مگر کسی عورت کو دیکھنے کی اور کسی گھر میں جھانکنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ بیشتر آیات اور احادیث سے اس کی ممانعت ثابت ہے۔ غرض یہ کہ دو حکم علیحدہ علیحدہ ہیں پس اگر کسی صورت میں عورت کو کسی عضو کے کھولنے کی اجازت ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مرد کو بھی اس کا دیکھنا جائز ہو۔

زینت کے معنی | زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں خواہ وہ خلق اور قدرتی ہو۔ جیسے چہرہ اور دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں یا مصنوعی اور اختیاری ہو جیسے پوشاک اور زیور یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی *الَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا* میں داخل ہیں جن کا اظہار سولے محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں جن کا ذکر آئندہ آیت میں آنے والا ہے اور تیسری تدبیر جو زنا سے حفاظت کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایمان والی عورتوں کو یہ بھی لازم ہے کہ اپنے گریباؤں پر اپنی اڑھنیاں ڈال لیں تاکہ ان کے سر اور گردن اور سینے چھپے رہیں اور سینہ اور پیستان کا ابھار کسی پر ظاہر نہ ہو۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اس زمانہ کی عورتیں سینہ کھول کر اور گردن اور بالیوں کو ظاہر کر کے چلتی پھرتی تھیں اور سینہ کھولے ہوئے مردوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو سینہ اور گردن کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ کما قال تعالیٰ *يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَائِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ*۔

نکتہ | آیت میں بجائے لفظ *الْقَاء* کے لفظ *ضَرَبَ* استعمال کیا گیا اور *وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ* فرمایا گیا جس سے مقصود مباغہ ہے کہ خوب اچھی طرح اڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیں اور ان کو خوب چپکالیں کہ بدن اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں جو حکم تھا وہ صرف فی نفسہ عورت کے اعضاء اور مواضع زینت سے متعلق تھا کہ کن اعضاء کا عورت کے لیے اظہار اور کشف جائز ہے اور کتنے حصے بدن کا مستور رکھنا واجب ہے یہ مسئلہ ستر کا تھا جو عورت کی ذات سے متعلق تھا۔ اب آئندہ آیت میں دوسروں کے سامنے ان اعضاء اور مواضع زینت کے کھولنے کا حکم بیان کرتے ہیں کہ کس کے سامنے زینت کا ظاہر کرنا جائز ہے اور کس سے پردہ کرنا لازم ہے عورت کو جن کے سامنے آنکی اجازت دی گئی وہ بارہ ہیں جن کی آیت میں تفصیل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تھی تدبیر جس سے زنا سے حفاظت ہو سکے یہ ہے کہ نہ ظاہر کریں ایمان والی عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو یعنی مواضع زینت کو یعنی اپنے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کو کسی کے سامنے نہ کھولیں اور کسی کے سامنے ان اعضاء کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر ان بارہ اشخاص کے سامنے۔ اپنے شوہروں کے سامنے کہ ان سے تو کسی چیز کا اخفاء واجب نہیں البتہ بلا ضرورت شرمگاہ کی طرف نظر کرنا شوہر کے لیے بھی ممنوع ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا جَامَعَ أَحَدُكُمْ زَوْجَهُ أَوْ جَارِيَتَهُ جَبَّ كُوْنِي أَوْ بَنِي يَوْمِي أَوْ بَانْدِي سَ جَمَاعَ كَرَّ

فلا ينظر الحرف فرجها فان
ذلك يورث العمى. قال ابن
الصلاح جيد الاسناد كذا في
شرح الجامع الصغير۔
تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے
یہ دیکھنا نابینائی پیدا کرتا ہے۔
ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند
نہایت عمدہ ہے۔

(۲) یا اپنے باپ دادوں کے سامنے (۳) یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ شوہروں کے باپ
بمنزلہ تمہارے باپ کے ہیں (۴) یا اپنے بیٹوں کے سامنے (۵) یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری
بیوی سے ہوں (۶) یا اپنے بھائیوں کے سامنے (۷) یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے (۸) یا اپنی بہنوں
کے بیٹوں کے سامنے، یہ سب بمنزلہ اولاد کے تمہارے ساتھ ہیں، ہر وقت ان کی آمد و رفت ہے اور ان کی طرف
سے فتنہ کا اندیشہ نہیں، یہ سب محارم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محارم کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھ دی ہے کہ مرد
اپنی مال اور خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں بُرا خیال نہیں آتا۔ اور ان محارم کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہیں۔
مگر یہ زمانہ فتنہ و فساد کا ہے اور انگریزی تعلیم نے اور انگریزی تمدن نے فطرت انسانی کو خراب کر دیا ہے۔ اس
لیے اس زمانہ میں محارم کے بارہ میں بھی احتیاط ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ محارم کے سامنے آنا
بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ حدثنا علي بن عبد الله حدثني معاوية بن علي عن
ابن عباس قوله تعالى لا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا قَالَ وَالزَّيْنَةُ الظَّاهِرَةُ الْوَجْهَ وَكُلَّ
الْعَيْنِ وَخَضَابِ الْكَفِّ وَالْخَاتَمِ فَهَذَا تَظْهَرُ فِي بَيْتِهَا لَمَنْ دَخَلَ مِنَ النَّاسِ عَلَيْهَا۔

(تفسیر ابن جریر ص ۸۳ ج ۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ کا یہ فرمانا۔ فهذا تظهر في بيتها لمن دخل من الناس
عليها کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے
آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں ابداء زینت سے
اپنے گھر میں فی حد ذاتہ زینت کا ظاہر کرنا اور ان لوگوں کے سامنے آنا مراد ہے جن کو اس کے گھر میں آنے کی
اجازت ہے یعنی محارم۔ معاذ اللہ سڑکوں اور بازاروں میں زینت کا ظاہر کرنا مراد نہیں اور آیت کا مطلب
یہ ہے کہ جن مردوں کو اس کے گھر میں آنے کی شرعاً اجازت ہے، جیسے باپ اور بھائی۔ تو ان کے سامنے
اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے اور کھولنے میں مضائقہ نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ سوائے محارم
کے کسی کے سامنے عورت کو اپنی زینت کا کھولنا جائز نہیں (تفسیر ابن جریر)

ع۔ قال ابن جرير قوله تعالى لا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ يَقُولُ جُلْ ذَكَرَهُ وَلَا يَظْهَرْنَ لِلنَّاسِ
الَّذِينَ لَيْسُوا بِمَحَارِمٍ زِينَتَهُنَّ ۝ ۱ ھ

یا اپنی خاص رشتہ دار یا خاص خدمت گزار عورتوں کے سامنے اگر اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھوں) کو کھلا رکھیں تو یہ بھی جائز ہے اور اپنی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو قریبی رشتہ دار ہوں یا ان کی خدمت گزار ہوں اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والی ہوں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں اور بہت سے سلف کے نزدیک اپنی عورتوں سے مسلمان عورتیں مراد ہیں جو ان کی دینی بہنیں ہیں ان کے سامنے آنا جائز ہے۔ کیونکہ کافر عورتیں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں جیسا کہ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے (درمنثور) کافر عورت مسلمان عورت کے حق میں بمنزلہ اجنبی مرد ہے، اس لیے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مسلمان عورت کو کافر عورت سے پردہ کرنا واجب ہے۔

یا ان کے سامنے آنا بھی جائز ہے جن کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں یعنی اپنی باندیاں یا اپنا غلام اگرچہ وہ نامحرم ہو اس کے سامنے آنا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ غلام نیک چلن اور پاک دامن ہو ورنہ نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُھُنَّ میں لونڈی اور غلام دونوں داخل ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں جیسا کہ سعید بن مسیبؒ سے مروی ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ آیت النور تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، اس آیت میں مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُھُنَّ سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ اور غلام مراد نہیں اور یہی قول عبداللہ بن مسعودؓ اور مجاہدؒ اور عطاءؒ اور حسنؒ اور ابن سیرینؒ اور شعبیؒ کا ہے اور یہی قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے خاص کر اس زمانہ میں۔

مسئلہ کسی بیگم صاحب کا تہا موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانا جب کہ ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے اور ڈرائیور کو نیک سمجھنا حماقت ہے، ایسے وقت میں تو نفس اور شیطان ولی کو بھی شیطان بنا دیتا ہے یا ان کے ساتھ رہنے والے مردوں کے سامنے آنا بھی جائز ہے جو تم سے وابستہ ہیں اور تمہارا کاروبار کرتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مرد ایسے ہوں کہ عورتوں کی حاجت نہ رکھتے ہوں یعنی ایسا آدمی ہو جسے عورت کی خواہش ہی نہ ہو مثلاً وہ نامرد ہو تو وہ خدمت کے لیے آسکتے ہیں یا وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں اور جانتے بھی نہیں کہ مباشرت کیا چیز ہے تو عورتوں کو ایسے بیخبر لڑکوں کے سامنے آجانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں جب سمجھنے لگیں گے اور ہوشیار ہو جائیں گے تو ان کو منع کر دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ پہلی آیت وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْ سِتْرٍ اور کشف عورت کے مسئلہ کا بیان تھا کہ عورت کو فی حد ذاتہ کن مواضع زینت اور کن اعضاء کا کھلا رکھنا جائز ہے اور کن اعضاء کا چھپانا واجب ہے اور اس کے بعد والی آیت یعنی وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ ۖ یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ عورت کو کس کے سامنے آنا جائز ہے۔ سو بتلادیا کہ سوائے محارم کے کسی کے سامنے اپنا چہرہ کھولنا قطعاً حرام ہے اور حکم سابق سے جن صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا وہ بارہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جن سے نکاح جائز ہے وہ

سب اجنبی کے حکم میں ہیں۔ پھر یہ کہ شوہر کے سوا دیگر محارم کے سامنے آنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر محارم کے سامنے آنا بھی ناجائز ہوگا اور شوہر طلاق دینے کے بعد اجنبی مرد کے حکم میں ہو جاتا ہے شہوت کے ساتھ تو ماں بیٹی کی طرف بھی نظر کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لیے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے زنا سے حفاظت کی چار تدبیریں بتلائیں۔ اب آگے پانچویں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایمان والی عورتوں کو چاہیے کہ پردہ کا اس درجہ اہتمام کریں کہ چلنے کی حالت میں اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ زجاجؒ کہتے ہیں کہ زینت کی آواز زینت سے زیادہ محرک شہوت ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورت جب راستہ چلتی اور اس کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتے تو اپنے پاؤں کو زمین پر مارتی تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والی عورتوں کو ایسی حرکت کرنے سے منع کر دیا کہ جس سے ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے اور مردان کی آواز سن کر ان کی طرف راغب ہوں۔ گزشتہ آیت میں زینت کے اظہار کی ممانعت تھی اب اس آیت میں زینت کی آواز کے اظہار کی ممانعت فرمائی کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ ہے اور ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ خود عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ لہذا عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی جیسا کہ سورہ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَكْرٌ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور چلنے کا علم ہو جائے اور ان کے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برائے گتہ کرنے کا سبب بنے اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نہ نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

پس جب عورت کے لیے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہوا۔ تو عورت **فائدہ** کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت

علہ۔ قال ابن کثیر (بعد ذکر هذه الآية) كل هؤلاء محارم للمرأة يجوز لها ان تظهر بزينتها ولكن من غير تبرج۔ ۱ھ ص ۲۸۴ ج ۳۔

بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا پردہ واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسہ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔

اور لے ایمان والو اگر تم سے ان احکام میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے توبہ کرو اور امید رکھو کہ تم کو فلاح اور کامیابی ہو جائے گی، کیونکہ غفلت اور معصیت کے بعد فلاح کا ذریعہ صرف توبہ اور استغفار ہے، حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے گنہگار کو توبہ کا حکم دیا تاکہ آخرت کی رسوائی سے بچ سکے۔

جو رسوا نہ کردی۔ پچندیں خطا دریں عالم پیش شاہ و گدا

در آں عالم ہم پیش ہر خاص و عام بیا سر زو رسوا مکن والسلام

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تَوْبُوا میں رسوم جاہلیت سے توبہ کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ لے ایمان والو ان کاموں سے بچو کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔

غرض یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زنا سے بچنے کی پانچ تدبیروں کو بیان فرما دیا۔ باقی تدبیروں کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ احزاب میں آئے گا کہ عورت بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور اگر ضرورت اور مجبوری کی بنا پر نکلے تو برقعہ اوڑھ کر اور سر اور سینہ چھپا کر نکلے۔

لطائف و معارف

(۱) ان آیات میں جس قدر احکام مذکور ہیں وہ سب زنا کی انسدادی تدابیر ہیں جو عصمت و عفت کی حفاظت میں تریاق اور اکسیر کا حکم رکھتی ہیں اور تہذیب اور اخلاق اور تزکیہ باطن کے بارہ میں بے مثال اور بے نظیر ہیں جن کی آنکھوں پر شہوت اور نفسانیت کا پردہ پڑا ہوا ہے ان کو ان احکام کا حسن و جمال نظر نہیں آتا۔

(۲) دلدادگان مغربیت اور اسیران نفسانیت جو اس قانون عفت کی پردہ درسی کرنا چاہتے ہیں وہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جو ان عورتوں کے لیے شارع عام پر چہرہ کھول کر پھرنا اور گھومنا جائز ہے اس لیے اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر صحابہ و تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں، یہ سب مغالطہ اور دھوکہ ہے کہ جو یہ کہتے ہیں قرآن میں یا حدیث میں اس طرح آیا ہے اس لیے ہم اس حکم شرعی پر عامل ہیں۔ اصل منشاء اس کا یورپ کی کورانہ تقلید اور مذہب سے آزادی ہے۔

بحمدہ تعالیٰ ہم نہایت وضاحت کے ساتھ یہ بتلا چکے ہیں کہ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے صرف اتنا بتلانا ہے کہ عورتوں کو فی نفسہ اور فی ذاتہ چہرہ اور ہاتھوں کے کھولے رکھنے کی اجازت ہے کیونکہ بہت سی دینی اور دنیوی ضرورتیں ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں اس لیے ان اعضاء کے کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں اور اس

آیت میں دوسروں کے سامنے منہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے جواز اور عدم جواز سے کوئی تعرض نہیں۔ اس کا ذکر آنے والی آیت میں ہے کہ عورت کو اپنی زینت (چہرہ اور ہاتھ) کے ظاہر کرنے کی اجازت کن کن مردوں کے سامنے ہے اسی الا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کے متصل جو آیت آرہی ہے یعنی وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ إِسْرَائِيلَ اس میں حصر اور قصر کے ساتھ اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

پس اگر ان دلدادگانِ مغربیت کے خیال کے مطابق إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا سے عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوتی۔

۱۔ تو آئندہ آیت میں ان محارم باپ اور بیٹا اور بھائی کے استثناء کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ جب عورت کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہو گئی تو باپ اور بیٹا اور بھائی کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی۔

۲۔ اور اس سے پہلی آیت میں عورتوں کو غض بصر کے حکم دینے کی کیا ضرورت تھی جو خاص طور پر ان کو حکم دیا گیا وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ۔

۳۔ نیز اگر عام طور پر عورتوں کو چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے زنا سخاں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ گزشتہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوْا بٰیُوْتًا غٰیِبُوْنَ عَلَيْهَا حَتّٰی تَسْتَأْذِنُوْا یہ حکم صراحتہً گزر چکا ہے۔

۴۔ نیز قرآن کریم میں عورتوں کے متعلق یہ حکم آیا ہے وَقَرْنَ رُءُوسَکُم بِیُوءِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُولٰٓئِیٰ یعنی اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور پہلے زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کا اظہار نہ کرو۔ اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو پھر اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

۵۔ نیز قرآن کریم میں ایک حکم آیا ہے۔

وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ۚ
اور جب تم عورتوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو اسی میں تمہارے دلوں کی خوب ستھرائی اور پاکیزگی ہے۔
معلوم ہوا کہ پردہ کے پیچھے سے مانگنا دونوں کے لیے طہارتِ قلب کا سبب ہے اور کھلے منہ سامنے آکر مانگنا نجاستِ قلب کا سبب ہے۔

۶۔ نیز اگر عورت کسی ضرورت کی بناء پر کسی غیر مرد سے پس پردہ کلام کرے تو اس کے لیے حکم یہ ہے۔

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَّرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ
ان سے نرم لہجہ میں بات نہ کرو مبادا جس کے دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا روگ اور بیماری ہے وہ تمہاری نرم بات سے

تمہاری ذات ہی کے لالچ میں نہ پڑ جائے۔
پس اگر کھلے منہ کسی غیر مرد کے سامنے آنا جائز ہوتا تو اس حکم کی کیا ضرورت تھی۔

۷۔ نیز اس سلسلہ کلام میں ایک حکم یہ آیا ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ
مَا يُخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ

اور عورتوں کو چاہیئے کہ چلتے وقت اپنے
پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں جس سے لوگوں
کو ان کے پوشیدہ زیور کی آواز معلوم ہو سکے
اس لیے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے اجانب کو
اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہوتی ہے جو
فتنہ کا سبب ہے۔

پس جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے تو خود عورت کی ذاتی آواز کس درجہ فتنہ ہوگی۔ امام غزالیؒ
نے لکھا ہے کہ عورت کا تو قرآن سننا بھی ناجائز اور حرام ہے اور تمام فقہاء اور ائمہ کا اجماع ہے کہ عورت
کی اذان اور اقامت قطعاً ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں
کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔ جب
عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ
نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب
زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگان مغربیت اس فکر میں ہیں کہ
بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

۸۔ نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت آئی۔

۹۔ اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

۱۰۔ اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی
علت صرف یہی فتنہ شہوت و نفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سد باب کرنا چاہتی ہے اور یہ نفس کے بندے
کھلے بندوں اس کے توڑنے کی فکر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو خصوصاً اور دنیا کو عموماً محفوظ
رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ

اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام

وَأِمَّاكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ

اور لونڈیاں - اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ ان کو غنی کرے گا

فَضِيلُهُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۳۲ وَلَيْسَتْ عَفِيفٌ

اپنے فضل سے، اور اللہ سمائی والا ہے سب جانتا۔ اور آپ کو تھامتے رہیں

الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ

جن کو نہیں ملتا بیاہ جب تک مقدور دے ان کو اللہ

مِنْ فَضِيلِهِ ط

اپنے فضل سے۔

حکم ہفتم۔ و حکم ہشتم

قال الله تعالى- وَأَنْكِحُوا الْأَيَّامَ مِنْكُمْ الى حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ط
(ربط) گزشتہ آیات میں ہر طرف سے نفسانی خواہشوں اور زنا کی روک تھام کا انتظام تھا۔ اب آئندہ آیات میں نکاح کا حکم دیتے ہیں جو عفت کا سامان ہے اور زنا سے بچنے کا عمدہ ذریعہ ہے، ان آیتوں میں ناکتھا یعنی غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے متعلق دو حکم مذکور ہیں۔ ایک حکم تو یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت ہو ان کا نکاح کر دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ وَأَنْكِحُوا الْأَيَّامَ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ یہ سورت کا ساتواں حکم ہے اور دوسرا حکم یہ ہے کہ جن میں نکاح کی استطاعت نہ ہو وہ صبر کریں اور ضبط نفس سے کام لیں، یعنی روزے رکھیں یہ روزہ ان کے لیے باعث حفاظت ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ اس عفت اور حفاظت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنائے ظاہری بھی عطا فرماویں کَمَا قَالَ تَعَالَى وَ لَيْسَتْ عَفِيفٌ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ یہ اس سورت کا آٹھواں حکم ہے

حکم ہفتم۔ بابت نکاح مجرداں

اور جو تم میں سے مجرد اور غیر شادی شدہ ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور خواہ ابتداء سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات یا طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور اسی طرح تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہیں۔ ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تاکہ نکاح سے ان کو طہارت اور

پاکیزگی حاصل ہو جائے اور فقر اور تنگدستی سے نہ ڈرو۔ اگر وہ فقیر اور محتاج بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی اور تونگر بنادے گا۔ اور اللہ بہت دینے والا اور سب کے حال کا جاننے والا ہے۔ اگر تم طہارت اور نزاہت کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تمہاری تنگ دستی کو فراخی سے بدل دے گا اور اللہ اس پر قادر ہے، جو شخص عفت اور پاکدامنی حاصل کرنے کی نیت سے اور بدکاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے گا اس سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فراخی عطا فرمائے گا۔

حکم ہشتم۔ صبر و ضبط نفس برائے حفاظتِ عفت

اور جو لوگ ایسے ہیں کہ جن کو اسبابِ نکاح میسر نہیں ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کریں۔ اور حتی المقدور صبر اور ضبط نفس سے کام لیں اور انتظار کریں اور روزے رکھیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنا اور فراخی عطا کرے پھر نکاح کریں۔

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور جو لوگ چاہیں لکھا تمہارے ہاتھ کے مال میں، تو ان کو

فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۚ وَآتُوهُمْ مِّنْ

لکھا دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی۔ اور دو ان کو اللہ

مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَتَاكُمْ

کے مال سے، جو تم کو دیا ہے۔

حکم نہم۔ مکاتبت و اعانتِ مملوک

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ... اِلَى... مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَتَاكُمْ (ربط) یہ نواں حکم ہے کہ جن غلاموں میں تم کسبِ معاش اور تجارت کی صلاحیت دیکھو تو ان کو مکاتب بنادو اور ان کی مدد کرو۔ تاکہ آزاد ہو کر وہ اپنی حسبِ منشاء نکاح کر سکیں اور اپنا گھر آباد کر سکیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو تمہارے مملوک ہیں خواہ غلام ہوں یا باندیاں اگر وہ تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مال دے کر تم سے اپنی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہیں تو ان کو مکاتب بنادو یعنی ان کو تحریر دے دو اگر کوئی لونڈی یا

غلام اپنے مالک سے یہ کہے کہ میں تم کو محنت اور مزدوری کر کے اتنی قسطوں میں اتنا روپیہ ادا کر دوں گا تو تم مجھے ایک تحریر لکھ دو کہ اتنا روپیہ لے کر تم مجھ کو آزاد کر دو گے اور مالک ایسا لکھ دے تو اصطلاح شریعت میں اس کو مکاتبہ کہتے ہیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آقاؤں کو حکم دیا کہ اگر تمہارے غلام ایسی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتبہ بنا دو۔ بشرطیکہ تم ان میں نیکی اور صلاحیت کو جانو کہ اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ کما کر اتنا مال ادا کر سکے گا اور سچا اور امانت دار ہے، نیک چلن ہے، بدچلن نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ امر استحبائی ہے اور بعض کے نزدیک ایجابی ہے۔ اور اگر تم ان کو نیک اطوار پاؤ اور ان میں نیکی کے آثار دیکھو تو تم ان کو اللہ کے مال سے بھی کچھ دے دو جو تم کو اللہ نے دے رکھا ہے تاکہ اس مال کی مدد سے وہ جلد آزاد ہو سکیں کیونکہ جب شروع ہی میں غلام کو کچھ مال مل جائے گا تو کمانا شروع کر دے گا اور قسطوں کا ادا کرنا اس پر آسان ہو جائے گا۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور نہ زور کرو اپنی چھو کر یوں پر بدکاری کے واسطے، اگر وہ چاہیں قید رہنا،

لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْنَنَّ فَإِنَّ

کہ کمایا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا۔ اور جو کوئی ان پر زور کرے تو

اللَّهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ كَرَاهِيْنَنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

اللہ ان کی بے بسی پیچھے بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دہم۔ ممانعت از اکراہ واجبار علی الزنا

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ.....إِلَى..... غَفُورٌ رَحِيمٌ

(مربط) یہ سوال حکم ہے۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے اور ان پر ٹیکس لگاتے کہ ماہانہ اتنی رقم ہم کو دیا کرو تاکہ وہ باندیاں اس طرح سے ان کی آمدنی کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سختی سے منع فرمادیا، چنانچہ فرماتے ہیں اور اپنی باندیوں کو زنا اور بدکاری پر مجبور نہ کرو۔ خاص کر جب کہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔ بدکاری پر کسی کو مجبور کرنا تو ہر حال میں بُرا ہے اور خاص کر اس حال میں کہ جب وہ لونڈی پاکدامنی کی طلب گار ہو تو اور بھی بُرا ہے اور یہ امر نہایت ہی قبیح اور شرمناک ہے کہ تم اپنی باندیوں کو اس لیے بدکاری پر مجبور کرو تاکہ اس کے ذریعہ تم اپنی زندگی کا کچھ فائدہ حاصل کر سکو اور ان کی حرام کمائی

سے کچھ روپیہ تم کو مل جائے، اس لالچ پر کسی کو زنا اور بدکاری پر مجبور کرنا بہت ہی شرمناک کام ہے اور جو شخص ان کو زنا کاری پر مجبور کرے باوجودیکہ وہ اس سے بچنا چاہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ اس اکراہ اور اجبار کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے، مجبوری اور بے کسی کی حالت میں اگر گناہ کیا جائے تو اس کے واسطے اللہ سے مغفرت کی امید ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی اور ایک دستور ان کا

الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾

جو ہو چکے ہیں تم سے آگے، اور نصیحت ڈر والوں کو -

خاتمہ احکام عشرہ مذکورہ برائے امتنان ہدایت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ.... الی.... وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝
(ربط) یہاں تک نفس کو رذائل اور خباثت سے پاک کرنے کے لیے دس احکام بیان فرمائے
اب انکے خاتمہ پر بندوں پر امتنان اور اظہار احسان فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری ہدایت اور نصیحت کے لیے یہ احکام
نازل کیے تاکہ تم رذائل اور خباثت اور گندگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہارے دل سنور اور روشن ہو جائیں۔
اور تم عقیف اور پاکدامن بن جاؤ۔ اور وَالَّذِينَ هُمْ يَغُفُّونَ جِهَتِهِمْ حَافِظُونَ کے زمرہ میں داخل ہو
کر اس فلاح کے مستحق ہو جاؤ جس کا اللہ تعالیٰ نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ میں وعدہ کیا ہے چنانچہ فرماتے
ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری ہدایت کے لیے تمہاری طرف واضح اور روشن احکام نازل کیے جس سے تم
پر حلال اور حرام اور خبیث اور طیب کا فرق واضح ہو جائے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی
مثالیں اور حکایتیں بیان کیں کہ جن گزشتہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی اور بے حیائیوں
کے مرتکب ہوئے ان کا حال اور مال تمہارے سامنے بیان کیا تاکہ اس سے عبرت پکڑو اور خدا سے ڈرنے
والوں کے لیے نصیحت اتار دی تاکہ وہ اللہ کی نصیحتوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا کے پرہیزگار بندے بن
جائیں اور خبیثین کے طریقہ کو چھوڑ کر طیبین کا طریقہ اختیار کریں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین
صفیں بیان کیں۔

(۱) آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ (۲) وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ (۳) وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی - کہاوت اس کی روشنی کی، جیسے ایک

فِيهَا مِصْبَاحٌ ط أَلْيَصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ط الزُّجَاجَةُ

طاق اس میں ایک چراغ۔ چراغ دھرا ایک شیشہ میں - شیشہ

كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ

جیسے ایک تارا ہے جھمکتا، تیل جلتا ہے اس میں ایک درخت برکت سے،

زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ لَا يَكَادُ

وہ زیتون ہے نہ سورج نکلنے کی طرف نہ ڈوبنے کی طرف، لگتا ہے

زَيْتُهَا يُضَيُّءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُورٌ عَلَى نُورٍ ط

اس کا تیل کہ سلگ اٹھے ابھی نہ لگی ہو اس کو آگ - روشنی پر روشنی،

يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ط وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ

اللہ راہ دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے - اور بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

لِلنَّاسِ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۳۵ فِي بُيُوتٍ أُذُنَ

لوگوں کو - اور اللہ سب چیز جانتا ہے - ان گھروں میں کہ اللہ

اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَهُ وَيَذْكُرُ فِيهَا اسْمَهُ لَا يَسْبِيحُ لَهُ فِيهَا

نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اس کا نام پڑھنے کا یاد کرتے ہیں اس کی

بِالْعُدُوِّ وَالْأَصْحَالِ ۝۳۶ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا

دوہاں صبح اور شام - وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ط

بیچنے میں اللہ کی یاد سے - اور نماز کھڑی رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝۳۷

ڈر رکھتے ہیں اس دن کا، جس میں اُلٹے جاویں گے دل اور آنکھیں ۔

لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۝۳۸

کہ بدلہ دے ان کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا، اور بڑھتی دے ان کو اپنے فضل سے ۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۹

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار ۔

آیت نور در بارہ تمثیل نور ہدایت و ظلمت فسق و فجور و انوار قلوب اہل ہدایت و ظلمت قلوب اہل ضلالت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ نُورٌ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ مِّنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ
(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک احکام ہدایت اور کلمات حکمت و موعظت کا ذکر ہوا اور گزشتہ آیات میں یہ فرمایا کہ ہم نے روشن آیتیں نازل کیں جس سے مقصود یہ تھا کہ لوگ گمراہی کی ظلمت سے نکل کر نور ہدایت میں آجائیں۔ اس لیے ان آیات میں اول نور ہدایت اور ظلمت ضلالت کی مثال بیان کرتے ہیں اور پھر اہل ہدایت اور اہل ضلالت کا حال اور مال بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ دلائل ایمان و ہدایت نور مبین کی طرح روشن ہیں اور ادیان کفر انتہائی ظلمت اور تاریکی میں ہیں گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا۔ وَ كَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتِکُمْ مُّبٰیِّنٰتٍ کہ ہم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آیات بینات کو نازل کیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کی آیتیں بلاشبہ انوار ہیں اور یہ قرآن اللہ کا نازل کردہ نور ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالتَّوْحٰیذِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا وَقَالَ تَعَالٰی قَدْ جَاءَ کُمْ بُرْهٰنٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیِّنًا

اس لیے اب آئندہ آیات میں نور ہدایت کی مثال بیان کرتے ہیں۔ اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا تمام کائنات کو جو نور وجود بلا ہے وہ سب اسی نور السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے نور کا ایک عکس اور پرتو ہے حق جل شانہ نور حق اور نور مطلق ہے۔ آسمان اور زمین کے تمام انوار حسیہ و عقلیہ پر قاہر اور غالب ہے آسمان و زمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حسی اور معنوی روشنی ہے وہ سب اسی نور برحق اور نور مطلق

کافیض اور عطیہ ہے آسمان اور زمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور حق جل شانہ نورالانوار ہے اور اس کا نور غیر محدود اور غیر متناہی ہے، خدا تعالیٰ کا نور اصلی ہے اور مخلوقات کا نور عارضی ہے اور خدا کا عطیہ ہے اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اگر وہ پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان و زمین کو عدم کی ظلمت سے نکال کر وجود کا لباس پہنایا اور ان کو ظاہر اور آشکار کیا۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بیخبر نور وجود ستہ شہود از تو یا فتم
آسمان اور زمین میں جس قدر بھی انوار اور سامان ظہور ہیں وہ سب اسی نور السموات والارض کے پیدا کردہ ہیں۔
(۱) مثلاً نور آفتاب و ماہتاب اور نجوم و کواکب ان چیزوں کا نور اور ان کی روشنی عالمگیر ہے۔
(۲) اور نور بصر یعنی چشم سر کا نور اور اس کی روشنی جس سے سامنے کی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔
(۳) اور نور بصیرت یعنی چشم دل اور نور عقل جس کے ذریعہ حسی اور عقلی چیزوں کا ظہور ہوتا ہے یہ سب اسی کی مخلوق ہیں۔

اور اللہ کا نور جو اس کی صفت ہے وہ قدیم اور ازلی ہے اور بے چون و چگون ہے وہاں کسی کم اور کیف کا گزر نہیں اور اللہ نور السموات والارض میں جو نور اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے وہ اللہ کی صفت ہے اور یہ انوار حسیہ اور انوار عقلیہ جن سے آسمان و زمین بھرے ہوئے ہیں وہ سب اس کے نور قدیم کا ایک ادنیٰ سا پر تو ہیں اس لیے نور کو آسمان اور زمین کی طرف مضاف کیا کہ یہ آسمان و زمین اسی کے جمال بے مثال کے ایک ادنیٰ پر تو سے روشن ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا۔

اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے جو آیات بینات نازل فرمائیں وہ سب انوار غیبیہ اور باطنیہ ہیں جن سے حق اور باطل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور معنوی طور پر آیات بینات کا نور۔ آفتاب اور ماہتاب کے نور سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ جس طرح نور عقل۔ نور آفتاب سے بڑھ کر ہے، اسی طرح نور وحی۔ نور عقل سے بڑھ کر ہے۔ نور آفتاب سے صرف محسوسات کا ظہور ہوتا ہے اور نور عقل سے محسوسات اور معقولات کے ظاہر و باطن کا ظہور اور انکشاف ہوتا ہے اور نور وحی سے ان چیزوں کا ظہور ہوتا ہے کہ جو دراء عقل ہیں جہاں نور عقل کی رسائی نہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ نور کی حقیقت یہ ہے کہ جو شے بذات خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والی ہو۔ پس نور اصل صفت حق جل شانہ کی ہے اور وہ بذاتہ ظاہر ہے اور اس کے سوا جو بھی ظاہر ہے وہ اسی کے ظاہر کرنے سے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہری یا باطنی روشنی ہے وہ اسی نور السموات والارض کے حسن و جمال کا اور اس کے فضل و کمال کا ایک پر تو ہے تمام ممکنات ظلمت کد عدم میں پڑی ہوئی تھیں اور باہم کوئی امتیاز نہ تھا اس لیے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو ساکن اور متحرک اور بلند اور پست میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون اوپر ہے اور کون نیچے ہے، جب نور اور اُجالا آتا ہے اور اندھیرا دور ہوتا ہے تب حقیقتیں اور کیفیتیں کھلتی ہیں اور اچھے برے اور جوہر اور عرض میں تمیز ہوتی ہے اسی طرح

سمجھو کہ عدمِ ظلمت اور تاریکی ہے اور نور وجود اور ظہور ہے اگر وہ نور السموات والارض ممکنات کو نور وجود اور نور ہستی عطا نہ کرتا تو تمام ممکنات عدم کی ظلمت اور تاریکی میں پڑی رہتیں۔ اور بلندی اور پستی کا کوئی امتیاز نہ ہوتا اور آنکھ اور عقل میں بھی روشنی نہ ہوتی تو ادراک کیسے ہوتا۔ ادراک بھی تو آخر ظلمت ہی میں ہوتا، پھر کہاں سے ہوتا جس طرح زمین اپنی ذات سے تاریک اور بے نور ہے، آفتاب کے عکس اور پر تو سے اس میں روشنی آئی اور زمین کی چیزیں نظر آنے لگیں۔ اندھیری رات میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون زید ہے اور کون عمرو ہے، اسی طرح ممکنات کی ظلمت عدم کو سمجھو کہ وہ اپنی ذات سے اندھیرے میں ہیں جب نور السموات والارض کی تجلی سے نور وجود کا کوئی پر تو ان پر پڑ جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ہستی کہ بذات خود ہوید است چو نور ذرات کمونات از ویافت ظہور
ہر چیز کہ از سرخ او افتد دور در ظلمت نیستی بماند مستور

آفتاب اور ماہتاب ظاہری نور ہیں جن سے دنیا کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور بَصَر (چشم سر) بھی ایک ظاہری نور ہے جس سے رنگتوں کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور بصیرت (چشم دل) ایک باطنی نور ہے جسے نور عقل بھی کہتے ہیں اس سے حقائق اشیاء کا ظہور ہوتا ہے آسمان آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی روشنی سے روشن ہے اور زمین انبیاء اور علماء اور اولیاء کے انوار علم اور انوار ذکر و تسبیح سے منور ہے۔ الغرض آسمان و زمین میں جس قدر انوار حسیہ اور انوار عقلیہ موجود ہیں وہ سب اسی نور السموات والارض کی مخلوق ہیں جس طرح نور اشیاء کے ظہور کا سبب ہے اسی طرح سمجھو کہ وہ نور السموات والارض آسمانوں اور زمینوں کے ظہور کا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سارا کون و مکان اور یہ زمین و آسمان ظہور میں آیا۔

اور چونکہ خدا تعالیٰ کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر اور روشن ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اسی کی وجہ سے ہے، اسی وجہ سے فرمایا۔ اَللّٰهُ خُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اللّٰهُ نُورٌ ہُوَ آسْمَانُوْنَ کا اور زمین کا۔ یعنی آسمان اور زمین اور ان کی تمام چیزیں اسی کے ظاہر کرنے سے ظہور میں آئیں۔

ہمہ عالم بنور اوست پیدا کجا اد گردو از عالم ہویدا
زہے ناداں کہ ادخورشید تاباں بنور شمع جوید در بیا باں

پس جس طرح نور اللہ کی صفت ہے اسی طرح ظہور بھی اللہ کی صفت ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق جل شانہ نے اس جملہ میں یعنی اَللّٰهُ خُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں اول اپنے نور عام کا ذکر فرمایا جو اس کی صفت ذات ہے جو تمام کمونات کو محیط ہے اب آئندہ آیت میں اپنے نور خاص کا یعنی نور ہدایت اور نور توفیق کا ذکر فرماتے ہیں جو اس کی صفت فعل ہے کیونکہ ہدایت دینا اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے اور اس کا ایک فضل ہے اور بندہ کو جو نور ہدایت ملتا ہے وہ اس کے فعل کا مفعول بہ اور مخلوق اور مجعول ہے اور اس کے خوان فضل و کرم کا ایک لقمہ اور نوالہ ہے۔

جس کو مل گیا وہ جی اٹھا پس آئندہ آیات میں اس کے پیدا کردہ اور عطا فرمودہ نور ہدایت اور نور توفیق کی مثال بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کے نور ہدایت کی مثال جو اس کی طرف سے مؤمن کے دل میں ڈالا گیا ہے اس کی عجب شان ہے۔ اور وہ شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہے تاکہ اس کی روشنی منتشر نہ ہو۔

اور وہ چراغ شیشہ کے ایک صاف و شفاف قندیل میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دو بالا ہو جاتی ہے اور وہ شیشہ گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ ہے اور وہ چراغ ایک مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جا رہا ہے اور مبارک درخت زیتون کا ہے۔ جو نہ سمت مشرق میں ہے نہ سمت مغرب میں ہے۔ بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے ایسے درخت کا روشن نہایت صاف و شفاف اور روشن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ درخت کسی پہاڑ یا غار کی آڑ میں نہیں۔ اس میں اور آفتاب میں کوئی چیز حائل نہیں ایسے درخت کا تیل نہایت صاف اور چمکتا ہوا ہوتا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اس کا تیل اس قدر صاف و شفاف ہے کہ قریب ہے کہ وہ تیل خود بخود جل اٹھے اور روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ لگی ہو یعنی وہ تیل اس قدر صاف و شفاف ہے کہ جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو آگ لگ گئی تو پھر وہ نور علی نور ہے یعنی نور پر نور ہے۔ ایک نور تیل کا اور ایک نور آگ کا جب دونوں جمع ہو جائیں تو نور پر نور اور روشنی پر روشنی ہے۔ آیت میں جو مثال ذکر کی گئی وہ نور ایمان اور نور ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کے دل میں ہے ایک نور تو ہے فطرت سلیمہ کا اور دوسرا نور وحی کا ہے اور مقصود یہ ہے کہ وہ نور بڑا ہی عظیم الشان ہے اور یہ مطلب نہیں کہ فقط دو ہی نور ہیں۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اسی طرح مؤمن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے اور اپنی فطرت سلیمہ اور جبلت صحیحہ سے راہ راست پر چلنے لگتا ہے قبل اس کے کہ اس کو ہدایت کا علم ہو پھر جب اس کو علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہو جاتی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۸۔ سورۃ النور اور دیکھو تفسیر کبیر للعلامة الرازی ص ۳۲ ج ۴۔

علاء جیسا کہ ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھا کرتے تھے مثل نور من امن بہ اور ابن عباسؓ یوں پڑھا کرتے تھے مثل نور من امن باللہ۔

علاء۔ عن عبداللہ بن عباسؓ مثل نورۃ مشکوٰۃ قال مثل ہدایۃ فی قلوب المؤمنین کما یکاد الزیت الصّافی یضیی قبل ان تمسہ النار فاذا مستہ النار ازداد ضوء علی ضوء کذلک یسکن قلب المؤمن یعمل بالہدی قبل ان یتیہ العلم فاذا جادہ العلم ازداد ہدی علی ہدی ونور علی نور اھ تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۸۔
علاء۔ قال یحیی بن سلام قلب المؤمن یعرف الحق قبل ان یتبین لہ لہو افقہ لہ وھو المراد من قولہ علیہ الصّلاۃ والسلام اتقوا فراستہ المؤمن فامہ ینظر بنور اللہ، تفسیر کبیر ص ۳۲ ج ۴۔

یعنی اول تو مؤمن کا دل خود روشن تھا جب او پر سے اس کو نور ہدایت آگیا تو نور علی نور ہو گیا۔
یحییٰ بن سلام کہتے ہیں کہ مؤمن قانت کا دل بتلانے سے پہلے ہی حق کو پہچان لیتا ہے جیسا کہ
حدیث میں ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پس مؤمن قانت کا جسم یا اس کا سینہ بمنزلہ طاق کے ہے اور مؤمن کا دل بمنزلہ صاف و شفاف شیشہ
اور قندیل کے ہے جو شکوک و شبہات کے زنگ سے پاک و صاف ہے اور نور معرفت اور نور بصیرت
اور نور ہدایت یا نور ایمان اور نور عرفان یا نور قرآن بمنزلہ مصباح (چراغ اور شمع) کے ہے جو مؤمن کے دل میں
روشن ہے اور مؤمن قانت کی فطرت سلیمہ اور اس کی فطری صلاحیت اور حسن استعداد بمنزلہ تیل کے ہے جو
بدء فطرت سے من جانب اللہ مؤمن کو عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ
النَّاسَ عَلَيْهَا اور یہی فطری سلامتی اور حسن استعداد اس کے چراغ معرفت کا مادہ ہے اور جیسا کہ حدیث میں ہے
کل مولود یولد علی الفطرة اور دوسری حدیث ہے خلقت عبادی کلہم حنفاء اور شجرہ مبارکہ سے
شجرہ صدق و اخلاص مراد ہے کہ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ بلکہ حقیقت میں وہ جنت کا درخت ہے ایسا
مؤمن مخلص جس کا قلب چراغ ہدایت و معرفت سے منور ہو تو ایسے مؤمن کا دل بوجہ نورانیت کے بسا اوقات
اپنے وجدان اور نور معرفت سے حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ ابھی تک اس کو اس حق کا علم نہ ہوا ہو وہ دل کی
شہادت سے جان لیتا ہے کہ یہ بات حق ہے اور یہ بات ناحق ہے اس قسم کے لوگ نور جلی اور عنایت الہی
کے باعث بھلے اور بُرے میں تمیز کر کے محاسن اور فضائل کی طرف توجہ اور رغبت کرتے ہیں اور طبعی طور پر
ذمائم اور قبائح سے نفرت کرتے ہیں جیسا کہ بعض اوقات فاروق اعظمؓ کا قلب نزول وحی سے پہلے ہی حق
کی طرف پہنچ جاتا تھا اور اپنی رائے اور بصیرت سے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ لیتا تھا اور بعد میں اسی کی موافقت
میں وحی کا نزول ہوتا تھا اور نزول وحی کے بعد ان کے نور معرفت اور نور بصیرت میں زیادتی ہو جاتی تھی اور اس
نور باطنی کے ساتھ جب نور وحی بھی مل جاتا تو نور علی نور ہو جاتا۔ ایک نور اندر کا اور ایک نور باہر کا۔

الغرض مؤمن قانت پہلے ہی اپنی فطرت سلیمہ اور خداداد قلب سلیم سے اجمالی طور پر حق پہچان لیتا ہے
اور یکلخت اس کے دل میں ایسا جوش اٹھتا ہے کہ اس کام کے کرنے پر آمادہ بلکہ مجبور کر دیتا ہے، پھر جب حکم
خداوندی کو سنتا ہے تو تفصیلی طور پر حق کو جان لیتا ہے اور اس کے ایقان اور اطمینان میں اور اضافہ ہو جاتا
ہے جب نور فطرت کے ساتھ نور شریعت بھی مل جاتا ہے تو نور علی نور کا مصداق ہو جاتا ہے اور اسی
باطنی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے قَالَ اللَّهُ تَعَالَى اَفْهَمْتُ شَرْحَ
اللَّهِ وَ صَدْرَهُ لِلَّهِ سَلَامٌ فَهُوَ عَلَى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهِ وَقَالَ تَعَالَى فَمَنْ يُّرِدِ اللَّهُ اَنْ يُّهْدِيَهُ يَشْرَحْ
صَدْرَهُ لِلَّهِ سَلَامٌ ایسا شخص اگرچہ کسی کام کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو مگر طبعی طور پر اس کا دل حلال
کے کھانے پر تیار ہو جاتا ہے اور حرام کے کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفرت کرتا ہے اور ظاہری
طور پر اس چیز کے حرام اور حلال ہونے کا اس کو بالکل علم نہیں ہوتا۔ یہ القاء غیبی ہوتا ہے اس قسم کے لوگوں کو

اصطلاح شریعت میں محدث من اللہ اور ملہم من اللہ کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ کو کوئی بات پیش آتی ہے اور اس بارہ میں ان کو حکم شرعی کا علم نہیں ہوتا مگر نور باطنی کی وجہ سے ان کو امر حق کے متعلق شرح صدر ہو جاتا ہے اور وہ پہلے ہی سے اس کو اختیار کر لیتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی فطرت سلیمہ میں قبول حق کی استعداد اس درجہ قوی تھی کہ قریب تھا کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھے۔ اب ذرا اس کو دیا سلائی دکھائی اور ذرا آگ لگائی تو فوراً اس کی فطری روشنی بھر پک اٹھی۔ لہذا اس نور فطرت کے ساتھ اگر نور شریعت بھی لگ جائے تو یہ روشنی اس قدر تیز ہو جائے کہ نور علی نور کا مصداق بن جائے اور حدیث میں آیا ہے۔ استفت قلبک وان افتاک المفتون یعنی جب تجھے کوئی بات پیش آئے تو اپنے دل سے فتویٰ لے لے اگرچہ مفتی فتویٰ دیا کریں سو یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کا قلب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو اور نفسانی ظلمتوں اور کدورتوں سے پاک ہو۔ تو ایسوں کے لیے جائز ہے کہ اپنی قلب سلیم سے استفتاء کر لیا کریں، باقی جو چراغ دل۔ مشرقی یا مغربی شہوانی درختوں کے کشید کردہ تیل سے جل رہا ہو اس سے استفتاء جائز نہیں۔

غرض یہ کہ نور ہدایت جو مومن قانت کو عطا ہوتا ہے وہ اللہ کی خاص رحمت اور خاص عنایت ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنے اس خاص نور کی راہ دکھاتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے یہ نور محض اس کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہتا ہے فضل سے نواز دے اس نور کی ابتداء بھی اسی کی طرف سے ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ اور اس نور کی انتہاء اور تکمیل بھی اسی کی مشیت پر ہے جیسا کہ اسی آیت میں فرمایا یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورٍ مَّنْ یَّشَآءُ اس آیت میں نور ہدایت سے نور توفیق مراد ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوتا ہے۔ جن پر اللہ کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے یہ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ ان پر حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون اس نور کے لائق ہے اور کون نہیں۔ جو دینے والا ہے وہ جاننے والا بھی ہے، اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا ان کے وجود سے پہلے علم تام اور علم محیط تھا۔ اس آیت میں ہدایت عامہ کا بیان ہے جس میں تمام لوگ شریک ہیں جیسا کہ لفظ لِلنَّاسِ عموم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ضرب امثال پر جو ہدایت مرتب ہوتی ہے وہ ہدایت عامہ ہے اور گزشتہ آیات یعنی یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورٍ مَّنْ یَّشَآءُ میں ہدایت خاصہ کا بیان تھا کیونکہ وہاں لفظ مَّنْ یَّشَآءُ موجود تھا جو خصوص پر دلالت کرتا ہے۔

بہر حال جمہور علماء کے نزدیک اس آیت میں نور مومن کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ اس کے آئینہ دل میں ہدایت اور معرفت کا ایک چراغ روشن ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے

ہیں کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ مشکوٰۃ سے حضور کا سینہ مبارک مراد ہے اور زجاجہ سے آپ کا قلب منور مراد ہے جو نور الہی سے روشن اور منور ہے جس کا اصل مادہ ملت

ابراہیمیہ حنیفیہ ہے اور شجرۃ مبارکہ سے حضرت ابراہیمؑ مراد ہیں جو شجرۃ الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں۔ یہ تفسیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۶۳، ۱۲۷)۔

اور پہلی تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے منقول تھی، اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل ہدایت کون لوگ ہیں اور وہ نور ہدایت یعنی کہ وہ روشنی کہاں ملتی ہے۔ سو بتلاتے ہیں کہ وہ روشنی مسجدوں اور خانقاہوں میں ملتی ہے۔ جہاں صبح و شام اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبح و شام اللہ کے ذکر میں اور اس کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں اور ان رجالِ آخرت کی صحبت اور ہم نشینی میں ملتی ہے کہ جو بظاہر دنیوی تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور درپردہ اور باطنِ آخرت کی تجارت میں عرق اور سرگرداں ہیں۔ یہ لوگ اہل ہدایت ہیں جن کے دل نور ہدایت سے منور ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے کے لیے یہ مثال بیان کر دی پس اگر تم نور ہدایت کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو وہ نور ایسے گھروں میں ملے گا جن کے ادب اور احترام اور بلند کرنے کا اور ان کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ ان گھروں میں اللہ کا نام لیا جائے اس میں تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن اور دیگر اذکار سب داخل ہیں ان گھروں سے مسجدیں اور خانقاہیں مراد ہیں جن میں دن رات اللہ کا نام لیا جائے ہدایت کے چراغ تم کو مسجدوں میں ملیں گے۔ وہاں جاؤ۔

اور ان گھروں میں صبح و شام اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں ایسے مردانِ ہمت جن کی صفت یہ ہے کہ کوئی دنیاوی تجارت اور کوئی خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی یعنی یہ لوگ اگرچہ بظاہر دنیوی تجارت میں مشغول ہیں لیکن درحقیقت یہ لوگ ایسے باہمت اور مردانِ شجاعت ہیں کہ اصل مقصود ان کا آخرت کی تجارت ہے دنیا کی تجارت ان کو آخرت سے غافل نہیں ہونے دیتی ان کا اصل مقصود دین ہے اور دنیا اس کی تابع ہے اگر دنیا مقصود ہوتی تو اس طرح فرماتے لَا يُلْهِمُهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ عَنِ التِّجَارَةِ یعنی اللہ کا ذکر ان کو تجارت سے غافل نہیں کرتا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود دین ہے۔

نکتہ | اللہ تعالیٰ نے ہر عمل کرنے والے کو مرد نہیں کہا بلکہ ایسے لوگوں کو مرد کہا کہ جو دنیا کی تجارت میں پڑ کر آخرت سے غافل نہ ہوں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ایسا نہ ہو وہ مرد نہیں۔

ازدروں شو آشناد و زبردوں بیگانہ باش ایں چنین زیباروش کم می بود اندر جہاں۔
اور ان رجالِ آخرت اور مردانِ ہمت کی ایک صفت یہ ہے کہ یہ مردانِ ہمت اس دن سے ڈرتے ہیں کہ اس میں دل آنکھیں اُلٹ پلٹ ہو جائیں گی، اس دن حیران اور پریشان ہوں گے کہ دیکھئے آج کیا ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ باوجود عبادت کے پھر خوف ہے۔ عجب اور خود پسندی نہیں وہ اپنے اعمال کو ہیج سمجھتے ہیں جیسا کہ یہی مضمون دوسری آیت میں ہے۔ قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنْتَهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ۔
غرض یہ کہ ان رجالِ آخرت پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لیے یہ مردانِ خدا لہو و لعب میں نہیں پڑتے۔

بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل سے ان کو زیادہ بھی دے، یعنی وعدہ کے علاوہ بلا استحقاق اپنے فضل سے زیادہ عطا فرمائے گا جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو یا زیادتی فضل سے دیدار خداوندی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جزاء اعمال کے علاوہ مزید اپنے دیدار پُر انوار سے مشرف فرمائے۔ کما قال تعالیٰ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَ زِيَادَةً ۖ اِس آیت میں زیادت سے دیدار خداوندی مراد ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے، اس کے جوہ و کرم کی کوئی حد نہیں وہ مالک مطلق ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں جس کو جو چاہے اور جتنا چاہے۔ دے۔ وہ اس کا فضل ہے ذاتی استحقاق کسی کا نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبادت اور تجارت دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں اور دین۔ دنیا کے منافی نہیں لہذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ دین کا کام کرنے سے آدمی دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ بالکل غلط ہے اللہ اور اس کے رسول نے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت کو فرض قرار دیا جس پر دنیا کا دار و مدار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کسب الحلال فریضۃ یعنی کسب حلال فرض ہے البتہ دنیا کی محبت ممنوع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے شریعت نے حلال طریقہ سے ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے البتہ اس کے احکام بتلائے ہیں اور عقلاً یہ درست ہے دنیا کی کون سی حکومت ہے جس میں تجارت اور زراعت وغیرہ کے متعلق احکام موجود نہوں اور یہ احکام دنیا کی متمدن اور مہذب حکومتوں کے احکام سے ہزار درجہ بڑھ کر آسان ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہ علماء شریعت۔ کسب دنیا سے منع کرتے ہیں بالکل غلط ہے، قرآن اور حدیث میں اور کتب فقہ میں ضروریات معاش کی تحصیل کو فرض قرار دیا ہے اور اس کے احکام بتلائے ہیں اور بے کاری کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ افلاس بعض دفعہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرًا قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک پہنچا دے۔

شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا کہ تم دنیا کو بالکل چھوڑ دو اور حقوق کو معطل کر کے بیٹھ رہو بلکہ شریعت یہ کہتی ہے کہ حلال طریقہ سے دنیا کماؤ اور اس کے حقوق ادا کرو اور کسی حالت میں قانون شریعت کے دائرہ سے باہر نہ نکلو۔ دنیا کی وہ کون سی متمدن حکومت ہے کہ جہاں کے باشندے تجارت اور زراعت اور صنعت و حرفت میں قانون حکومت سے آزاد ہوں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں، اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں، پیاسا جانے

الظَّمَانُ مَاءٌ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ

اس کو پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا، اور

اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقُهُ حِسَابُهُ وَاللَّهُ سَرِيعٌ

اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اس کا لکھا۔ اور اللہ جلد لینے والا

الْحِسَابِ ۝۳۹ أَوْ كُظُمْتُ فِي بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ

ہے حساب - یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اس پر ایک لہر اس

فَوْقَهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ طُلُمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ

پر ایک لہر اس کے اوپر ایک بدلی - اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔

بَعْضٍ ۝۴۰ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَهَا ۝ وَمَنْ لَّمْ

جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو سوچھے۔ اور جس کو اللہ

يَجْعَلُ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۝۴۱

نے نہ دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی -

اعمال کفار کی دو مثالیں

قال الله تعالى: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ إِلَى فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ .
(ربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے نورِ ہدایت کی مثال بیان فرمائی اور اس کو نور علی نور فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں کافروں کے مظالم اور تاریک اعمال کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں جو ظلمات پر ظلمات اور اندھیرے پر اندھیرا ہیں۔ کافر دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو معاد کے قائل ہیں اور اپنے زعم کے مطابق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ سرنے کے بعد یہ اعمال ہمارے کام آئیں گے اور دوسری قسم کافروں کی وہ ہے کہ جو معاد اور جزا اور سزا کے منکر ہیں اور دنیاوی لذات و شہوات میں غرق ہیں ان آیات میں ان دو قسم کے کافروں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں منافقوں کے اعمال کی دو مثالیں ذکر فرمائیں ایک آبی اور ایک آتش۔ اسی طرح یہاں بھی دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں۔
مثال اول | اور پہلی قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے چٹیل میدان میں ایک چمکتا

ہوا ریت کہ پیسا آدمی اس کو دُور سے پانی گمان کرتا ہے اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ پیسا اُسے پانی سمجھ کر وہاں پہنچتا ہے تو اپنے گمان اور تصور کی کوئی چیز نہیں پاتا اور بجائے پانی کے اپنے پاس اللہ کے قہر اور غضب کو پاتا ہے پھر اللہ اس کے حساب کو پورا کر دیتا ہے اور اللہ جل جلالہ لینے والا ہے۔ اسے حساب لینے میں کوئی دیر نہیں لگتی اسے کیا مشکل ہے۔ یہ مثال ان کافروں کے اعمال کی ہے جنہوں نے دنیا میں کچھ صدقہ اور خیرات کیا اور کچھ نیک کام کیے اور ان کو ذریعہ آخرت خیال کیا کہ ہم نے کچھ نیکی حاصل کی اور ہمیں اس کا ثواب ملے گا۔ تو یہ کافر دنیا میں اپنے اعمال کو پانی کی طرح سمجھتا رہا کہ وقت پر میرے کام آئیں گے حالانکہ وہ کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے حقیقت میں پانی نہ تھے بلکہ ظاہری طور پر صورتہ وہ پانی کے مشابہ تھے اور درحقیقت وہ سراب تھے چمکتے ہوئے ریت کے مشابہ تھے۔ جب تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا اور اس وقت تو حقیقت کھلی اور اُمید پر پانی پھر گیا اور بصد ہزار حسرت و غم پیسا مر گیا۔ اس کو اُمید تھی کہ اللہ میرے ان اعمال سے راضی ہوگا، جب مگر خدا کے پاس پہنچا تو بجائے آبِ حیات کے اسے آتش غضبِ الہی نظر آئی اور عمر بھر کی بد اعمالیوں کا حساب کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا ہوا اور تباہ و برباد ہوا۔

دوسری مثال | یا کافروں کے اعمال کی مثال مثل بڑے گہرے سمندر کی تاریکیوں کی طرح ہے جس پر موج سوار ہے اور موج کے اوپر ایک اور موج ہے اور پھر اس کے اوپر ایک بادل کہ جوستاروں کی روشنی کو بھی چھپائے ہوئے ہے یہ تاریکیاں ہیں ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہیں۔ اندھیری پر اندھیری ہے غرض یہ کہ غایت درجہ کی اندھیری ہے، جب وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکال کر دیکھنا چاہتا ہے جو سب اعضاء میں اس کے قریب ہے اور قریب سے دکھائی دیتا ہے تو تاریکیوں کی شدت کی وجہ سے اپنے ہاتھ کو بھی نہیں دیکھ سکتا پس جب وہ اپنے ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا جو آنکھ کے بالکل قریب ہے تو اور چیزوں کو بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھ سکے گا یہ دوسری تمثیل ان کافروں کے اعمال کی ہے جو دن رات نفسانی شہوتوں اور دنیاوی لذتوں میں غرق ہیں اور برے اعمال کی تاریکیوں اور اندھیروں میں چھپے ہوئے ہیں کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں۔ کفر اور جہالت کے تاریک اور عمیق سمندر میں غرق ہیں جہاں روشنی کا کوئی نام و نشان نہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اعتقاد بھی تاریک اور قول بھی تاریک اور عمل بھی تاریک ان لوگوں کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی کہ سراب کو دیکھ کر نظر آتی ہے یہ لوگ تو ہر طرف سے ہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں روشنی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ اور جسے اللہ روشنی نہ دے تو اس کے لیے کہیں روشنی نہیں۔ روشنی تو دین اسلام میں ہے کفر میں کہاں سے روشنی آئی۔ کافروں کی مثال کے اخیر میں یہ جملہ ایسا ہے جیسے مومنین کی مثال کے اخیر میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورٍ مِّنْ نِّسْآءٍ يٰۤهٰاں اس کے مقابل یہ فرمایا۔ وَ مَن لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِّنْ نُّوْرِ مِّنْ حَالَتٍ تُوْرُوْشَن ہے اور نور پر نور ہے اور کافر کی حالت ظلمتیں یعنی اندھیریاں ہیں اور اندھیروں پر اندھیریاں ہیں حاصل کلام یہ کہ کافروں کے اعمال اگر بظاہر نیک ہوں تو مثل سراب کے ہیں اور اگر بد ہوں تو مثل ظلمات کے ہیں۔

لطائف الاشارات

جاننا چاہیے کہ ابتداء آیت میں نور ہدایت اور نور توفیق کا ذکر کیا بعد ازاں یہ بتلایا کہ وہ نور ہدایت اتباع شریعت اور التزام مساجد میں منحصر ہے اور فی بیوت اذن اللہ سے یہی مساجد مراد ہیں کہ جن کی تعظیم واجب ہے، بعد ازاں یہ بتلایا کہ نور ہدایت کے لیے دوام ذکر اور دوام تسبیح اور رجال آخرت کی صحبت ضروری ہے یُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْعُدُوِّ وَالْأَصَالِ دوام ذکر اور دوام تسبیح کی طرف اشارہ ہے اور رجال آخرت ثلثیہم الخ سے رجال آخرت کی صحبت کی طرف اشارہ ہے۔ کما قال تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ بعد ازاں یَجْزِيهِمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا سے تاجران آخرت کی طرف اشارہ ہے اور یَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ سے محبین اور مخلصین اور اولیاء عاشقین کی طرف اشارہ ہے۔ بعد ازاں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو نور ہدایت اور نور توفیق سے محروم رہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أََعْمَاءُ لَهُمْ سے انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کو نور ہدایت میں سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

بعد ازاں کافروں کے اعمال کی دو مثالیں بیان کیں اس لیے کہ کافروں کے اعمال دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں جو بظاہر مستحسن اور پسندیدہ ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور خیرات اور عدل و انصاف اور ظلم اور ایذا رسانی سے پرہیز اس قسم کے اعمال بظاہر خیر اور حسن ہیں مگر ان کے قبول کے لیے ایمان شرط ہے اس لیے ایسے اعمال کو مراب سے تشبیہ دی کہ دُور سے تشنہ اور پیاسا اس سے امید وابستہ کرتے ہیں اور جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو سوائے حسرت کے کچھ نہیں ملتا۔

اور دوسری قسم اعمال کی وہ ہے کہ جو ظاہر میں بھی قبیح ہیں جیسے بُت پرستی اور ظلم وغیرہ وغیرہ اس قسم کے اعمال کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان

وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَتْ كُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ

و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی

تَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾ وَ لِلَّهِ مُلْكُ

بندگی اور یاد ، اور اللہ کو معلوم ہے جو کرتے ہیں ۔ اور اللہ کی حکومت ہے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ

آسمان و زمین میں - اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے - تو نے نہ دیکھا کہ

اللَّهُ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا

اللہ ہانک لاتا ہے بادل پھر ان کو ملاتا ہے پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بہ تہ،

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ

پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے اور اتارتا ہے آسمان

مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَ

سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

يَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ط يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ

بجھا دیتا ہے جس سے چاہے - ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جاوے

يَا لَأَبْصَارُ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ

آنکھیں - اللہ بدلتا ہے رات اور دن - اس میں دھیان

لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ

کی جگہ ہے آنکھ والوں کو - اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والا ایک

مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي

پانی سے - پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے

عَلَىٰ رِجْلَيْنِ ج وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ ط يَخْلُقُ

دو پاؤں پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر ، بناتا ہے

اللَّهُ مَا يَشَاءُ ط إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اللہ جو چاہتا ہے، بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے - ہم نے

اَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَىٰ

اتار دیں آیتیں ، کھول بتانے والی۔ اور اللہ لاوے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۶﴾

سیدھی راہ پر ۔

ذکر تسبیح کائنات عالم

قال الله تعالى: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... اِلَىٰ ... يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں رجال آخرت اور مردان ہمت کی تسبیح اور نماز کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں تمام مخلوقات کی تسبیح اور نماز اور نیاز کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، مگر یہ لوگ جہالت کے مظلم اور تاریک سمندر کی گہرائیوں میں غرق ہیں اور خدا کی تسبیح اور نماز و نیاز سے غافل ہیں۔ اور سراب کو آب سمجھے ہوئے ہیں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں قلوب مومنین کے انوار کا اور قلوب کفار کی ظلمات کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیات میں دلائل توحید کو بیان کرتے ہیں جو اہل بصیرت کے لیے انوار ہدایت ہیں اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے دلائل بیان فرمائے جن سے خدا تک پہنچنے کا راستہ نظر آئے پس لے لوگو اگر ظلمتوں اور اندھیروں سے نکل کر نور میں داخل ہونا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے دلائل قدرت و عظمت میں غور کرو۔

قسم اول

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... اِلَىٰ ... وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ

اے مخاطب کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سب پرندے در آنجا لیکہ وہ ہوا میں اپنے پر دل کو پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں۔ سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک نے اپنی نماز کو اور تسبیح کو جان رکھا ہے جو اس کے لائق ہے خدا تعالیٰ نے جس کو جو طریقہ الہام کیا اسی کے موافق وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں، کوئی فعل اور کوئی ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں غرض یہ کہ تمام کائنات اپنے اپنے حال کے لائق اور موافق اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ کما قال تعالیٰ: وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اس کے سوا

اور کوئی ذرہ بھر چیز کا بھی مالک نہیں اور اللہ ہی کی طرف سب کا رجوع ہے، یعنی ایک دن سب کو فناء ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

قسم دوم

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزِجُ سَحَابًا الی لِاُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ
اے انسان کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادل کو ہنکاتا ہے اور ابتداء میں اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ ان ٹکڑوں کو باہم ملا دیتا ہے یعنی ان کے متفرق ٹکڑوں کو جوڑ دیتا ہے پھر اس کو تہ بہ تہ گاڑھا بادل بنا دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش اس بادل کے نیچے میں سے نکلتی ہے اور زمین پر گرتی ہے اور اس کو سیراب کرتی ہے۔ اور آسمان میں یا بادل میں جو ازلے کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ازلے برساتا ہے آسمان میں اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں یا بادلوں میں اولوں کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے ہیں جو پہاڑوں جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان سے یا ابر سے پانی یا ازلے برساتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے وہ بارش یا اول گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک نگاہوں کو اُچک لے جائے یعنی وہ بجلی اس قدر تیز ہے کہ قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رات اور دن کو پھیرتا ہے اور بدلتا رہتا ہے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے، کبھی دن چھوٹا اور کبھی رات چھوٹی یہ سب اُس کی قدرت کے کرشمے ہیں بے شک ان باتوں میں اہل بصیرت کے لیے عبرت ہے، ان سب امور سے خدا تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت ظاہر ہوتی ہے۔

قسم سوم

اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا، ہر حیوان کا اصل مادہ اور جو ہر پانی ہے سوان میں سے بعض تو وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، جیسے آدمی اور بہت سے پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ بہائم اور درندے اونٹ گائے بکری وغیرہ۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کے لیے پیٹ کو چلنے کا ذریعہ بنایا اور کسی کے لیے دو پیر اور کسی کے لیے چار بنائے تاکہ لوگ اللہ کی قدرت کے کرشموں کو دیکھیں اور سمجھیں اور ہم نے اپنی قدرت کے واضح دلائل بیان کر دیئے تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر راہ حق پر آجائیں لیکن ہدایت کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے سید راستہ پر لگاتا ہے، یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا کہ ہدایت

اور توفیق سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آئے پھر پھرا

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَ مَا أُولَٰئِكَ

جاتا ہے ایک فرقہ ان میں سے اس پیچھے - اور وہ لوگ نہیں

بِالْمُؤْمِنِينَ ۝۴۷ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

ماننے والے - اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝۴۸ وَإِنْ يَكُنْ

ان میں قضیہ چکا دے، تب ہی ایک فرقہ اُن میں منہ موڑتے ہیں۔ اور اگر ان کو

لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝۴۹ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آویں اس کی طرف قبول کر کر - کیا ان کے دل میں روگ ہے

أَمْ أَرَاتَبُؤْأَمْ رِخَافُونَ أَنْ يَّحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَ

یا دھوکے میں پڑے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ اور

رَسُولُهُ ۝۵۰ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۵۱ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ

رسول اُس کا؛ کوئی نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں - ایمان والوں کی بات

الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

یہ تھی، جب بلائیے ان کو اللہ اور رسول کی طرف، فیصلہ کرنے کو

أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۝۵۲ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۵۱

ان میں کہ کہیں ہم نے سنا اور مانا - اور وہ لوگ انہی کا بھلا ہے -

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچ کر چلے اس

هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

سے، سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچے۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر

أَمَرْتَهُمْ لِيَخْرُجْنَ ۖ قُلْ لَا تَقْسِمُوا طَاعَةً مَّعْرُوفَةً ۖ إِنَّ

تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ نکلیں تو کہہ قسمیں نہ کھاؤ۔ حکم برداری چاہیے جو دستور ہے۔ البتہ

اللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

اللہ کو خبر ہے جو کرتے ہو۔ تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَاحِصَلٌ وَعَلَيْكُمْ مَّا

رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے

حِصْلَتُمْ وَإِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۖ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

جو بوجھ تم پر رکھا۔ اور اگر اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ، اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۴﴾

پہنچا دینا کھول کر۔

ذکرِ مہتدین غیر مہتدین یعنی مخلصین و منافقین

قال الله تعالى: وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا..... إِلَى..... وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ راہِ حق روشن اور واضح ہے مگر توفیق اور ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے کہا قال وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض کو ہدایت ہوگی اور بعض کو نہیں ہوگی اس لیے آئندہ

آیت میں ہر دو فریق کی قدر سے تفصیل فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ زبان سے تو دعویٰ ایمان اور اطاعت کا ذکر کرتے ہیں مگر ان کے دل اطاعت اور یقین سے خالی ہیں، یہ گروہ منافقین کا ہے کہ باوجود واضح نشانیوں کے راہ راست پر نہیں چلتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر دل سے راضی نہیں اور ان ہی کا ذکر پہلے کیا۔

اور بعض وہ ہیں کہ جو دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار اور اطاعت شعار ہیں یہ گروہ مخلصین کا ہے۔ ان کا ذکر بعد میں کیا۔ اب ان آیات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور یہ منافق لوگ زبان سے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی۔ پھر اس اقرار کے بعد ان میں کا ایک فریق اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ دل سے مومن نہیں، یہ آیت بشر نامی منافق کے بارہ میں نازل ہوئی اس کا ایک یہودی کے ساتھ ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا یہودی نے کہا کہ ہم اپنا فیصلہ محمد کے پاس لے جاتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے اور بشر نے کہا نہیں۔ ہم اپنا فیصلہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے وقت میں ان کے دعوائے ایمان کی تلقین کھل جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اور ان لوگوں کی سرتابی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ اللہ کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک فریق منہ موڑنے والا ہو جاتا ہے، یعنی جب ان کے ذمہ کسی کا حق نکلتا ہے تو رسول کے فیصلہ سے منہ موڑتے ہیں اور اگر اتفاق سے حق ان کے لیے ہوا تو تسلیم کر لیتے ہوئے آپ کی طرف چلے آتے ہیں کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے وہ حق پر ہوگا۔ اور ہم کو آپ کے فیصلہ سے حق مل جائے گا۔ ایسے لوگ جو ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ ایمان اور اسلام نہیں بلکہ خود غرضی اور ہوا پرستی ہے۔

اب آگے ان کے اعراض اور روگردانی کے اسباب بطور تردید بیان کرتے ہیں جس سے مقصود ان کی توبیخ ہے۔ کیا ان کے دلوں میں کُفر اور نفاق کی بیماری ہے یا حرص اور طمع اور مال کی محبت کی بیماری ہے اس وجہ سے آپ کے پاس آنے سے اعراض کرتے ہیں یہ بیماری ان کے دلوں میں ایسی مستحکم ہو چکی ہے کہ اس کے زائل ہونے کی امید نہیں۔

یادین اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں، اس لیے اسلامی عدالت میں مقدمہ لانے سے کتراتے ہیں یا اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ اللہ اور اس کا رسول تو اس سے منزہ اور مبرا ہیں بلکہ یہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حرص اور طمع اور خود غرضی میں مبتلا ہیں اس لیے رسول کے پاس فیصلہ لانے سے گھبراتے ہیں کہ اس کی بارگاہ میں حرص اور طمع اور خود غرضی کا گزر نہیں۔

یہ تو منافقین کا حال تھا اب آگے مومنین مخلصین کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حال ذکر کرتے ہیں کہ ان کے دل اور زبان میں کوئی فرق نہیں۔ مومنوں کا قول تو بس یہ ہوتا ہے کہ جب ان کو کسی مقدمہ میں اللہ اور اس کے

رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان کا قول یہی ہوتا ہے کہ ہم نے دل و جان سے آپ کا ارشاد سنا اور بسر و چشم آپ کی اطاعت منظور کی ادھر سنا اور ادھر فرمانبرداری کے لیے تیار۔ اس لیے کہ ان کو یقین ہے کہ رسول کا قول حق اور صدق ہے سوائے سمع اور اطاعت کے کوئی گنجائش ہی نہیں اور ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ہوائے نفسانی نبی کے حکم کے تابع کر دیا۔ اور ان کو دنیوی نفع و نقصان سے کوئی سروکار نہیں۔ اور ہمارے یہاں کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص خوشی سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ کی ناراضی سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ یعنی کامرانی اور کامیابی کا دار و مدار تین چیزوں پر ہے۔

(اول) اطاعت - یعنی احکام شریعت کی دل و جان سے بجا آوری۔

(دوم) خشیت - یعنی دل سے اللہ کی عظمت اور ہیبت۔

(سوم) تقویٰ - یعنی معصیت سے اجتناب۔

ایسے لوگ فائز المرام ہیں جن کے لیے ازل سے سعادت اور فلاح مقدر ہو چکی ہے۔ اب آئندہ آیت میں منافقین کی جھوٹی قسموں کا ذکر کرتے ہیں اور ان منافقین نے اپنی پوری کوشش سے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ وہ تو ایسے فرمانبردار ہیں کہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہتے کہ البتہ اگر آپ ان کو ان کے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں تو وہ بلا توقف اسی وقت اپنا مال و متاع چھوڑ کر گھروں سے نکل جائیں گے، منافقین اپنی وفاداری جنگلہ کے لیے حضور پر نور سے کہتے کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم سب گھر بار چھوڑ کر نکلنے کے لیے اور آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہیں۔ ذرا حضور کے اشارہ کی دیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی آپ ان منافقوں سے کہہ دیجیے بس تم قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق فرمانبرداری تم سے مطلوب ہے۔ زبانی اطاعت سے کام نہیں چلتا۔ یا یہ معنی ہیں کہ ہمیں تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو کما قال تعالیٰ یُخْلِفُونَ کُمْ بِتَرَصُّوْا عَنْهُمْ - اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً بے شک اللہ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ اسے تمہارے قول و قرار کی اور تمہاری قسموں کی حقیقت خوب معلوم ہے۔ اے نبی آپ ان منافقوں کو کہہ دیجیے کہ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ صدق دل سے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو و ظاہر و باطن کو یکساں کرو، اس میں تمہاری بہتری ہے پس اگر تم اس بات سے روگردانی کرو تو رسول کا ذمہ تو صرف اس قدر ہے جس قدر اس پر بوجھ رکھا گیا۔ یعنی تبلیغ احکام خداوندی مطلب یہ ہے کہ نبی کے ذمہ حکم کا پہنچانا ہے اور اس کی اطاعت اور تعمیل تمہارے ذمہ ہے۔ اس کے جواب دہ تم ہو۔ اور اگر بجائے روگردانی کے تم دل و جان سے بصد شوق و رغبت رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے تمہاری نافرمانی اور روگردانی سے ہمارا کچھ بھی نقصان نہیں۔ اور رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور بس۔ رسول تو اللہ کا حکم پہنچا کر سبکدوش ہو گئے۔ اب تم جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ انجام کو سوچ لو۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں نیک کام،

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ

البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں

مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

کو - اور جما دے گا ان کو دین اُن کا، جو پسند کر دیا

لَهُمْ وَلَيَبْذِلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي

ان کو اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن - میری بندگی کریں گے

لَا يَشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ

شریک نہ کریں گے میرا کوئی - اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے، سو وہی

هُمْ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ

لوگ ہیں بے حکم - اور کھڑی رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ، اور

أَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

حکم میں چلو رسول کے شاید تم پر رحم ہو - نہ خیال کر کہ

الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ

یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَا أُولَهُمُ النَّارُ وَ لِبَئْسَ

اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے، اور بُری جگہ ہے

الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾

پھر جانے کی



بشارتِ حکومت و خلافت بر اہل ایمان اطاعت

قال اللہ تعالیٰ - وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِلَى وَلَيُنْصِرَنَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ (ربط) گزشتہ آیات میں اول منافقین کا حال بیان کیا جو دن رات مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے پھر اس کے بالمقابل مؤمنین مخلصین کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا اور عند اللہ ان کی کامیابی اور کامرانی اور فائز المرامی کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اہل ایمان اور اہل طاعت کو دینی اور دنیوی نعمتوں اور کرامتوں اور سعادتوں کی بشارت دیتے ہیں تاکہ ایمان اور اعمال صالحہ کی راہ میں اہل اسلام کو جو مشکلات پیش آئیں ان کا ازالہ ہو جائے اور مؤمنین صالحین سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تم کفار اور منافقین کی چیرہ دستی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہو تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسی دنیا میں ہم تم کو رسول کی وفات کے بعد اپنے نبی کا جانشین بنائیں گے اور زمین کی حکومت تم کو عطا کریں گے اور دشمنانِ اسلام پر تم کو غلبہ دیں گے اور تم کو زمین کا مالک اور فرمانروا بنائیں گے جسے دیکھ کر یہ سازش کرنے والے دنگ اور حیران رہ جائیں گے، اللہ تم کو عزت دے گا اور تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرے گا اور دین اسلام جو خدا کے نزدیک پسندیدہ دین ہے جس کے مٹانے پر یہ کفار اور منافقین ٹپٹے ہوئے ہیں اس دین کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے جانشینوں کے ہاتھوں سے مضبوط اور مستحکم کرے گا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کو کفار اور منافقین کی سرکوبی پر مسلط اور مقرر کرے گا اور دین اسلام کے بارے میں کفار اور منافقین کی ریشہ دوانیوں کو ختم کر دیگا۔ اور اس وقت اہل اسلام کو جو دشمنانِ اسلام سے خوف لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو امن سے بدل دے گا حق جل شانہ کا یہ وعدہ ان مؤمنین صالحین سے تھا جو نزولِ آیت کے وقت حاضر اور موجود تھے جیسا کہ لفظ مِنْكُمْ بصیغۂ خطاب صراحتاً اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ سو وہ زمانہ ایسا خوف کا تھا کہ مسلمان دین کا کوئی کام کھلم کھلا نہیں کر سکتے تھے ہجرت کے بعد بھی ایک عرصہ تک کافروں کا خوف رہا۔ مہاجرین اور انصار دن رات کمر بستہ اور ہتھیار بند رہتے تھے نامعلوم کس وقت کوئی مدینہ پر چڑھ آئے۔ چنانچہ طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب دشمن ہو گیا، مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے ایک مرتبہ بعض صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ایسے دن بھی آئیں گے کہ ہم آرام سے رات کو سویا کریں گے اور سوائے خدا کے اور کسی کا خوف ہم کو نہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی اور بادشاہت اور نبی کی خلافت اور جانشینی کی بشارت دے کر ان کی تسکین فرمادی۔ اور بتلادیا کہ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا تم کیوں گھبراتے ہو تمہیں سلطنت ملنے والی ہے اور اللہ

تم کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ نے وعدہ دے دیا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کیے کہ ان کو اس ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اپنی زمین میں ضرور خلیفہ یعنی بادشاہ بنائے گا جس طرح اس نے اگلے لوگوں کو اسی ایمان کی بدولت زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا تھا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام کو ان کا خلیفہ اور جانشین بنایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ یعنی بادشاہ اور فرمانروا بنایا تھا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے لوگوں کو سلطنت عظیمہ اور جاہ و جلال عطا کیا تھا کما قال تعالیٰ وَآتَيْنَاهُمْ مِّنْكَ عِزًّا مَّثَلًا عَظِيمًا۔ ایسے ہی اس امت کو ایسی عظیم سلطنت ملے گی جو قوت اور شوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ لفظ مِنْكُمْ میں حرف مِنْ اگر بیانیہ ہو تو ترجمہ اس طرح کیا جائے گا کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مومنین صالحین سے یعنی اے حاضرین تم سے اس لیے کہ اس وقت تم ہی مومنین صالحین کا مصداق ہو اور اگر مِنْ تبعیضیہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ اے افرادِ عالم اور اے ابنائے آدم تم میں سے جو مومنین صالحین اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو نعمتیں عطا فرمائیں گے اَوَّلَ اسْتِخْلَافٍ فِي الْاَرْضِ یعنی زمین میں ان کو نبی کا جانشین اور بادشاہ بنائیں گے۔ اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بہ ضرور ان کے لیے مضبوط اور مستحکم کر دے گا ان کے دین کو جس کو خدا نے ان کے لیے پسند کیا ہے مراد پسندیدہ دین اسلام ہے۔ کما قال تعالیٰ رَضِيتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ اور مطلب یہ ہے کہ ان کو حکومت اور بادشاہت دینے سے مقصود یہ ہوگا کہ دین اسلام ایسا مضبوط اور مستحکم ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو ہلانا نہ سکے۔ اور بخوف و خطر اس دین پر عمل کریں گے اور دین اسلام تمام دینوں پر قاهر اور غالب ہوگا کما قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ضرور بضرور بدل دے گا۔ ان کے خوف و ہراس کو امن و امان اور سکون اور اطمینان سے یعنی مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا خوف نکل جائے گا اور اہل اسلام کو امن و امان اور سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے گا یعنی پہلے مسلمانوں کو کافروں سے خوف اور اندیشہ رہا کرتا تھا اب اللہ تعالیٰ ان کو امن دے گا۔ یہ اللہ کے تین وعدے ہیں جن کی بطور پیشین گوئی خبر دی گئی ہے۔ صبح کی سفیدی کی طرح یہ وعدے ظہور میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل بنے کہ آپ نے اپنے خادموں کے متعلق جس نعمت اور کرامت کی خبر دی تھی وہ ہو بظاہر ہوئی۔ اور یہ لوگ سلطنت اور بادشاہت مل جانے کے بعد محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے۔ بلکہ پیغمبر کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے میری عبادت اور بندگی میں لگے رہیں گے اور میری عبادت میں ذرہ برابر کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے نہ شرک جلی کریں گے اور نہ شرک خفی۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں عبادت کا بازار خوب گرم ہوا اور کفر و شرک خوب ذلیل و خوار ہوا۔ اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور کفر و شرک بیخ و بن سے اکھڑ گیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت کہ جس سے دین بھی مضبوط اور مستحکم ہو جائے حق جل شانہ کی ایک

نعمت کبریٰ ہے لہذا جو شخص اس نعمت کے بعد ناشکری کرے تو ایسے لوگ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں کہ نعمت ملنے کے بعد طاعت سے باہر نکل گئے۔ اصلی فاسق ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں اور اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں خارجیوں سے ہوا کہ ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر خروج کیا۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی بادشاہت اور سلطنت کے ساتھ تمکین دین یعنی غلبہ اسلام اور اہل اسلام کے لیے کامل امن و امان بھی جمع ہوئے تو وہ خلافت راشدہ ہے اور خلیفہ راشد وہ فرمانروا ہے کہ جو مومن صالح اور خدا پرست ہو اور نظام مملکت قانون شریعت کے مطابق ہو۔

اور اے مسلمانو جب تم نے ایمان اور عمل صالح کے ثمرات اور برکات کو سُن لیا تو تم کو چاہیے کہ نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور ہر بات میں دل و جان سے رسول کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر خاص الخاص رحم کیا جائے۔ یہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے وہ سب ایمان اور عمل صالح اور رسول کی اطاعت کا ثمرہ ہے اس سے غافل نہ ہونا۔ نبی کے بعد اس کے خلفاء راشدین اور اس کے سچے جانشینوں کی دل و جان سے اطاعت کرو۔

(اے مخاطب) تو ان کافروں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں زمین میں بھاگ کر ہم کو عاجز کرنے والے ہو جائیں گے یعنی یہ ممکن نہیں کہ یہ کافر ہمارے قہر سے بچ کر کہیں نکل سکیں۔ مقصود کافروں کو سنانا ہے کہ کفار یہ خیال نہ کریں کہ مسلمان بہت قلیل ہیں اور کمزور ہیں اور بے سرد سامان ہیں، ان کو یہ قوت و شوکت کہاں میسر آسکتی ہے کہ وہ بڑی بڑی طاقتوں پر غالب آجائیں اس لیے بتلادیا کہ کفار اپنی قوت و شوکت کے ٹھنڈ میں نہ رہیں، اللہ تعالیٰ ہر لمحہ اور ہر لحظہ ان کے پکڑنے پر قادر ہے اس نے اپنی کسی حکمت سے کافروں کو مہلت دے رکھی ہے آخر انجام ان کا دنیا میں گرفتاری اور ذلت و خواری ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے اور دنیا کی یہ راحت اور عیش و عشرت جو ان کو اس وقت ملی ہوئی ہے وہ چند روزہ ہے اور آنی جانی ہے اس پر مغرور نہ ہوں دوزخ سے بچنے کی فکر کریں۔

یہ آیت عرف میں آیت استخلاف کے نام سے مشہور ہے اس لیے کہ آیت میں خلیفہ بنانے کا ذکر ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا وعدہ فرمایا۔

(اول) استخلاف فی الارض یعنی آسمانی بادشاہت اور نبوت کی خلافت عطا کریں گے یعنی وہ محض دنیاوی بادشاہت نہ ہوگی بلکہ نبوت کی خلافت اور نبیبت ہوگی اور وہ سلطنت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما الصلوٰۃ والسلام کی خلافت و سلطنت کے ہم رنگ ہوگی۔

(دوم) تمکین دین متین یعنی جو دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یعنی دین اسلام، وہ خلفاء کے ہاتھوں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی نشر و اشاعت اور اس کی تبلیغ و دعوت اور اس کے احکام کے اجراء و تنفیذ میں مزاحم نہیں ہو سکے گی اور چار دانگ عالم میں دین اسلام کا ڈنکا

بج جائے گا۔

(سوم)۔ تبدیل خوف بامن یعنی دشمنوں کا خوف امن سے بدل جائے گا۔ اہل اسلام کو سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ رہے گا بلکہ اس کے برعکس روئے زمین کے کافر مسلمانوں کی قوت و شوکت سے لرزاں اور ترساں ہوں گے۔ یہ تین وعدے حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان لوگوں سے فرمائے جو نزول آیت کے وقت زمین پر موجود تھے اور نزول آیت سے پہلے ایمان اور عمل صالح سے آراستہ ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تین وعدے فرمائے کہ ہم تم کو دنیاوی زندگی میں یہ تین نعمتیں عطا کریں گے۔ سوا اللہ یہ وعدہ الہی حرف پورا ہوا۔ صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و هزم الاحزاب و حذو اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر حکم کھلا غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی وفات سے پہلے ہی مکہ مکرمہ اور خیبر اور بلادیمین اور بحرین اور طائف وغیرہ وغیرہ سب فتح ہو گئے اور آپ کی وفات کے بعد اللہ کے یہ تینوں وعدے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پہ پورے ہوئے جن کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کسی منکر کو انکار کی جرأت نہ ہوئی۔

پہلا وعدہ | استخلاف فی الارض کا تھا یعنی زمین میں تم کو خلافت اور سلطنت عطا کریں گے سوا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو ایسی بادشاہت عطا کی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں ان کے ہاتھ آئیں اور اس وقت روئے زمین پر بھی دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں۔ عہد فاروقی میں دونوں زیر و زبر ہو گئیں اور آپ کے زمانہ میں بلاد شام اور بلاد عراق اور بلاد مصر اور اکثر اقلیم فارس فتح ہو گئے اور دن بدن دائرہ فتوحات کا وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ دنیا میں جو سلطنت باقی رہ گئی وہ اس قابل نہ تھی اسلامی حکومت کے مقابلہ میں سر اٹھا سکے اور اسی کا نام اقتدار اعلیٰ ہے۔

دوسرا وعدہ | تمکین دین متین کا تھا یعنی جو دین خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو گا وہ مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا سوا اس کی یہ کیفیت ہوئی کہ مشرق سے مغرب تک اسلام پھیل گیا اور ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر ہو گئے یعنی ہر جگہ اسلامی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ ان حضرات کے زمانہ میں دین اسلام کے قدم روئے زمین پر ایسے جمے کہ ظاہر اسباب میں ان کا اکھاڑنا ناممکن ہو گیا۔ اور بظاہر کوئی قوت ایسی نہ رہی کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کامیاب ہو سکے۔

تیسرا وعدہ | اعطاء امن بعد الخوف تھا وہ بھی بحمدہ تعالیٰ پورا ہوا اور مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی ہر قسم کے دشمنوں سے نجات ملی اور امن و امان کی یہ کیفیت ہوئی کہ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اور خاص کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں مسلمانوں کو کافروں کا کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ معاملہ برعکس ہو گیا۔ بجائے مسلمانوں کے کافر خوف زدہ ہو گئے جس طرح مسلمانوں کا خوف امن سے بدل گیا۔ اسی طرح کافروں کا امن خوف سے بدل گیا۔ بحمد اللہ، اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پورے ہوئے۔

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین تک کا تمام علاقہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام کے زیر نگین آچکا تھا اور اس دنیا میں سب سے بڑی سلطنتیں دو ہی تھیں۔ ایران میں مجوسیوں کی سلطنت تھی اور شام اور روم میں عیسائیوں کی سلطنت تھی اور دونوں سلطنتیں فوج اور خزانہ کے اعتبار سے بے مثل تھیں اور مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے اور تنگ دست بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فتنہ ارتداد کھڑا ہو گیا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں۔ ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا۔ ایک سال میں جب اسلام کی بنیادیں استوار ہو گئیں تو صدیق اکبرؓ نے قیصر و کسریٰ پر فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور فوجیں روانہ کیں اور مصر و شام کے کچھ سرحدی علاقے فتح ہوئے اتنے میں پیغام خداوندی آپہنچا اور دنیا سے رخصت ہوئے اور فاروق اعظمؓ کو اپنا جانشین بنا گئے۔ فاروق اعظمؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد کام وہیں سے شروع کیا جہاں ابوبکرؓ چھوڑ گئے تھے اور قیصر و کسریٰ کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں چنانچہ ان کے زمانہ خلافت میں سارا شام اور سارا مصر اور اکثر ملک فارس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے بہت کوشش کی مگر سوائے کسر شکست و اقبال کچھ نہ دیکھا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے مگر سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں پر تقسیم ہوئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں اسلامی سلطنت کی حدود جانب مغرب میں اندلس اور قبرص اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچیں اور مشرق میں بلاد چین تک تمام علاقہ فتح ہو گیا اور خراسان اور اہواز اور بلخ تک تمام علاقہ فتح ہو کر اسلام کے زیر نگین آ گیا اور مسلمانوں نے ترکوں سے سخت قتال کیا اور خاقان چین ذلیل و خوار ہوا اور اس نے خراج بھیجا اور حضرت عثمانؓ ہی کے دور خلافت میں کسریٰ کی حکومت کا نام و نشان بھی نہ رہا اور ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا۔ اور مدینہ کے بیت المال میں مشارق اور مغارب سے خراج آنے لگا اور اسلام مستحکم اور مضبوط ہو گیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کسی دشمن کا خوف و خطر نہ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ وعدہ خداوندی کے مطابق اس قلیل عرصہ میں صدیوں کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا اور اسلام باوجود بے سروسامانی کے ان پر فتیاب ہوا۔ اور دنیا کی ان دو عظیم ترین سلطنتوں کی بے شمار فوجوں کے مقابلہ میں لشکر اسلام مظفر و منصور ہوا اور اسلام کا کلمہ بلند ہوا اور مشارق و مغارب کا خراج مدینہ کے خزانہ میں آیا۔ ایسی فتح مبین اور ایسی تمکین دین نہ کبھی دیکھی گئی اور نہ کبھی سنی گئی۔

چراغے را کہ ایزد بر فرد زرد ہر آنکہ تلف ز نذریش بسوزد

الحمد للہ اس طرح اللہ کا وعدہ حرف بحرف پورا ہوا خلفاء راشدینؓ کے بعد کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور آئندہ بھی اگر خدا نے چاہا تو آئیں گے اور روئے زمین کے آخری امام مہدیؑ ہوں گے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور ان کی خلافت اسی شان کی ہوگی۔

مسند احمد اور سنن ابی داؤد اور ترمذی اور نسائی میں حضرت سفینہ مولا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

علہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ ۳

مروی ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس برس رہے گی اس کے بعد ملک عضو ض ہوگا۔ معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حاضرین اور موجودین سے تھا، لہذا بعض شیعوں کا یہ کہنا کہ اس وعدہ کے مصداق امام مہدیؑ ہیں جو اخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے بالکل غلط ہے اس لیے کہ امام مہدیؑ اس وقت موجود نہ تھے۔ وعدہ تو حاضرین سے ہوا اور مراد اس سے وہ شخص ہو کہ جو حاضرین موعودین کے گزر جانے کے صد ہا قرن بعد پیدا ہو یہ سراسر مہمل اور غیر معقول ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک چاروں خلیفہ اس وعدہ الہی کے مصداق ہیں، خوارج حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں اور شیعہ خلفاء ثلاثہ کو خارج سمجھتے ہیں اور یہ دونوں قول باطل ہیں۔ حق یہ ہے کہ چاروں خلفاء کی خلافت، خلافت نبوت تھی اور بلاشبہ ان چاروں حضرات کی خلافت علی منہاج النبوت تھی اور اسی خلافت حقہ و راشدہ کی مصداق تھی جس کا اس آیت میں وعدہ کیا گیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا جہاد و قتال تنزیل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول قرآن کے منکر تھے اور حضرت علیؓ کا قتال تاویل قرآن پر تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو بظاہر نزول قرآن کو تو مانتے تھے مگر تاویلات فاسدہ کر کے اصل مقصد کو فنا کر دیتے تھے۔ خلیفہ اول نے کفر اور ارتداد کے فتنہ کا مقابلہ کیا۔ امام ابو حنیفہؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نہ ہوتے تو ہم کو باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے۔

فوائد و لطائف

۱۔ استخلاف کے معنی خلیفہ بنانے کے ہیں جس سے عرف عام میں بادشاہ بنانا مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ **يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ** اس آیت میں لفظ خلیفہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کا بادشاہ اور فرمانروا بنانا مراد ہے اور حدیث میں ہے **سَيَكُونُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيفَةً يُّحْتَوٰ اَھْلَالِ حَشِيَا الْحَدِيثِ** لہذا اللہ تعالیٰ نے حضور پُر نورؐ سے یہ وعدہ کیا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے۔

۲۔ اور **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ** کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ان میں کی ایک جماعت کو خلیفہ بنائے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے یہ کہتے ہیں کہ فلاں قوم حاکم یا تاجدار یا مالدار ہے حالانکہ خلیفہ اور حاکم اور مالداران میں سے معدودے چند ہی ہوتے ہیں نہ سب مگر مجازاً سب کی طرف نسبت کی جاتی ہے کیونکہ حکومت اور دولت میں سب ہی شریک ہوتے ہیں اور جس قوم کی حکومت ہوتی ہے اس کا ہر فرد بادشاہ ہی کہلاتا ہے کما قال تعالیٰ **وَجَعَلْ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءً وَجَعَلْكُمْ مِّلَّةً** کا اور وہ سلطنت تمام قوم کی سلطنت کہلاتی ہے۔

۳۔ آیت میں استخلاف کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ہی ان کو خلیفہ بنانے والا ہوگا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ استخلاف بغیر اسباب ظاہری کے ظہور میں آئے گا۔

جس کی صورت یہ ہوئی کہ مدبر حقیقی نے امت کے قلوب میں القاء کر دیا کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کو اپنا خلیفہ بنالیں۔

بظاہر یہ خلیفہ بنانا امت کا فعل تھا لیکن درپردہ دست قدرت کا فرما تھا اسی لیے یوں عظیم الشان کام بلا اسباب ظاہری کے سہولت سے انجام پا گیا۔ اس لیے آیت میں استخلاف کو حق تکمیل طرف منسوب کیا گیا جیسا کہ آیت کریمہ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ مِّنْ أَمْرِ رَبِّهِ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ مِیْن قَتْلٍ اور رمی کو محض ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب کیا۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی نفی فرمادی اور اپنی طرف نسبت کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ خلیفہ جو اس وعدہ کی بنا پر ظہور میں آئے گا۔ وہ درپردہ خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہوگا۔ اور لوگوں پر دل و جان سے اس کی اطاعت اور تابعداری فرض ہوگی۔

اور خدا تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان سے کوئی آواز آئے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ من جانب اللہ ایسے ایسے اسباب اور سامان فراہم ہو جائیں گے کہ ان حضرات کی خلافت منعقد ہو جائے گی اور انعقاد خلافت کے من جانب اللہ ایسے اسباب فراہم ہو جائیں گے جن کو دیکھ کر دیکھنے والے سمجھ جائیں گے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع ہوا تو کسی نے نہ آیت استخلاف کا ذکر کیا اور نہ کسی کے نام کا ذکر کیا بلکہ ابوبکر صدیق کے سوا بقی اسلامیہ کا ذکر کیا۔ اس وقت انعقاد خلافت اگرچہ اہل حل و عقد کے اتفاق سے ہوا۔ لیکن جب خلفاء کے ہاتھوں پر آیت استخلاف میں مذکورہ تین نعمتوں کا ظہور ہوا۔ تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ اللہ نے جن تین نعمتوں کا ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ آج پورا ہو گیا اور سب پر یہ امر منکشف ہوا کہ یہ فعل کسی جماعت کا نہ تھا بلکہ وعدہ خداوندی تھا جو پردہ غیب سے اس طرح نمودار ہوا۔ اور جب خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں فتوحات عظیمہ اور غلبہ اسلام کا ظہور ہوا جس کا اللہ نے آیت استخلاف میں وعدہ فرمایا تھا تو لوگ سمجھ گئے کہ اس آیت سے یہی لوگ مراد ہیں، جب لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ تائید الہی اور نصرت غیبی اور حفاظت بیضہ اسلام اور اظہار دین اور غلبہ اسلام اور ذلت مخالفین و معاندین ان کے ہمراہ ہے تو سمجھ گئے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے۔

۴۔ لفظ مِنْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تھا بلکہ یہ وعدہ آپ کے متبعین حاضرین سے تھا۔ غائبین سے نہ تھا یعنی ان لوگوں سے تھا کہ جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پیشتر ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے افراد موجودہ عالم۔ نزول آیت کے وقت تم میں سے جو لوگ روئے زمین پر موجود اور حاضر ہیں اور ہمارے رسول پر ایمان لا چکے ہیں اور عمل صالح کر چکے ہیں ان سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ان کو زمین پر حاکم اور بادشاہ بنائیں گے اور یہ امر سراسر خلاف عقل ہے کہ جو حضرات وعدہ الہی کے صراحتاً مخاطب ہوں وہ تو اس سے مراد نہ ہوں اور صیغہ خطاب بول کر

صرف غائبین مراد ہوں۔ لہذا فقط امام مہدی کا روئے زمین پر تسلط اس وعدہ الہی کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ امام مہدیؑ نزول آیت کے وقت موجود نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ چونکہ وعدہ استخلاف مومنین صالحین سے ہے سو اس وعدہ کے اولین مصداق تو خلفاء اربعہ ہیں اور آخری زمانہ میں آخری مصداق امام مہدیؑ ہوں گے۔

نیز لَيْسَتْ خُلَفَاؤُهُمْ کلام حالیت کو مؤکد کر کے استقبال کی نفی کرتا ہے اور کسی زبان کا یہ قاعدہ نہیں کہ صیغہ حاضر بول کر حاضرین کا کوئی فرد مراد نہ ہو بلکہ صرف آئندہ کے غائبین مراد ہوں۔ وعدہ تو حاضرین سے اور مراد ہوں آئندہ زمانہ کے غائبین۔ سو یہ دھوکہ اور فریب ہے جس سے اللہ کا کلام منزہ ہے۔

۵۔ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ آپ کے ان متبعین سے ہے جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف تھے اور مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیں گے۔ مرتدین اور منافقین سے یہ وعدہ نہیں تھا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ استخلاف کی علت ہی ایمان اور عمل صالح ہے اور اس وعدہ کا باعث اور موجب صرف ایمان اور عمل صالح ہے اس لیے کہ جب مشتق پر حکم لگایا جاتا ہے تو مبداء اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے۔ لہذا جو اس صفت میں اول نمبر ہوگا اس کو یہ انعام (خلافت) اول دیا جائے گا اور تقسیم انعام کا طریقہ بھی یہی ہے کہ جو اول نمبر ہوتا ہے اس کو انعام میں مقدم رکھا جاتا ہے اور چونکہ خلفائے راشدین اس صفت میں سب سے اول اور مقدم تھے اس لیے انعام خلافت میں بھی وہ مقدم ہوئے اور اس بات کا علم کہ ایمان اور عمل صالح میں سب سے اول اور مقدم کون ہے، صحابہ کرام سے بڑھ کر کسی کو نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صحابہ نے جس کو ایمان اور عمل صالح میں اول سمجھا اس کو خلیفہ اول بنایا اور جس کو دوم اور سوم اور چہارم سمجھا اس کو خلیفہ دوم و سوم و چہارم بنایا۔ نیز اس قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعدہ خلافت ایمان اور عمل صالح کی بنا پر ہے نہ کہ قرابت کی بنا پر۔ ورنہ قرابت میں سب سے اول حضرت سیدہ ہیں اور پھر امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ اور پھر حضرت علیؑ یا حضرت عباسؑ۔ پس اگر خلافت بر بنائے قرابت مانی جائے تو اس اعتبار سے بھی حضرت علیؑ خلیفہ چہارم بنتے ہیں۔ اہل سنت نے کیا قصور کیا جو ان کو خلیفہ چہارم بنانے سے مطعون کیا جا رہا ہے۔ حضرت علیؑ اگر خلیفہ چہارم بھی بنے تو وہ مہاجرین اور انصار ہی کے بنانے سے بنے۔ شیعوں کی طرف سے حضرت علیؑ کو کچھ بھی نہیں ملا اور اگر عباسؑ کی قرابت کا لحاظ کیا جائے کہ وہ حضور پر نورؐ کے چچا تھے اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے تو اس اعتبار سے شاید حضرت علیؑ خلیفہ چہارم نہ بن سکتے۔

۶۔ اور لفظ فِي الْأَرْضِ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف سے بادشاہت اور سلطنت ظاہری اور حسی تسلط مراد ہے کیونکہ تمکین دین اور تبدیل خوف بآمن بدون حکومت کے ممکن نہیں۔ اور حضرات شیعہ جو اپنے ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ استخلاف سے استخلاف اور تمکین فی العلم مراد ہے۔ وہ سراسر کذب اور افتراء ہے کیونکہ آیت میں استخلاف مقید بقید فِي الْأَرْضِ وارد ہوا ہے جو بغیر سلطنت اور ظاہری تسلط کے حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بخاطر شیعہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ استخلاف سے علمی اور دینی حکومت مراد ہے تو وہ حضرت علیؑ کو حاصل تھی اس میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ بقدر علم ہر شخص کو علمی

حکومت اور علمی اقتدار حاصل ہے وہ اللہ کے عطا پر ہے۔ بندوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں اس معنی کر شیعوں کا سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

۷۔ اور کلمہ کَمَا اسْتَحْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلادِ شام کی فتح کا وعدہ فرمایا مگر اس وعدہ کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ باسعادت میں نہیں ہوا بلکہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ حضرت یوشع کے ہاتھ پر ہوا اور اسی شہر حضرت یوشع کے عہد خلافت میں فتح ہوئے اور بنی اسرائیل کو امن اور اطمینان حاصل ہوا۔

اسی طرح حق جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بلادِ شام اور بلادِ عجم کا وعدہ کیا تھا۔ وہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ اور ان کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو امن اور اطمینان نصیب ہوا۔ جس طرح یوشع علیہ السلام کی خلافت بلا فصل تھی اسی طرح ابوبکر صدیق کی خلافت بلا فصل تھی آیت میں استخلاف سے وہ استخلاف مراد ہے جو متصلاً اور متتابعاً ہو۔

۸۔ آیت کَرِّمِهِ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ کے معنی یہ ہیں کہ ان کی سعی اور کوشش سے دین اسلام کو تمکین اور تقویت حاصل ہوگی اور تائید بھی ان کے شامل حال رہے گی اور ان کی سعی اور کوشش کے نتائج دہم و گمان سے بڑھ کر ظہور پذیر ہوں گے۔

اور کلمہ كَهُمْ اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمکین دین اور تبدیل خوف بامن اصل میں انہی اشخاص کے لیے ہوگی جن کو اللہ اپنے نبی کا خلیفہ بنائے گا یہ نعمت عظمیٰ اولاً بالذات انہی حضرات کو عطا ہوگی اور دوسرے لوگوں کو یہ دولت ان کی بدولت اور ان کے طفیل سے ملے گی۔

۹۔ اور کلمہ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰی لَهُمْ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کو اس زمانہ میں تمکین اور قوت حاصل ہوگی وہی دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا کیونکہ اس دین کو تمکین اور قوت دینے والا خدا تعالیٰ ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا اور جس دین کو اس زمانہ میں ظہور اور رواج حاصل ہوگا۔ وہی دین حق ہوگا اور جو دین پوشیدہ رہے گا۔ وہ پسندیدہ خداوندی نہ ہوگا۔

حضرات شیعہ کے نزدیک جو دین پسندیدہ تھا وہ ہمیشہ پوشیدہ رہا اور ائمہ اہل بیت ہمیشہ تقیہ کرتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اپنے دین کے ظاہر کرنے پر قادر نہ ہوئے معلوم ہوا کہ جو دین پوشیدہ رہا وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا اس لیے کہ اگر وہ دین پسندیدہ ہوتا تو حسب وعدہ خداوندی اس کو تمکین اور قوت حاصل ہوتی اور ظاہر و باہر ہوتا۔

نیز اس لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں جو فتویٰ شائع ہوا ہے وہ حجت شرعیہ ہے اس لیے کہ وہ دین مرتضیٰ کا مصداق ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں۔ نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے

اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لیے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام کو ماننا رعایا پر واجب ہے۔ کیونکہ جب شرفِ آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں کیستَ خَلَفْتَهُمْ میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

۱۱۔ اور کلمہ وَ لِيَبَدِّلَ اللَّهُ وَجْهَ الْبَاطِلِ أَلْفُ مِائَةٍ أَوْ نَحْوُهَا مِنْ كَيْدِهِمْ وَمَنْ يَبْدِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ حَافِظٍ اسناد باری تعالیٰ کی طرف ہے اور یہ بات خلافتِ راشدہ ہی میں ممکن ہے۔ خلافتِ جابرہ اور خلافتِ جائزہ میں ممکن نہیں اور یہ تمام باتیں خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں علی وجہ الکمال والتمام حاصل ہوئیں جب کسریٰ اور قیصر کی سلطنتیں ختم ہوئیں تو دین اسلام کو ممکن اور استقرار حاصل ہوا۔ اور عرب اور عجم میں دین اسلام پھیل گیا اور بلادِ عرب و عجم ان کے زیرِ فرمان آئے اور اسلام کے قدم روئے زمین میں جم گئے اور مسلمانوں کا خوفِ امن سے بدل گیا اور اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی نہایت مامون اور بے خوف و خطر تھے اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں کفر سے مقابلہ رہا۔ یہاں تک کہ کفر اتنا ذلیل و خوار ہوا کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ خلافت میں بدعت نے سراٹھایا اور خارجیوں کا فتنہ ظاہر ہوا۔ حضرت علیؑ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور بدعت کو خوب ذلیل اور رسوا فرمایا حتیٰ کہ اسی جہاد میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاه۔ اور شیعیت اور رافضیت کے فتنہ کا آغاز بھی حضرت علیؑ ہی کے زمانہ میں ہوا اگرچہ چونکہ یہ فتنہ خارجیوں کے فتنہ کی طرح ظہور پذیر نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت علیؑ نے کلمہ کھلا اس کے مقابلہ کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ یہ کافی سمجھا کہ برسرِ منبر اپنے خطبات میں شیخینؑ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائیں اور لوگوں کو یہ خوب سمجھا دیں کہ امت میں شیخینؑ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں۔ سو الحمد للہ افضلیتِ شیخین کے مسئلہ کو بھی اس قدر واضح فرما گئے کہ حضراتِ شیعہ کے لیے کوئی گنجائش نہ چھوڑی بغرض یہ کہ خارجیت اور شیعیت، ان دونوں متقابل بدعتوں کا خاتمہ فرما گئے اور شریعت میں باب البغاة یعنی باغیوں کا باب تشنہ اور محتاج تھا۔ باغیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ کے طرزِ عمل نے اس باب کی تفصیل کر دی۔

شیخینؑ کے زمانہ میں قتالِ کفار کے مسائل کی توضیح اور تشریح ہوئی۔ جزیہ اور خراج کے مسائل معلوم ہوئے اور ختنین (یعنی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ) کے زمانہ میں قتالِ بغاۃ کے مسائل کی تشریح اور تفصیل ہوئی اسی وجہ سے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عثمانؓ اور حضرت علیؑ نہ ہوتے تو ہم کو بغاۃ یعنی باغیوں کے احکام نہ معلوم ہوتے، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؑ رضی اللہ عنہما کے طرزِ عمل نے مسائلِ بغاۃ کے استخراج اور استنباط میں فقہاء کرام کی رہنمائی کی۔

القصة نعمت خلافت بالاصالت چار بار کو ملی اور تمام صحابہؓ اس میں شریک رہے اور حسبِ یاقوت اس سے پہرہ در ہوئے۔ یہ ہے عقیدہ اہل سنت والجماعت کا کہ خلفاء ثلاثہ کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ تھی اور ان کو تمکین دین حاصل تھی اور حضرت معاویہؓ سے جو اختلاف تھا وہ ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے برادرانہ شکر رنجی تھی۔ کفر کے مقابلہ میں سب ایک تھے۔

اور حضراتِ شیعہ کے نزدیک حضرت علیؓ کو تمکین دین حاصل نہ تھی اور نہ ان کو کفار کے شر سے امن حاصل تھا وہ ہمیشہ دشمنوں سے ڈرتے اور لڑتے رہے اور اپنے دین کو چھپاتے رہے اور اپنے اصل مذہب کے اظہار پر کبھی قادر نہیں ہوئے اور اپنے دورِ خلافت میں متعہ کی حلت اور ترویج اور جمعہ کی اذانِ ثانی کی مانعت کا فتویٰ نہ دے سکے اور جو احکامِ قرآنی متردک ہو چکے ان کو جاری نہ کر سکے اور حضرت سیدہؓ کے وارثوں کو فدک نہ دلا سکے، حتیٰ کہ اصل قرآن کو بھی ظاہر نہ کر سکے بلکہ جو قرآن شیخینؓ نے جمع کر دیا تھا اس کی تلاوت کرتے رہے اور نمازوں میں بھی اسی کو پڑھتے رہے اور جو قوانین خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری ہو چکے تھے اسی کے پابند رہے۔ روایاتِ شیعہ کی بناء پر حضرت علیؓ کو تمکین دین حاصل تھی اور نہ امن حاصل تھا۔ اور جو خلافت ان کو ملی تھی وہ برائے نام تھی اور باقی ائمہ اثنا عشر کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی۔ اسی وجہ سے شیعوں کے شہید ثانی قاضی نور اللہ شوستری نے علامہ ابنِ رزبہانی کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اگر متعہ حلال تھا اور حضرت عمرؓ نے محض اپنی رائے سے اس کو حرام کر دیا تھا تو حضرت امیرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کیوں نہ اس کی حلت کا اعلان فرمایا۔ اس اعتراض کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری احتقاق الحق میں لکھتے ہیں۔

والحاصل ان امرا لخلافة ما وصل اليه الا بالاسم دون المعنى وكان عليه السلام معارضا مانازعا مبغضا في ايام ولايته وكيف يامن في ولايته الخلف على المتقدمين عليه وكل من بايعه وجمهوههم شيعة اعدائه ومن يري انهم مضوا على اعدل الامور وافضلها وان غاية امر من بعدهم ان يتبع طرائقهم ويقتفى آثارهم۔

حاصل یہ کہ حضرت امیرؓ کی خلافت برائے نام تھی۔ خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیشِ رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ کو بھی تمکین دین حاصل تھی مگر شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ کو کوئی تمکین حاصل نہیں ہوئی کیونکہ دینِ شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی رہا اور حضرت امیرؓ کو تقیہ ہی کرنا پڑا۔

اور برسرِ شیعین کی تعریف کرنی پڑی اور علیٰ ہذا شیعوں کے نزدیک حضرت علیؑ کو کفار کے متر سے بھی اسن حاصل نہ ہوا۔ امیر معاویہؓ ہمیشہ ان کو تنگ کرتے رہے اور اکثر ملک ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۱۲۔ اس آیت میں آنے والے خلفاء کی مدح اور ثنا ہے کہ وہ روئے زمین کی بادشاہت اور سلطنت ملنے کے بعد عام بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ خدا کے عبادت گزار بندے ہوں گے اور وہ اس عبادت میں سرتاپا صادق اور اخلاص ہوں گے لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْءٍ یعنی ان کی عبادت میں ذرہ برابر شرک جلی اور شرک خفی کا شائبہ بھی نہ ہوگا وہ اللہ کے مُخْلِص اور مُخْلِص بندے ہوں گے ان کا ہر کام خالص اللہ کے لیے ہوگا دنیا کا اس میں کوئی شائبہ نہ ہوگا، اس مدحیہ جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہ منافق تھے اور نہ وہ مرتد ہوئے، لہذا اب اس خبر کے بعد کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں رہی کہ یہ کہہ سکے کہ صحابہ آپؐ کی زندگی میں منافق تھے یا آپؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے انعام خلافت کا وعدہ انہیں لوگوں کے لیے کیا جا رہا ہے جن کا ایمان اور اخلاص بارگاہِ خداوندی میں مسلم ہے، غرض یہ کہ اس جملہ نے یعنی جملہ یُعْبُدُوْنَ یعنی نے صحابہ کے ارتداد کے احتمال کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے کیونکہ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے آخری حال تک خبر دے دی ہے اور اللہ کا علم اور اس کی خبر غلط نہیں ہو سکتی۔

۱۳۔ وَ مَنۢ كَفَرَۤا بَعْدَ ذٰلِكَۙ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

اس آیت میں جو لفظ کَفَرَ واقع ہوا ہے بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس سے کفر حقیقی اور ارتداد کے معنی مراد ہیں کہ جو شخص اسلام کے اس عظیم الشان اور بے مثال غلبہ کو دیکھ کر بھی اسلام کی طرف راغب نہ ہو اور کفر پر قائم رہے وہ اعلیٰ درجہ کا نافرمان اور بدکار ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کفر سے ناشکری کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان نعمتوں کے ملنے کے بعد بھی ان کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ اعلیٰ درجہ کا فاسق ہے اور بدکار ہے جہور مفسرین نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور وَ مَنۢ كَفَرَۤا بَعْدَ ذٰلِكَ کا مصداق اعداء خلفاء ہیں جنہوں نے اس نعمت کا کفران کیا۔ اور آیت استخلاف کے اخیر میں یہ لفظ خلفاء راشدین کی خلافت کی حقیقت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے اور اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت موعودہ حق تعالیٰ کی ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا شکر واجب ہے اور جو شخص اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرے وہ فاسق و فاجر ہے۔ سب سے پہلے اس نعمت کی ناشکری کرنے والے قاتلین عثمانؓ ہیں۔ اول کفرانِ نعمت کے مرتکب خوارج اور نواصب ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر خروج کیا اور ان کے بعد یہ فرقہ امامیہ ہے جو تین خلافتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں غرض یہ کہ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی اصل فاسق یہی خوارج اور روافض ہیں۔ اور قاتل خلیفہ ثانی اور خلیفہ ثالث اور قاتل حضرت امیرؓ ہیں جو اس نعمت کے کفران میں سب سے اول نمبر پر ہیں ان کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ اخیر آیت میں جن کو فاسقوں کہا گیا ہے اس کے اصل مصداق خوارج اور روافض ہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے کفران اور ناشکری اور ناقدری میں اصل فاسق یہی لوگ ہیں ان کے برابر اور کوئی فاسق نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھران پر مستط کر دیا۔
(ازالۃ الخفاء)

۱۴- وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

مشرع آیت میں ایمان اور عمل صالح کی بنا پر استخلاف کا وعدہ فرمایا اب اخیر سورت میں پھر عبادت اور اعمال صالحہ اور اطاعت رسول کا حکم دیتے ہیں اور اس بات پر متنبہ کرتے ہیں کہ اگر دینی اور دنیوی رحمتیں اور برکتیں چاہتے ہو تو رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو۔

۱۵- لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمُ النَّارُ

اس آیت میں منافقین کو تہدید ہے کہ تم ان باتوں کو جن کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ محال نہ سمجھنا۔ اللہ تعالیٰ کا فردوں اور منافقوں کے پکڑنے سے عاجز نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ آپ کے متبعین کو روئے زمین کی خلافت اور بادشاہت ملے گی اور یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْلِفُ اِمْلَعاً فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ۔ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَتِّیْ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ کے وعدہ کو کوئی شخص غصب کرے یا اس کی مخالفت کر سکے۔ قال اللہ تعالیٰ وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَ عَدْلًا۔ لَا تَبْدِیلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ خَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ اس لیے کہ وعدہ خداوندی ایک امر تکوینی ہے۔ جس کی مخالفت عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ البتہ امر تشریعی میں حکم خداوندی کی مخالفت کرنا ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔ ورنہ اگر وعدہ خداوندی میں غصب ممکن ہو تو معاذ اللہ خدا کا مغلوب ہونا اور شخص غاصب کا غالب ہونا لازم آئے گا اور یہ قطعاً محال ہے۔

عرض یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین سے وعدہ فرمایا تھا وہ حرف بحرف خلفاء راشدین کے ہاتھوں پورا ہوا۔ اور اگر بالفرض والتقدیر خلفاء راشدین کی خلافت۔ خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق نہ تھی تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ اور نہ آئندہ اس کے ایفاء کا کوئی امکان ہے، اس لیے کہ یہ وعدہ صحابہ سے نبھا اور وہ گزر گئے۔

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو فتوحات بلا دِ عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشر کسی دین و ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگان دین کی خلافت۔ وعدہ الہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے کہ پھر اور کس کی خلافت وعدہ الہی

کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہل اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اورج کمال کو پہنچے۔ احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سر بلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل و خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگیں آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سر بلند ہو اور دنیا پر حکمراں ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔ اگر ان حضرات کی خلافت کا ذنبہ اور ظالمہ اور جابرہ اور غاصبہ ہوتی تو یہ دینی اور دنیوی ترقی ان کو حاصل نہ ہوتی اور دل و جان سے لوگ ان پر متفق نہ ہوتے۔ اِنَّ اَدْنٰى لَّا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ اور کسی کا یہ خیال کرنا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ شروع میں خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے ناراض رہے۔ سو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ان کے برخلاف ان کے ساتھ خلوص اور اتحاد اور ساری عمر تنج وقتہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا روایات متواترہ سے ثابت ہے اور اس سے زیادہ اتحاد اور ارتباط کی کیا دلیل ہوگی کہ حضرت علیؑ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمرؓ سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرت شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علیؑ پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے ہیں اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علیؑ بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کو کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بننے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔

خاتمہ کلام و فذلک المرام

بحمدہ تعالیٰ آیت استخلاف کی تفسیر سے فراغت ہوئی اب ہم شیعوں پر حجت پورا کرنے کے لیے جناب مستطاب مشکل کشائے دارین حضرت ابوالحسنین یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کلام معرفت التیام پر اس کو ختم کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نزدیک خلفاء ثلاثہ اس وعدہ الہی کے سچے مصداق ہیں اور سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے، لہذا اب اس کلام صداقت نظام اور حقیقت التیام کو گوش دل سے سنئے۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطابؓ نے اہل فارس کی لڑائی میں جلنے کے لیے حضرت امیرؓ سے مشورہ کیا تو حضرت امیرؓ نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذا الا مر لم يكن نصرته
ولا خذلانه بكثرة ولا قلة
وهو دين الله الذي اظهره
وجنده الذي اعزه وايداه
حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث طلع
ونحن على موعود من الله تعالى
حيث قال وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
الْآخِرَةَ لَآيَةً فَإِنَّهُ مُنَجِّسٌ
وَعَدَهُ وَنَاصِرْ جُنْدَهُ

(تحفہ ص ۳۷۱ باب ہفتم در امامت
وازالة الخفاء ص ۵۷)

...

بے شک اس دین کو فتح۔ لشکر کی کثرت سے
نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو
شکست ہوئی بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس
نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر
اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور
قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک
پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا۔ جیسا کہ ظاہر اور
روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسا کہ
اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت
اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس
آیت یعنی وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ
میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور
اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور
فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت
موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغت کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود
آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حضرات شیعہ کے اعتراضات شیعہ اور ان کے جوابات

حضرات شیعہ نے اس آیت میں انتہائی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی تاویل کر دی جائے کہ آیت خلفاء ثلاثہ
کی خلافت ثابت نہ ہو۔

استخلاف سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی زمین میں رہنا۔ اصطلاحی معنی یعنی خلافت
نبوت مراد نہیں۔

تاویل اول

زمین میں رہنے کا حق تو کافروں کو بھی ہے۔ وعدہ استخلاف کے لیے مؤمنین صالحین
کو کیوں مخصوص کیا اور وعدہ استخلاف میں ایمان اور عمل صالح کی قید کیوں لگائی گئی۔

جواب

دوم یہ کہ الفاظ قرآنی کو معانی شرعیہ سے ہٹا کر معانی لغویہ پر محمول کیا جائے تو تمام شریعت درہم برہم ہو جائے
پھر جہاں کہیں قرآن میں لفظ ایمان کا آیا ہے اس کو تصدیق لغوی پر محمول کریں اور لفظ صلوة کو دعا پر اور لفظ

حج کو قصد کے معنی پر محمول کریں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں جہاں کہیں لفظ خلافت اور لفظ امامت آیا ہے اس کو بھی معنی لغوی پر محمول کریں بلکہ معاذ اللہ اگر خوارج یہ کہیں کہ قرآن میں امام کا لفظ کافروں کے مقتداء اور پیشوا کے لیے آیا ہے فَقَاتِلُوا أَمَّةَ الْكُفْرِ - وَجَعَلْنَا هُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الشَّرِّ۔

تو حضرات شیعہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے اور حضرات شیعہ جو اس حدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں یا علی انت خلیفتی اے علیؑ میرے بعد تو خلیفہ ہے۔ اس حدیث میں بھی خلیفہ کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے نیز اگر استخلاف کو معنی لغوی پر محمول کیا جائے تو آیت میں ایمان کی قید عبث ہوگی۔ کیونکہ کفار کو بھی زمین پر توطن حاصل ہوتا ہے۔

آیت میں وعدہ مؤمنین صالحین سے ہے اور خلفاء ثلاثہ کا مؤمن ہونا بھی تسلیم نہیں۔ صالح ہونا تو بعد کا درجہ ہے۔

تاویل دوم

خلفاء ثلاثہ کا مؤمن کامل بلکہ اہل ایمان کا سرتاج ہونا ایسا قطعی اور بدیہی مسئلہ ہے جس میں کسی کلمہ گو کو بولنے کی گنجائش نہیں اس لیے کہ خلفاء کے اوصاف میں یہ فرمایا یُعْبَدُ وَنَحْنُ لَا يُشْرِكُونَ بِشَيْءٍ یہ جملہ خبریہ ہے جس میں خلفاء کے اوصاف کی خبر دی گئی ہے اور اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مخلصین ہوں گے ان کی عبادت اور اطاعت میں ذرہ برابر شرک کا شائبہ نہ ہوگا۔ اور جب خلفاء کا عباد مخلصین سے ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ عباد مخلصین پر شیطان کا کوئی قابو نہیں چلتا۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ عِبَادِيْ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اور اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِیْنَ۔

پس حق تعالیٰ نے خلفاء کے اوصاف میں جملہ یُعْبَدُ وَنَحْنُ لَا يُشْرِكُونَ بِشَيْءٍ اس لیے زیادہ فرمایا تاکہ کسی کو صحابہ کے بارے میں نفاق اور ارتداد کا احتمال بھی باقی نہ رہے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے جب ان کے اخلاص کی شہادت دی اور ان کے جاری کردہ دین کو اپنا پسندیدہ قرار دے دیا تو اب نفاق اور ارتداد کے احتمال کی بیخ و بنیاد ہی اکھڑ گئی کیونکہ اس جملہ میں حق تعالیٰ نے ان کے اخیر حال تک کی خبر دے دی جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اور خلفاء ثلاثہ مہاجرین اور انصار کے مشورہ سے خلیفہ بنے ہیں خدا نے ان کو خلیفہ نہیں بنایا۔

تاویل سوم

اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنانے کا وہی مطلب ہے جو نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِیَّاكُمْ اور اَطَعْمَهُمْ مِّنْ جُوعٍ کا مطلب ہے چونکہ تمام اسباب و وسائل بھی خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے اسباب و ذرائع سے جو رزق ملتا ہے وہ خدا ہی کا دیا ہوا رزق سمجھا جاتا ہے البتہ جو نعمت بندہ کو ایسی حاصل ہو کہ جس میں اس کے کسب اور اختیار کو دخل ہو وہ ظاہراً بندہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور جس نعمت میں ظاہری اسباب کا بالکل دخل نہ ہو وہ نعمت حق تعالیٰ کی طرف منسوب

کی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتُمْ إِلَّا زَرْعًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔

اسی طرح یہ استخلاف فی الارض بھی بطور خرق عادت تھا۔ حضرات خلفاء کو جس قسم کی حکومت اور بادشاہت عطا ہوئی وہ اسباب سے کہیں بالا اور برتر تھی۔ باوجود بے سروسامانی کے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا یہ محض قدرت خداوندی کا کرشمہ تھا اس لیے لَیْسَتْ خِلْفَتُهُمْ فِي الْأَرْضِ میں حق تعالیٰ نے استخلاف کو اپنی طرف منسوب فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ اس وعدہ کا ظہور بطور خرق عادت ہوگا۔ ظاہری اسباب اور سامان کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ دوسرا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خلافت اور حکومت جو صحابہ کرام کو دی جائے گی وہ اللہ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہوگی۔ جیسا کہ لفظ عبادی اور بیت اللہ اور نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف اضافت کمال تشریف اور غایت رضا پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ جلیلہ | اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف فی الارض سے اصل مقصود تمکین دین ہے۔ دین کے استحکام اور مضبوطی کے لیے حکومت اور سلطنت عطا کی گئی۔ اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس میں قانون شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل ہو۔

اعتراض

شیعہ یہ کہتے ہیں کہ انتظام ملکی اور ملکی فتوحات خلافت حقہ کی دلیل نہیں بن سکتے۔

جواب

اس آیت میں خلفاء راشدین کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ زمین کے خلیفہ ہوں گے اور بزورِ شمشیر و سلطنت دینِ متین کو مضبوط اور مستحکم کر دیں گے۔ ہاں اگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں ترقی اسلام نہ ہوئی ہوتی بلکہ مثل تیمور فقط ملک گیری ہوتی تب تو کچھ گنجائش تھی لیکن جب کہ عرب سے لے کر ایران تک انہیں کی بدولت غلبہ اسلام جاری ہوا پھر تو ان کی خلافت کے حق ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (دیکھو اجوبہ اربعین ص ۱۵ ج ۲)

جب دنیوی شان و شوکت اور ظاہری غلبہ کے ساتھ دین اسلام بھی ادیان پر غالب اور سر بلند ہو جائے اور کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی طاقت نہ رہے تو ایسے فرمانرواؤں کی خلافت، راشدہ اور خلافت حقہ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء راشدین کے دورِ خلافت میں جو بلاد اور اقالیم مفتوح ہوئے وہ اسلامی بلاد بن گئے اور اسلام کا رنگ ان پر غالب آگیا اور شعائر اسلام کامل طور پر ظہور میں آئے اور اسلام اور علوم اسلامیہ تمام علوم پر غالب آگئے ہر گلی اور کوچہ سے اور ہر در و دیوار سے اسلام کی آوازیں آنے لگیں۔ اسلام سر بلندی میں آسمان کو پہنچا اور کفر ذلیل اور خوار اور سرنگوں ہوا۔ جو بلاد بعد میں فتح ہوئے اگرچہ وہ سلاطین اسلام کے ہاتھ سے فتح ہوئے مگر ان کے دورِ حکومت میں اسلام کو وہ عزت اور سر بلندی نصیب نہیں ہوئی کہ جو خلفاء راشدین کے دورِ حکومت میں ہوئی۔

نیز خلفاء راشدین کے دور حکومت میں حکومت و سلطنت کا تمام کارخانہ قانونِ شریعت کے مطابق چلا۔ جزیرہ اور خراج تمام محصولات ملکی اور تقسیم غنائم اور جہادات اور ملکی فتوحات سب شریعت کے مطابق لیا گیا۔ ذرہ برابر کتاب و سنت سے عدول نہیں کیا گیا۔

نیز تمام روئے زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بادشاہتوں پر منقسم تھی۔ کسریٰ اور قیصر۔ روئے زمین میں سب سے بڑے فرمانروا بھی دو تھے اور باقی ملوک اور فرمانروا انہی دو میں سے کسی کے ماتحت اور اس کے باجگذار تھے، پس خلفاء راشدین کا ان دو بادشاہوں کو شکست دے دینا درحقیقت تمام روئے زمین کی فتح کے مترادف اور ہم معنی تھا۔ پس کیا ابوبکرؓ و عمرؓ کا دس بارہ سال کی مدت میں باوجود بے سرو سامانی کے آدھی آدھی دنیا کی دو منظم طاقتوں کو جن کی مال و دولت اور قوت و شوکت میں روئے زمین پر کوئی نظیر نہ تھی۔ بیک وقت ان کو شکست فاش دے دینا اور ان کے خزانوں اور مال و دولت اور جواہرات کو لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دینا اور مسجد کے پرانے بوریے پر بیٹھ کر فقراء مسلمین پر ان کو تقسیم کر دینا کیا یہ اس کی دلیل قطعی نہیں کہ تائید غیبی ان کے ساتھ ہے اور حق شائد نے نبی اُمّیؐ فداہ نفسی و امی سے جو وعدے کیے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ (دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲)

مصطفیٰ را وعدہ کرد الطاف حق
چاکر انت شہر ہا گیرند وجاہ
گر بمیری تو نمیرد این سبق
دین تو گیرد زماہی تا بماہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آگیا تھا اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا خیر جو یہودیوں کا اڈہ تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اور حجر کے مجوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی جزیرہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے اور بصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت و اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک اور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان

بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔

حاصل کلام یہ کہ حسب وعدہ خداوندی اتنے قلیل عرصہ میں اتنی بڑی بڑی اور مضبوط اور پائیدار سلطنتیں جو صد ہا سال سے دنیا پر چھائی ہوئی تھیں اور فوج اور خزانوں کی جن کے پاس کمی نہ تھی وہ ان تین درویشوں اور مسجد نبوی کے اماموں (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کی بے سرو سامان فوجوں کے ہاتھ ختم ہوئیں۔

اور مسجد کے بورے پر بیٹھ کر ان سلطنتوں کے خزانے فقیروں میں تقسیم کیے گئے اور ہر بستی اور ہر شہر میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور ملک سے بے حیائی اور بدکاری اور رقص و سرود اور شراب خواری کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح حق جل شانہ کا وعدہ پورا ہوا کہ حضور پر نورؐ کے خادموں کو ایسی آسمانی بادشاہت عطا ہوئی کہ جس سے دین و اسلام کو تمکین اور استحکام حاصل ہوا اور تائید آسمانی اور اقبال غیبی اور غلبہ اسلام اور ذلت و رسوائی مخالفین و معاندین اسلام کا دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ اور علماء یہود و نصاریٰ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بلاشبہ یہ خلافت راشدہ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کا نمونہ ہے اور کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ کا یہی مطلب ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی خلافت کے مشابہ اور ہمرنگ ہوگی اور یہ سب بمنجانب اللہ تھا اور دائرۃ اسباب سے بالا اور برتر تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں اگرچہ کوئی ملک فتح نہیں ہوا مگر کفر اور کافر کی یہ

مجال نہ ہوئی کہ اسلام کی طرف کوئی نظر بد سے دیکھ سکے۔ حضرت معاویہ کو اگرچہ حضرت علیؓ سے اختلاف تھا مگر کفر اور کافر کے مقابلہ میں دونوں ایک تھے، دو بھائی اگرچہ باہم کچھ اختلاف رکھتے ہوں مگر دشمن کے مقابلہ میں دونوں ایک ہوتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ

اے ایمان والو! پر وائی مانگ کر آئیں تم میں سے جو تمہارے

أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ

ہاتھ کا مال ہیں، اور جو نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین

مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ

بار - فجر کی نماز سے پہلے، اور جب

تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ

اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے

الْعِشَاءُ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

پہچھے ، یہ تین وقت کھانے کے ہیں تمہارے کچھ گناہ نہیں تم پر نہ اُن پر

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طُفُوفُونَ عَلَيْكُمْ بِعِضِّكُمْ عَلَى

اُن کے پیچھے ، پھر اہی کرتے ہو ایک دوسرے پاس

بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

یوں کھولتا ہے۔ اللہ تمہارے آگے باتیں ، اور اللہ سب جانتا

حَكِيمٌ ۵۸ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا

ہے حکمت والا۔ اور جب پہنچیں بڑے تم میں عقل کی حد کو تو ویسی پروا لگی لیں

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

جیسے لیتے رہے ہیں اُن سے اگلے۔ یوں کھول سنا ہے اللہ

لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۵۹

تم کو اپنی باتیں، اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

حکم یازدہم متعلق بہ استیذان

قال الله تعالى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ..... الى..... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۵۹
(رابط) آغاز سورت میں عفت و عصمت و آداب معاشرت کے متعلق احکام کا ذکر تھا جن میں ایک حکم استیذان کا تھا کہ کسی گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو، اب پھر انہی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان آیات میں غلاموں اور نابالغ بچوں کو اجازت لے کر داخل ہونے کا حکم ہے اور شروع سورت میں جو اجازت لینے کے احکام مذکور تھے وہ اجنبیوں کے متعلق تھے کہ کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونے کی ممانعت تھی، اب یہ آیتیں اسی گزشتہ حکم استیذان کا تتمہ اور تکملہ ہیں کہ جو لونڈی اور غلام اور نابالغ بچے گھر میں رہتے ہیں۔ تین وقتوں میں ان کو بھی تمہارے کمرہ میں اجازت لے کر آنا چاہیے۔ یہ اوقات خلوت و استراحت کے ہیں۔ بسا اوقات انسان سے سوتے وقت اس کا کپڑا اتر جاتا ہے اور ستر کھل جاتا ہے۔ لہذا ان تین اوقات میں غلاموں

اور کنیزوں کو بھی بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہونا چاہیے۔ باقی اوقات میں ان کو اجازت کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو! چاہیے کہ اجازت لے کر آیا کریں تم سے وہ کہ جن کے مالک ہیں تمہارے ہاتھ یعنی لونڈی اور غلام اور وہ لڑکے جو تم میں سے حد بلوغ کو نہیں پہنچے وہ تین وقت میں تم سے آنے کی اجازت لیا کریں، یعنی تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں ایک تو نماز فجر سے پہلے اور دوسرے پھر کے وقت جب تم قیلولہ کے لیے اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد جب آدمی اپنی اہلیہ کے ساتھ تخلیہ میں ہو جاتا ہے۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پردے کے ہیں۔

اس لیے ان تین وقتوں میں بغیر اجازت لیے تمہارے پاس نہ آیا کریں اور بعد ان تین وقتوں کے بغیر اجازت لیے تمہارے پاس آنے میں نہ تم پر کوئی گناہ ہے اور نہ ان پر کیونکہ وہ تم پر گھومتے رہتے ہیں۔ یعنی بکثرت اور بار بار تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے پاس اس لیے ہر دفعہ میں اجازت لینے میں دشواری ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان کرتا ہے۔ اور اللہ بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے اور جب تم میں سے لڑکے حد بلوغ کو پہنچیں یعنی بالغ ہو جائیں یا قریب بلوغ ہو جائیں تو تمہارے پاس آنے کے لیے تم سے جملہ اوقات میں اجازت لیا کریں جیسا کہ اجازت مانگتے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا جب تک نابالغ ہے تو تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بغیر اجازت لیے اندر آ سکتا ہے اور جب حد بلوغ کو پہنچ گیا تو پھر اس کا حکم انہی مردوں جیسا ہے جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور ان کا حکم پیشتر آیت **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا** میں گزر چکا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ

اور جو بیٹھ رہی ہیں تمہاری عورتیں، جن کو توقع نہیں بیاہ کی اُن پر

عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ

کوئی گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا

بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

سنگوار۔ اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کو۔ اور اللہ سب سنتا

عَلِيمٌ

ہے جانتا۔

حکم دوازدہم متعلق بہ تستر

قال الله تعالى. وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا.... إِلَى..... وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (ربط) شروع سورت میں عورتوں کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ کما قال تعالیٰ لَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ۔ اب ان آیات میں بوڑھی عورتوں کے متعلق حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کے لیے اس درجہ تستر ضروری نہیں جتنا کہ جوان عورتوں کے لیے تستر ضروری ہے۔ عورت کا جب زمانہ شباب گزر گیا اور بڑھاپے کی اس منزل کو پہنچ گئی کہ نکاح کی اس کو حاجت نہ رہی تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں تھوڑے کپڑوں میں بھی رہے تو درست ہے اور بہتر یہ ہے کہ پورا پردہ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بڑی عمر والی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہیں رہی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے گھر میں زائد کپڑے اتار کر رکھ دیں۔ جیسے چادر اور برقع۔ بشرطیکہ وہ اس سے اپنی زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں یعنی چادر اور برقع کے اتار دینے سے مقصود غیر مردوں کو اپنے محاسن کا دکھلانا نہ ہو تو پھر زائد کپڑے اتار دینے میں کوئی گناہ نہیں اور اگر وہ اس سے بھی بچیں، یعنی اپنے زائد کپڑے بھی نہ اتاریں تو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سُننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی ان کے قول کو سُنتا ہے اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ

نہیں اندھے پر کچھ تکلیف، اور نہ لنگڑے پر تکلیف،

وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ

اور نہ بیمار پر تکلیف، اور نہ تم لوگوں پر کہ کھالو اپنے

تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

گھروں سے یا اپنے باپ کے گھروں سے، یا

أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ

اپنی ماں کے گھروں سے، یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے،

أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

یا اپنے چچا کے گھر سے، یا اپنی پھوپھی کے گھر سے، یا اپنے

أَحْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَلِيتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ

ماموں کے گھر سے، یا اپنی خالہ کے گھر سے، یا جس کی کنجیوں کے مالک ہوئے ہو

أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا

یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا

مل کر یا جدا

حکم سیزدہم متعلق باہمی اکل و شرب

قال الله تعالى- لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ الی أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا
(رابط) گزشتہ آیات میں جو احکام بیان کیے گئے وہ آداب معاشرۃ سے متعلق تھے اب آیات میں
باہمی اکل و شرب کے آداب کو بیان کرتے ہیں جب حق جل شانہ نے قرآن کریم میں یہ حکم نازل کیا۔ لَا تَأْكُلُوا
أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ آپس میں ناحق ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ تو مسلمانوں نے احتیاط کی
بنا پر اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے گھروں کا کھانا کھانا بھی چھوڑ دیا اور خیال کیا کہ بلا ضرورت کسی کے گھر
کا کھانا حلال نہیں حتیٰ کہ اندھوں اور لنگڑوں اور بیماروں نے بھی اپنے اعزاء و اقارب کے گھر جانے میں تنگی محسوس
کی اور خیال کیا کہ شاید ہماری معذوری اور ہماری بیماری دوسروں کے لیے باعثِ گرائی ہو۔ اس پر یہ
آیتیں نازل ہوئیں۔

فرمایا۔ نہ نابینا پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کچھ گناہ ہے اور نہ مریض پر کچھ گناہ ہے اور نہ تم پر کچھ
گناہ ہے اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ۔ اس میں اہل و عیال اور آلِ اولاد کے گھر بھی آگئے یا اپنے
باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا
اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا ان گھروں سے
جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو۔ یعنی جن کے تم متولی ہو اور وہ مکان تمہارے زیر تصرف ہوں مثلاً کسی نے تم کو
اپنے مکان کا وکیل اور متولی اور محافظ بنا دیا ہے اور بقدر ضرورت تم کو اس سے کھانے کی اجازت دی ہے یا اپنے سچے دوست

علیہ: یہ قید اس لیے لگائی کہ صدیق، صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچے دوست کے ہیں۔ سیاسی دوست کو لغت میں صدیق نہیں کہتے۔

کے گھر سے جو تمہارا سچا دوست ہے جسے تمہارے کھانے سے خوشی ہوتی ہے اور تمہارا جانا اس پر شاق اور گراں نہ گزرتا ہو۔ تو ان لوگوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کھانا حق کھانا نہیں جسکی اللہ تعالیٰ نے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ میں ممانعت کی ہے۔ یہ آیتیں نازل کر کے اللہ نے بتلادیا کہ تمہیں اس بارے میں رخصت اور وسعت ہے تنگی کی ضرورت نہیں۔

نیز بعض معذور مثلاً نابینا اور لنگڑا تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گھبراتے تھے کہ شاید ہماری بعض حرکات اور اطوار سے لوگوں کو تکلیف پہنچے اور بعضوں کو واقعی ان کے ساتھ کھانے سے وحشت ہوتی تھی نیز بعض مؤمنین کو غایت اتقائے وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ایسے معذوروں کے ساتھ کھانے میں ہم سے کوئی ظلم اور زیادتی نہ ہو جائے اس لیے کہ نابینا کو سب کھانے نظر نہیں آتے اور بیمار آدمی بہت آہستہ کھاتا ہے، اس لیے ان لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید ان لوگوں کے ساتھ کھانے میں ان کی حق تلفی ہو جائے اس بنا پر ان کے ساتھ کھانے میں احتیاط برتتے تھے اور بعض مرتبہ یہ صورت پیش آتی تھی کہ کوئی معذور اور بیمار کسی کے پاس ملنے گیا اور وہ شخص اس معذور کو اپنے باپ یا بھائی بہن یا پھوپھی یا خالہ کے گھر لے جاتا تو ان معذورین کو یہ خیال گزرتا کہ ہم آئے تو تھے اس کے پاس اور یہ ہم کو دوسروں کے گھر لے جا رہا ہے اور ساتھ جانے میں تامل کرتے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے تمام خیالات کی اصلاح کر دی اور بتلادیا کہ اللہ کی طرف سے وسعت ہے لہذا تم اپنے اوپر تنگی نہ کرو۔ تندرستوں کو مریضوں سے اور مریضوں کو تندرستوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں اور خویش واقارب کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

نیز بعض انصار پر جو دو کرم کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے اور مہمان کا انتظار کرتے ان کے بارہ میں آئندہ آیت اتری۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ اور اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ۔ اکیلے اکیلے کھانا بھی جائز ہے مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةٌ مِّنْ

پھر جب جانے لگو کبھی گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ

عِنْدَ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

کے ہاں سے برکت کی ستھری۔ یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ٤٦

باتیں، شاید تم بوجھ رکھو۔



حکم چہارم متعلق بسلام اہل خانہ

قال الله تعالى - فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ.... الى لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝
(رابطہ) گزشتہ آیات میں یہ بتلادیا کہ کن کن گھرانوں میں کھانے پینے کی اجازت ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے، یہ تمام تر آداب اکل کا بیان تھا۔ اب کسی مکان میں داخل ہونے کا ادب سکھاتے ہیں کہ جب اپنے اعزاء اور اقارب کے گھروں میں داخل ہوا کرو تو سلام کیا کرو جو ان کے لیے سلامتی کی دعا ہے۔ داخلہ کا آغاز دعاء خیر و سلامت سے موجب صد خیر و برکت ہے۔

اور اس طرح گھر میں داخل ہونا موجب خیر و برکت بھی ہے اور موجب مسرت بھی ہے کہ گھر والوں نے تمہاری زبان سے دعاء خیر و سلامت سنی۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنوں پر یعنی اپنے گھر والوں پر سلام کیا کرو۔ دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بہت خیر و برکت والی اور بکیرہ دعا جس سے سننے والے کا دل خوش ہو جائے، یعنی گھروں میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہنا یہ اللہ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے جس کو سنتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے کہ یہ داخل ہونے والا میری خیر اور سلامتی چاہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکام کو بیان کرتا ہے تاکہ تم اس کے حکموں کو سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ نے تم کو گھر میں داخل ہونے اور کھانا کھانے کے آداب بتلادیئے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب

كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ

ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک

يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

اس سے پردانگی نہ لیں۔ جو لوگ تجھ سے پردانگی لیتے ہیں وہی ہیں جو

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ

مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو۔ پھر جب پردانگی مانگیں تجھ سے اپنے

شَانِهِمْ فَأُذِنَ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

کسی کام کو تو دے پردانگی جس کو ان میں تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ

اللہ سے۔ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ۔ مت ٹھہراؤ بلانا رسول کا

الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُّ عَاءٍ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ط

اپنے اندر ، برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک کو ایک ۔

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۖ

اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں جو سٹک جاتے ہیں آنکھ بچا کر ۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ

سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ

تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ ۚ

پڑے ان پر کچھ خرابی ، یا پہنچے ان کو دکھ کی مار ۔ سنتے ہو

إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط قَدْ يَعْلَمُ مَا

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں ۔ اس کو معلوم ہے جس

أَنْتُمْ عَلَيْهِ ط وَيَوْمَ يَرْجِعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ

حال پر تم ہو ۔ اور جس دن پھیرے جا دیں گے اس کی طرف تو بتا دے گا

بِمَا عَمِلُوا ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ان کو جو انہوں نے کیا ۔ اور اللہ سب چیز

عَلِيمٌ ۖ ۚ

جانتا ہے ۔



حکم پانزدہم متعلق بآداب مجلس نبوی

قال الله تعالى: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ... إلخ - وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝
 (ربط) گزشتہ آیات میں عام مجالس کے آداب کا اور عام استیذان کا ذکر تھا اب ان آیات میں خاص مجلس نبوی کے آداب بیان کرتے ہیں کہ مجلس نبوی سے جاتے وقت استیذان و اجازت لینے کی ضرورت ہے اور آپ کے بلانے کے وقت حاضری واجب ہے اور آپ کی مجلس سے بغیر اجازت لیے اٹھ کر چلے جانا یا آپ کے بلانے پر حاضر نہ ہونا یہ منافقین کا شیوہ ہے۔ رسول اللہ کی تعظیم اور آپ کا ادب اور احترام ایمان کا جز ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جزا میں نیست کہ کامل ایمان دار تو وہی ہیں جو صدق دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لیے مجمع کیا گیا ہے یعنی جس میں جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً نماز جمعہ یا نماز عید یا جہاد یا غزوہ یا کوئی مشورہ اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑ جائے تو یہ لوگ جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں اس وقت تک آپ کی مجلس سے اٹھ کر نہیں جاتے۔

صحیح الایمان لوگوں کا طریقہ یہی تھا کہ آپ کی مجلس سے بغیر اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے تھے مگر منافق لوگ آنکھ بچا کر بغیر اجازت لیے نکل جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلادیا کہ اجازت لینا صدق اور اخلاص کی دلیل ہے اور ادب اور تعظیم کی علامت ہے کہ اپنی ضرورت کو آپ کی اجازت پر موقوف رکھا اور استاد اور مرشد کی مجلس کا بھی یہی حکم ہے۔ بے شک جو لوگ اپنی ضروریات میں جانے کے لیے آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ جو بغیر آپ کی اجازت کے آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے پس جب یہ اہل ایمان اپنے کسی ضروری کام کے لیے آپ سے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں یعنی جس کو اجازت دینا مناسب سمجھیں۔ اسے اجازت دے دیں اور چاہے نہ دیں آپ کو اختیار ہے اور اجازت دینے کے بعد ان کے لیے دعا مغفرت کیجیے، اس لیے کہ اگرچہ ان کا عذر صحیح ہو لیکن آپ کی مجلس مبارک سے مفارقت میں یہ ایہام ضرور ہے کہ انہوں نے آپ کی مجلس پر کسی دوسری مجلس کو ترجیح دی گویا کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ پس اے نبی کریم آپ ان مخلصین کے حق میں دعا مغفرت فرمائیے تاکہ آپ کی استغفار سے ان کی اس تقصیر اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ مخلصین کی فروگزاشت کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تعظیم اور ادب کی تعلیم فرماتے ہیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا مت خیال کرو جیسے تم میں سے بعض کو بلاتے ہیں۔ چاہے جواب دیا چاہے نہ دیا۔ رسول کے بلانے پر تمہیں حاضر ہونا فرض ہے جب رسول تم کو بلائیں تو سب

کام چھوڑ دو اور لبیک کہہ کر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

(یا یہ معنی ہیں کہ تم رسولؐ کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں بعض بعض کو پکارتے ہو، یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، اس طرح رسولؐ کو اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ یعنی تعظیمی الفاظ سے آپ کو خطاب کیا کرو۔ ہر حال میں رسولؐ کے ادب اور اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھو اور بلا اجازت آپ کی مجلس سے ہرگز نہ اٹھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے آپ کی مجلس سے کھسک جاتے ہیں چھپے چھپے کسی کی آڑ میں ہو کر۔ منافقین کا شیوہ یہ تھا کہ جب کسی جمعہ یا مجمع میں آپ کے ساتھ ہوتے تو آپس میں بعض بعض کی آڑ میں ہو جاتے تاکہ جب موقع ملے تو چھپ کر نکل جائیں۔

پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ جو پیغمبر کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہہیں دنیا ہی میں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے یا آخرت میں ان کو دکھ کی مار نہ پہنچے۔ یہ تردید بطور منع خلوسے ورنہ جمع ہونا دونوں کا جائز ہے کہ دنیا میں بھی مصیبت آئے۔ اور آخرت میں بھی دردناک عذاب ان کو پہنچے جان لو کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی سب کا مالک، اس لیے کہ وہی سب کا خالق ہے خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو، یعنی تمہارے ایمان اور نفاق سے خوب واقف ہے اور جس دن یہ لوگ اس کی طرف ٹوٹائے جائیں گے یعنی قیامت کے دن وہ ان کو ان کے بُرے بھلے اعمال سے آگاہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے موافق جزا دے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

آنکس کہ بیا فرید پیدا و نہاں چوں نشنا سد نہاں و پیدا بجہاں

الحمد للہ آج چہار شنبہ بوقت اذان عصر بتاریخ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ سورہ نور کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ اے اللہ باقی تفسیر کو بھی اس احقر کے ہاتھ سے مکمل فرما اور ہمارے قلوب نور ایمان اور نور ہدایت سے منور فرما اور ہماری قبروں کو منور فرما۔ آمین یا رب العالمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین و صلی اللہ

تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ، سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین
وعلینا معهم یا ارحم الراحمین



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر سورۃ الفرقان

(ربط سورۃ) یہ سورت کئی ہے اس میں ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔ فرقان کے معنی دو چیزوں میں فرق کرنے کے ہیں۔ اس سورت کا نام فرقان اس لیے ہوا کہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہے کہ جس سے حق اور باطل کے آخری فیصلہ کا علم ہو جاتا ہے اور گزشتہ سورت کا نام سورۃ نور تھا اور نور سے دو چیزوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔ نیز گزشتہ سورت میں نور کا ذکر تھا مثلاً نُورٌ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ اور اس سورت میں نفل کا ذکر ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ اِنْفِلَاقًا اور نور نفل سے مقدم ہے اس لیے اس سورت کو سورۃ نور سے مؤخر لایا گیا۔

نیز اس نام سے مشرکین کے اس شبہ کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے جو یہ کہتے ہیں۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَزِلَّ عَلَيْنَا الْفُتْرَانُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً کہ یہ قرآن دفعۃً کیوں نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا متفرقاً نازل کیا گیا۔ عنقریب آیت مذکورہ کی تفسیر میں جواب کی تفصیل آجائے گی۔

یہ سورت اگرچہ توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین پر مشتمل ہے لیکن زیادہ تر منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اول توحید کا مضمون ذکر کیا بعد ازاں منکرین رسالت کے ایک ایک اعتراض کو نقل فرماتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں اور جاہجا عذابِ آخرت سے ڈراتے ہیں، اس لیے کہ موت اور قیامت کے تصور سے عقل ٹھکانے آجاتی ہے، دُور تک سلسلہ کلام اس طرح چلا گیا کہ اول منکرین نبوت کے اعتراض کو نقل کیا اور پھر اس کا جواب دیا۔

منکرین نبوت کے اعتراضات کے جوابات کے بعد اللہ تعالیٰ نے چند حضرات انبیاء کے واقعات مختصر طور پر نقل کیے تاکہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں کہ منکرین نبوت کا کیا انجام ہوا اور انکارِ نبوت سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ اِنْفِلَاقًا سے چند دلائل توحید ذکر فرمائے تاکہ مشرکین شرک سے باز آجائیں، پھر اخیر میں اہل ایمان اور اہل طاعت کی صفات اور خصالِ خیر کا ذکر فرمایا تاکہ ان کو دیکھ کر اپنے بُرے اعمال سے تائب ہو جائیں اور اپنے اعمال اور خصال کا ان کے اعمال اور خصال سے موازنہ کریں تاکہ ہدایت اور ضلالت اور سعادت اور شقاوت کا فرق ان کی نظروں کے سامنے آجائے۔

آیاتہا ۷۷ = ۲۵ = سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رُكُوعَاتُهَا ۶

سورۃ فرقان مکی ہے اور اس میں ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدٍ لِّیَكُوْنَ

بڑی برکت ہے اُس کی، جس نے اُتارا فیصلہ اپنے بندے پر کہ رہے جہان۔

لِّلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۱ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دالوں کو ڈر - اور وہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی،

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْكِ وَ

اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا، اور نہیں کوئی اس کا ساجھی راج میں، اور

خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِیْرًا ۲ وَاتَّخَذُوا مِنْ

بنائی ہر چیز، پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر۔ اور لوگوں نے پکڑے ہیں

دُوْنِهٖ اِلٰهَةً لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا

اس سے ورے کہتے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور آپ بنتے ہیں اور نہیں

یَمْلِكُوْنَ لَا نَفْسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا یَمْلِكُوْنَ

مالک اپنے حق میں برے کے، اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک

مَوْتًا وَلَا حَیْوةً وَلَا

مرنے کے اور نہ جینے کے اور نہ

نُشُوْرًا ۳

جی اٹھنے کے

توحید رسالت و قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ۔۔۔۔۔ الی۔۔۔۔۔ كَلَّا نُنشِئُهَا (ربط) اس سورت کی ابتداء حق جل شانہ نے اپنی صفت برکت سے فرمائی اور برکت اس خیر خوبی کو کہتے ہیں کہ جو قائم اور دائم ہو اور صفت برکت کی دلیل اور برہان میں فرقان یعنی قرآن کی تنزیل کو ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہ قرآن حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اور حق اور باطل میں تمیز اور فرق سے بڑھ کر کوئی برکت اور خیر کثیر نہیں اس لیے فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے برگزیدہ بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فرقان کو نازل کیا یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا کلام نازل کیا جس سے بڑھ کر کوئی برکت والی چیز نہیں تاکہ نذیر ہو تمام جہانوں کے لیے یعنی تمام جن وانس کے لیے عذاب الہی سے ڈرانے والا ہو۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن ہر زمانہ میں ہر قرن والوں کے لیے ان باتوں سے ڈرانے والا ہو جو اللہ کی ناراضی اور غصہ کا سبب ہیں۔

ف للعالمین کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت عام ہے اور آپ جن وانس سب کے نبی اور رسول ہیں یہ رتبہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مجھ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا گیا وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس وہ ذات بابرکات جس نے مجھ کو تمام جہانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا وہ وہ ذات ہے جس کی ایک صفت یہ ہے کہ اسی کے لیے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی وہ ان کا خالق اور مالک ہے جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اس نے اپنے لیے کوئی اولاد اور فرزند نہیں بنایا کیونکہ فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے اور خدا ماثلت اور برابری سے پاک اور منزہ ہے خدا تو بے مثل اور بے چون و چوک ہے کَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور تیسری صفت اس کی یہ ہے کہ بادشاہت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور چوتھی صفت اس کی یہ ہے کہ وہ خالق الکل ہے اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اس کی قدر غیر متناہی ہے کوئی ذرہ اس کی قدرت سے باہر نہیں ایسی ذات کا کون شریک اور سہیم ہو سکتا ہے۔ اس خالق الکل نے کائنات کی انواع و اقسام کو پیدا کیا پھر اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرایا۔ اس سے وہ چیز نہ کم ہو اور نہ زیادہ۔ ہر چیز کی صورت اور صفت اور خاصیت الگ الگ بنائی اور ان نادانوں کو دیکھو کہ قادر مطلق اور عاجز مطلق میں فرق نہیں کرتے۔ اور ان مشرکوں نے خدا کے سوا ایسے معبود ڈھرائے ہیں کہ جو ایک چیز کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور حال یہ ہے کہ وہ خود ایک خاص مقدار اور اندازہ پر پیدا

کیے گئے ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے اس اندازہ سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اور ہر مخلوق اپنی ہستی میں خالق کا محتاج ہے اور محتاجیِ خدائی کے لائق نہیں پس ان کے ہاتھ کے خود تراشیدہ بُست کہاں خدائی کے لائق ہو سکتے ہیں اور وہ خالق تو کیا ہوتے وہ تو مالکیت کی صفت سے بھی عاری اور خالی ہیں اور اس درجہ عاجز ہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی کسی ضرر اور نفع کے مالک نہیں۔ وہ اپنے سے ضرر کے رفع کرنے کی اور اپنے لیے نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ حالانکہ خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نافع اور ضار ہو یعنی نفع اور ضرر کا مالک ہو اور نہ وہ موت اور زندگی کے مالک ہیں کہ کسی میں جان ڈال دیں یا اس کی جان نکال لیں۔ موت اور حیات تو بڑی چیز ہے۔ یہ تو اپنے خواب اور بیداری کے بھی مالک نہیں سونا اور جاگنا کسی کے اختیار میں نہیں اور نہ کسی مردہ کو دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور معبود وہ ہے کہ جو جان نکالنے اور جان ڈالنے پر قادر ہو۔ بندہ اگرچہ کسی کے قتل پر قادر ہے مگر جان نکالنے پر قادر نہیں۔ قتل اور چیز ہے اور جان نکالنا اور چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معبود وہ ہونا چاہیے کہ جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو خالق الکل اور مالک الکل ہو اور نفع اور ضرر اور موت اور حیات کا مالک ہو یعنی کائنات کا وجود اور عدم اس کے اختیار میں ہو اور عاجز اور بے جان کو خدائی کا رتبہ دینا کمال حماقت ہے اور قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کے معجزہ احیاء موتی کا ذکر آیا ہے سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے بلکہ بحکم خداوندی پرندوں میں پھونک مارتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو وہ مردہ باذن اللہ یعنی بحکم خداوندی زندہ ہو جاتا۔ اہل اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردوں کا زندہ ہونا یہ ان کا معجزہ تھا جو ان کی نبوت و رسالت کی دلیل تھا کہ یہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندہ ہیں کہ ان کی دعا سے خدا تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ نصاریٰ نے اس قسم کے معجزات کو ان کی الوہیت کی دلیل سمجھا اور غلط سمجھا بقول نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام موت اور حیات کے مالک تھے تو جب یہود نے ان کو صلیب پر لٹکایا تو وہ اپنے سے موت کا پیالہ کیوں نہ ہٹا سکے اور موت کے پیالہ کا مسئلہ تو بعد کا ہے پہلے تو مسئلہ پکڑے جانے اور صلیب پر لٹکائے جانے کا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے سے صلیب کے ضرر اور تکلیف کا پیالہ نہ ہٹا سکے اور نہ موت کا پیالہ ہٹا سکے اور صلیب پر ایلی ایلی لمّا سبقتانی کہہ کر جان دے دی، پس اس عجز اور لاچارگی کے ساتھ کسی کو معبود بنانا کمال حماقت ہے۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام موت اور زندگی کے مالک نہ تھے۔ نصاریٰ کو شرمانا چاہیے کہ وہ خدا ہی کیا ہوا جس کو اس کے بندے پکڑ کر پھانسی دے سکیں اور اہل اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق تھے اور باذن اللہ اور بحکم خداوندی ان کے ہاتھ سے ان کی دعا کے بعد مردے زندہ ہو جاتے بذاتِ خود تو وہ اپنی موت اور حیات کے بھی مالک نہ تھے اور جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کو اسی جسم عنصری کے ساتھ صحیح سالم زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ اور ان کے ذمّن دیکھتے ہی رہ گئے۔ قرآن نے اسی جسم عنصری کے رفع کی خبر دی۔ ہے جس جسم عنصری کو وہ قتل کرنا چاہتے تھے اور روح کو پکڑنا اور اس کے قتل کا ارادہ کرنا یہ دیوانہ اور مجنون کی بڑی جیسا کہ سورہ نساء کے اخیر میں آیت وَمَا قَتَلُوا۟ وَمَا صَكَبُوا۟ - اور۔ وَمَا

قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو اپنے لیے بھی نفع اور ضرر کا مالک نہ ہو اور موت اور حیات اس کے اختیار میں نہ ہو اس کو خدا کا شریک اور فرزند ٹھہرانا کمالِ ابلیہی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا فُكٌّ لِّافْكٍ لِّفْتَرِيهِ وَ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں ، اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور

أَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝۴

ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے۔ سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر ۔

منکرین نبوت کے اعتراضات اُن کے جوابات

منکرین نبوت کا پہلا شبہ اور اس کا جواب

قال الله تعالى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا فُكٌّ لِّافْكٍ لِّفْتَرِيهِ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝۴

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید و رسالت پر کلام تھا۔ اب آئندہ آیات میں منکرین نبوت کے شبہات کو نقل کر کے ان کے جواب دیتے ہیں ، منکرین نبوت کا پہلا شبہ یہ تھا کہ وہ قرآن کو آپ کا افتراء یعنی آپ کی تصنیف بتلاتے تھے کہ جو آپ نے دوسروں کی امداد سے تیار کی ہے ، ان نادانوں کو حجر اور شجر کے معبود بنانے میں تو کوئی شبہ پیش نہ آیا اور ایک بشر کے نبی اور رسول ہونے میں ان کو شبہات لاحق ہو گئے۔ شبہات کیا ہیں ۔ نادانوں اور بیوقوفوں کی جہالتیں اور حماقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرقان مجید حق اور باطل میں فرق اور تمیز کے لیے اتارا مگر یہ نادان اندھے ہوئے اور بولے یہ کافر کہ یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں زرا جھوٹ ہے جس کو اس شخص نے یعنی محمدؐ نے خود بنا لیا ہے اور اس کے بنانے میں دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے یعنی اہل کتاب سے مدد لے کر آپؐ نے بنا لیا ہے اور منسوب کرتا ہے اس کو اللہ کی طرف۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس یہ بات کہہ کر یہ لوگ صریح بے انصافی اور کھلے جھوٹ پر آپؐ پہنچے ہیں کیا ایسا کلام جس کے معارضہ سے تمام جن اور انس عاجز ہوں اس کی نسبت یہ کہنا کہ چند یہودی غلاموں کی مدد سے بنا لیا گیا ہے۔ صریح بے انصافی اور بہتان اور طوفان نہیں تو کیا ہے اور جس کے علوم اور معارف سے دنیا دنگ اور حیران ہے اس کی نسبت یہ کہنا کہ یہ کسی کی مدد سے تیار کیا گیا ہے سراسر دروغ بے فروغ ہے آخر وہ اہل کتاب جن کی مدد سے آپؐ نے یہ کلام تیار کیا

ہے تمہارے تو جانی دوست اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن ہیں۔ انہوں نے یہ کلام تیار کر کے حضور پر نور کو دے دیا اور تم کو نہ دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے تم بھی ان سے مدد لے کر ایسا کلام بنالادو۔ نیز وہ اہل کتاب جن کا تم نام لیتے ہو وہ تمہارے ہی تو غلام ہیں تم سے کیا انکار کر سکتے ہیں جس کو ذرہ بھی عقل ہے وہ ایسے برملا جھوٹ سے بلاشبہ نفرت کرے گا اور دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لِسَانُ الَّذِي يُنْجِدُونَ إِلَيْهِ أُنْجِيَّتِي ذَٰلِكَ لِسَانُ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔ یعنی جس شخص کی طرف اس قرآن بنانے کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور اس قرآن کی زبان فصیح و بلیغ عربی ہے۔

وَقَالُوا أَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ

اور کہنے لگے، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی

عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ

جاتی ہیں اس پاس صبح اور شام - تو کہہ اس کو اتارا ہے اس شخص نے جو جانتا ہے

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

چھپے بھیید آسمانوں میں اور زمین میں - مقررہ - بخشنے والا مہربان ہے ۔

منکرین نبوت کا دوسرا شبہ اور اس کا جواب

قال الله تعالى وَقَالُوا أَأَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا ---- الى ---- إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا۔
(رابط) یہ منکرین نبوت کا دوسرا شبہ بلکہ دوسرا بہتان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن منجانب اللہ نہیں بلکہ اگلے لوگوں کے قصوں اور کہانیوں کا ایک مجموعہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ایک جھوٹ ان لوگوں نے یہ بولا کہ یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں جن کو اس نبی نے اپنے لیے لکھوا لیا ہے کیونکہ وہ خود تو لکھ نہیں سکتے اس لیے دوسروں سے لکھوا لیے ہیں پس وہ نوشتے صبح و شام اس پر پڑھ جاتے ہیں تاکہ سُنُّن کر وہ ان کو یاد کرے، چنانچہ جب وہ آپ کو یاد ہو جاتا ہے تو اس کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی وحی ہے۔ اے نبی آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ قرآن کسی کا ساختہ اور نوشتہ نہیں بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کے پوشیدہ بھیہدوں کو خوب جانتا ہے یعنی یہ اس ذات کا اتارا ہوا کلام ہے جو عالم الغیب ہے اور یہ کلام عجیب و غریب نصیحتوں اور عبرتوں اور اخبار غیبیہ اور اسرار مکنونہ

پر مشتمل ہے جہاں عقل اور فہم کی رسائی نہیں اور علم غیب اللہ کا خاصہ ہے بندہ میں یہ قدرت نہیں کہ کسی کو غیب کی باتیں لکھ کر دے دے اور وہ نوشتہ اس کو یاد کرادے اور ان کی اس گستاخانہ اور بے باکانہ بات کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی بیہودہ باتوں پر فوراً عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں لیکن ان پر عذاب نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ سختی والا اور مہربان ہے عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس قرآن کا اخبار غیبیہ اور اسرارہ کمونہ پر مشتمل ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ کلام علام الغیوب کا نازل کردہ ہے نہ کہ کسی کا ساختہ اور نوشتہ ہے اس لیے کہ غیب کا علم سوائے خدا کے کسی کو ممکن نہیں۔ نیز یہ کہ قرآن تو فرقان ہے حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتا ہے اس میں تو کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے، یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط لَوْلَا أَنْزَلَ

اور پھرتا ہے بازاروں میں - کیوں نہ اُترتا اس کی

إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۚ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنْزٌ

طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو؟ یا اُترتا اس کے پاس خزانہ،

أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ط وَقَالَ الظَّالِمُونَ

یا ہو جاتا اس کو ایک باغ، کہ کھایا کرتا اس میں سے۔ اور کہنے لگے بے انصاف،

إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۙ أَنْظَرُ كَيْفَ

تم ساتھ پکڑتے ہو یہ ایک مرد جادو مارے کا - دیکھ! کیسی بٹھانیں

ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

تجھ پر کہاوتیں اور بہکے اب پا نہیں سکتے

سَبِيلًا ۙ تَبَارَكَ الَّذِي إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ

راہ - بڑی برکت ہے اس کی جو اگر چاہے کر دے تجھ کو اس سے بہتر

ذٰلِكَ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَّكَ

باغ نیچے بہتی نہریں ، اور کردے تجھ کو

قَصُوْرًا ۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاعْتَدْنَا لِلْمُنْكَذِّبِ

محل کوئی نہیں ، وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو، اور ہم نے تیار کی ہے جو کوئی

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۱۱ اِذَا رَأَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ

جھٹلاوے قیامت کو اس کے واسطے آگ۔ جب وہ دیکھے گی ان کو، دور جگہ سے

سَمِعُوْا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيْرًا ۱۲ وَاِذَا الْاُنْقُورُ مِنْهَا مَكَانًا

سُنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا ۔ اور جب ڈالے جاویں گے اس میں ایک جگہ

ضَيِّقًا مُّقْرَنَيْنِ دَعَوْا هٰذَا لَكَ ثُبُوْرًا ۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ

تنگ ، ایک زنجیر میں کئی بندھے پکاریں گے اُس جگہ موت کو۔ مت پکارو آج ایک

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ

مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو ۔ تو کہہ بھلا یہ چیز

خَيْرٌ اَمْرًا جَنَّةُ الْخٰلِدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط كَانَتْ

بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ملا پرہیزگاروں کو ۔ وہ ہوگا

لَهُمْ جَزَاءٌ وَّ مَّصِيْرًا ۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ ۔ ان کو وہاں ہے جو چاہیں ،

خٰلِدِيْنَ ط كَانَ عَلٰی رَّبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۱۶ وَيَوْمَ

رہا کریں ہمیشہ ۔ ہو چکا تیرے رب کے ذمے وعدہ مانگا پہنچتا ۔ اور جس دن

يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ عَاْنَتُمْ

جمع کر بلاوے گا ان کو، اور جن کو پلو جتے ہیں اللہ کے سوا۔ پھر ان سے کہے گا، یہ تم نے

أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝۱۷

بھکایا میرے ان بندوں کو، یا وہ آپ بھکے راہ سے ؟

قَالُوا سُبْحَنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ

بولیں گے تو پاک ہے ہم کو نہ آتا تھا کہ پکڑیں تیرے بغیر

مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ

کوئی رفیق ، لیکن تو نے ان کو بہتے دیا اور ان کے

حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ

باپ دادوں کو، یہاں تک کہ بھول گئے یاد۔ اور یہ تھے لوگ کھینے والے۔ سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو

بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۝۱۹

تمہاری بات میں اب تم نہ پھیر دے سکتے ہو، نہ مدد کر سکتے ہو اور جو کوئی

وَمَنْ يَظْلِمُ مِنْكُمْ نِزْلَهُ عَذَابًا كَبِيرًا ۝۱۹ وَمَا

تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھادیں گے بڑی مار - اور جتنے

أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لِيَاكُلُونَ

بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا ،

الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۝۲۰ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ

اور پھرتے تھے بازاروں میں - اور ہم نے رکھا ہے تم میں

لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۝۲۰ أَتَصْبِرُونَ ۝۲۱ وَكَانَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے جانچنے کو۔ دیکھیں ثابت رہتے ہو اور تیرا رب

بَصِيرًا ۝۲۱

سب دیکھتا ہے۔

منکرین نبوت کا تیسرا شبہ اور اس کا جواب ۴

قال الله تعالى وَ قَالُوا مَا لَ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ... إلخ... وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا.

(ربط) منکرین نبوت کا یہ تیسرا شبہ ہے۔ منکرین نبوت یہ کہتے ہیں کہ یہ مدعی نبوت پانچ صفتوں کے ساتھ موصوف ہے اور یہ پانچوں صفتیں نبوت کے منافی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح کھانا کھاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ شخص ہماری طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، پھر اس کو کیا فضیلت اور برتری کہ یہ ہمارا نبی بنے۔ سوم یہ کہ آپ کے ہمراہ خدا کا کوئی فرشتہ نہیں جو لوگوں کو آپ کی مخالفت سے ڈرائے۔ چہارم یہ کہ آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ نہیں اُترتا۔ جسے آپ لوگوں پر بے دریغ خرچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اور اپنے پیڑوں کو بھوک اور فاقہ سے بچائیں۔ پنجم یہ کہ اگر آپ کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اُترتا تو کم از کم آپ کے پاس ایک باغ تو ہوتا جس سے آپ بے فکری سے کھایا کرتے، جب آپ میں کوئی شان امتیازی نہیں تو ہم کیسے یقین کریں کہ آپ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات مہملہ کو نقل کر کے بتلادیا کہ یہ سب نادانی اور جہالت کی باتیں ہیں اور اس قسم کے خیالات کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، جزاء اور سزا کے قائل نہیں اس لیے احکام اور قوانین کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ جب قیامت آئے گی تو پچھتاؤں گے اور حسرتوں سے ہاتھ ملیں گے اور عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ پھر اخیر و مَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ۔ میں ان کے تمام شبہات کا مختصر طور پر ایک الزامی جواب دیا کہ دیکھو کہ اگلے پیغمبر بھی کھاتے اور پییتے تھے اور بشری ضرورتوں کے لیے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی فرشتہ تھا اور نہ کسی کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ اُترتا تھا اور نہ کوئی باغ اور زمین و جائیداد کا مالک تھا۔ معلوم ہوا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ نبوت و رسالت کے منافی نہیں اور نہ شان نبی کے خلاف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا سردارانِ قریش نے جیسے ابو جہل اور عتبہ اور امیہ وغیرہم نے کر کیا حال ہے اس رسول کا کہ دعویٰ تو رسالت کا کرتا ہے اور لوگوں کی طرح کھانا کھاتا ہے اور طلبِ معاش کے لیے اوروں کی طرح بازاروں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کو ہم پر کیسے فضیلت حاصل ہو گئی اور یہ نبی کیسے ہو گیا یہ شخص تو ہم جیسا آدمی ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ فرشتہ ہوتا خیر اگر یہ خود فرشتہ نہیں تو اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتار گیا۔ جس کو ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ اس کی نبوت کی گواہی دیتا اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو اس کی مخالفت سے ڈرانے والا ہوتا یا یہی ہوتا کہ اس پر آسمان سے کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا تا کہ تحصیلِ معاش کے لیے بازاروں میں جانے سے مستغنی ہو جاتا اور لوگوں کو داد و دہش کرتا اور لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی اس خصوصیت کو دیکھ کر لوگ اس کو رسول مان لیتے یا ادنیٰ درجہ یہ ہوتا کہ اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھاتا اور کسبِ معاش کا محتاج نہ رہتا ان لوگوں نے نبوت و رسالت کو دنیاوی ریاست پر

قیاس کیا اور نبی اور رسول میں دنیاوی امیروں اور رئیسوں کی طرح دنیاوی سامان عیش و عشرت کے طلبگار اور جو یا بنے اور ان ظالموں نے تو ظلم و ستم کی حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے یہ کہا کہ بس تم تو ایسے شخص کے پیرو بن گئے ہو کہ جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے اور وہ عجیب عجیب قسم کی باتوں سے تم کو اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین مکہ یہ کہتے کہ اس مدعی رسالت کو کوئی شان امتیازی حاصل نہیں، ہماری طرح یہ بھی کھانا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اور جب آپ سے معجزات دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور کبھی کہتے کہ یہ شاعر ہے اور کبھی کہتے کہ کاہن ہے اور کبھی کہتے کہ مجنون ہے۔ ان کا یہ اضطراب اس بات کی دلیل ہے کہ جو کہتے وہ آپ پر منطبق نہیں ہوتا تھا کسی بات پر قرار نہیں تھا کبھی کچھ کہتے اور کبھی کچھ کہتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے نبی دیکھیے تو سہی کہ ان ظالموں نے کیسی کیسی مثالیں آپ کے لیے بنائی ہیں جو ان کے اضطراب اور سرسیمگی کی دلیل ہیں کسی بات پر ان کو قرار نہیں پس یہ لوگ حق سے بہک گئے پس اب راہ راست پر نہیں آسکتے بھٹکتے پھرتے ہیں اور پریشان باتیں بکتے ہیں کسی بات پر قائم نہیں ایسے کو راہ حق کہاں ملتی ہے۔

تفصیلی جواب

یہاں تک کافروں کے شبہ کا اجمالی جواب دیا، اب آئندہ آیات میں اس کا تفصیلی جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ بڑی ہی برکت والا ہے وہ خدا جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے وہ اگر چاہے تو دنیا میں آپ کو اس سے بہتر چیزیں عطا کرے۔ جن کی کفار آپ سے فرمائش کرتے ہیں یعنی دنیا ہی میں آپ کو ایسے باغات دیدے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور دنیا ہی میں آپ کو ایسے عالیشان محل دیدے جو دنیا میں کسی فرمانروا نے دیکھے ہی نہ ہوں جن چیزوں کو کفار عجیب و غریب سمجھتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے بہت حقیر ہیں۔ مال داران قریش نے جب حضرت رسالت پناہ کو فقر و فاقہ کی وجہ سے حقیر سمجھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے میرے پروردگار نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے مکہ کے پتھروں کو سونا بنا دوں میں نے عرض کیا کہ پروردگار میں یہ نہیں چاہتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھروں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں تو تیری طرف رجوع کروں اور گڑ گڑاؤں اور تجھے یاد کروں اور جب پیٹ بھروں تو تیری تعریف کروں اور شکر کروں اور اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں آپ نے فقیروں کو امیری پر ترجیح دی ان سب سے مقصود امت کی تعلیم و تفہیم تھی کہ دنیاوی ثروت فتنہ ہے اس میں نہ پڑیں بلکہ آخرت کی فکر کریں۔



تنبیہ بر منشأ انکار رسالت

و بیان بعض احوال و احوال روز قیامت

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ الی وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا

اب آئندہ آیات میں ان منکرین رسالت اور معترضین نبوت کے انکار کا منشأ بیان کرتے ہیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب پر اس درجہ تلے ہوئے ہیں تو بتلاتے ہیں کہ ان شبہات اور اعتراضات کا منشأ یہ نہیں کہ آپ کی شان درویشی و فقری ان کے ایمان اور ہدایت سے مانع بنی ہوئی ہے بلکہ اصلی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھتے ہیں جس سے آپ ان کو ڈراتے ہیں پس انکار نبوت اور تکذیب رسالت کا اصل منشأ تکذیب قیامت ہے۔ ان کی نظر صرف اسی حطام دنیا پر مقصور ہے ان کا گمان یہ ہے کہ عزت و کرامت کا دار و مدار اسی دنیا کی مال و دولت پر ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب اور عذاب کے قائل نہیں اور حالانکہ قیامت حق ہے اور جزاء و سزا حق ہے ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے اور اس دوزخ کی صفت یہ ہے کہ جب وہ ان منکرین قیامت کو دور سے دیکھے گی۔ یعنی سو برس کی مسافت کے فاصلہ سے دیکھے گی تو ان کو دیکھتے ہی جوش غضب سے بھرک اٹھے گی اور یہ منکرین قیامت اس جہنم کے جوش غضب کو اور اس کے چلانے کی آواز کو دور سے سنیں گے۔ جیسے غصہ والا چلاتا ہے اور شیر غراتا ہے، اسی طرح جہنم ان منکرین قیامت کو دیکھ کر جوش میں آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں ایک قسم کی حیات اور ایک قسم کا شعور رکھا ہے۔ قیامت کے دن جب کافروں کو دیکھے گی تو غیظ و غضب سے بھرک اٹھے گی۔ کما قال تعالیٰ اِذَا الْاُلُقُوتَا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ الْاٰیة۔

اور یہ منکرین قیامت جب زنجیروں میں جکڑے ہوئے جہنم کی کسی تنگ و تاریک جگہ میں ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں ہلاکت اور موت کو پکاریں گے کہ اے موت اور اے ہلاکت تو کہاں ہے یہ وقت نہایت مصیبت کا ہے تو آجاتا کہ یہ بلا ہم سے ملے اور اس مصیبت کا خاتمہ ہو۔ حاصل یہ کہ منکرین قیامت جب کسی تنگ جگہ میں ٹھونس دیئے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت اور حسرت کو آوازیں گے، اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو کیونکہ ایک موت کے پکارنے سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ وہاں انواع و اقسام عذاب کی کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں لہذا تم ہزاراں ہزار بار موت اور ہلاکت کو پکارتے رہو۔ کتنا ہی پکارو۔ تمہاری سب پکاریں بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اے نبی آپ ان منکرین قیامت کو یہ حال اور مال سنا کر کہہ دیجئے کہ تم نے مکذبین کا انجام سن لیا اب تم فیصلہ کر لو کہ یہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار اور تکذیب کا نتیجہ ہے یا وہ جنت الخلد بہتر ہے جس کا اہل ایمان اور اہل تقویٰ سے وعدہ ہو چکا ہے یہ جنت الخلد ان کے اعمال کا صلہ ہے اور ان کا آخری ٹھکانہ ہے ان کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں کسی نعمت کو زوال نہ ہوگا۔ اے پیغمبر یہ تیسرے پروردگار کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمہ ہے جو وعدہ کے مطابق اس سے مانگا جائے گا۔ اہل ایمان اس سے درخواست کریں گے رَبَّنَا آتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ اور فرشتے بھی اہل ایمان کے لیے درخواست کریں گے رَبَّنَا وَادْخُلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَ لَهُمْ۔

اب آئندہ آیات میں قیامت کے دن مشرکوں کی ملامت اور ندامت کا بیان ہے اور اے نبی آپ ان کافروں کے سامنے اس دن کا ذکر کیجئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔ میدان حشر میں سب کو جمع کرے گا پھر ان معبودوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی راہ حق سے گمراہ ہوئے تو وہ معبودین عرض کریں گے ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو شریک سے پاک اور منزہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں ہو سکتا، ہم تیسرے بندے ہیں تیری تقدیس اور تنزیہ سے خوب واقف ہیں۔ ہمارے لیے یہ لائق نہیں کہ ہم تیسرے سوا کسی کو دوست بنائیں۔ چہ جائیکہ تیرے سوا کسی کو معبود ٹھہرائیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیسرے سوا کسی کو اپنا یا رمدگار بناتے۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام اور فرشتے وغیرہ سب کہیں گے۔ مطلب جواب کا یہ ہے کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا اور نہ ان کو گمراہی کی دعوت دی بلکہ یہ لوگ خود گمراہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ خدا کی پیش فرمودہ دوشقوں میں سے جواب کے لیے اَمَّ هُمْ صَلُّوا السَّبِيلَ کی شق کو اختیار کیا یعنی اے پروردگار یہ لوگ خود ہی تیری راہ سے بہک گئے ہم ان کی گمراہی کا سبب نہیں بنے لیکن تو نے ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا میں طول عمر اور صحت اور نعمت کے ساتھ نفع پہنچایا یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر تیری یاد کو بھول گئے اور اس طرح یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہو گئے یعنی تیری نعمت اور احسان کا مقتضایہ تھا، یہ لوگ اپنے منعم حقیقی کو پہچانتے اور اس کا شکر اور اطاعت بجالاتے مگر وہ نفسانی شہوتوں اور لذتوں میں ایسے غرق ہوئے کہ اسباب شکر کو اسباب کفر بنالیا اور اے پروردگار تیسرے علم ازلی میں پہلے ہی سے یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے چونکہ اس سوال و جواب سے مشرکین کی توبیخ اور ملامت مقصود ہوگی اس لیے اس جواب کے بعد مشرکین کو مخاطب بنا کر کہا جائے گا اے مشرک! یہ تمہارے معبود ہیں تم نے ان کا جواب سن لیا۔ سو یہ معبود تم کو تمہارے قول میں جھٹلا چکے اور تمہارے منہ پر تم کو جھوٹا ٹھہرا دیا اور تمہاری حرکات سے اپنی بیزاری ظاہر کر دی جس سے تمہارا جرم پوری طرح واضح ہو گیا پس اب تم نہ از خود عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو اب تو وقت سزا کا ہے جس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اور تم میں سے جو کافر ہے یعنی مشرک ہے ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے کوئی شخص اس عذاب کو ظالموں سے پھیر نہیں سکے گا۔ اب آئندہ آیات میں مشرکین کے پھر

اس طعن کا جواب دیتے ہیں کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے نبی ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کی یہی شان اور صفت تھی کہ وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا پینا اور بازاروں میں ضرورت کیلئے جانا منصب نبوت کے منافی نہیں، پس مشرکین کا آپ پر یہ طعن کرنا کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں جاتا ہے بالکل بے جا ہے اللہ کی سنت تمام نبیوں میں یہی رہی۔

اور ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے امیروں کی آزمائش غریبوں سے ہے کہ وہ ان کو نظر حقارت سے نہ دیکھیں اور غریبوں کی آزمائش امیروں سے ہے کہ وہ ان پر حسد نہ کریں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی صورت بشریہ اور حوائج انسانیہ کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ ان میں اور ہم میں کیا فرق ہے۔ ظاہری صورت کے اعتبار سے تو ایک نادان اور حکیم لقمان میں کوئی فرق نہیں۔ اے مسلمانو! کیا تم کافروں کی اس طعن و تشنیع پر صبر کرو گے۔ کافروں کی یہ طعن و تشنیع تمہارے لیے آزمائش ہے۔ دیکھیں کس حد تک صبر کرتے ہو اور تیرا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے وہ کافروں کی ایذا اور طعن و تشنیع کو بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے صبر و تحمل کو بھی دیکھ رہا ہے ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

الحمد للہ اٹھارویں سپارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔



وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ

اور بولے جو لوگ امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے، کیوں نہ اترے

عَلَيْنَا الْمَلِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

ہم پر فرشتے یا ہم دیکھتے اپنے رب کو۔ بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں،

وَعَتَوْا عُنُوتًا كَبِيرًا ۝۲۱ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلِكَةَ لَا بُشْرَىٰ

اور سرچڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں۔ جس دن دیکھیں گے فرشتے، کچھ خوشخبری نہیں

يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّجْحُورًا ۝۲۲ وَقَدْ مَنَّا

اس دن، گناہ گاروں کو، اور کہیں گے کہیں روکی جاوے کوئی اوٹ۔ اور ہم پہنچے ان

إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْتُورًا ۝۲۳

کے کاموں پر جو کیے تھے پھر کر ڈالا اس کو خاک اڑتی۔

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ

بہشت کے لوگ اس دن خوب رکھتے ہیں ٹھکانا اور خوب جگہ دوبہر

مَقِيلًا ۝۲۴ وَيَوْمَ تَشَقُّ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلِكَةُ

کے آرام کی۔ اور جس دن پھٹ جاوے آسمان بدلی سے اور اتارے فرشتے

تَنْزِيلًا ۝۲۵ أَلَمْ لِكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ

اتار لگا کر۔ راج اس دن سچا ہے رحمن کا۔ اور ہے

يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۝۲۶ وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ

وہ دن منکروں پر مشکل۔ اور جس دن کاٹ کاٹ

عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ

کھاوے گا گنہگار اپنے ہاتھ کہے گا۔ کسی طرح میں نے پکڑی ہوئی رسول کے ساتھ

سَبِيلًا ۲۸) يُوَيْلَتِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۲۸)

راہ - اے خرابی میری کہیں نہ پکڑی ہوتی میں نے فلانے کی دوستی -

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۖ وَكَانَ

اس نے بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے، مجھ تک پہنچے پیچھے - اور ہے

الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۲۹) وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ

شیطان آدمی کو دقت پر دغا دینے والا - اور کہا رسول نے اے رب میرے

إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۳۰) وَكَذَلِكَ

میری قوم نے ٹھہرایا اس قرآن کو جھک جھک - اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ۖ وَكَفَىٰ

رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن گناہ گاروں میں سے - اور بس

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۳۱)

ہے رب تیرا راہ دکھانے کو، اور مدد کرنے کو -

منکرین نبوت کا چوتھا شبہ اور اس کا جواب

قال الله تعالى وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ... هَادِيًا وَنَصِيرًا ۳۱) (ربط) منکرین نبوت کا چوتھا شبہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے فرشتے کیوں نہیں نازل کیے جو ہمارے سامنے آکر آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے کہ یہ شخص دعوائے نبوت میں صادق ہے یا ہم بلا واسطہ اللہ کو دیکھتے اور بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہم کو خود بتلا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس جاہلانہ اور احمقانہ اور گستاخانہ اور معزورانہ سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ بڑے ہی سرکش اور متکبر ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس مرتبہ کا سمجھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھیں اور خود اللہ تعالیٰ سے آپ کی بابت دریافت کر لیں یا کوئی فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر ان کے پاس آئے خوب سمجھ لیں کہ فرشتہ انکے پاس اللہ کا پیغام

لے کر نہیں آئیگا بلکہ عذاب الہی لیکر آئے گا اس وقت غرور کا سارا نشہ کافر ہو جائے گا، چنانچہ فرماتے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے یعنی جو قیامت اور جزا اور سزا کے قائل نہیں اور اسی وجہ سے وہ نبوت کے منکر ہیں انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو ہم سے اکرام اللہ کا پیغام پہنچا دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یا ہم خود اپنے پروردگار کو دیکھ لیتے اور وہ خود ہم سے کہہ دیتا کہ یہ ہمارا رسول ہے۔ تحقیق ان لوگوں نے اپنے زعم میں اپنے آپکو بہت بڑا سمجھا کہ اپنے آپکو اس لائق خیال کیا کہ خدا تعالیٰ ان سے بالمشافہ کلام کرے یا فرشتوں کو اپنا پیغام دیکر انکے پاس بھیجے اور سرکشی کی سخت سرکشی کرنا کہ اپنے گندے اور خبیث نفسوں کے لیے ایسے بلند مقام کے طالب ہوئے جو خدا تعالیٰ کے خاص الخاص برگزیدہ بندوں کے لیے مخصوص ہے۔ خیر خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے تو کیا لائق ہوتے البتہ یہ لوگ فرشتوں کے دیکھنے کے مشتاق ہیں سو اسکی صورت یہ ہوگی کہ جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی بشارت اور خوشی کا وقت نہ ہوگا بلکہ ذلت و خواری اور غضب الہی کے سنانے اور دکھلانے کا وقت ہوگا اور فرشتے اس وقت کافروں سے کہیں گے کہ آج تم پر فلاح اور خوبی حرام اور ممنوع قرار دی گئی۔ یعنی آج کے روز تم پر راحت و آرام سب حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَ يَقُولُونَ كِي صمیر مجرمین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجرمین ملائکہ عذاب کو دیکھ کر کہیں گے پناہ پناہ ہے یعنی ہم کو پناہ دو اور چھوڑ دو لیکن انکو پناہ کچھ نہیں ملے گی بہر حال مطلب یہ ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں اور وہ ظاہر طور پر ان کو دیکھیں۔ سو جان لینا چاہیے کہ فرشتے انکو موت کے وقت نظر آئیں گے اور ان کے مونہوں پر اور ان کے سروں پر گر ز ماریں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَ لَوْ تَرَىٰ اِذْ يَتَوَفَّى الذِّنِّى كَفَرًا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَضْحَكُوْنَ وَجُوهَهُمْ وَاَذْبَادُهُمْ۔

اور علیٰ ہذا یہ مجرمین قیامت کے دن بھی فرشتوں کو دیکھیں گے مگر بشارت اور مسرت کا کوئی سامان نہ ہوگا بلکہ ذلت اور خواری کا سامان ہوگا۔ بخلاف اہل ایمان کے کہ موت کے وقت فرشتے ان پر نازل ہونگے اور خیرات و تسرات کی انکو خوشخبری سنائیں گے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیَاۤءُكُمْ فِی الْحَیٰۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهٰۤی اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدْعُوْنَ نَزَّلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔

خلاصہ کلام یہ کہ اب تو تم فرشتوں کے دیکھنے کی تمنا کر رہے ہو اور جب وہ فرشتے آئیں گے تو تم پناہ مانگو گے تم اس قابل نہیں کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لیکر آئے بلکہ تم اس قابل ہو کہ تم پر اللہ کا فرشتہ اللہ کا قہر اور عذاب لے کر نازل ہو اور پھر اس روز ہم انکے ان اعمال کی طرف متوجہ ہونگے جن کو دنیا میں انہوں نے نیک کام سمجھ کر کیا تھا جیسے صلہ رحمی اور جہان داری اور مظلوموں کی داد رسی اور یتیموں کی خبر گیری۔ سو ہم انکو ہوا میں بکھرا ہوا غبار کر دیں گے یعنی بکھرے ہوئے غبار کی طرح انکو رائیگاں اور بیکار کر دیں گے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال کو ضبط اور بے کار کر دیں گے اس لیے کہ وہ اعمال اگرچہ ظاہری صورت کے اعتبار سے اچھے اور خوشنما تھے مگر بے جان اور بے روح تھے اعمال کی روح ایمان اور

اخلاص ہے لہذا جو عمل ایمان اور اخلاص سے خالی ہو وہ بے روح اور بے جان ہے اور شریعت میں قبول اعمال کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے اور ایمان انکو نصیب نہ تھا ایسے اعمال جو ایمان سے خالی ہوں وہ آخرت کے لائق نہیں آخرت میں انکا کوئی وجود ہی نہ ہوگا اور کافروں کے ایسے اعمال کا عوض انکو دنیا ہی میں دیا جاتا ہے۔ آخرت کا ثواب ان اعمال پر ملتا ہے جو ایمان پر مبنی ہوں اور کافروں کے اعمال ایمان نہ ہونے کی وجہ سے بے جان ہیں لہذا کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیا میٹ کر دیئے جائیں گے۔ برخلاف اہل ایمان کے کہ انکا حال انکے برعکس ہوگا۔ انکو ان کے اعمال کا صلہ ملے گا اس روز اہل جنت قیامگاہ اور قرار گاہ کے اعتبار سے بہت اچھے اور بلحاظ خواب گاہ اور آرام گاہ کے بھی بہت عمدہ ہونگے متفکر کے معنی قرار گاہ یعنی ٹھکانہ کے ہیں جہاں خاص اوقات میں اپنی ازواج کے ساتھ راحت حاصل کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو عیش و راحت کے تمام سامان حاصل ہونگے حتیٰ جل شانہ کے اس قول یَوْمَ يَكُونُ الْمَلَأُكَةُ میں روز قیامت کی عظمت و ہیبت کا بیان تھا۔ اب آئندہ آیت میں پھر روز قیامت کے ہول و دہشت کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ امور عظیمہ کے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے آسمان کا شق ہو جانا اور فرشتوں کا نازل ہونا ہے جس دن آسمان بدلی سے پھٹ جائیگا یعنی آسمان پھٹے گا اور اس سے ایک بادل نمودار ہوگا یہ حق جل شانہ کی ایک خاص تجلی ہوگی اس وقت اللہ جل شانہ ثقلین کے حساب و کتاب کے لیے تجلی فرمائیں گے اور بکثرت فرشتے اُتارے جائیں گے اور ان کے ہاتھوں میں مخلوق کے نامہائے اعمال ہوں گے۔ نازل ہو کر سب مخلوق کو گھیر لیں گے۔

اس آیت کا مضمون تقریباً وہی ہے جو پارہ دوم کے نصف کے قریب ھَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ۔

غمام کے معنی سفید بادل کے ہیں ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت میں غمام سے نور عظیم کا سائبان مراد ہے جس سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں اور غالباً اسی نورانی بادل کو ابو زرین کی حدیث میں غَمَامٌ سے اور نَسَائِی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غِیَابَةٌ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ شب معراج میں سدرۃ المنتہی سے ایک بادل میں اوپر تشریف لے گئے۔ واللہ اعلم

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کو یعنی یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلُ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا کو پڑھا اور پھر فرمایا کہ جب قیامت کے دن تمام جن اور انس اور وحوش و طیور میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اول آسمان دنیا شق ہوگا اور اس سے فرشتے نازل ہونگے پھر بقیہ ساتوں آسمان شق ہونگے اور فرشتے نازل ہو کر تمام خلایق کا احاطہ کر لیں گے بعد ازاں ابر کے سائبانوں میں حق جل شانہ کا نزول اجلال ہوگا تاکہ بندوں کے اعمال

لے قال ابن کثیر: یخبئ تعالیٰ عن هول یوم القیامة وما یشکون فیہ من الاموی العظیمة فمنہا الشقاق السماء وتفتطرها وانفراجها بالغمام وهو ظلُّ النور العظیم الذی یبهر الابصار ونزول ملائکة السموات یومئذ فیحیطون بالخلایق فی مقام المحشر ثم یحیی الرب تبارک و تعالیٰ لفصل القضاء۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۵ ج ۳

تنبیہ

کا حساب و کتاب کر دیا جائے اور انکی جزا و سزا کا فیصلہ سنا دیا جائے (دیکھو تفسیر ابن کثیر)
 جاننا چاہیے کہ قرآن اور حدیث میں جو حق تعالیٰ کی نسبت آنا اور اترنا مذکور ہوا ہے سو اس سے
 حق جل شانہ کی تجلی اور اسکا ظہور مراد ہے جو اسکی شان کے لائق ہے جس طرح حق تعالیٰ کی ذات
 بے چون و چوک ہے اور جسمانی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اسی طرح اسکی صفات اور اس کے افعال
 مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں جیسے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَبَ الْبَاطِلُ۔ میں حق کے آنے سے حق کا ظہور مراد ہے
 اور باطل کے جانے سے اسکا قیام و زوال مراد ہے جسم کی طرح آنا اور جانا مراد نہیں کہ جس طرح جسم کے آنے اور جانے سے
 انتقال مکانی مراد ہوتا ہے اس قسم کا انتقال مکانی مراد نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال کو سمجھو۔

اس روز یعنی جس دن آسمان شق ہو گا ظاہراً و باطناً سلطنت رحمن ہی کی ہوگی۔ صرف اسی کا حکم چلے گا ظاہری اور
 مجازی بادشاہت بھی کسی کو حاصل نہ ہوگی۔ اس جگہ آیت میں لفظ رحمن کلہ ہے اور دوسری آیت میں لفظ قہار کا آیا ہے کما
 تَالِ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ شاید اس آیت میں رحمن کا لفظ اہل ایمان کی تسلی کے
 لیے لایا گیا ہو کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اور یہ دن کافروں پر بہت ہی سخت ہو گا اور ہرے مؤمن
 تو ان پر سخت نہ ہو گا۔ کما قال تعالیٰ لَا يَخْزِيهِمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ الْاَیہ اور جس دن ظالم
 کو اپنی بدکاری یاد آوے گی اور حسرت و ندامت سے اپنے دونوں ہاتھوں پر دانت مارے گا کہ انکو چبا جائے جیسے
 حسرت کرینوا لکیا کرتا ہے اس آیت میں ظالم سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے جو مسلمان ہو گیا تھا۔ یا مائل بہ اسلام ہو گیا تھا
 مگر ابی بن خلف کے کہنے سے اسلام سے برگشتہ ہو گیا اور بار بار کہے گا کہ کاش میں دنیا میں رسول کے ساتھ راہ بنا
 لیتا۔ ہائے میری ہلاکت اور بربادی۔ کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو یعنی ابی بن خلف کو اپنا دوست نہ بناتا بے شک
 اسی فلاں نے دوست نے مجھ کو نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جب کہ وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی۔
 اور شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے اور محمد رسول اللہ اس دن یہ کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری
 قوم قریش نے اس قرآن کو متروک یعنی چھوڑا ہوا بنا دیا کہ اس قرآن کی طرف توجہ نہ کی نہ خود سنا اور نہ دوسروں کو سننے دیا
 جب میں انکے سامنے پڑھتا تھا تو شور و غل مچا دیتے تھے۔ کما قال تعالیٰ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا
 تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ۔

اب آگے آپکی تسلی فرماتے ہیں اور اے نبی آپ انکی باتوں سے رنجیدہ اور طول نہ ہوں جس طرح ہم نے تیری قوم
 کے کافروں کو تیرا دشمن بنایا ہے اسی طرح ہم مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے ہیں اور وہ صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ
 بھی صبر کیجئے اور تیرا پروردگار کافی ہادی اور مددگار ہے تو تسلی رکھ تیرا پروردگار تجھ سے ہدایت جاری کرے گا اور دشمنوں

۱۔ قال الامام القرطبي وياتي الرب جل و عز في الثمانية الذين يحملون العرش لفصل
 القضاء على مما يجوز ان يحمل عليه اتيانه لا على ما تحمل عليه صفات
 المخلوقين من الحركة والانتقال۔ تفسیر قرطبی ص ۲۴ ج ۱۳۔

کے مقابلہ میں نیری نصرت اور یادری کرے گا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا اس پر

الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذَلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ

قرآن سارا ایک جگہ اسی طرح اتارنا تھا

بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝۳۲ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ

تاثبات رکھیں ہم اس سے تیرادل اور پڑھ سنایا ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر۔ اور نہیں لاتے تجھ پاس کوئی بہادوت

إِلَّا جُنْكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝۳۳ الَّذِينَ

کہ ہم نہیں پہنچاتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر۔ جو لوگ گھبرے

يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ شَرٌّ

آویں گے اوندھے پٹے منہ پر، دوزخ کی طرف۔ انہی کا بُرا درجہ

مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۴

ہے۔ اور بہت بھکے ہیں راہ سے۔

منکرین نبوت کا پانچواں شبہ اور اس کا جواب

قال الله تعالى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ... الى ... وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

(دبیط) قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق کفار کا ایک شبہ یہ تھا کہ یہ توریت اور انجیل کی طرح ایک ہی مرتبہ کیوں

نہ نازل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد

ہیں جو دوسری آیتوں میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کافروں نے کہا کہ اس شخص پر یہ قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہ نازل کیا گیا۔ اگر

یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو تدریجاً نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اس تدریج سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن محمدؐ کی تصنیف ہے سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں جیسا کہ مصنفین کا طریقہ ہے۔ آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ ہم نے اس قرآن کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر آیت آیت کر کے اس لیے اتارا تا کہ اسکے ذریعہ تیرے دل کو قوت دیں اور اس کو ثابت اور مضبوط کر دیں اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام اور پیغام ہے اور تقویت قلب کا سامان ہے اور روح القدس کی بار بار آمد یہ بھی تائید اور تقویت کا سامان ہے اور یہ قرآن آپؐ کے قلب مبارک پر نازل ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن آپؐ کے قلب پر نازل کیا تا کہ اس تدریجی نزول سے بتدریج قلب مبارک اس درجہ قوی اور مضبوط ہو جائے کہ جس کلام الہی کی تجلی کو پہلا برداشت نہ کر سکے اسکو آپؐ کا قلب مبارک بسہولت برداشت کر سکے چنانچہ جب کبھی کوئی جدید وحی نازل ہوتی تو آپؐ کی بصیرت اور قوت قلب میں اور زیادتی ہو جاتی بارانِ رحمت کا آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونا کھینٹی کی درستگی اور پختگی کا سامان ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی جدید آیت نازل ہوتی تو صحابہؓ کے ایمان میں اور زیادتی ہو جاتی۔ (۲) نیز وقتاً فوقتاً آیات کا حسب موقعہ اور حسب واقعہ اور حسب ضرورت نازل ہونا مزید بصیرت کا سبب ہے جس سے یقین اور معرفت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور مراد کے سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے (۳) نیز وقتاً فوقتاً جبریل امینؑ کا آنا فقط آپؐ کے قلب مبارک کی تسلی اور تسکین کا باعث نہ تھا بلکہ سب کے لیے موجب صد خیر و برکت تھا۔ (۴) کفار و دشمنی اور عداوت پر تلے ہوئے تھے جب کوئی نیا عناد دیکھتے تو آپؐ پریشان ہو جاتے تو آپؐ کی تسلی کے لیے کوئی آیت نازل ہو جاتی جو آپؐ کی تقویت قلب کا باعث ہوتی۔ (۵) علاوہ ازیں قرآن کریم میں ایسے احکام بھی ہیں جن میں نسخ اور منسوخ بھی ہیں جنکا تعلق مختلف اوقات سے ہے اور ظاہر ہے کہ نسخ و منسوخ دونوں کا بیک وقت نازل ہونا اور ان واحد میں دونوں کا جمع ہونا غیر معقول ہے (۶) نیز قرآن کریم کی بہت سی آیتیں مشرکین کے اعتراضات کے جوابات میں نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جواب سوال اور اعتراض کے بعد ہوتا ہے اور اعتراض کے بعد شافی جواب کا مل جانا خاص بصیرت اور معرفت کا سبب ہوتا ہے۔ نیز بہت سی آیتیں نئے واقعات کے فیصلہ کے متعلق نازل ہوئیں اور ظاہر ہے کہ فیصلہ تو واقعہ کے وقوع کے بعد ہی ہوگا (۷) نیز قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور آپؐ کفار سے یہ کہتے کہ اگر تم کو اسکے کلام الہی ہونے میں شبہ ہے تو ایک آیت اسکے مثل بنا لاؤ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو ہر بار قرآن کا اعجاز اور انکا عجز ظاہر ہوتا تو ثابت ہو گیا کہ جب بلغاء عرب ایک آیت کے مثل لانے سے عاجز ہیں تو پورے قرآن کے مثل لانے سے بدرجہ اولیٰ عاجز ہیں۔ مختصر یہ کہ مشرکین کا یہ اعتراض محض بے حاصل ہے قرآن چاہے دفعۃً نازل ہو یا تھوڑا تھوڑا وہ ہر حال میں معجز ہے کسی طرح نازل ہو۔ اسکے اعجاز میں فرق نہیں آتا۔ قرآن کریم کا نزول ایک دفعہ ہو یا متفرق طور پر وہ بہر صورت معجز ہے، یہ تمام کلام امام رازیؒ کے کلام کی تشریح ہے۔ حضرات اہل علم تفسیر کبیر ص ۳۴۲ ج ۶ کی مراجعت کریں اور اسی وجہ سے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر آپؐ کو یہ قرآن پڑھ کر سنایا۔ تاکہ جب ہر بات کا جواب آپؐ کو وقت پر ملتا ہے تو آپؐ کا قلب ثابت رہے اور مسلمانوں کو بھی تسکین ہوتی ہے۔ اسی مصلحت کے لیے ہم نے اس قرآن کو تیس سال کی مدت میں ٹھہر ٹھہر کر اتارا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ چند روز طبیب کے پاس رہ کر علاج کرایا جائے اور جیسے جیسے حالات بدلتے رہیں اسکے مطابق نسخہ میں تغیر اور تبدل ہوتا رہے ایک ہی مرتبہ نسخہ بتلا دینے میں مریض کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ

تدریجی علاج میں ہے اور چونکہ شرائع سابقہ چند روزہ تھیں اور ایک خاص قوم اور جماعت کے لیے تھیں اس لیے ان میں ان مصالح کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اے نبی نہیں لائیں گے یہ کافر کوئی مثال جو تجھ پر ڈھالیں جس سے تجھ پر یا اس قرآن پر اعتراض کریں مگر ہم اس کے جواب میں تیسرے پاس امر حق کو لائیں گے جس سے انکی وہ مثال باطل ہو جائیگی اور حق ثابت ہو جائے گا اور اس کے مقابلہ میں نہایت صاف اور واضح بیان لیکر آئیں گے جس سے انکا اعتراض اور شبہ ایسا دور ہو جائیگا کہ بولنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ آتا یہ کہ جس کی عقل ہی اندھی ہو گئی ہو اب آئندہ آیت میں ایسوں کا انجام فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف ہنکائے جائیں گے دنیا میں اندھی اور اندھی چال چل رہے تھے اسی طرح وہ آخرت میں بجائے پیروں کے منہ کے بل چلائے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اندھے منہ کے بل چلائے جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اسکو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ | امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں اندھے ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لیے انکا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلایق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لیے انکا حشر منہ کے بل ہوگا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَ جَعَلْنَا

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ٹھہرایا اس

مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝۳۵ فَقُلْنَا اذْهَبَا

کے ساتھ اسکا بھائی ہارون کام بٹانے والا۔ پھر کہا ہم نے تم دونوں

إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝۳۶

جاؤ ان لوگوں پاس، جنہوں نے جھٹلائی ہماری باتیں۔ پھر دے مارا ہم نے انکو اکھاڑ کر۔

ذکر قصص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

یہاں تک منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کا ذکر تھا اب اس کے بعد مختصراً چند انبیاء کرام کے

واقعات کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کفار کو تنبیہ ہو جائے کہ منکرین نبوت کس ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک ہوئے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت پکڑیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے باز آجائیں اور یہ واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تقویت قلب کا باعث بنیں جیسا کہ لَنْثَبْتَ بِهِ فَوَادَكَ۔ میں اسکا ذکر فرمایا تھا کہ مقصود تثبیت قلب نبوی ہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ہے۔ آپ غلگین نہ ہوں اس میں اللہ کی حکمت بالغہ ہے۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً۔

قصہ اول موسیٰ علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ ... الى ... فَدَمَرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا۔ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد کتاب یعنی تورات عطار کی جو بڑی جلیل القدر کتاب تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور ہم نے انکے ساتھ انکے بھائی ہارون کو انکا وزیر یعنی انکا معین اور مددگار بنا دیا جو دعوت اور تبلیغ میں انکی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جادو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے چنانچہ یہ دونوں گئے اور قوم فرعون کو جا کر دعوت دی مگر انہوں نے ان دونوں کو بھی جھٹلایا تو ہم نے انکو بحرِ قلزم میں غرق کر کے ہلاک کر دیا پوری طرح ہلاک کرنا یعنی انکو بالکل نیست اور نابود کر دیا اور انکی املاک کا بنی اسرائیل کو وارث کر دیا۔

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ

اور نوح کی قوم کو جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو، ہم نے انکو ڈوبا دیا اور کیا ان کو

لِلنَّاسِ آيَةٌ طَوَّاعَتَنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۳۴

لوگوں کے حق میں نشانی - اور رکھی ہے ہم نے گناہ گاروں کے واسطے دکھ کی مار -

دوسرے قصہ قوم نوح علیہ السلام

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ ... الى ... عَذَابًا أَلِيمًا۔

اور موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہم نے قوم نوح کو طوفان میں غرق کیا جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کے واقعہ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا تاکہ اس سے عبرت پکڑیں اور آخرت میں ان ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر

رکھا ہے۔ قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے تھے جیسے حضرت ثیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام انکی بھی تکذیب کی یا یہ معنی ہیں کہ ایک رسول کی تکذیب سارے رسولوں کی تکذیب کے مساوی ہے یا یہ معنی ہیں کہ مطلقاً بعثتِ رسل کا انکار کیا۔



وَ عَادًا وَ ثَمُودًا وَ أَصْحَابَ الرَّسِّ وَ قُرُونًا بَيْنَ

اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو اور رکتی سنگتیں اس

ذَلِكَ كَثِيرًا ۝ (۳۸) وَ كَلَّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَ كَلَّا

بچ میں بہت - اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے کہاوتیں اور سب کو

تَبَرَّنَا تَبِيرًا ۝ (۳۹)

کھو دیا ہم نے کھیا کر۔

قصہ سوم مشتمل بر ذکر قصہ قوم عاد و ثمود و اصحاب رسی دیگر اُمم

وَ عَادًا وَ ثَمُودًا وَ أَصْحَابَ الرَّسِّ ... الی ... وَ كَلَّا تَبَرَّنَا تَبِيرًا

اور اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے قوم عاد کو باد صحر سے ہلاک کیا جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے صیحہ سے ہلاک کیا جس سے انکے کلیجے پھٹ گئے اور کنوئیں والوں کو شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کیا اور رسی ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کسی اور نبی کی قوم تھی جنہوں نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں بند کر دیا۔ ان پر اللہ کا عذاب آیا اور ہلاک ہوئے اور وہ رسول خلاص ہوا اور اسی تکذیب کی وجہ سے انکے درمیان بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک کی نصیحت اور ہدایت کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں تاکہ حق کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور کوئی شبہ نہ رہے مگر وہ لوگ پھر بھی حق کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور جب تکذیب اور انکار پر متل گئے تو پھر ہم نے ہر ایک کو غارت کر دیا اچھی طرح غارت کرنا کہ قصہ ہی ختم کر دیا۔



وَلَقَدْ آتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمِطِرَتْ فَطَرَ السَّوْءِ ط

اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اسی بستی پاس جن پر برسا بُرا برساؤ۔

أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

کیا دیکھتے نہ تھے اس کو؟ نہیں پر امید نہیں رکھتے

نُشُورًا ۴۰

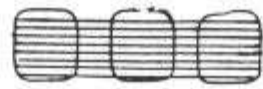
جی اٹھنے کی۔

قصہ چہارم قوم لوط علیہ السلام

اور البتہ تحقیق یہ اہل مکہ ملک شام کو آتے جاتے اس بستی پر گزرے ہیں جس پر پتھروں کی بُری بارش برساتی گئی، اس سے قوم لوط کی بستی سدوم مراد ہے کیا گزرتے وقت ان بستیوں کو دیکھا نہیں کہ عذاب کے آثار دیکھ کر عبرت پڑتے سو عبرت پکڑنے کی یہ وجہ نہیں کہ ان بستیوں کو دیکھا نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ انکو حشر و نشر کی کوئی امید نہیں اور نہ انکو ڈر ہے یعنی یہ لوگ حشر و نشر کے قائل ہی نہیں جو عذاب سے ڈریں۔

اس زمانہ کے بعض ملحد یہ کہتے ہیں کہ اسی قطعہ زمین کے نیچے گندھک اور کوئلہ کی کان تھی، ان کے باہم ملنے سے آگ پیدا ہوئی اور زمین پھٹ کر پتھر برسنے لگی اور بستی تہ و بالا ہو گئی۔

یہ سب گپ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ فلاں وقت عذاب آئے گا۔ حسب خبر خداوندی لوط علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے نکل گئے اور عذاب الہی سے بچ گئے اور باقی عذاب الہی سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ جو کوئی اس قوم کا فرد کہیں باہر تھا وہ بھی آسمانی پتھر سے ہلاک ہوا۔



وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ط

اور جہاں تجھ کو دیکھا کچھ کام نہیں تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے

أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۴۱ إِن كَادَ لَيُضِلَّنَا

کیا یہی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دیکر؟ یہ تو لگا ہی تھا کہ بچلا دے ہم کو ہمارے

عَنْ إِلَهَيْنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

ٹھاکروں سے، کبھی ہم نہ ثابت رہتے ان پر۔ اور آگے جانیں گے

حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝۴۲

جس وقت دیکھیں گے عذاب کو کون بہت بھلا ہے راہ سے۔ بھلا دیکھ تو

مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ ۖ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝۴۳

جس نے پوجنا پکڑا اپنی چاؤ کا۔ کہیں تو لے سکتا ہے اسکا ذمہ؟

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ

یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں؟ اور کچھ

إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝۴۴

نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ بہکے ہیں بہت راہ سے۔

تشیع کفار بر استہزاء سیدالابرار

قال الله تعالى وَإِذَا رَأَوْكَ أَنْ يَنْخَازِلُكَ إِلَهُهُنَّ وَآء... إلخ... بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا

(رابط) اوپر سے سلسلہ کلام کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات کا چلا آرہا تھا جس سے مقصود کفار کی تشیع اور ملامت تھی اب آئندہ آیات میں پھر کفار کے ذمائم اور شائع قولیہ اور فعلیہ کو بیان کرتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت آپ کو غایت درجہ حقیر سمجھتے ہیں اور آپ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم نہ رہتے تو یہ شخص ہم کو کبھی کا گمراہ کر چکا ہوتا حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عنقریب یعنی مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا۔

اور یہ منکرین نبوت تکذیب اور انکار میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کو سوائے اس کے کچھ کام نہیں کہ تیرا ٹھٹھا کرتے ہیں اور تیری ہنسی اڑاتے ہیں حالانکہ آپ کی شان امانت اور صدق مقال اور حسن افعال اور مکارم اخلاق انکو سب معلوم ہے اور بطور تمسخر اور مذاق یہ کہتے ہیں کہ کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے حالانکہ معجزات اور دلائل نبوت انکی آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بے شک یہ شخص قریب

تھا کہ اپنی دلفریب باتوں سے ہم کو ہمارے معبودوں سے گمراہ کر دیتا۔ اور ہم انکی عبادت سے بچلا دیتا اگر ہم ان معبودوں کی عبادت پر مضبوطی کے ساتھ نہ جمے رہتے آپ دن رات ان کے سامنے دلائل توحید اور دلائل نبوت بیان کرتے اور یہ نادان توحید کو گمراہی اور شرک اور بت پرستی کو ہدایت سمجھتے اللہ تعالیٰ انکے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں اور عنقریب جان لیں گے یہ لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون بڑا گمراہ ہے یعنی جب عذاب الہی کو دیکھیں گے یا جب مریں گے تب پتہ چلے گا کہ کون گمراہ تھا، اے نبی بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہے دلیل اور حجت سے اسے کوئی بحث نہیں جدھر اسکو اس کے نفس کی خواہش لے جاتی ہے اسی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا پتھر اس سے زیادہ خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر جھکا دیا پس کیا آپ ایسے ہوا پرست کے کفیل اور ذمہ دار ہو سکتے ہیں کہ اسکو راہ راست پر لے آئیں یعنی جس شخص نے نفس کی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا ہوا ہے کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا۔ اے نبی کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر لوگ ایسی بات کو سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ آپ کتنے ہی دلائل توحید بیان کریں مگر اکثر ان میں سے ایسے ہیں کہ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔

نہیں ہیں یہ لوگ مگر جانوروں کی مانند۔ نہ سین اور نہ سمجھیں مثل چوپایوں کے ہیں ان کے سامنے دلائل عقلیہ اور معجزاتِ قاهر سب بے کار ہیں۔ بلکہ یہ لوگ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ جانور اپنے مالک کو پہچانتے ہیں مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اپنے نفع اور مضرت کی چیز کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ جانوروں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ کون سا گھانس ہمارے لیے نفع بخش ہے اور کونسا مضر ہے جانور اپنے چراگاہ اور گھاٹ پر چلے بھی جاتے ہیں مگر یہ بد بخت اپنے مالک کے سامنے گردن جھکانے کے لیے تیار نہیں اور چشمہ ہدایت سے ایک قطرہ آب پینے پر آمادہ نہیں، ہزار دلائل قدرت اور ہزار براہین رسالت انکے سامنے بیان کریں تو انکا سننا بھی انکو گوارا نہیں اس لیے آئندہ آیات میں ان چند دلائل قدرت اور آیات وحدانیت کو بیان کرتے ہیں جو ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَكَوْشَاءُ

تو نے نہ دیکھا اپنے رب کی طرف کیسی لمبی کی پرچھائیں؟ اور اگر چاہتا

يَجْعَلُهُ سَاكِناً ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ

اس کو ٹھہرا رکھتا، پھر ہم نے ٹھہرایا سورج اس کا راہ

دَلِيلًا ۚ ثُمَّ قَبْضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيرًا ۝۳۶

بتانے والا۔ پھر کھینچ لیا اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِبَاسًا

اور وہی ہے جس نے بنا دی تم کو لات اور ڈھنسا اور

وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِي

نیند آرام ، اور دن بنا دیا اُٹھ نکلنا - اور وہی ہے

أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ

جس نے چلائیں باویں خوشخبری لائیں اسکی مہر سے آگے - اور اتارا ہم نے

السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۴۸﴾ لِّنُخْرِجَ بِهِ بَلْدَةً مَّيِّتًا وَنُسْقِيَهُ

آسمان سے پانی ستھرائی کرنے کا - کہ جلاویں اس سے مر گئے دلیں کو - اور پلاویں

مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَا سَيِّ كَثِيرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ

اس کو اپنے بنائے بہت چوپایوں اور آدمیوں کو - اور طرح طرح بانٹا اس

بَيْنَهُمْ لِيَذْكُرُوا أَنَّى آتَيْنَا إِلَهُ الْكَافُورًا ﴿۵۰﴾ وَ

کو انکے بیچ میں تا دھیان رکھیں - پھر نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے - اور

لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تَطْعَمُ

اگر ہم چاہتے اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا - سو تو کہا زمان

الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِي

منکروں کا ، اور مقابلہ کر انکا اس سے بڑے زور سے - اور وہی ہے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ﴿۵۳﴾

جس نے ملے چلائے دو دریا - یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا اور یہ کھاری ہے کڑوا -

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّجْجُورًا ﴿۵۴﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردا اور اوٹ روکی - اور وہی ہے جس نے

خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ط وَكَانَ

بنایا ہے پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سہیل - اور ہے

رَبُّكَ قَدِيرًا ۝۵۴ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا

تیرا رب سب کر سکتا۔ اور پلو جتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز کہ نہ

يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۖ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ

بھلا کرے اُنکا نہ بُرا۔ اور ہے منکر اپنے رب کی طرف سے

ظَهِيرًا ۝۵۵ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۵۶ قُلْ

پیٹھ دے رہا۔ اور تجھ کو ہم نے بھیجا، یہی خوشی اور ڈر سنانے کو۔ تو کہہ

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ

میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ لے رکھے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝۵۷ وَتَوَكَّلْ عَلَىٰ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

اپنے رب کی طرف راہ۔ اور بھروسہ کر اس جیتے پر جو نہیں مرنا اور

وَسَيِّمٌ بِحَمْدِهِ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ ذُنُوبٌ عَبَادِهِ خَبِيرًا ۝۵۸

یاد کر اسکی خوبیاں اور وہ بس ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار۔

الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي

جس نے بنائے آسمان اور زمین، اور جو کچھ ان کے بیچ ہے۔

سِتَّةَ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَنُ فَسَعَلُ

چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر۔ وہ بڑی مہر والا۔ سو پوچھا اس

بِهِ خَبِيرًا ۝۵۹ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا

سے جو اسکی خبر رکھتا ہو۔ اور جب کہیے ان کو سجدہ کرو رحمن کو۔ کہیں،

وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نفورًا ۝۶۰

رحمن کیا ہے؟ کیا سجدہ کرنے لگیں گے ہم جس کو تو فرماوے گا اور بڑھتا ہے انکا بدگنا۔



تَبَرُّكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں

سِرْجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَ

چراغ اور چاند اجالا کرنیوالا۔ اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور

النَّهَارَ خَلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿۶۲﴾

دن، بدلنے اسکے واسطے جو چاہے دھیان رکھنا یا شکر کرنا۔

ذکر دلائل توحید عجائب قدرت و صنعت

قال الله تعالى اَلَمْ تَرَ اِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ... اِلَى... لَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُورًا (دبط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالت بیان فرمادی اور انکی گمراہی ظاہر کر دی اب آئندہ آیات میں منکرین وحدانیت کی تشبیح کے لیے اپنی قدرت کے آثار اور توحید کے چند دلائل بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیاء متضادہ اور مختلفہ کے پیدا کرنے پر قدرت تامہ رکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے قادر مطلق اور واحد قہار ہونے کی دلیل ہے اور ایسی چیزیں ہیں کہ کفار دن رات اسکا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ذرا غور کریں تو اللہ کی قدرت اور وحدانیت ان پر واضح ہو جاتے۔ اس سلسلہ میں حق جل شانہ نے پانچ قسم کے دلائل ذکر فرمائے۔

قسم اول۔ استدلال بنظر در حالت سایہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ دَلِيلًا ثُمَّ قَبْضَنَا اِلَيْنَا قَبْضًا تَسِيرًا۔

دلائل توحید کی پہلی قسم یہ ہے کہ سایہ کی حالت میں غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سایہ کو دراز کیا اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حال اور ایک انداز پر ٹھہر دیتا پھر اس نے آفتاب کو سایہ کے پہچاننے کے لیے دلیل بنایا کہ آفتاب کی شعاعوں سے سایہ پہچانا گیا اور پھر اس سایہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچا۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک سایہ کا دراز ہونا اور پھر آفتاب کا طلوع ہونا اور زمین پر اسکی شعاعوں کا پڑنا اور پھر بتدریج سایہ کا سمٹنا یہ سب اسکی قدرت کے دلائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے دیکھنے والے کیا تو نے اپنے پروردگار کے اس کرشمہ قدرت اور عجبہ صنعت کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے محض

اپنی قدرت سے طلوع فجر یعنی صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک کس طرح سایہ کو تان دیا اور لمبا اور دراز کر دیا اور زمین پر اسکو پھیلا دیا، یہ سب اسکی قدرت کا کرشمہ ہے ذرا نظر اٹھا کر تو دیکھ صبح صادق سے اور خاص کر اسفار کے بعد سے سورج نکلنے تک سایہ ہی سایہ رہتا ہے نہ سورج کی شعاع ہوتی ہے اور نہ رات کی سی تاریکی ہوتی ہے دھوپ اور تاریکی کے درمیان ایک بین بین حالت ہوتی ہے اور یہی ظل یعنی سایہ کی حقیقت ہے امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔ ظل یعنی سایہ حقیقت میں ایک ایسی ہی درمیانی چیز کا نام ہے جو خالص روشنی اور خالص تاریکی کے درمیان میں ہو اور یہ درمیانی کیفیت اور متوسط حالت نہایت عمدہ وقت اور بہترین زمانہ ہے اس لیے کہ خالص تاریکی طبعاً مکروہ اور ناگوار ہے طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور آنکھ کی بنیائی اس سے معطل ہو جاتی ہے کوئی چیز نظر نہیں آتی اور آفتاب کی شعاعوں سے نظر خیرہ ہو جاتی ہے اور اس کی روشنی سے آنکھ پر آگندہ ہو جاتی ہے اور ہوا گرم ہو جاتی ہے اور صبح صادق اور اسفار سے لیکر طلوع آفتاب تک جو وقت ہوتا ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوتیں اسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظل ممدود بھی ہے جنت میں ایسا ہی سایہ ہو گا۔ غرض یہ کہ سایہ بندوں کے لیے اللہ کی عجیب رحمت ہے اور اسکی قدرت کی عجیب و غریب صفت ہے نہ خالص تاریکی ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو اور نہ تیز روشنی ہے جس سے نگاہ پر آگندہ ہو اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ٹھہرائے رکھتا کہ وہ سایہ ایک ہی حال پر اور ایک ہی انداز پر ٹھہرتا یعنی یہی ظل کی کیفیت دائم اور مستمر رہتی کہ آفتاب طلوع نہ ہوتا یا اگر طلوع بھی ہوتا تو خدا کی قدرت اور مشیت سے۔ آفتاب اس سایہ کو زائل نہ کر سکتا اور باوجود طلوع آفتاب کے یہ سایہ اپنے حال پر رہتا۔ سایہ ہو یا آفتاب ہو کسی کی بھی حرکت خود اس کے اختیار میں نہیں۔ اللہ جس کو چاہے متحرک کرے اور جس کو چاہے ساکن کرے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس سایہ کو ساکن کر دیتا۔ آفتاب کا طلوع اور غروب خود اسکی اختیاری چیز نہیں کہ وہ جو حالت چاہے اپنے لیے اختیار کرے۔ جب چاہے چل پڑے اور جہاں چاہے ٹھہر جائے۔ آفتاب کی حرکت اور اسکا سکون خود اس کے اختیار میں نہیں کہ جو چاہے اپنے لیے اختیار کرے اسی طرح سایہ کا گھٹنا اور بڑھنا اور ٹھہرنا خود سایہ کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ سایہ جو طلوع فجر سے لیکر سورج نکلنے تک رہتا ہے جنت کے سایہ کا ایک نمونہ ہے جنت میں آفتاب کی دھوپ نہ ہوگی۔ یہی سایہ ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ سایہ اسی طرح ٹھہر رہتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا جس طرح اللہ کی قدرت سے جنت میں ہمیشہ سایہ ہو گا اور دھوپ نہ ہوگی اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ اگر وہ چاہتا تو دنیا میں بھی اس سایہ کو قائم رکھتا اور آفتاب طلوع ہی نہ ہوتا یا طلوع ہوتا تو تب بھی وہ اس سایہ کو قائم رکھتا۔ خدا تعالیٰ کی قدرت۔ دنیا اور آخرت میں سب جگہ یکساں ہے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت کا ایک اور کرشمہ دکھلایا کہ سورج کو پیدا کیا اور مشرق سے اس کو نکالا جس سے دھوپ بھیلی شروع ہوئی اس طرح ہم نے سورج کو اس سایہ کے پہچاننے کی ایک دلیل یعنی ایک علامت اور نشانی بنایا کہ سورج نکلنے سے سایہ پہچانا گیا۔ اس طرح آفتاب سایہ کے وجود کی دلیل بنا۔ اگر دھوپ نہ ہوتی تو کوئی شخص سایہ کو نہ پہچان سکتا کہ سایہ کیا چیز ہے جب آفتاب نکلتا تب سایہ نظر آیا اور اس وقت سایہ کی شناخت

۱۔ ظل کی حقیقت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب امام رازی کے کلام کی تشریح ہے حضرات اہل علم تفسیر ص ۳۷ ج ۲ دیکھیں۔

ہوتی کہ سایہ ایسا ہوتا ہے اور دھوپ ایسی ہوتی ہے اس لیے کہ ایک ضد کی شناخت دوسری ضد سے ہوتی ہے و بضد ہا
تتبین الاشیاء۔ اچھے سے بُرے کی تمیز ہوتی ہے اور سفید سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور نور سے ظلمت کی شناخت
ہوتی ہے اور جس چیز سے کسی چیز کی حقیقت واضح ہو وہی اس کی دلیل ہے۔

اس اعتبار سے آیت میں طلوع آفتاب کو وجود ظل کی دلیل قرار دیا۔ طلوع آفتاب سے پہلے کسی جسم کا مثلاً انسان کا یا
جوان یا دیوار کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔ صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان جو ظلی کیفیت ہوتی ہے اس حالت میں جسم کی صرف
دو چیزیں دکھائی دیتی ہیں ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کا رنگ۔ البتہ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نمودار ہو جاتی ہے تو
اس وقت تین چیزیں نظر آتی ہیں۔ (۱) ایک جسم کا وجود (۲) اور دوسرا جسم کا رنگ یہ دو چیزیں طلوع آفتاب سے پہلے بھی دکھائی
دیتی تھیں۔ (۳) اور تیسری چیز جو طلوع آفتاب کے بعد دکھائی دیتی ہے وہ اس جسم کا سایہ ہے جو پہلے نظر نہیں آتا تھا۔ طلوع آفتاب
کے بعد زمین پر جسم کا سایہ بھی نظر آتا ہے طلوع آفتاب سے پہلے سایہ کا وجود نہ تھا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب دھوپ نکلی تب
اس تیسری چیز کے وجود کا علم ہوا اس لیے فرمایا کہ ہم نے طلوع آفتاب کو سایہ کیے دلیل بنایا جس کے ذریعہ سایہ بچا ناگیا۔ اگر آفتاب کی
روشنی نہ ہوتی تو دیکھنے والے کو فقط دو چیزیں نظر آتیں۔ ایک جسم کا وجود اور دوسرا اس کی رنگت اور سیدت مگر تیسری چیز یعنی جسم
کا سایہ اس کو نظر نہ آتا۔ سایہ کا احساس اور اس کی شناخت آفتاب کے دھوپ کے ذریعہ ہوتی، اگر سورج نہ نکلتا اور دھوپ نہ ہوتی
تو ہم سایہ کو سمجھ بھی نہ سکتے کہ سایہ کیا چیز ہے۔ ایک ضد کے آنے سے دوسری ضد سمجھ میں آئی۔ کما قال تعالیٰ قُلْ أَدْرِيتُمْ
إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْآئِلَ سُنَّ مَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَضِيَاءٌ
دیکھو تفسیر کبیر ص ۳۷۷ ج ۶ حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۴۵ ج ۳ و روح المعانی ص ۲۵ ج ۱۹۔

قائد اور سدی کہتے ہیں کہ آفتاب کی دلیل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آفتاب اس سایہ کے پیچھے لگا رہا ہے یہاں تک
کہ پورے سایہ پر چھا جاتا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دلیل کے معنی رہبر کے ہیں کہ آفتاب سایہ کا رہبر ہے اور سایہ آفتاب کا تابع ہے اس لیے کہ سایہ
کی کمی اور بیشی اور اس کا پھیلنا اور سمٹنا آفتاب کی حرکت کے تابع ہے۔

پھر سورج نکلنے کے بعد ہم نے اس سایہ کو آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا اپنی طرف سمیٹا۔ اللہ ہی کی قدرت اور مشیت سے
اصل ظل کا ظہور ہوا تھا پھر اس کی قدرت اور مشیت سے اس ظل کو آہستہ آہستہ قبض کر لیا گیا جس قدر سورج بلند ہوتا جاتا ہے سایہ
رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا ہے اس رفتہ رفتہ گھٹنے کو اپنی طرف قبض کرنے سے تعبیر کیا۔ طلوع صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک سایہ تمام
زمین پر پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر جب سورج نکلتا ہے تو تھوڑا تھوڑا گھٹنا شروع ہوتا ہے جس قدر سورج اوپر چڑھتا جاتا ہے
اسی قدر سایہ کم ہوتا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ آفتاب کی روشنی اور اس کی شعاع سایہ کی جگہ قائم ہوتی جاتی ہے اور زمین چمک اٹھتی
ہے۔ طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک یہی حال رہتا ہے اور اس طرح بتدریج سایہ کے سمٹنے میں بڑی حکمتیں

علیٰ طلوع آفتاب کو سایہ کے لیے جو دلیل فرمائی سو وہ دلیل انی ہے دلیل لٹی نہیں۔ طلوع آفتاب ظہور ظل اور اس کی معرفت کی دلیل ہے
ظل کے نفس وجود کی دلیل نہیں۔ دیکھو حاشیہ شہاب خجانی علی تفسیر البیضاوی ص ۴۴۵ ج ۶۔

اور منفعتیں ہیں اوقات اور ساعا کی تعیین اسی طرح بتدریج سایہ کے گھٹنے اور بڑھنے سے ہوتی ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے۔ وَیَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِیتُ لِلنَّاسِ وَالْحُجَّةِ الْاَیَّۃ۔

صبح سے لیکر شام تک سایہ اور دھوپ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے اس تغیر اور تبدل سے اور اس کی اور زیادتی سے دین اور دنیا کے کاروبار کے لیے اوقات معین کیے جاتے ہیں اگر صبح سے لیکر شام تک ایک ہی حالت رہتی تو ساعات اور اوقات کی تعیین ناممکن تھی پانچ نمازوں کے اوقات کیسے متعین ہوتے اور بازاروں اور دفتروں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات کیسے مقرر ہوتے۔

غرض یہ کہ سایوں کا اس طرح آہستہ آہستہ گھٹنا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا حق جل شانہ کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور ہر تغیر بندوں کے حق میں نعمت ہے۔ اگر سایہ ایک بار ہی لے لیا جاتا تو لوگوں کے جو کام سایہ سے منعلق ہیں وہ معطل ہو جاتے۔ وَکَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاکِنًا۔ درمیان کلام میں جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ سایہ کا دراز ہونا اور اسکا سٹٹنا محض اللہ کی قدرت اور اسکی مشیت سے ہے اسباب عادیہ اور امور مادیہ کو اس میں دخل نہیں آفتاب کا افق کے قریب ہونا اور پھر افق مشرقی سے اسکا طلوع ہونا اس میں کسی مادہ اور طبیعت کو اور کسی نیچر اور فطرت کو دخل نہیں آفتاب کی حرکت اور اسکا طلوع اور غروب سب اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔

آیت ہذا کی تفسیر میں دوسرا قول

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کَیْفَ نَدَّ لِظِلِّیْنَ مِیْنِ ظِلِّیْنَ سے اجسام کثیفہ کا وہ سایہ مراد ہے جو طلوع آفتاب کے بعد شروع دن میں نمودار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی اَوَّلَکُمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَتَّحُوْاْ ظِلَالُہٗ۔ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب افق سے طلوع کرتا ہے تو کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ لمبا اور دراز پڑتا ہے پھر جوں جوں سورج چڑھتا جاتا ہے تو اس کے مقابل مغرب کی جانب سے سایہ گھٹتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ہر شئی کا سایہ اسکی جڑ میں لگ جاتا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے سایہ کو اپنی طرف کھینچ لیا پھر زوال کے بعد ایک طرف سے دھوپ سٹٹنی شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے آخر جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ غائب ہو جاتی ہے اور سایہ چھا جاتی ہے اور سایہ فنا ہو جاتا ہے اور سایہ کے اس طرح تدریجاً فنا ہوجانے کو اپنے پاس آنے سے تعبیر کیا کہ وہ تمہاری نظروں سے فنا ہو کر ہمارے پاس پہنچ گیا۔ بہر حال سایہ ہو یا دھوپ ہو اسی کے حکم سے پردہ عدم سے نکل کر وجود میں آیا تھا۔ اور اسی کے حکم سے عدم کے پردہ میں چلا گیا اگر اللہ چاہتا تو ہر چیز کے سایہ کو اسی کے ساتھ لازم اور قائم کر دیتا اور ایک حالت پر اسکو ٹھہر دیتا اور سایہ کے لمبے اور دراز ہونے سے مخلوق کو جو نفع پہنچ رہا ہے وہ نفع نہ پہنچتا۔

غرض یہ کہ سایہ اور دھوپ کا تغیر اور تبدل اور کمی اور زیادتی اور انکا فنا اور زوال یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب چیزیں حادث ہیں اور ان کے تغیرات اور انقلابات کی باگ کسی علیم و قدیر کے ہاتھ میں ہے کہ جو ان تغیرات سے اپنی

قدرت کا تماشا دکھا رہا ہے۔ کہ دیکھ لو کہ وجود اور عدم کا تماشا اس طرح دکھلایا جاتا ہے اور دھوپ اور سایہ جو کارخانہ عالم کا تانا اور بانا اسکو قدرت اور مشیت کی انگلیوں پر اس طرح نچایا جاتا ہے اور سایہ اور دھوپ کے ان تغیرات میں اور ان کھیل اور تماشوں میں بندوں کے لیے نعمتوں اور راحتوں کے عجیب عجیب سامان ہیں جن کے شکر سے زبان قاصر ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر ص ۳۷۸ ج ۲ و حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۹۵۵ ج ۳۔

خلاصہ کلام یہ کہ آیت ہذا کی تفسیر میں یہ دو قول مشہور ہیں جو ہم نے ذکر کیے۔

قول اول | جمہور علماء تفسیر کا قول یہ ہے کہ کَيْفَ تَذِلُّ مِیں۔ ظل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو صبح صادق سے یا وقت اسفار سے لیکر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو العالیہؓ اور ابو مالکؓ اور مسروقؓ اور مجاہدؓ اور سعید بن جبیرؓ اور ابراہیم نخعیؓ اور ضحاکؓ اور قتادہؓ اور حن بصریؓ رحمہم اللہ تعلق سے یہی مروی ہے کہ ظل سے وہ سایہ مراد ہے کہ جو طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۳ ج ۳ اور تَحْمِلُنَا الشَّمْسُ عَلَيْنَا دَلِيلًا۔ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے طلوع آفتاب کو اس سایہ کی دلیل بنایا اس لیے کہ طلوع آفتاب سے یہ معلوم ہوا کہ صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب تک جو اُجالا تھا۔ وہ آفتاب کا اثر تھا اور اسکی آمد آمد کا نشان تھا اگر خدا چاہتا تو سورج کو نہ نکالتا اور وہ سایہ اسی حال پر برقرار رہتا جس حال پر وہ طلوع آفتاب سے پہلے تھا لیکن اس نے اپنی قدرت سے سورج کو نکالا اور آہستہ آہستہ اس سایہ کو ختم کیا یہ سب اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

دوسرا قول | اور دوسرا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ ظل سے کھڑی ہوئی چیزوں کا سایہ مراد ہے کہ جو طلوع آفتاب سے لیکر زوال تک اور پھر زوال سے لیکر غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ دیکھو صادی حاشیہ جلالین ص ۱۶ جلد ۳۔

کیونکہ عرف میں ظل کا اطلاق اس سایہ پر آتا ہے کہ جو شروع دن میں ہوتا ہے فنی کے اصل معنی رجوع کے ہیں کہ جب آفتاب مشرق سے مغرب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ابن السکیت کہتے ہیں کہ ظل وہ سایہ ہے کہ جس کو آفتاب منسوخ کر دے اور فنی وہ سایہ جو آفتاب کو یعنی اسکی دھوپ کو منسوخ کر دے بہر حال ظل سے جو معنی بھی مراد لیے جائیں وہ کمال قدرت اور کمال صنعت کے بیان سے خالی نہیں جو اللہ جل شانہ کی وحدانیت اور کمال صنعت کی دلیل ہے اور علاوہ ازیں غایت رحمت اور نہایت نعمت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ نے بندوں کی راحت کے لیے سایہ اور دھوپ کو پیدا کیا۔

(۱) ظل یعنی سایہ کو دراز کرنا (۲) طلوع آفتاب کو اس پر دلیل بنانا اور (۳) قبض لیسیر یعنی سایہ کو آہستہ آہستہ سمیٹنا یہ سب اسکی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سایہ کا دراز ہونا اور اس کا سمیٹنا یہ سایہ کا خود اختیاری فعل نہیں اور علی ہذا طلوع۔ یہ آفتاب کا فعل اختیاری نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ غرض یہ کہ ان آیات میں جن عجائب قدرت کا ذکر کیا ہے بلاشبہ وہ اسکی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل ہیں۔

آیت ہذا کی تفسیر میں تیسرا قول | آیت ہذا کی تفسیر میں علماء کے کئی قول ہیں جو دو قول ان میں سے زیادہ مشہور تھے وہ ہدیہ ناظرین کر دیئے گئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ آیت ہذا کی تفسیر میں ایک تیسرا قول اور بھی

ہدیٰ ناظرین کر دیا جائے یہ تیسرا قول اگرچہ غیر مشہور ہے لیکن باعتبار معنی کے وہ بھی لطیف ہے وہ یہ ہے کہ نفل سے رات کا اندھا
مراد ہے اور قبضنا کی ضمیر دلیل کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے رات کے وقت زمین کا سایہ پھیلایا اور
سارا عالم تاریک کر دیا مگر اس تاریکی کو ہمیشگی نہیں دی بلکہ آفتاب کے طلوع کو اس کی شناخت کی دلیل بنایا اس لیے کہ سب
چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اچھے سے بُرے کی تمیز ہوتی ہے اور گورے سے کالے کی تمیز ہوتی ہے اور دن کو
بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بنایا بلکہ غروب کر کے اسکی روشنی کو لے لیا۔ یہاں تک کہ پھر رات آگئی اور یہ دونوں وقت مخلوق
کی آسائش اور آرائش کے لیے معین فرمائے۔

قسم دوم از دلائل توحید

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوتًا۔
اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو لباس بنایا اور نیند کو تمہارے لیے آرام بنایا چونکہ رات کی تاریکی لباس
کی طرح ہر شے کو چھپا لیتی ہے اس لیے رات کو لباس فرمایا اور نیند کو تمہاری راحت کا سامان بنایا جس سے بدن کا تعب
اور مشقت سب ختم ہو جاتی ہے کیونکہ تسبوت کے معنی اصل میں قطع کرنے کے ہیں۔ سونے کی حالت میں چلنا پھرنا سب قطع ہو جاتا ہے
اس لیے نیند کو سبات کہتے ہیں کہ اس سے جسم کی حرکت قطع ہو جاتی ہے۔

اور بنایا اس نے دن کو تمہارے منتشر ہونے کے لیے رات جب آتی ہے تو لوگ سو جاتے ہیں اور مردہ کی طرح بے حس
و حرکت ہو جاتے ہیں جب دن نکلتا ہے تو پھر زندہ ہو کر اٹھ جاتے ہیں اور اپنے کام کا ج کے لیے ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں، یہ
خدا کی قدرت بھی ہے اور اسکی نعمت بھی ہے۔ رات کی نیند بھی اللہ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اللہ کی نعمت ہے اور سونے
کے بعد صبح کی بیداری حشر و نشر کا نمونہ ہے جس طرح انسان سو کر اٹھتا ہے اسی طرح مگر پھر جیئے گا اور منتشر ہو گا۔

قسم سوم از دلائل توحید

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ... إِلَى... وَجَاهِدْهُم بِجَهَادٍ كَبِيرٍ۔
اور وہ خدا وہ ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے بشارت دینے والی ہوا بھیجتا ہے بارش اللہ کی رحمت ہے اور
اس سے پہلے ہواؤں کا چلنا یہ بشارت ہے کہ عنقریب بارش نازل ہونے والی ہے اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے
ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسرے کو بھی پاک کرنے والا ہے تاکہ ہم اس پانی کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو
زندہ کریں یعنی خشک زمین سے قسم قسم کی نباتات اُگادیں۔ اس طرح قیامت کے قریب ایک غیبی بارش نازل ہوگی جس سے
مردے زندہ ہو جائیں گے اور تاکہ اس پانی سے اپنی مخلوقات میں سے چوپایوں کو اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں۔ گزشتہ
آیت میں پانی سے زمین کی سیرابی کا ذکر تھا اور اس آیت میں پانی سے حیوان اور انسان کی سیرابی کا ذکر ہے۔ بہت سے آدمی تو آسمان

کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور بہت سے آدمی زمین کے چشموں اور کنوؤں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اس بارش کے پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا کبھی کہیں برساتے ہیں اور کبھی کہیں۔ ہمیں کم اور کہیں زیادہ تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ بارش کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے جہاں چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے برساتا ہے ہر سال کی بارش کا پیمانہ اور وزن اسی کو معلوم ہے پس باوجود اس نعمت اور عبرت کے واضح ہونے کے بغیر ناشکری سے باز نہ رہے اور بجائے اس کے کہ اس نعمت عظمیٰ کا شکر کرتے کفران نعمت میں جا پڑے۔ مینہ تو خدا تعالیٰ نے برسیا یا مگر یہ ناشکر! اس بارش کی ستاروں اور برجوں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ یہ شخص خدا کا کفر کرتا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھتا ہے اور ان کا شکر کرتا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَلَقَدْ صَيَّرْنَاكُمْ۔ کی ضمیر قرآن کریم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے نصیحت کی تاکہ وہ اس کو قبول کریں مگر اکثر لوگوں نے ان نصیحتوں کو قبول نہیں کیا۔

لہذا آپ ان لوگوں کے کفر و تکذیب سے ہمت نہ ہاریں اور تنہا برا تبلیغ اور دعوت میں لگے رہیں اور اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ اے نبی ہم نے تمہاری شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لیے قیامت تک کے لیے سارے جہان کا تم کو پیغمبر بنایا اور نبوت کو تم پر ختم کیا اور تمام عالم کے لیے آپ کو بارانِ رحمت بنایا تاکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان اور اہل ہدایت کا اجر آپ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے اور تمام انبیاء پر آپ کی فضیلت ظاہر ہو پس جب خدا نے آپ کو یہ فضیلت اور یہ شان عطا کر دی ہے تو آپ ان کافروں کی پروا نہ کیجیے اور نہ کسی بات میں انکا کہنا مانیں جس سے یہ خوش ہوں اور دلائل قرآن کے ساتھ انکا پورا پورا مقابلہ کیجیے، چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے اس آیت میں جہاد سے قرآن اور دلیل اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ سیف و سناں سے جہاد کرنے کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔

قسم چہارم از دلائل توحید

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُراتٌ وَ هَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ۔

اور وہ خدا ہے جس نے اپنی قدرت بالغہ اور حکمت سابقہ سے دو دریاؤں کو ملا کر رواں کیا ان میں سے ایک تو یہ شیریں اور خوش ذائقہ اور شنگی کو دفع کرنے والا اور پیاس بجھانے والا ہے اور ایک یہ دوسرا کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے ایک آڑ اور مضبوطی کھدی کہ ایک کا پانی دوسرے سے ملنے نہ پاوے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں دریا اور نہریں بہتے بہتے سمندر میں آکر گرتی ہیں۔ جیسے دریائے دجلہ کا پانی نہایت شیریں ہے جب اسکا پانی سمندر میں گرتا ہے تو دور تک دونوں کی موجیں اور دھاریں الگ الگ نظر آتی ہیں ادھر کا پانی نہایت شیریں اور ادھر کا پانی نہایت تلخ میلوں تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ ایک پانی دوسرے پانی سے ملنے نہیں پاتا اور اس قرب اور اتصال کی وجہ سے کسی پانی کے مزہ میں فرق نہیں آتا۔

قدرت نے دونوں کے درمیان ایک ایسی آڑ رکھ دی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور دریائے دجلہ اگرچہ

عرف میں سمندر نہیں کہلاتا مگر جب وہ جا کر سمندر میں گرا تو وہ بھی سمندر ہو گیا۔ مقصود اس سے حق جل شانہ کی کمال قدرت کو بیان کرنا ہے کہ دو مختلف قسم کے پانی ہیں اور دونوں ساتھ مل کر چل رہے ہیں اور بہہ رہے ہیں مگر ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے حالانکہ پانی بالطبع سیال اور بہنے والی چیز ہے اس کا طبعی اقتضاء اختلاط اور امتزاج ہے مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایک پانی کو دوسرے پانی کے ساتھ ملنے سے روکے ہوئے ہے اور ہندوستان کے متعدد علاقوں میں ایسے کنوئیں موجود ہیں جن میں ایک طرف کا پانی میٹھا ہے اور دوسری طرف کا پانی کھارا ہے ایک طرف کے پانی سے چیز عمدہ پکتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے دال بھی نہیں گلتی۔

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نے بروایت مولانا محمد اسحق برودانی ہنگال کے دو معتبر عالموں مولانا عبدالغفور ارکانی اور مولانا روشن علی ارکانی کی شہادت سے نقل کیا ہے کہ ارکان اور چاٹگام کے درمیان جو دریا بہتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ اسکی ایک جانب کا پانی سفید ہے اور دوسری جانب کا پانی سیاہ ہے۔ سیاہ میں سمندر کی طرح تلاطم اور موج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے درمیان ایک دھاری سی چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتی یعنی حد اتصال ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید کا پانی میٹھا ہے اور سیاہ کا پانی کڑوا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا کی قدرت کو دیکھو کہ دو دریا میں ایک میٹھا اور ایک کھاری دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں مگر باہم ملنے نہیں پاتے۔

جدید اور قدیم فلاسفہ بتلائیں کہ یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضار ہے۔ ؟

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

آیت ہذا کی دوسری تفسیر

دنیا میں دو قسم کے دریا جاری کیے بعض شیریں اور بعض تلخ اور زمین کو

دونوں کے درمیان حائل کر دیا تاکہ دونوں آپس میں ملنے نہ پاویں اور برزخ اور حجر مجر سے بیابانوں کا پردہ مراد ہے کہ جو دو دریاؤں کے درمیان حائل ہے۔

بہر حال دو قسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا یہ بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہے اور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پر ایک محسوس حد فاصل بنا دینا یہ بھی اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔

قسم پنجم از دلائل توحید استدلال خلقت انسانی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا۔

اور وہ ہے جس نے پانی سے یعنی نطفہ سے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اسکو خاندان اور دامادی قرابت بنایا یعنی اللہ کی کستی بڑی قدرت ہے کہ ایک ہی قسم کے نطفہ سے وہ کبھی تو مرد پیدا کرتا ہے اور کبھی عورت۔ نسب سے مراد مرد ہے کیونکہ نسب مردوں سے یعنی باپ دادا سے چلتا ہے اور صہر سے مراد عورت ہے کیونکہ نکاح کا تعلق عورت سے قائم ہوتا ہے غرض یہ کہ باہمی محبت و مروت کے دو طریقے پیدا کیے۔ ایک نسب اور دوسرا مصاہرت یعنی دامادی۔

اور تیز پروردگار بڑی ہی قدرت والا ہے۔ ایک قطرہ آب یعنی لطفہ سے مذکر اور مؤنث کا اور مختلف شکلوں اور مختلف عقلوں کا پیدا ہونا خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

وہ لطفہ را صورتے چوں پری : کہ کردست بر آب صورت گری۔
مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں کی طعن و تشنیع کی پروا نہ کریں اپنے پروردگار کی قدرت اور رحمت پر نظر رکھیں۔

بیان جہالت مشرکین و منکرین نبوت

قال الله تعالى وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ .. الى .. وَزَادَهُمُ نُفُورًا۔
(دلیل) گزشتہ آیات میں دلائل توحید و قدرت بیان کیے اب آئندہ آیات میں مشرکین اور منکرین نبوت کی جہالتوں اور خصال بد کو بیان کرتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک مادہ سے بشر کو پیدا کیا اور دو قسم کا بنایا۔ ایک مذکر اور دوم مؤنث۔ جن کے اعضاء اور طبائع اور شکل و صورت میں بہت فرق ہے اسی طرح اس نے مؤمن اور کافر کو پیدا کیا جن کی طبیعتوں میں بے انتہا فرق ہے۔
اور جس طرح خدا نے دو قسم کے دریا بنائے ایک شیریں اور دوم تلخ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو شیریں اور خوشگوار اخلاق پر پیدا کیا اور کسی کو تلخ اور بد مزاج بنایا یہ اسکی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور منجملہ دلائل قدرت کے یہ مشرکین اور منکرین نبوت کا ایک گروہ ہے کہ جو رب قدیر کے سامنے تو سر جھکانے کو تیار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی ایسی چیزوں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں جو ان کو کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے اور یہ کافر اور منکر خدا کے مقابلہ اور مخالفت پر اور شیطان کی اطاعت پر تلا ہوا ہے اور خدا کے مقابلہ میں شیطان کی پشت و پناہ اور معین و مددگار بنا ہوا ہے اور نبی برحق جو توحید اور مکالم اخلاق کے داعی ہیں انکا دشمن بنا ہوا ہے، حالانکہ آپ سے عداوت کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ اے نبی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر نیکوں کو بشارت دینے والا اور بدوں کو عذاب الہی سے ڈرانے والا جس میں سرسراہی مگر اہوں کا فائدہ تھا اور ایسے شخص کی محبت اور اطاعت تو عقلاً فرض اور لازم ہے کہ جو اللہ کے ثواب دائم کی بشارت سنائے اور عذاب دائم سے ڈرائے اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں دنیا میں تمہارا مزاحم نہیں میں اس دعوت و نصیحت پر تم سے کوئی اجرت اور مزدور نہیں مانگتا یعنی میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ تم اپنے اموال میں مجھے کچھ دے دو بلکہ خالص اللہ ہی کے لیے تم کو اللہ کی طرف بلانا ہوں لیکن تمہیں اختیار ہے جس کا جی چاہے اپنے پروردگار کی طسراہ پکڑے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے فائدہ کے لیے کہہ رہا ہوں میں تم سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں چاہتا اور اگر باوجود اس بات کے پھر بھی آپ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اس زندہ خدا پر بھروسہ کیجئے کہ جسے کبھی موت نہیں وہ تیرے لیے کافی ہے اور جب تیرا مددگار حی لا موت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذوالجلال حی لا موت ہے آپکے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ انکی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیے۔ اور سبحانک اللہم و بحمدک یا سبحان اللہ

و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ پڑھتے رہتے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهُ تَظْمِنُ الْقُلُوبُ۔ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہتے اور تسبیح بھی پڑھتے رہتے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پرواہ نہ کیجئے اس لیے کہ خدا اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے وہ انکو ان کے گناہوں کی سزا دیگا۔ مجرمین خواہ کتنے ہی بے شمار کیوں نہ ہوں مگر کوئی اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے کہ وہ خداوند وہ ہے کہ جس نے چھ دن کی مقدار میں آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم اور اسکی خبر نہ ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان کے لائق ہے اور تمام مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق چیز وہ عرش مجید ہے جو تمام آسمانوں سے بلند اور برتر ہے اور تمام عالم کو محیط ہے عرش لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں اور اس جگہ عرش سے وہ جسم عظیم مراد ہے جو تمام عالم کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کا جلوہ گاہ ہے وہیں سے فرشتوں پر اللہ کے پیغام اور احکام نازل ہوتے ہیں اس کا بیان سورۃ اعراف کے رکوع ہفتم کے شروع میں اور سورۃ یونس کے شروع میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور وہی خدا رحمن ہے جس کی رحمت تمام مخلوقات کو محیط ہے پس اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لو کہ خداوند ہر بان کی کیا شان ہے یہ جاہل مشرک کیا جانیں اور انکی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جائے کہ رحمن کو سجدہ کرو جو بڑا رحم کرنے والا ہے اور اسکی رحمت تمام عالم کو محیط ہے تو یہ نادان یہ کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے جس کے سامنے آپ ہم کو سجدہ کرنے کا حکم دیتے ہیں، یہ جاہل خدا کی ذات و صفات سے بالکل بے خبر ہیں۔ بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم اس چیز کو سجدہ کریں جس کے سجدہ کرنے کا تو ہم کو حکم دیا ہے اور رحمن کا نام یا رحمن کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم ان کی نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے یہ نام سن کر ایمان سے اور راہ حق سے اور بھاگنے لگتے ہیں۔ یہ مقام۔ بالا جماع مقام سجدہ ہے امام اعظمؒ کے قول پر یہ سوال سجدہ ہے اور امام شافعیؒ کے قول پر اٹھواں سجدہ ہے۔ فتوحات مکیہ میں ہے کہ یہ سجدہ سجدہ نفور و انکار ہے مؤمن جب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو سجدہ سے نفرت کرنے والوں اور بھاگنے والوں سے ممتاز اور جدا ہو جاتا ہے اس لیے اس سجدہ کو سجدۃ امتیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔

تمتہ دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ - تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سُبُحًا... اَرَادَ شُكْرًا۔
(ربط) گزشتہ آیات میں دلائل قدرت کا بیان تھا اب پھر بعض عجائب قدرت کو ذکر کرتے ہیں۔ بہت ہی بڑی برکت والی ہے وہ ذات پاک جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور رکھا آسمان میں ایک چراغ یعنی آفتاب جو تمام دنیا کے لیے چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو جہان میں اندھیرا ہو جاتا اور بنایا اس میں ایک چاند روشن یا روشن کرنے والا جو روشنی میں آفتاب سے کم ہے، دونوں کا یہ تفاوت بھی اسکی قدرت کا کرشمہ ہے کہ ایک کو زیادہ روشن بنایا اور ایک کو کم۔ ایک دن میں نکلتا ہے اور ایک رات میں۔

مجاہد اور سعید بن جبیر ابوصالح اور حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں۔ برج کے اصل معنی ظہور کے ہیں چونکہ بڑے بڑے ستارے ظاہر ہیں اس لیے انکو برج فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمانی قلعے مراد ہیں جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں جیسا کہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور محمد بن کعبؓ اور ابراہیم نخعیؒ اور سلیمان بن مہرانؒ اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۲ ج ۳۔

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

- ۱۔ حمل ۲۔ ثور ۳۔ جوزا ۴۔ سرطان ۵۔ اسد ۶۔ جدی ۷۔ میزان ۸۔ عقرب ۹۔ قوس ۱۰۔ جدی ۱۱۔ دلو ۱۲۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بیل کی اور کہیں کچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے اس لیے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اسکو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین سے لیکر آسمان تک اپنی مخلوق کے لیے ایک عالیشان مکان بنایا جس کو آفتاب اور ماہتاب اور کواکب اور نجوم سے روشن اور مزین کیا اور سامانِ معیشت مہیا کیا یہ سب اسی رحمان کی رحمت کا کرشمہ اور جلوہ ہے جس کے لیے سجدہ کرنے سے یہ نفرت کرتے ہیں کیا اسکی قدرت نہیں کہ اس نے چاند اور سورج کو پیدا کیا اور ہر ایک کی نورانیئت اور حرارت میں فرق رکھا اور اس اختلاف سے دنیا کے فوائد کو مربوط کر دیا۔ اب اس کے بعد اپنی قدرت اور رحمت کا ایک اور کرشمہ ذکر کرتے ہیں کہ اس نے دن اور رات بنائے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ دہی ہے جس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا۔ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آ رہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک دوسرے کا قائم مقام ہو سکتا ہے کہ آدمی رات کا کام دن میں اور دن کا کام رات میں کر سکتا ہے لہذا اگر کسی سے رات کا درد فوت ہو گیا ہو تو دن میں اسکی تلافی کرے جیسا کہ فاروق اعظمؓ سے منقول ہے، بہر حال یہ پئے در پئے آمد و رفت اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا تذکرہ اور نصیحت ہے اس شخص کے لیے کہ جو نصیحت پکڑنا چاہے۔ اگر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ لیل و نہار کی یہ آمد محض اسکی قدرت کا کرشمہ ہے یا اس شخص کے لیے جو شکر گزاری کرنا چاہے۔ اگر ذرا غور کرے تو سمجھ لے کہ رات دن کا آگے پیچھے آنا رحمن کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور اسکی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔ ان آیات میں تو رحمن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں رحمن کے مخلص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔



وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا

اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دے پاؤں

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝۶۳ وَالَّذِينَ

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ کہیں "صاحب سلامت"۔ اور وہ جو

يَبْتَغُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۶۴ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ

رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے۔ اور وہ جو کہتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

اے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب بڑی

غَرَامًا ۝۶۵ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۶۶ وَالَّذِينَ

چٹی ہے۔ وہ بُری جگہ ہے ٹھہار کی اور بُری جگہ رہنے کی۔ اور وہ کہ جب

إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يَسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ

خرچ کرنے لگیں نہ اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک

قَوَامًا ۝۶۷ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَ

سیدھی گزران۔ اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ اور حاکم کو، اور نہیں

لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

خون کرتے جان کا جو منع کی اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری

يَزْنُونَ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝۶۸ يُضَاعَفْ

نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ بھڑے گناہ سے۔ دونا ہو اس

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۝۶۹ إِلَّا

کو عذاب دن قیامت کے اور پڑا رہے اس میں خوار ہو کر۔ مگر جس

مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دے گا

اللَّهُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۴۰

اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں - اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان - اور

مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝۴۱

جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ -

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝۴۲

اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر نکل

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا

جاویں بزرگی رکھ کر - اور وہ کہ جب انکو سمجھائیے اُن کے رب کی باتیں نہ ہو پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَعَعْيَانًا ۝۴۳

ان پر بہرے اندھے - اور وہ جو کہتے ہیں اے رب! دے ہم کو

مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ

ہماری عورتوں کی طہر سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک، اور کرہم کو پرہیزگاروں کے

إِمَامًا ۝۴۴

آگے - ان کو بدلائے گا کوٹھوں کے جھڑکے، اس پر کہ ٹھہرے رہے اور لینے

فِيهَا تَحِيَّةٌ وَسَلَامٌ ۝۴۵

آویں گے انکو وہاں دعا اور سلام کہتے - رہا کریں گے ان میں - خوب جگہ ہے ٹھہرے کی

وَمُقَامًا ۝۴۶

اور خوب جگہ رہنے کی - تو کہہ پروا نہیں رکھتا میرا رب تمہاری! اگر تم اس کو نہ پکارا کرو - سو تم

كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝۴۷

جھٹلا چکے، اب آگے ہوتا ہے بھینٹا -



مدح عبادِ رحمان و ذکر شمائل اہل ایمان و عرفان

قال الله تعالى وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا... إلخ.. فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (رابطہ) گزشتہ آیات میں رحمان سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا، اب آئندہ آیات میں عبادِ رحمن یعنی رحمان کے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ رحمن کے بندے رحمن کی رحمتوں کا اور اس کی نعمتوں کا عملی طور پر کس طرح اور کس صورت میں شکر کرتے ہیں لہذا جو شخص رحمن کے آثارِ رحمت و نعمت کے تشکر کا ارادہ کرے اور رحمن کے آثارِ قدرت و عجائبِ صنعت میں تفکر اور تدبیر کا ارادہ کرے تو اسکو چاہیے کہ وہ رحمن کے شکر گزار بندوں کے نقش قدم پر چلے اور اگر برائے غفلت اس سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو توبہ کرے، رحمان اپنی رحمت سے اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا پھر اخیر میں عبادِ رحمن کے درجات و رفیعہ اور منازلِ عالیہ کا ذکر کیا اور بتلادیا کہ جو رحمن سے نفرت کرے تو خدا کو اسکی کوئی پروا نہیں، وہ سب سے غنی اور بے نیاز ہے بارگاہِ رحمن میں تقرب اور خصوصیت کا دار و مدار محض عبدیت پر ہے۔

(رابطہ دیگر) حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔ تمام قرآن میں حق جل شانہ کی یہ سنت جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ جا بجا اہل ہدایت اور اہل ضلالت کو میزانِ عدل پر رکھ کر تولتے ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں ایک فریق کو عذاب کا وعدہ دیتے ہیں اور ایک فریق کو نعمائے جنت کی بشارت سناتے ہیں اور دونوں فریق کے ان اوصاف کا ذکر کرتے ہیں جن کے ساتھ وہ معروف و مشہور ہوں پس اسی قاعدہ کے مطابق سورۃ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کفار کے شہادت و اعتراضات اور ان کے جاہلانہ خصائل و عادات کا ذکر کر کے انکی پاداش کا ذکر کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد مقررین اور انکی صفاتِ ثابتہ و مشہورہ کا بیان کیا اور وہ صفات یہ ہیں۔

- (۱) حلم اور تواضع (۲) مداومت بر نماز تہجد (۳) خوف از عذابِ آخرت
- (۴) اعتدال و اقتصاد (۵) توحید اور اخلاص فی العبادت (۶) ترک کثرتِ خون یعنی فتنہ و فساد سے دور رہنا۔
- (۷) اجتناب از زنا (۸) احتراز از مجالس کذب و دروغ (۹) تذکر ہ وقت استماع و غلط۔
- (۱۰) بارگاہِ الہی میں دعا کرتے رہنا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جو اہل ایمان حاضر تھے وہ ہاجرین اولین تھے لہذا یہ آیت ہاجرین کی فضیلت کے لیے کافی ہے اور بس۔ (ازالۃ الخفاء)

چنانچہ فرماتے ہیں اور رحمن کے خاص النخاص بندے وہ ہیں جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہیں۔

- (۱) جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی بغیر تکبر اور سرکشی کے چلتے ہیں۔ تواضع ان پر ایسی غالب ہے کہ انکی چال سے تواضع اور عاجزی نظر آتی ہے زمین پر آہستہ قدم رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ سست رفتاری سے چلے بلکہ

مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہے تو فرمایا کہ ارے تو کیا بیمار ہے اس نے عرض کیا اے امیر المؤمنین نہیں تو آپ نے اس پر ڈرہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت سے چلے جیسا کہ آج کل عیش پرستوں کا طریقہ ہے کہ اظہار نزاکت کے لیے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔

(۲۱) اور دوسری صفت انکی یہ ہے کہ بڑے سلیم الطبع اور حلیم الطبع ہیں۔ انکا طریقہ یہ ہے کہ جب نادان لوگ ان سے کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں جس میں جھگڑے اور فساد کا اندیشہ ہو تو یہ لوگ صاحب سلامت کر کے ان سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی نادان انکو ناشائستہ بات کہے تو اسکے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان سے لڑتے نہیں اور ان سے منہ ہی نہیں لگتے تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی نادان ان سے الجھنا چاہے تو وہ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔

(۳۱) اور عباد الرحمن کا دن تو اس طرح گزرا اور رات میں انکی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے لیے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ یعنی نماز میں کبھی کھڑے ہوتے ہیں کبھی سر بسجود ہیں۔ کما قال تعالیٰ کَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ۔

(۴۱) اور ایک صفت انکی یہ ہے کہ باوجود شب بیداری کے ان پر خوف خداوندی اس قدر غالب ہے کہ وہ یہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دیجیے۔ بے شک عذاب جہنم دائم اور لازم ہے اس سے خلاصی ممکن نہیں جس طرح قرضخواہ قرضدار کو چمٹ جاتا ہے اور اسکا پیچھا نہیں چھوڑتا اس طرح دوزخ کا عذاب گناہ گاروں کو چمٹے گا گویا وہ اسکے مقروض ہیں۔ نیز وہ دوزخ بلاشبہ بُری قرار گاہ اور بُری قیام گاہ ہے جو ہر قسم کی مصیبت اور ہر قسم کی ذلت کا مخزن ہے اس سے بُرا ٹھکانا کوئی نہیں۔ دوزخ گناہ گاروں کے لیے چند روزہ قرار گاہ ہے اور کافروں کے لیے دائمی قیام گاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان عباد الرحمن پر خدا کا خوف اس درجہ غالب ہے کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں انکو نہ اپنے پر و توفیق ہے اور نہ نماز ہے۔ ناز کی بجائے غلبہ نیاز کا ہے۔

(۵۱) اور نعمت مال کے استعمال میں عباد الرحمن کی صفت یہ ہے کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ بجا خرچ کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور انکا خرچ اسراف اور بخل کے بین بین ہے۔ اسراف کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حدود شریعت سے تجاوز کرنے کے ہیں جس جگہ شریعت نے خرچ کرنے کی ممانعت کی ہے۔ وہاں خرچ کرنا یہ اسراف ہے مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا یا نام و نمود کے لیے خرچ کرنا یہ اسراف ہے اور تنگی اور کمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مال کے حقوق واجبہ نہ ادا کرے اور شریعت نے ان دونوں باتوں کو یعنی اسراف اور بخل کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اسپیڈیہ الاعتدال اور توسط ہے مسند احمد میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من فقه الرجل قصده في

معیشۃ

کی دانائی ہے۔

اور مسند احمد میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما عال من اقتصد۔ محتاج نہیں ہوا وہ شخص جس نے خرچ میں اعتدال

اور میانہ روی کو ملحوظ رکھا۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے عبادِ رحمن کی پانچ صفتیں ذکر کیں اور یہ پانچوں صفتیں۔ طاعتیں تھیں جن کو وہ بجالاتے تھے۔

اب آئندہ آیت میں معاصی کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ شرک اور معصیت سے بچتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۶) اور عبادِ رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے یعنی شرک نہیں کرتے صرف ایک

اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ غیر اللہ

کو معبود ٹھہرنا قوت و ہمیہ کا اثر ہے۔ اور قتل ناحق قوت غضبہ کا اثر ہے اور زنا قوت شہویہ کا اثر ہے جیسا کہ آئندہ

آیت میں ان دونوں کا ذکر آتا ہے۔

(۷) اور عبادِ رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ نہیں مار ڈالتے اس جان کو جس کے مارنے کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ جیسے

مسلمان کی جان یا کافر ذمی کی جان مگر حق کے ساتھ۔ یعنی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے مگر حق کے مطابق قتل کرتے

ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہو وہ قتل حق ہے، جیسے مرتد

کا قتل کرنا اور بطور قصاص کسی کو قتل کرنا اور رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کر دینا اور پھانسی دینا اور شادی شدہ

زانی کا قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب قتل حق ہیں۔ بحق شرع ان کے قتل کرنے کا حکم ہے

یہ قتل معصیت نہیں بلکہ عبادت ہے۔ بلا وجہ شرعی کسی کو مارنا یہ قتل ناحق ہے۔

کہ بے شرع آب خوردن خطا است۔ وگرہوں بتقویٰ بریزی رواست

(۸) اور عبادِ رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے کسی کی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسایہ

کی عورت سے زنا کرنا بدترین گناہ ہے۔

اب آئندہ آیت میں ان افعالِ قبیحہ کے مرتکب کو سزا کی وعید سناتے ہیں اور توبہ کرنے والوں سے معاف کرنے

کا وعدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے جنکا اوپر ذکر ہوا یعنی شرک کرے یا قتل ناحق کرے

یا زنا کرے تو اپنے کیے ہوئے کے وبال کو پاوے گا۔ اور اس کی سزا بھگتے گا۔ اور اپنے فعل کی سزا پاوے گا۔ تیار است

کے دن اسکو دو ہر عذاب دیا جائیگا اور وہ ذیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ قرآن کریم کی دوسری آیتوں میں

آیا ہے کہ کفار کے حق میں عذاب دہمدم زیادہ ہوتا رہے گا کما قال تعالیٰ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا بَاطِلًا

الْعَذَابِ۔

مگر جس نے کفر اور شرک اور معصیت سے توبہ کی یعنی اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہوا اور آئندہ کے لیے عہد کیا

کہ اب آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا اور نیک کام کیے سب سے بڑا

نیک کام یہ ہے کہ یہ عزم مصمم کرے کہ تاجیات شریعت پر عمل کروں گا۔ تو ایسے لوگوں کے لیے جہنم کا دائمی عذاب

نہ ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا جب اس نے اپنی برائیوں کو ندامت اور شرم ساری سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اسکی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا اور ان کے عذاب کو ثواب سے بدل دیا۔ قیامت کے دن توبہ کرنیوالے کو خدا کے فضل و رحمت سے ہر بدی کے بدلے نیکی ملے گی اور میضون متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ یا بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کے بدلے نیکیوں کی توفیق عطا کرے گا اور گزشتہ گناہوں کو معاف کر دے گا یا یہ معنی ہیں کہ سچی توبہ کی برکت سے خدا تعالیٰ اسکا مزاج ہی بدل دیگا کہ بجائے گناہوں کے نیکیوں کی طرف دوڑنے لگے گا۔ جو نافرمان غلام جرم کے بعد اپنے کیے پر شرمسار ہو کر آقا کے قدموں پر جا گرے تو ساری ناراضی مبدل برضا و خوشنودی ہو جاتی ہے مگر مشروط یہ ہے کہ وہ توبہ حقیقی توبہ ہو۔ سیاسی توبہ نہ ہو کہ محض زبان سے یہ کہے کہ میں اپنے الفاظ کو واپس لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے جس درجہ کی توبہ اور ندامت ہوگی اسی درجہ کی مغفرت اور رحمت ہوگی۔

ان آیات میں کافر کے گناہوں کا ذکر تھا جو اس نے بحالت کفر کیے اور پھر ایمان لے آیا اب آئندہ حالت اسلام میں گناہوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جو حالت اسلام میں گناہ کر بیٹھے تو جب بھی توبہ کرے گا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو بھی گناہوں سے توبہ کرے اور نیک کام کرے تو وہ بیشک رجوع ہوتا ہے اللہ کی طرف اچھا رجوع ہونا اور ظاہر ہے جو نور السموات والارض کی طرف رجوع کرے گا تو اسکی ظلمتیں مبدل بانوار ہو جائیں گی۔ گزشتہ آیات میں کافر کی توبہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں مومن کی توبہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے توبہ کا مضمون مکمل ہو گیا اور عباد الرحمن کے اوصاف کا تتمہ ہو گیا کہ یہ خدا کے خاص بندے اگرچہ طاعات کے بحالانے والے اور محصیت سے بچنے والے ہیں لیکن اگر بمقتضائے بشریت ان سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں اب آگے پھر انہی عباد الرحمن کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۹) اور منجملہ ان کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یا یہ معنی ہیں کہ وہ کسی بیہودہ اور باطل اور خلاف شرع کام کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتے۔ جیسے یہود اور نصاریٰ اور کافروں کی عیدوں میں یا ان کے میلوں میں یا ناپح گانے کی مجلسوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور نہ کسی نوحہ اور ماتم کی مجلس کے قریب جاتے ہیں یعنی خود گناہ کرنا تو درکنار گناہ کی مجلس میں بھی شامل نہیں ہوتے۔ گناہ کو دیکھنا اور گناہ گاروں کو دیکھنا یہ بھی گناہ ہے جس طرح خلاف قانون کمیٹی میں شرکت ممنوع ہے اسی طرح خلاف شریعت مجلس میں بھی شرکت اور حاضری ممنوع ہے اور اگر اتفاقاً بلا قصد کسی لغو اور بیہودہ چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو کرمیہ انداز سے گزر جاتے ہیں تاکہ اس لغو و باطل کا میل کچیل یا اس کا گرد و غبار ان کے لباس تقویٰ کو آلودہ نہ کر دے۔ ایسی جگہ ٹھہرتے بھی نہیں اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یعنی گناہ میں شامل نہیں ہوتے اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرنے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں (موضع القرآن) کما قال تعالیٰ وَ إِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْمَوْا وُجُوهَهُمْ عَنَّهُ۔

(۱۰) اور وہ بندگان حق وہ لوگ ہیں کہ جب انکو ان کے پروردگار کے قرآن کی آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر مہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی غور و تدبر کے ساتھ انکو سنتے ہیں اور انکو سن کر روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں اندھے اور بہروں کی طرح نہیں سنتے کہ نہ یاد رکھیں اور نہ سمجھیں۔ برخلاف کافروں کے کہ ان پر آیات الہیہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کفر اور طغیان اور سرکشی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافر تو اندھے اور بہروں کی طرح ہیں کہ گویا کہ انہوں نے آیات الہیہ

کو نہ کچھ سنا اور نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سمجھا اور عبادِ رحمن کا حال یہ ہے کہ آیاتِ الہیہ کو خوب غور اور تامل سے سنتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کافروں کی طرح اندھے اور بہرے نہیں بلکہ آیاتِ الہیہ کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور چشم بصیرت سے ان کے جلوہ کو دیکھتے ہیں۔

اور بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ وہ آیتوں کو سن کر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی انکا گرنے سے بچے نہیں ہوتا بلکہ انکا سمجھنا اور بوجھنا ان کے گرنے کا باعث ہوا۔ وعظ و نصیحت نے ان کے دل میں جو اثر کیا اسکا منشا یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو خوب سمجھا ٹھوس کو چلبیسے کہ اپنے ہر کام میں بیداری اور بصیرت پر ہو۔

(۱۱) اور عبادِ رحمن کی ایک صفت یہ ہے کہ جب خود انکو کمال حاصل ہو گیا تو اپنے متعلقین کی تکمیل کی فکر میں پڑے کہ جو کمالات اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیے وہ انکی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ وہ دوسروں تک بھی متعدی ہوں اس لیے وہ عبادِ رحمن یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیٹیوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ہم کو بیویاں اور اولاد نیک عطا فرما جن کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، ہٹمن کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کی طاعت میں دیکھے اللہ کی طاعت سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں باقی دنیا کی تمام نعمتیں اور سترتیں سب اسکے بعد ہیں۔

اور یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنادے یعنی ہم کو ایسا کامل متقی اور پرہیزگار بنادے کہ دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں ہماری پیروی کریں تاکہ ہمارا وجود دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنے تاکہ تیری بارگاہ میں ہمارے درجے اور بلند ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم کو اور ہمارے خاندان کو خود بھی ہدایت ہو اور دوسروں کے لیے ہم کو ہادی بنادے کہ مجھ کو اور میرے خاندان کو دیکھ کر لوگ تقویٰ اور طہارت میں پیروی کریں ہماری ہدایت ہماری ذات تک محدود نہ رہے بلکہ غیروں تک بھی پہنچے تاکہ تیری بارگاہ سے بیش از بیش اجر و انعام حاصل کر سکیں۔ صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزوں سے۔

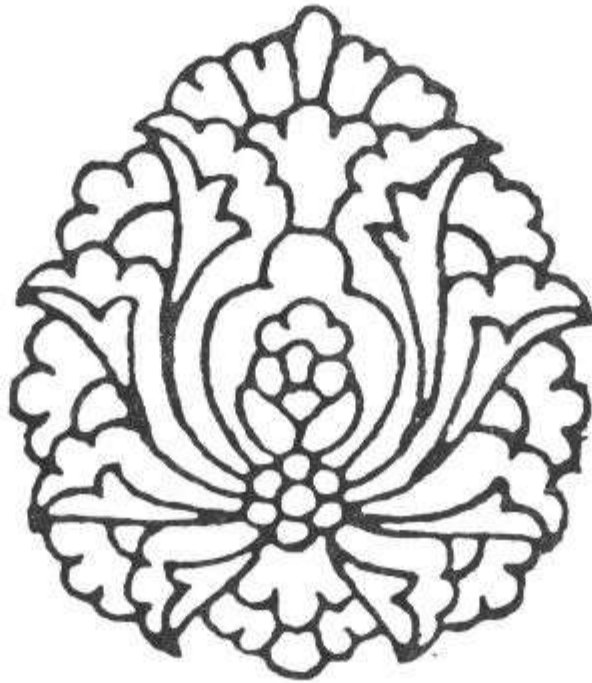
ایک فرزند صالح جو اس کے لیے دعا کرے۔ دوسرے علم کہ جس سے اس کی موت کے بعد نفع اٹھایا جاوے (جیسے تصنیف و تالیف) اور تیسرے صدقہ جاریہ (جیسے وقف اور مسجد اور مدرسہ دینیہ اور کنواں اور مسافر خانہ اور قرآن شریف اور دینی کتابیں) انکا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

یہاں تک عبادِ رحمن کے اوصاف کو بیان کیا اب آگے انکی حسنِ جزا اور درجاتِ عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں جو آخرت میں انکو عطا ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو ارحم الراحمین کے فضل اور رحمت سے بہشت میں رہنے کے لیے بالا خانے عطا رکھے جائیں گے بوجہ اسکے کہ وہ اللہ کے دین اور اسکی طاعت پر ثابت قدم رہے اس صبر کے صلہ میں انکو عالی شان محل اور بالا خانے ملیں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں بڑا صبر کیا۔ طاعات کی مشقتوں پر اور شہوات کے چھوڑنے پر صبر و تحمل سے کام لیا۔ اس صبر کے صلہ میں انکو جزا ملے گی اور پائیں گے وہ بہشت میں دعا و زندگی اور سلامتی کو یعنی جنت میں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل ہونگے فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور انکو دعا دیں گے اور سلام کریں گے۔ سَلَامٌ

عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ یعنی فرشتے انکو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے اور انکو لے کر جنت میں پہنچا دیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ تنجیہ تعظیم و دعا تو فرشتوں کی جانب سے ہوگا اور سلام حق تعالیٰ کی جانب سے ہوگا ہمیشہ اسی بہشت میں رہیں گے اور بلاشبہ نہایت عمدہ آرام گاہ اور قیام گاہ ہے اے نبی آپ ان مشرکوں سے یہ کہہ دیجئے کہ عبادِ رحمن طاعت اور عبادات اور اعمالِ صالحہ کے سبب سے ان مراتب اور منازل تک پہنچے۔ میرا پروردگار تمہاری کیا پرواہ کرے گا اگر تم اسکی عبادت نہ کرو اور نہ اس سے دعا اور التجا کرو۔

پس جب تم کو خدا کی پرواہ نہیں تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے خدا سے لاپرواہی تکبر ہے جس پر سزا کا ملنا لازمی ہے۔ پس تم اس رسول کی تکذیب کر چکے ہو پس عنقریب یہ تکذیب تم کو وبالِ جان بن کر چٹنے کی خواہ اس دنیا میں جیسا کہ بدر وغیرہ میں تمکو اس کی سزا ملے گی یا آخرت میں۔ اور وہ ظاہر ہے اور آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا ہی نہ ہوگا ظاہر یہ ہے کہ التزام سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور عبداللہ بن مسعود سے یہ منقول ہے کہ التزام سے دنیوی عذاب مراد ہے جیسا کہ بدر کے دن ستر سردارانِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مارے گئے اور ذلت اور حقارت کے ساتھ بدر کے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔

الحمد لله کہ آج بروز سہ شنبہ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ بوقت اذانِ ظہر سورۃ فرقان کی تفسیر سے فراغت پائی۔ اے اللہ اپنی رحمت سے باقی تفسیر کے مکھننے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آمین
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ
سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ وعلینا معهم یا ارحم
الرحمین



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَلِأَحَدِ عَشَرَ رُكُوعًا

سورت شعراء کی ہے اس میں دو سو تیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوئی۔ شعراء کا ذکر اس لیے کیا تاکہ شعراء اور انبیاء میں فرق ظاہر ہو جائے کہ نبی منبع ہدایت ہوتا ہے اور شاعر مصدر غلوات ہوتا ہے گزشتہ سورت کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے۔ گزشتہ سورت میں مشرکین اور منکرین نبوت کے اعتراضات نقل کر کے ان کے جواب دیئے مشرکین کے اعتراضات اگرچہ جاہلانہ اور معاندانہ تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بمقتضائے شفقت و رأفت انکے اس معاندانہ رویے سے بچا اور صدمہ ہونا آپ کی تمنایہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اس لیے اس سورت کے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو کیا آپ اس غم اور صدمہ میں گھٹ کر اپنے آپکو ہلاک کر دیں گے۔ بعد ازاں آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاء الو العزم کا اور انکی سرکش امتوں کا تذکرہ کیا اور بتلادیا کہ ان سرکشوں کی اس قسم کی معاندانہ باتیں نئی باتیں نہیں۔ پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں قرآن کریم کی حقانیت بیان کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور معاندین اور مستہزین کی تہدید کے لیے انبیاء کرام کے قصص اور مواعظ بلیغہ ذکر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپ کی نبوت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے پھر اخیر سورت میں قرآن کی حقانیت کا ذکر فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریلؑ آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی پھر اسکی حقانیت پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ اس کتاب کا ذکر زبر و ادین اور صحائف انبیاء سابقین میں مذکور اور موجود ہے پھر قرآن کے عربی زبان میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ افتاء شیطانی اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔ اول یہ کہ ملائع اعلیٰ تک جو محل نفاذ احکام الہیہ ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ لہذا یہ قرآن نہ شعر ہے اور نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے بلکہ کلام الہی ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ایک روشن کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوتا ہے اور ہدایت خلق اور اصلاح اخلاق و اعمال کے لیے نازل ہوئی اور شعر کو اور سحر کو ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال سے کیا تعلق ہے؟

آیاتہا ۲۲ = سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ = ۲۴ رُكُوعَاتُهَا ۱۱

سورۃ شعراء مکی ہے اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ۔

طَسْمَ ۱ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ

یہ آیتیں ہیں کھول سُنائی کتاب کی۔ شاید تو گھونٹ

نَفْسَكَ ۳ اَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۴ اِنْ نَّشَأْنُزِّلْ عَلَيْهِمْ

مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔ اگر ہم چاہیں اتار دیں ان پر

مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۵

آسمان سے ایک نشانی، پھر وہ جاویں انکی گردنیں اس کے آگے نیچی۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرِ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوا

اور نہیں پہنچتی ان پاس کوئی نصیحت رحمن سے نئی، جس سے

عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۶ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ اَنْبَاءُ مَا

منہ نہیں موڑتے۔ سو یہ جھٹلا چکے، اب پہنچے گی ان پر حقیقت

كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۷ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ

اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھتے زمین کو کتنی

اَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۸ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اگائی ہم نے اس میں ہر بھانت بھانت چیزیں خاصی؟ اس میں البتہ

لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۹ وَاِنَّ رَبَّكَ

نشان ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۙ

ہے زبردست رحم والا۔

ذکر حقانیت کتابِ مبین و تہدیدِ مبین و مستہزئین

قال اللہ تعالیٰ طَسَّمَ تِلْكَ الْكِتَابِ الْعُبَيْنِ... اِلٰی... وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (دبیط) گزشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے ہوا اور اختتام مکذبین کی وعید پر ہوا اسی طرح اس سورت کا آغاز حقانیت قرآن اور مکذبین کی وعید اور تہدید سے فرماتے ہیں طسم والہذا علم بمرادہ۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی جس کا اعجاز اور سرچشمہ ہدایت ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

اے نبی اگر یہ بد نصیب ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے غم میں کیوں گھٹے جاتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ اپنی جان کو اس گھٹن میں ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والے کیوں نہیں بنتے جو شخص اپنے خویش و اقارب کو آگ میں گرتا ہوا دیکھے تو لا محالہ اس کا دل بے چین ہو جائیگا۔ اسی طرح اللہ کا نبی جب یہ دیکھتا کہ یہ لوگ کفر کر کے جہنم میں گر رہے ہیں تو بے اختیار دل پر صدمہ ہوتا تو آپ کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اللہ کا ارادہ اور اسکی مشیت یہ نہیں کہ سب ایمان لے آئیں۔ وَ كَوْشَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا۔ لہذا آپ اس حسرت میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ۔ فَلَئِنَّكَ بَآخِرُ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ اِنْ تَمُرُّ يَوْمَهُمُ مِنْهُ اِذْ هَذَا الْخَدِیْثُ اَسْفَاہُ بَیْشَکْ بِمَقْتَضَاۤیِ شَفَقَتِ وَرَحْمَتِ دِل چاہتا ہے لیکن ایمان لانے پر مجبور کر دینا وہ آپ کے اختیار میں نہیں وہ ہمارے اختیار میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے اپنے جلال اور قہر کی کوئی نشانی اتار دیں پھر ان گردن کشوں کی گردنیں اس نشانی کے سامنے جھکی ہی رہیں۔ یعنی انکو مان لیں اور اس سے گردنیں نہ پھیر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی نشانی نازل کر دیں کہ اسکو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں لیکن فضائے الہی جاری ہو چکی ہے کہ ایسی نشانی نازل نہیں کی جائے گی جو ایمان لانے پر مجبور کر دے، خلاصہ یہ کہ اللہ کی مشیت ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہوئی ہے لہذا آپ کا ان کے ایمان کی حرص اور طمع میں پڑنا بے سود ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے عناد کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس خدائے رحمن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آتی ہے تو یہ معاندین اس سے منہ پھیرنے والے ہو جاتے ہیں سوان کا یہ اعراض اور یہ روگردانی شبہ کی وجہ نہیں بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ تحقیق یہ لوگ قرآن کو اور رسول کو جھٹلا چکے ہیں اور اس کو کھیل اور تمسخر بنا چکے ہیں اور اپنی تکذیب پر مصر ہیں پس عنقریب ان کے پاس اس چیز کی حقیقت ان کے سامنے آجائے گی جس کی یہ ہنسی اڑا یا کرتے تھے یعنی ان کو اپنے استہزاء اور تمسخر کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا اور اگر ان لوگوں کو خدا کی وحدانیت اور کمال عظمت و قدرت میں کوئی تردد ہے تو کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے محض اپنی قدرت سے ہر قسم کے عمدہ اور قابلِ قدر گھاس اُگائے ہیں۔ کسی مادہ یا بیتھرمیں یہ قوت نہیں

کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے گھاس اگا سکے یہ سب خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ان انواع و اقسام کو پیدا کیا۔ بیشک زمین سے اس طرح اگانے میں اللہ کے کمال قدرت و حکمت کی بڑی عظیم الشان نشانی ہے جو ہر وقت انکی نظروں کے سامنے ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تمہاری زمین قلب میں جو استہزاء کا تخم موجود ہے، اللہ تعالیٰ اس خبیث تخم سے تمہارے لیے ذلت اور مصیبت کا کوئی درخت پیدا کر دے جیسے تخم کے مطابق زمین سے قسم قسم کی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح انکی زمین قلب سے ان کے عقائد اور اعمال کے مناسب نتائج ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کی قدرت کی یہ نشانی نظروں سے مخفی نہیں لیکن ان معاندین میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں اللہ کے علم میں وہ قطعی کافر ٹھہر چکے ہیں اور بیشک تیرا پروردگار بڑا غالب اور تبار ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ کافروں پر کوئی بلا نازل کرے اور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے کہ باوجود بے سروسامانی کے انکو عزت اور غلبہ دے لہذا جب حقیقت حال یہ ہے تو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور کافروں کے کفر کو اللہ کی حکمت اور اسکی مشیت کے حوالہ کریں اور ان پر کچھ غم اور حسرت نہ کریں۔

اس کے بعد آپ کی تسلی کے لیے سات پیغمبروں کے قصے بیان کرتے ہیں کہ ان معاندین کا حال پہلی قوموں کے معاندین جیسا ہے انکو کیسی ہی نشانیاں دکھلاؤ یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں لہذا آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں

- (۱) حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت درجہ کے صاحب صبر و تحمل تھے۔
- (۲) اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب ہود و کرم تھے اور اللہ کے عشق اور محبت میں فنا تھے۔
- (۳) اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اصحاب شکر میں سے تھے کہ اللہ کی ظاہری اور باطنی اور دینی اور دنیاوی نعمتیں ان پر مبذول ہوئیں مگر باوجود اس کے وہ شکر خداوندی میں غرق رہے اور منعم حقیقی سے غافل نہ ہوئے۔
- اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام اصحاب زہد میں سے تھے اور نفس اور شہوت پر غالب اور قہار تھے اور دنیا سے بھی کنارہ کش تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام شکر اور صبر دونوں کے جامع تھے۔ ضراء میں صبر کیا اور سراء میں شکر کیا اور حضرت یونس علیہ السلام صاحب تفرع و تخشع تھے۔ بارگاہ خداوندی میں گریہ و زاری اور توجہ اور مراقبہ اور ذکر و تسبیح انکی خاص شان تھی۔

اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب جاہ و جلال اور صاحب ہمت و شجاعت تھے بارگاہ خداوندی میں ان کو خاص وجاہت اور قرب خاص اور اختصاص حاصل تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام فصاحت و بلاغت کے ساتھ صاحب رفیع و لہجہ بھی تھے یعنی مزاج میں غایت درجہ نرمی تھی اور ہمارے نبی اکرم سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام فضائل و کمالات کے جامع تھے۔

فمبلغ العلم فیہ انہ بشی ۛ و انہ خیر خلق اللہ کلہم۔

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزات عطا فرمائے جو انکی نبوت کی دلیل بنے اور انکی صداقت اور امانت کے شاہد اور

گواہ بنے مگر انبیاء سابقین کے معجزات انکی نفس نبوت کے علاوہ تھے جو انکی نبوت کی دلیل اور برہان تھے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا کیے وہ بھی اکثر و بیشتر اسی قبیل سے تھے کہ آپ کے دعوائے نبوت کی دلیل اور برہان تھے مگر معجزہ قرآن (جس کے ذکر سے اس سورت کا آغاز ہوا) جو آپ کو عطا ہوا وہ عین نبوت بھی تھا اور دلیل نبوت بھی تھا دیگر معجزات گزر گئے مگر معجزہ قرآن اور علیٰ ہذا معجزہ شریعت وہ تاہنوز اسی طرح باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔



وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوسٰى اَنْ اَنْتَ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰؑ کو جا اس قوم

الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝۱۰ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ط اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱

گناہ گار پاس - قوم فرعون پاس - کیا انکو ڈر نہیں ؟

قَالَ رَبِّ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲ وَيَضِيقُ صَدْرِىْ

بولا، اے رب ! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلا دیں۔ اور رُک جاتا ہے میرا جی

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِىْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُونَ ۝۱۳ وَ لَہُمْ

اور نہیں چلتی میری زبان، سو پیغام دے ہارون کو۔ اور ان کو مجھ

عَلٰى ذَنْبٍ فَاَخَافُ اَنْ يُّقْتُلُوْنَ ۝۱۴ قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا

پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ۔ سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں۔ فرمایا کوئی نہیں ! تم دونوں جاؤ

بَاٰتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝۱۵ فَاَتٰیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَا

اے کر ہماری نشانیاں ہم ساتھ تمہارے سنتے ہیں۔ سو جاؤ فرعون پاس اور کہو

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنٰی

ہم پیغام لاتے ہیں جہاں کے صاحب کا۔ کہ چلاوے ہمارے ساتھ

اِسْرَآءِیْلَ ۝۱۷ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ

بنی اسرائیل کو۔ بولا ہم نے پالا نہیں تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا؟ اور رہا تو

فِينَا مِنْ عَمْرِكَ سِنِينَ ۝۱۸ وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الَّتِي

ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس۔ اور کر گیا تو اپنا وہ کام جو کر

فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۱۹ قَالَ فَعَلْتُمَا إِذَا وَآنَا

گیا اور تو ہے نا شکر۔ کہا کیا تو ہے میں نے وہ اور میں

مِنَ الصَّالِّينَ ۝۲۰ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي

تمہا چوکنے والا۔ پھر بھاگا میں تم سے۔ جب تمہارا ڈر دیکھا۔ پھر بخشا مجھ

رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۲۱ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا۔ اور وہ احسان ہے جو

تَمْنَاهَا عَلَى أَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۲۲

تو مجھ پر رکھے غلام کر کے لیے تو نے بنی اسرائیل۔

قصہ اول حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام

قال الله تعالى وَ إِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ اِنَّ اَنْتَ الْخَوَّاهُ الظَّالِمِينَ.. الى.. اَنْ عَبَّدَتْ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۲۲
یہاں سے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے قصے ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قوم فرعون کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ جو مختلف مضامین پر مشتمل ہے مثلاً اثبات الوہیت و ربوبیت خداوندی اور اثبات نبوت و رسالت موسیٰ اور پھر اہل ایمان کی عجیب طریقہ سے نجات اور کفار کی عبرتناک ہلاکت کے بیان پر مشتمل ہے۔

ذکر عطاۃ منصب نبوت و رسالت و حکم تبلیغ و دعوت

یہ قصہ اگرچہ سورہ اعراف اور سورہ طہ میں بالتفصیل گزر چکا ہے لیکن یہاں پر ایک نئی شان سے اس قصہ کو ذکر فرماتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ان سہزادوں کی تہدید اور عبرت کے لیے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے جبکہ تیرے پروردگار نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور یہ حکم دیا کہ اے موسیٰ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس جا۔ جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور خدا کے ماننے

والوں یعنی بنی اسرائیل کو غلام بنایا جن کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ خدا کو کیوں مانتے ہیں اور پیغمبروں کے حکم پر کیوں چلتے ہیں کیا یہ ظالم اللہ کے عذاب سے ڈرتے نہیں۔ اس لیے اے موسیٰ تم کو انکی طرف بھیجا جاتا ہے کہ تم جا کر انکو حق کی دعوت دو اور اللہ کے عذاب سے انکو ڈراؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار یہ ظالم تو کیا ڈرتے اے میرے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں اور یہ کہیں کہ ہم تو رب العالمین ہی کے قائل نہیں اس کے لیے کسی رسول اور پیغمبر کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں اور طبعی طور پر میرا سینہ گھٹا جاتا ہے کہ ایسے سنگدلوں کو اللہ کا پیغام کس طرح پہنچاؤں اور علاوہ ازیں میری زبان بھی اچھی طرح نہیں چلتی اس میں کچھ لکنت ہے اور میل بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے پس آپ بذریعہ جبریل نبوت و رسالت کا پیغام ہارون کے پاس بھیج دیجئے اور انکو میرا وزیر بنا دیجئے۔ تاکہ وہ تبلیغ رسالت میں میری مدد کریں اور علاوہ ازیں میرے خوف کی ایک وجہ یہ بھی ہے انکا مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ ہے میں نے انکے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے جس کا قصہ سورہ قصص میں آئیگا سو اس لیے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ تبلیغ رسالت سے پہلے ہی مجھ کو اس قبیل کے عوض میں قتل نہ کر ڈالیں ایسی حالت میں کس طرح تیرا پیغام پہنچاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی تمکو قتل کر ڈالے لہذا تم ہرگز نہ ڈرو۔ پس تم دونوں ہماری نشانیوں کو ساتھ لیکر فرعون کے پاس جاؤ۔ نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انکو عطا کیئے تھے جیسے عصا اور ید بیضا کہ جو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور صداقت کے نشان تھے پس ان نشانات کو لیکر بے خوف و خطر تم روانہ ہو جاؤ بے شک ہم اپنے لطف و عنایت و حمایت و حفاظت سے تمہارے ساتھ ہیں اور جو بات تمہارے اور فرعون کے درمیان میں ہوگی وہ ہم سے پوشیدہ نہ ہوگی ہم اس کے خوب سننے والے ہیں جو تم کہو گے وہ بھی سنیں گے اور جو وہ کہے گا وہ بھی سنیں گے۔ پس تم دونوں بے خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کے سوالات سے مت گھبرو اور اس سے کہو کہ ہم دونوں رب العالمین کے رسول اور پیغمبر ہیں اسکا پیغام لیکر تیرے پاس آئے ہیں لہذا سب سے پہلے تو رب العالمین کی روبرویت پر اور اسکے رسولوں کی رسالت پر ایمان لا اور بعد ازاں بنی اسرائیل کو کہ جو رب العالمین کی روبرویت اور اسکے رسولوں کی رسالت پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور محض اس ایمان کی وجہ سے تو نے انکو اپنے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنایا ہوا ہے اس ظلم سے باز آ جا اور ان سے دست بردار ہو جا اور انکو ہمارے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ اپنے آبائی اور جدی مقام یعنی سرزمین شام میں چلے جاویں۔

امام قرطبی فرماتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر فرعون کے پاس گئے تو ایک سال تک فرعون کے دربار میں انکو رسائی نہ ہوئی آخر فرعون کے دربار میں ایک سال کے بعد آپکو رسائی ہوئی۔ دربان نے فرعون سے جا کر کہا کہ یہاں ایک انسان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ فرعون نے کہا کہ اچھا اسکو اندرانے کی اجازت دیدو۔ کچھ ہنسے اور دل لگی کرنے لگے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں اندر داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۹۴ ج ۱۳۔

موسیٰ علیہ السلام نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے دیکھ کر انکو پہچان لیا اور بچشم حقارت انکی طرف نظر کر کے بولا کیا ہم نے تجھ کو اپنے گھر میں نہیں پالا۔ درآنحالیکہ تو ایک نومولود بچہ تھا اور تو نے اپنی عمر کے ساہا سال ہم میں گزاریے ہیں۔ اٹھارہ یا بیس سال۔ اور پھر تو نے وہ کردار کیا جو تو نے کیا یعنی جو تجھے معلوم ہے مطلب یہ تھا کہ تو نے ہمارے گھر میں

پرورش پائی اور جوان ہوا اور پھر اس احسان کے بدلہ میں ہماری قوم کے ایک آدمی یعنی قبطی کو مار ڈالا اور احسان فراموشی کی اور تو ہماری نعمت کی ناشکری کرنے والوں میں سے ہے۔ اب تو ہمارے احسانات کو بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیرے تابع اور فرمانبردار بن جائیں۔ فرعون نے اول موسیٰ علیہ السلام کو اپنا احسان یاد دلایا تاکہ وہ شرمائیں اور بعد ازاں انکا ایک جرم یعنی قبطی کو قتل کرنے کا واقعہ یاد دلایا تاکہ ڈریں اور گھبرائیں کہ میں فرعون کا مجرم بھی ہوں اور ممنون احسان بھی ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دوسری بات کا پہلے جواب دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس ناپسائی کے الزام میں کہا کہ بے شک میں نے وہ کام کیا اور میں اس وقت غلطی کرنے والوں میں سے تھا۔ یعنی میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا۔ تنبیہ اور تادیب کی غرض سے اس کے ایک مکتا مارا تھا جس سے دفعۃً وہ مر گیا مجھے یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکتا لگتے ہی مرجائے گا وہ کام مجھ سے نادانستہ ہو گیا جان بوجھ کر میں نے نہیں کیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکتا مارنے سے ایک دم اسکا دم نکل جائے گا۔ کما قال تعالیٰ فَوَكَزَكَ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْكَ۔

پس جب میں تمہارے ظلم و ستم سے ڈرا تو تم میں سے بھاگ نکلا اور مدین چلا گیا حالانکہ جو فعل مجھ سے نادانستہ طور پر ہو گیا تھا وہ اس درجہ کا نہ تھا کہ اس سے ڈر کر بھاگ جائے لیکن تمہارے ظلم و ستم اور جوشِ عداوت اور بے عقلی نے مجھ کو بھاگنے پر مجبور کر دیا پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تم ظالموں سے نجات دی۔ اللہ کا ایک انعام تو یہ ہوا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دوسرا انعام یہ فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو خاص علم و حکمت اور خاص فہم و فراست عطا کیا اور مجھ کو پیغمبروں میں سے بنایا کہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو علم و حکمت دیکر اور رسول بنا کر بندوں کی ہدایت کے لیے بھیجا اگر تو نے مانا تو سلامت رہے گا ورنہ ہلاک ہو گا۔

فرعون کے دوسرے الزام کا جواب

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا احسان جتلیا تھا۔ اَلَمْ نَرْبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا۔ اسکا جواب تو موسیٰ علیہ السلام نے وہ دیا کہ جو گزر گیا اب اس کے دوسرے الزام کا جواب دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ تربیت اور پرورش جس کا تو ذکر کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ نعمت ہے اور نعمت کا احسان مجھ پر رکھتا ہے اس کو جتلا رہا ہے وہ درحقیقت نعمت اور احسان نہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا اور انکی نرینہ اولاد کو ذبح کرنے کا حکم دیا اس خوف سے میری ماں نے مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا جو اتفاق سے تجھ تک پہنچ گیا اور تو نے مجھ کو بیکر اور بیٹا بنا کر پال لیا اس طرح کئی سال میں تیری پرورش میں رہا۔ تو اس تربیت کی اصل علت تیرا ظلم و ستم اور شقاوت اور قسادت ہے اگر تو بنی اسرائیل کے بچوں کے ذبح کا حکم نہ دیتا تو میری ماں مجھ کو تابوت میں بند کر کے دریا میں نہ ڈالتی اور مجھے تیری پرورش کی ضرورت نہ ہوتی تمام بنی اسرائیل پر تیرا جبر و قہر اور تیرا یہ بے مثال ظلم و ستم میرے حق میں تیرے اس احسان کا سبب بنا تو یہ کوئی احسان نہیں کہ جس کو تو جتلا رہا ہے۔ اس احسان کا سبب تیرا وہ بے مثال ظلم و ستم ہے جو میری ولادت سے بھی مقدم ہے لہذا ایک فرد واحد کی تربیت پوری قوم کی عبدیت کے جواز کی کیسے دلیل بن سکتی ہے۔ تو نے

مجھ کو اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ پرورش تو بعد میں کی اور میری قوم کو میری پیدائش سے پہلے ہی غلام بنا چکا تھا، جس رب العالمین نے مجھ کو تیرے زہرہ گداز مظالم سے بچا کر تیرے ہی گھر میں میری پرورش کرائی ہے اسی رب العالمین نے مجھ کو تیری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

در بہ بستی و دشمن اندر خانہ بود : قصہ فرعون زیں افسانہ بود

اور اسی رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان بخلا رہا ہے، یہ سچ ہے تو مردہ ہے میں تیرے لیے ہدایت کا تریاق لیکر آیا ہوں ایک گھونٹ پانی لے زندہ ہو جائیگا۔

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباء و اجداد کو پیدا کیا ہے تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے رسول بھیجا ہے تو تو اسکی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے اب حیات دے کر بھیجا ہے تو اسکا ایک گھونٹ بھی پینے کے لیے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ

بولا فرعون، کیا معنی جہان کا صاحب؟ کہا صاحب

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ

آسمان و زمین کا، اور جو انکے بیچ ہے۔ اگر تم

مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٢٥﴾

یقین کرو۔ بولا اپنے گرد والوں سے تم نہیں سنتے ہو۔ ؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

کہا صاحب تمہارا، اور صاحب تمہارے اگلے باپ دادوں کا۔ بولا

إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ

تمہارا پیغام والا، جو تمہاری طرف بھیجا ہے، سو باؤلا ہے۔ کہا رب

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾

مشرق اور مغرب کا اور جو انکے بیچ ہے اگر تم بوجھ رکھتے ہو۔

قَالَ لَئِنْ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَكَ مِنْ

بولتا۔ اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوا تو مقرر کر ڈالوں گا تجھ کو

الْمَسْجُونِينَ ﴿۲۹﴾ قَالَ أَوْ كَوْجُتِكَ بِشَىءٍ مُّبِينٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ

قید میں۔ کہا اور جو لایا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی؟ بولا تو

فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَلْقَى عَصَاهُ

وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے۔ پھر ڈال دی اپنی لاٹھی

فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بِيضَاءُ

تو اسی وقت وہ ناگ ہو گئی صریح۔ اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت چٹا

لِلنَّظِيرِينَ ﴿۳۳﴾

ہے دیکھتوں کے سامنے۔

مکالمہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام با فرعون

در بارہ ربوبیت خداوند کون

قال الله تعالى قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ .. الى .. فَإِذَا هِيَ بِيضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ۔

فرعون اس گفتگو میں ذیل و خوار ہوا تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول اِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ یعنی ہم دونوں

اللہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں یعنی انکے دعوائے نبوت پر اعتراض شروع کیا۔ اور اللہ رب العالمین کی ربوبیت میں جھگڑا لگانے لگا

چنانچہ فرعون بولا اچھا بتاؤ کہ وہ رب العالمین جس کے رسول ہونے کا تو مدعی ہے وہ کیا چیز ہے وہ کون ہے اور کیا ہے

تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم رب العالمین کے رسول مرسَل ہیں یعنی اسکے فرستادہ ہیں لہذا تم کو چاہیئے کہ اول اپنے مرسَل (بھیجنے

والے پروردگار کو بتلاؤ کہ وہ کون ہے اور کیا چیز ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو رب العالمین کی عبادت اور اطاعت کی طرف بلایا اس لیے اس لعین نے پہلے رب العالمین کے متعلق سوال شروع کیا کہ اول تو تم اسکی الوہیت اور ربوبیت کو ثابت کر دینا ہری نبوت اور رسالت کے بارہ میں تو بعد میں غور کیا جائیگا۔

فرعون دہری تھا سرے سے خدا کے وجود کا منکر تھا وہ یہ کہتا تھا۔ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي۔ میں اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانتا اور اَنَا دَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ تمام ملک کے باشندے میرے محتاج ہیں لہذا میں ہی تمہارا خدا ہوں۔ فرعون دہری (منکر خدا) تھا کسی خدا اور خالق کا قائل نہ تھا اس احمق نے خدا کے معنی یہ سمجھ رکھے تھے۔ کہ لوگ جس کے محتاج ہوں وہی انکا خدا ہے جاہلوں کو یہ باور کرایا کہ ملک کا جو بادشاہ اور فرمانروا ہے وہی رعایا کا رب اعلیٰ ہے۔ کما قال تعالیٰ فَاسْتَخَفَّ قَوِّ مَدَّ فَأَخْلَعُوهُ۔ فرعون دہری تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ آسمان و زمین اور یہ تمام عالم قدیم ہے ازل سے ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلا آ رہا ہے اور ابداً آباد تک اسی طرح سلسلہ جاری رہے گا اور عالم میں موت اور حیات اور تغیرات کا جو سلسلہ جاری ہے وہ کوکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے کسی قادر مختار کی قدرت اور ارادہ کو اس میں دخل نہیں زمانہ حال کے جدید فلاسفہ بھی اسی کے قریب قریب یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم مادہ قدیمہ اور اسکی حرکت قدیمہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے خیال خام کا رد فرمایا۔

موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا جواب

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا وَمَا دَبُّ الْعَالَمِينَ۔ رب العالمین کیا چیز ہے اور وہ کون ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ رب العالمین جس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے وہ وہ ذات ہے کہ جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام چیزوں کا مربی اور مدبر ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو یقین کر لو کہ جو میں نے کہا ہے وہ بالکل حق ہے کہ جو ذات عالم علوی اور عالم سفلی اور ان کے درمیان کائنات کی خالق اور مربی اور مدبر اور متصرف ہے وہی ذات رب العالمین ہے تم کو یقین ہے کہ یہ تمام اشیاء تمہارے سامنے موجود ہیں اور نہایت بڑے بڑے اجسام ہیں اور کثیت اور کیفیت اور صفت اور حالت کے اعتبار سے غایت درجہ مختلف ہیں اور یہ تمام اجسام اس قدر عظیم اور جہیم ہیں کہ ان کے اجزاء کی شمار عقلاً محال معلوم ہوتی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا بے شمار اجزاء خود بخود مل کر خود بخود آسمان و زمین اور انسان اور حیوان بن گئے۔ عقل یہ کہتی ہے ہے کہ ہر مرکب شے کے لیے کوئی مرکب (ترکیب دینے والا چاہیے) پس جس ذات نے ان بے شمار اجزاء کو ترکیب دے کر اس عالم علوی اور سفلی کو بنایا اور جو ان کا مدبر اور ان میں متصرف ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو تو ایک حقیر اور ذلیل ہستی ہے نیز رب ہونا عقلاً محال ہے۔ فرعون نے خدا کی جنس اور ماہیت سے سوال کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کی صفات اور آثار قدرت سے جواب دیا اس لیے فرعون یہ جواب سن کر حیران رہ گیا۔ فرعون چونکہ وجود صانع کا قائل نہ تھا اس لیے اس نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ وَمَا دَبُّ الْعَالَمِينَ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔

فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر اپنے پاس والوں سے بطور تمسخر کہنے لگا کہ سنتے بھی ہو کہ کیسا جواب ہے اور یہ شخص کیا کہہ رہا ہے بڑی عجیب بات کہہ رہا ہے کیا میرے سوا بھی تمہارا کوئی رب ہے اس شخص کا زعم یہ ہے کہ آسمان اور زمین کا بھی کوئی رب ہے حالانکہ آسمان اور زمین تو قدیم ہیں ہمیشہ سے اسی طرح چلے آئے ہیں اور ہمیشہ اسی طرح قائم رہیں گے اور حرکت کرتے رہیں گے اس کے لیے کسی رب اور صانع کی ضرورت نہیں اور عالم کے تغیرات اور انقلابات نجوم اور کواکب کی حرکات مختلفہ کے آثار ہیں اس لیے عالم کے لیے کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ کا مذہب ہے۔ فرقہ دہریہ کا مذہب یہ ہے کہ آسمان اور زمین سب قدیم ہیں اسی طرح فرعون نے اپنے ارکان دولت سراپا جہالت سے کہا کہ کیا تم لوگ غور سے نہیں سنتے کہ یہ شخص آسمانوں اور زمین کا رب بتلانا ہے حالانکہ آسمان و زمین سب قدیم ہیں انکا کوئی رب نہیں یا کم از کم اب تک ہمارے نزدیک آسمان و زمین کا کسی رب اور کسی مدبر اور مؤثر کی طرف محتاج ہونا ثابت نہیں ہوا۔ دیکھو تفسیر مظہری ص ۶۷ ج ۱۔ جدید فلاسفہ اور قدیم فلاسفہ دونوں گروہ عالم کے قدیم ماننے میں شریک اور متفق ہیں۔ فرعون نے اپنی قوم کو مغالطہ دینے کے لیے یہ بات کہی تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر دوسرا جواب دیا جس میں فرعون کا یہ مغالطہ نہ چل سکے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دوسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی اس بات کے جواب میں یہ کہا کہ رب العالمین وہ ہے جو تمہارا اور تمہارے اگلے باب دادوں کا رب ہے آسمان و زمین کے بارے میں تو فرعون کا مغالطہ کچھ چل گیا کہ آسمان و زمین قدیم ہیں ہمیشہ ایک حال پر چلے آ رہے ہیں انہیں کسی رب اور کسی مؤثر اور مدبر کی ضرورت نہیں اس لیے کہ لوگوں کو زمین و آسمان کی پیدائش کا حال معلوم نہیں کہ کب پیدا ہوئے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے دوسری بار ایسی دلیل پیش کی کہ جس میں ارکان دولت کو اور کسی سننے والے کو شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہے اس لیے دوسری بار یہ فرمایا کہ رب العالمین وہ ذات ہے کہ جو تمہارا اور تمہارے آباء اجداد کا رب ہے اس لیے کہ یہ امر شاہدہ سے سب کو معلوم ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ نہ فرعون تھا اور نہ اسکی قوم کا وجود تھا اور نہ انکے آباء اجداد کا وجود تھا یہ تمام آباء اجداد اول پیدا ہوئے اور پھر اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر گئے۔ آسمان و زمین کی طرح آباء اجداد کو تو قدیم نہیں کہا جاسکتا اور نہ کوئی ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آسمان و زمین کی طرح آباء اجداد بھی قدیم ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے تھے اور چند روز اس دنیا میں رہے اور اپنے وجود کی مدت پوری کر کے پھر پردہ عدم میں جا چھپے اور زمین میں دفن ہو گئے۔

لہذا آباء اولین کا قدیم اور واجب الوجود ہونا تو عقلاً بھی محال ہے اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے ان سب کا عدم کے بعد وجود میں آنا اور پھر چند روزہ وجود کے بعد عدم وجود میں چلے جانا سب کی نظروں کے سامنے ہے جس کی کوئی تکذیب نہیں کر سکتا۔

اور عدم سے وجود میں آنا بھی حقیقت حدوث کی ہے اور وجود کے بعد عدم میں چلا جانا بھی حقیقت فنا اور زوال کی ہے پس جس چیز کا حدوث اور فنا و زوال نظروں کے سامنے ہوا اس کو قدیم اور واجب الوجود کہنا کھلی ہوئی حماقت ہے، آسمان و زمین کا حدوث اور ان کا فنا و زوال عام نظروں سے پوشیدہ ہے اس لیے آسمان و زمین کو تو ظاہر میں قدیم کہنے کی گنجائش ہے بھی، لیکن آباد اجداد کا حدوث اور فنا و زوال تو سب کی نظروں کے سامنے ہے کوئی نادان سے نادان بھی آباد اجداد کو قدیم اور واجب الوجود کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اے فرعون اسی طرح تو بھی پہلے زمانہ میں معدوم تھا بعد میں پیدا ہوا اب چند روز بعد آباء اولین کی طرح تجھے بھی موت آنے والی ہے۔ لہذا تو بھی حادث ہے اور فانی ہے کس برتنے پر تو الوہیت اور ربوبیت کا دعوے دار بنا ہوا ہے خوب سمجھ لے کہ رب العالمین تو وہ ہے کہ جو دائم اور قدیم اور حقیقی لایموت ہے جس کی بارگاہ میں عدم اور فنا کا کہیں گزر نہیں اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ تو ایک طویل اور غیر محدود عدم کے بعد وجود میں آیا ہے۔ تو مہینے تو نے مادر شکم میں گزارے ہیں اور چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے آباء و اجداد کی طرح مرکز زمین میں دفن ہونے والا ہے تو پھر تو رب کیسے ہو سکتا ہے۔ تیرا اور تیرے آباد اجداد کا دائرہ سلطنت مصر سے باہر نہ تھا۔ اور میں جس رب کی عبادت کی طرف تم کو بلارہا ہوں اسکی حکومت و سلطنت کا دائرہ مشرق و مغرب کو محیط ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تیرا اور تیرے آباد اجداد کا حادث ہونا یعنی عدم سے وجود میں آنا ایسا واضح اور روشن ہے کہ جس کا تو انکار نہیں کر سکتا تو عقلاً ضروری ہے کہ ہر حادث کے لیے ایک محدث چاہیے کہ جو اس کو عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ حادث چیزیں یعنی تو اور تیرے آباد اجداد خود بخود تو عدم سے نکل کر وجود میں نہیں آگئے پس اے فرعون جو ذات تجھ کو اور تیرے آباء اولین کو عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے وہی رب العالمین ہے اور اے فرعون تو اور تیرے آباد اجداد اجسام مرکبہ ہیں جو مختلف اجزاء سے مل کر بنے ہیں اور ذی حیات ہیں اور صاحب عقل ہیں اور پیدائش کے وقت سے لیکر مرنے تک عجیب و غریب تغیرات انکوائی ہوئے ہیں۔ تو کیا یہ تمام خود بخود بخود بلا کسی مرکب (ترکیب دہندہ) کے خود بخود مرکب ہو گئے اور خود بخود ان میں حیات اور عقل آگئی اور خود بخود جو ان ہو گئے اور خود بخود بڑھے ہو گئے اور خود بخود بیمار اور تندرست ہو گئے اور خود بخود مر گئے اور خود بخود جا کر قبروں میں لیٹ گئے۔ لامحالہ اس ہیئت ترکیبہ کے لیے کوئی مرکب چاہیے اور ان تغیرات کے لیے کوئی مغیر چاہیے اور ان تاثرات کے لیے کوئی مؤثر چاہیے پس جس ذات بابرکات کے ہاتھ میں تیرے اور تیرے آباد اجداد کے تغیرات اور تنوعات اور ان کے وجود اور عدم کی باگ ہے اور تیری اور تیرے آلود اجداد کی موت و حیات جس کے اختیار میں ہے وہی ذات رب العالمین ہے اور اسی رب العالمین نے مجھ کو رسول بنا کر تیری طرف بھیجا ہے اور جس طرح تیرے آباد اجداد کے اجسام حادث اور فانی ہیں اور اپنے حدوث اور وجود میں صانع کے محتاج ہیں اسی طرح آسمان و زمین بھی اجسام حادثہ اور فانیہ ہیں اپنے حدوث میں پروردگار کے محتاج ہیں اور فلسفہ جدید یہ کہتا ہے کہ زمانے کے تنوعات اور تغیرات مادہ اورایتھیر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آ رہے ہیں۔ جدید فلسفہ کی تحقیق اور فرعون کے قول میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔



فرعون کا جواب

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب حکمت مآب سن کر گہرا اٹھا اور اس کو ڈر ہوا کہ اس دلیل کو سن کر میری قوم شک میں نہ پڑ جائے تو اپنے حاشیہ نشینوں کو دھوکہ دینے کے لیے اور اپنا رعب جانے کے لیے جھٹلا کر یہ بولا کہ اے لوگو! بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یعنی جو اپنے آپ کو رب العالمین کا رسول بتلاتا ہے یہ یقین جانو کہ وہ بلاشبہ دیوانہ اور باؤلا ہے اسکی بات پر کان نہ دھونا۔ حالانکہ رسول کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقل الناس ہو اور یہ شخص تو بالکل مجنون اور بے عقل ہے کہ موت اور حیات کو اور حوادث زمانہ کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ خَمُوتٌ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ۔

یعنی موت اور حیات کا سلسلہ قدیم سے اسی طرح چلا آرہا ہے اور یہ سب زمانہ کے تنوعات اور تغیرات اور انقلابات ہیں جو کواکب اور نجوم کی تاثیر سے اور بقول جدید فلاسفہ مادہ اورایتھیر کی تدریجی حرکت سے ظہور میں آرہے ہیں اور یہ دیوانہ ان تمام تغیرات اور تنوعات کو خدا کی طرف نسبت کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیسرا جواب

موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص تو کواکب اور نجوم کی تاثیر پر شیدا اور فریفتہ ہے اور کواکب اور نجوم کی حرکات کو تغیرات عالم کی علت سمجھتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں اب تیسری جھٹ پٹیش کی کہ رب العالمین وہ ہے کہ جو رب ہے مشرق کا اور مغرب کا اور ان کے تمام درمیانی چیزوں کا یعنی رب العالمین وہ ہے کہ جو مشرق اور مغرب کا مالک ہے اور طلوع اور غروب کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہے۔ طلوع آفتاب اور غروب سب اس قادر حکیم کی تقدیر محکم سے ہے جس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ نادان سے نادان بھی ان حوادث یومیہ کو قدیم بالعرض اور قدیم بالزمانہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا اگر تمہیں کچھ عقل ہے تو سمجھ لو کہ یہ فرعون جو مدعی ربوبیت بنا ہوا ہے ایک محدود خطہ زمین کا فرمانروا ہے جس کا حکم مدین میں بھی نہ چلتا ہو یہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ رب العالمین تو وہ ہے کہ جس کے حکم سے سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے اگر یہ فرعون اپنے دعوائے ربوبیت میں سچا ہے تو اسکا عکس کر کے دکھلا دے یا کم از کم طلوع اور غروب کے موجودہ نظام میں کچھ تغیر و تبدل ہی کر کے دکھلا دے عقل کی بات تو یہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں اور تم ایسے بے عقل اور جاہل ہو کہ بتلانے اور سمجھانے سے بھی نہیں سمجھتے۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے مقابلہ میں یہ جواب ایسا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے غرور کے جواب میں یہ فرمایا تھا۔ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ۔ جدید فلاسفہ یہ کہتا ہے کہ عالم کے انقلاب اور تغیرات مادہ کے ذرات لسیطہ کی دائمی حرکت اور باہمی امتزاج کے سبب سے نمودار ہوتے ہیں۔ یہ قول بھی فرعون کے قول سے ملتا جلتا ہے دونوں میں کچھ زیادہ فرق

نہیں۔

فرعون کی حیرانی اور پریشانی اور مغرورانہ اور ظالمانہ تہدید

فرعون موسیٰ علیہ السلام کا جواب سن کر حیران اور دنگ رہ گیا اور گھبرا اٹھا اور دیکھا کہ میں اس جنت اور برہان کے جواب سے بالکل عاجز ہوں تو اپنی سلطنت کے زعم میں موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا شروع کیا اور یہ گمان نہ کیا کہ اس مغرورانہ تہدید سے معجزات قہارت کے ظہور کا دروازہ کھلے گا اس لیے فرعون جب حضرت موسیٰ کی جنت قاہرہ کے جواب سے ناامید ہوا تو بولا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود ٹھہرایا تو میں تجھ کو قیدیوں میں سے بنا دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کو خدائی جیل خانہ (جہنم) سے ڈراتے تھے اس لیے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قید خانہ سے ڈرایا۔ فرعون کا جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون نے ایک تنگ و تاریک جیل خانہ بنایا تھا کہ جو اس میں ڈالا جاتا تھا وہ وہیں مرجاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال کر اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ اس میں مرجاتے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا فرعون کا یہ جیل خانہ قتل سے بھی بدتر تھا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کے جواب سے عاجز ہوا تو دھمکیوں پر اتر آیا۔

پوچھتے غماند جفا جوئے را بہ پر خاش برہم کشد رمئے را

جیل خانہ کی دھمکی سے فرعون کا مقصود اپنی ربوبیت کی دلیل بیان کرنا ہے کہ چونکہ میں جیل خانہ میں ڈالنے پر قادر ہوں اس لیے میں تمہارا خدا اور رب اعلیٰ ہوں۔ سبحان اللہ کیا دلیل ہے جیل خانہ سے الوہیت اور ربوبیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ جہالت اور حماقت خوب ثابت ہو جاتی ہے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح دھمکایا تو موسیٰ علیہ السلام نے نرمی سے فرمایا کہ دلائل ربوبیت تو آپ نے سن لیے۔ اب دلائل رسالت سنئے اور اپنے اس فیصلہ میں ذرا جلدی نہ کیجئے کیا آپ مجھے جیل خانہ میں ڈال دیں گے اگرچہ میں تیرے پاس ایسی واضح اور روشن چیز لیکر آیا ہوں جس سے صاف طور پر میری صداقت ظاہر ہو جائے اور رب العالمین کی ربوبیت اور الوہیت ظاہر ہو جائے تو کیا پھر بھی تیرا یہی فیصلہ رہے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں نرمی برتی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی تاکہ الوہیت اور ربوبیت کے مسئلہ کے بعد نبوت و رسالت کے مسئلہ میں مکالمہ اور مناظرہ کا دروازہ کھلے اور پہلے مسئلہ کی طرح دوسرے مسئلہ میں بھی وہ جنت اور برہان سے مغلوب اور مغرور ہو جائے اور کم از کم دل سے ماننے پر توجہ ہو جائے اس لیے فرمایا۔ اَوَ كُوْنُ جَنْثُكَ بِشَكِّىْ مُبِينٍ۔ اس جواب کے بعد یعنی کیا اگر میں اپنی رسالت کی کوئی روشن دلیل تیرے سامنے پیش کر دوں تو کیا تو میری رسالت کو قبول کرے گا۔ فرعون شرما کر بولا کہ اچھا وہ روشن دلیل لا اگر تو سچوں میں سے ہے اگر روشن دلیل سے تیری صداقت ظاہر ہو جائے تو ہم تجھے قید نہیں کریں گے پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت اور صداقت ثابت کرنے کے لیے دو معجزے دکھلائے ایک معجزہ عصا اور دوسرا کرشمہ ید بیضاء چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ پس وہ ڈالتے ہی صاف اور صریح اثر دیا تھا۔ یعنی حقیقت اور بلاشبہ اثر دیا بن گیا جب وہ عصا سانپ بن کر لہرانے لگا فرعون اور تمام درباری حواس باختہ ہو کر بھاگ اٹھے۔ بیان کیا جاتا ہے

کہ پیشاب پاخانہ بھی خطا ہو گیا۔ دعوائے خدائی کی ساری قلعی کھل گئی موسیٰؑ نے ازراۃ تطف اپنے عصا کو زمین سے اٹھایا تو وہ پہلے کی طرح پھر عصا ہو گیا۔ اس کے بعد جب ہوش و حواس کچھ واپس آئے تو بولا کیا اس کے سوا اور بھی کوئی معجزہ ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے دوسرا معجزہ دکھلایا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک دوسرا معجزہ دکھلایا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے سے نکالا تو ناگاہ وہ پسید اور روشن تھا دیکھنے والوں کے لیے جس کو سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے۔ فرعون اور اس کے درباری یہ دونوں معجزے دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔

معجزہ عصا اہل کفر اور اہل معصیت کی تنبیہ کے لیے تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں کافروں کو اڑدھاڑ سے گا اور معجزہ ید بیضا، سینہ موسیٰ کی نورانیت کا نمونہ اور کرشمہ دکھلانے کے لیے تھا مگر مشکل یہ ہے کہ جس کے دل کی آنکھ اندھی ہو اس کو آفتاب کی روشنی کس طرح دکھائی دے۔ معجزہ عصا، معجزہ تہر تھا اور معجزہ ید بیضا، معجزہ نور اور معجزہ تہر تھا۔ کھر یجکل اللہ لکھ نوراً فمالہ من نور۔

قَالَ لِمَلَا حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ کوئی جادو گر ہے پڑھا۔

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۳۵﴾

چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے۔ سو اب کیا حکم دیتے

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَبْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۶﴾

ہو؟ بولے ٹھیل دے اسکو اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں نقیب -

يَا تَوَكَّلْ بِكُلِّ سِتَارِ عَلِيمٍ ﴿۳۷﴾ فَجِئَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ

لے آویں تیرے پاس جو بڑا جادو گر ہو پڑھا۔ پھر اکٹھے کیے جادو گر وعدہ پر ایک مقرر دن

مَعْلُومٍ ﴿۳۸﴾ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا

کے۔ اور کہہ دیا لوگوں کو، تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید ہم

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَاءَ

راہ پکڑیں جادو گروں کی، اگر ہو جاویں وہی زبر۔ پھر جب آئے

السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّا لَنَأْتِيَنَّكَ إِنَّا كُنَّا نَحْنُ

جادوگر، کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا نیک بھی ہے؟ اگر ہو جادو

الْغَٰلِبِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۲﴾

ہم زبر۔ بولا البتہ! اور تم اُس وقت نزدیک والوں میں ہو گے۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۳۳﴾ فَأَلْقَوْا

کہا انکو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر ڈالیں

حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ

انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں۔ اور بولے، فرعون کے اقبال سے ہم ہی

الْغَٰلِبُونَ ﴿۳۴﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

زبر رہے۔ پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا، پھر تبھی وہ نکلنے لگا جو

يَافِكُونَ ﴿۳۵﴾ فَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِجِّدِينَ ﴿۳۶﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

سانگ انہوں نے بنایا تھا۔ پھر اوندھے گرے جادو گر سجدہ میں۔ بولے ہم نے مانا جہان کے

الْعَلَمِينَ ﴿۳۷﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۳۸﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ

رب کو۔ جو رب موسیٰ و ہارون کا۔ بولا تم نے اسکو مان لیا

قَبْلَ أَنْ أَذِّنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو۔ مقرر وہ تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو سکھایا جادو۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ لَا قِطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ

سو اب معلوم کرو گے۔ البتہ کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں۔

خِلَافٍ وَلَا أَصْلَابَكُمْ أَجْصَعِينَ ﴿۳۹﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا

اور سولی چڑھاؤں تم سب کو۔ بولے کچھ ڈر نہیں، ہم کو اپنے

إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

رب کی طرف پھر جانا ہے۔ ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخشنے ہم کو رب ہمارا

خَطِينًا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾ ط ع

تقصیریں ہماری، اس واسطے کہ ہم ہوئے قبول کرنے والے۔

ساحرین فرعون کا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ

قال الله تعالى قَالَ لِمَلَا حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا السَّاحِرُ عَلِيمٌ... إِلَى... أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے جب یہ دو معجزے (معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء) دیکھے تو اسکو ڈر ہوا کہ اہل دربار شبہ میں نہ پڑ جائیں اس لیے فرعون نے لوگوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ کوئی خاص قسم کا سحر ہے اس لیے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے اسکا مقابلہ کرایا جائے اس کا خیال یہ تھا کہ ایک جادوگر ملک کے تمام جادوگروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے فرعون نے اپنی اندرونی جیرانی اور پریشانی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں سے جو اس کے ارد گرد بیٹھتے تھے یہ کہا کہ بیشک یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ علم سحر میں بڑی مہارت رکھتا ہے جو ایسے کرشمے دکھلا رہا ہے اور درباریوں کو موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر سے تم پر غالب آجائے اور تمہارا بادشاہ بن جائے بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب یہ معجزات ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے جو ارد گرد بیٹھے تھے اپنا بھرم رکھنے کے لیے یہ کہا کہ یہ شخص کوئی بڑا ہی دانا جادوگر ہے۔ معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضاء کے دیکھنے سے فرعون کو ڈر ہوا کہ اہل دربار ان معجزات کا ہر کو دیکھ کر کہیں موسیٰ کو صادق اور استباز سمجھ کر اس پر ایمان نہ لے آویں اور اگر ایمان بھی نہ لائیں تو مبادا اس شخص کی طرف مائل نہ ہو جائیں جس سے میرے دعوائے ربوبیت میں زوال نہ آ جائے اس لیے اہل دربار کو نرم کرنے کے لیے اول تو یہ کہا کہ یہ شخص خواہ کتنے ہی کرشمے ظاہر کر دے لیکن ایک دانا جادوگر سے بڑھ کر نہیں اور یہ کرشمہ جو اس نے دکھلایا ہے وہ ایک خاص قسم کا جادو ہے یعنی معجزہ نہیں جس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری بات فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے نفرت دلانے کے لیے اور ان سے ڈرانے کے لیے یہ کہی کہ اس جادوگر کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے اور اسکا مالک اور قابض اور رئیس بن جائے اور اپنی قوم کو لے کر بلا مزاحمت تم پر حکومت کرے۔ سو اس بارہ میں تم کیا حکم دیتے ہو یا کیا مشورہ دیتے ہو۔ اب فرعون اپنی شان تکبر و تجربے اتر کر لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ بتلاؤ اس بارہ میں تمہاری کیا رائے ہے اور تمہارا کیا مشورہ ہے کہ اس شخص کو فوری سزا دی جائے یا ڈھیل دی جائے۔ اصل بات یہ تھی کہ فرعون معجزہ موسیٰ دیکھ کر گھبرا گیا اور دعوائے ربوبیت کی بلندی سے اتر کر اپنے آپ کو مشاورت کی پستی میں ڈالا، زبان سے تو دعوائے ربوبیت ہے اور دل میں خوف ہے اخراج کا۔ یعنی اس بات کا کہ یہ جادوگر مجھ کو ملک

مصر سے نکال باہر نہ کرے اس لیے ”خدا صاحب“ اپنے بندوں سے یا اپنے نوکروں اور چاکروں سے مشورہ پوچھ رہے ہیں۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ معاملہ میں تاخیر بہتر ہے، اپنے ملک کے جادوگروں کو جمع کر کے مقابلہ کرایا جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سب نے متفقہ طور پر یہی کہا کہ اس شخص کو اور اس کے بھائی کو چندے ہملت دیدو اور اپنے ملک کے سب شہروں میں نقیب بھیج دو کہ وہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر لا موجود کریں۔ ہماری رائے میں یہ تدبیر بہتر ہے۔ کیونکہ اگر بغیر مقابلہ اور بغیر ہارنے اور عاجز کیے اسکو قتل کر دیا تو لوگوں کو اس کے بارہ میں شبہ ہو جائیگا۔ مناسب ہے کہ جادوگروں سے مقابلہ کرایا جائے یہ شخص تو ایک ساحر ہے ملک کے تمام ساحروں کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بھی مقابلہ کی صورت کو منظور کیا تاکہ کھلم کھلا اللہ کی حجت لوگوں پر واضح ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔

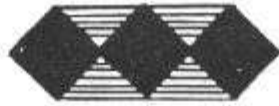
پس وہ جادوگر ایک مقررہ دن پر جو ان کی عید کا دن تھا جمع کر دیئے گئے اور لوگوں کے لیے اعلان کر دیا گیا کہ کیا تم اس موقع پر جمع ہو جاؤ گے۔ مقصود یہ تھا کہ سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کا مغلوب ہونا دیکھ لیں۔ تاکہ اگر جادوگر غالب آجائیں جیسا کہ غالب توقع ہے تو حسب سابق ہم انہی کی پیروی کرتے رہیں گے یعنی انہی کے دین پر رہیں گے اتنا بھی ظاہری طور پر کہا ورنہ فی الحقیقت قوم فرعون کو اس بات کا یقین تھا کہ غلبہ ساحروں کا ہوگا۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ساری گفتگو فرعون کی عجز اور حماقت کی دلیل ہے۔ پھر جب سب جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ بھلا ہم کو کچھ صلہ یعنی انعام بھی ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے فرعون نے کہا ہاں صلہ اور انعام بھی ملے گا اور صلہ کے علاوہ تم میرے مقربوں میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے، یہ کلام اس بات کی دلیل ہے کہ اہل دنیا کی زبان پر سب سے پہلے حرف طمع آتا ہے بعد ازاں ساحروں نے صف بندی کی اور مقابلہ پر آمادہ ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنا عصا پہلے ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ہی ڈالو جو کچھ بھی تم ڈالنے والے ہو۔ اس پر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور بولے قسم ہے فرعون کی عزت اور اقبال کی بلا شبہ ہم ہی غالب رہیں گے، پس جب وہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ ڈالتے ہی وہ اثر دہا بن گیا اور اسی دم بنے بنائے ہوئے دھندے کو ہٹ کر لگا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور لاٹھیوں کو نکل گیا اور ڈکار بھی نہ لی سو یہ منظر دیکھ کر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سب کے سب سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ توفیق یزدی اور رحمت خداوندی نے جبراً و تہراً انکو سجدہ میں ڈال دیا۔ معجزہ دیکھ کر انکو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جادو نہیں بلکہ کرشمہ قدرت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سحر سے سحر کا مقابلہ ہو سکتا ہے مگر کرشمہ قدرت یعنی معجزہ کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اور سمجھ گئے کہ یہ دونوں ہماری طرح جادوگر نہیں بلکہ حقیقتہً رب العالمین کے رسول ہیں اس لیے بولے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے یہ لفظ انہوں نے اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپکو رب اعلیٰ اور جہان کا پروردگار کہلاتا تھا۔ ساحروں نے جب یہ حال دیکھا تو جان لیا کہ یہ رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ بشر کی کوئی صنعت نہیں اور نہ ساحروں کی تمویہ اور تخیل ہے اس لیے سب اللہ رب العالمین پر ایمان لے آئے اور سجدہ میں گر پڑے اور موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے۔ فرعون یہ دیکھ کر بہت گھبرایا کہ اگر سب لوگ مسلمان ہو گئے تو میری ربوبیت تو سب ختم ہو جائے گی اس لیے تہدید آمیز لہجہ میں جادوگروں سے یہ کہا کہ تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل

اس کے کہ میں تم کو اسکی اجازت دوں میری اجازت کے بغیر تم نے اسکی کیسے تصدیق کی بیشک یہ تمہارا بڑا گروہ ہے جو تم پر غالب آگیا جس نے تم کو جادو سکھلایا ہے پس تم غمگین جان لو گے کہ اس نافرمانی کی کیا سزا ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمہارا اسٹا ہے اور تم اس کے شاگرد ہو یہ سب تمہاری ملی بھگت ہے جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہے رَانَ هَذَا لَمَكْرٍ مَكْرُومٍ فِي الْمَدِينَةِ لَتُخْرِجُوا مِنْهَا اَهْلَهَا۔ اور وہ سزا یہ ہے کہ البتہ تحقیق میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف اور مقابل جانب سے کاٹ ڈالوں گا۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ تو دوسری طرف کا پاؤں اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ دیکھنے والوں کو اس سے عبرت ہو مگر جادو گروں پر اس تہدید کا کوئی اثر نہیں ہوا اور بولے کہ کچھ مضائقہ نہیں یعنی ہم کو تیری اس دھمکی کی کچھ پروا نہیں بے شک ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی ہمیں تیرے قتل کی پروا نہیں شہید ہو کر اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ایمان لاتے ہی رب العالمین پر ایسا یقین آیا کہ دار فانی انکی نگاہ میں بیچ ہو گیا اور لقلعے خداوندی کے مشاق ہو گئے اور بولے کہ بے شک ہم اس بات کی طمع اور آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں بخش دے اس وجہ سے کہ ہم اپنے زمانہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں یعنی ہم اپنی قوم قبیلہ میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں سبقت فی الایمان کی وجہ سے ہم کو خدا سے امید ہے کہ وہ ہمارے تمام گناہ معاف کر دے ہمارا مقصود آخرت اور رضائے خداوندی ہے اس لیے ہم نے فرعون کے انعام و اکرام پر لات ماری اور رب العالمین کسمانے جھک گئے۔

نکتہ | اسی سبقت فی الایمان کی وجہ سے مہاجرین اولین کو دیگر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ اَمْ هُمْ هُمْ اُولَئِكَ هُمُ الْمُتَجِدِّينَ وَلَا تَنْصَرِفْ - الآية -

قرآن کریم میں اسکی تصریح نہیں کہ ایمان لانے کے بعد فرعون نے انکے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے ان سب کو قتل کر ڈالا۔ واللہ اعلم۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ جادو گروں کی تعداد علی اختلاف الاقوال بارہ ہزار یا پندرہ یا بیس ہزار تھی اور بعض کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھی حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۴ ج ۳۔



وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ اِنَّكُمْ

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ

مُتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ

تمہارے پیچھے لگیں گے۔ پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں

عَلَيْهِمْ فَاَقْتُلُوهُمْ - تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۵ ج ۳۔

حٰشِرَیْنَ ۵۳ اِنَّ هَؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ۵۴ وَ

نقیب - یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہیں تھوڑی سی۔ اور

اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآیِظُوْنَ ۵۵ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ۵۶

وہ مقرر ہم سے جی جلتے ہیں۔ اور ہم سارے خطرہ رکھتے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنَّتٍ وَّعِیُوْنَ ۵۷ وَكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ

پھر نکالا ہم نے انکو باغ چھوڑ کر اور چشمے۔ اور خزانے اور گھر

کَرِیْمٍ ۵۸ کَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنَا بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ ۵۹ فَاتَّبَعُوْهُمْ

خاصے۔ اسی طرح! اور ہاتھ لگائیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کو۔ پھر پیچھے پڑے

مُّشْرِقِیْنَ ۶۰ فَلَمَّا تَرَاۗءَ الْجَمْعُیْنَ قَالَ اَصْحٰبُ مُّوْسٰی

انکے سوچ نکلتے۔ پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں، کہنے لگے موسیٰ کے لوگ

اِنَّا لَمُدْرٰکُوْنَ ۶۱ قَالَ کَلَّا اِنَّ مَعِیْ رَبِّیْ سَیِّهٰدِیْنَ ۶۲

ہم تو پکڑے گئے۔ کہا کوئی نہیں! میرے ساتھ ہے میرا رب مجھ کو راہ بتا دے گا۔

فَاَوْحٰیْنَا اِلٰی مُّوْسٰی اِنْ اَضْرَبُ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ ط

پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو۔ پھر

فَاَنْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطُّوْدِ الْعَظِیْمِ ۶۳ وَاَزَلَفْنَا

پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ۔ اور پاس پہنچایا

ثُمَّ الْاٰخِرِیْنَ ۶۴ وَاَنْجِیْنَا مُّوْسٰی وَ مَن مَّعَہٗ

ہم نے اس جگہ دوسروں کو۔ اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اسکے ساتھ

اَجْمَعِیْنَ ۶۵ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِیْنَ ۶۶ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیۃً ط

سارے۔ پھر ڈبا دیا ان دوسروں کو۔ اس چیز میں ایک نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

اور نہیں وہ بہت لوگ ماننے والے - اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيمُ ۖ

رحم والا -

ذکر کرشمہ قدرت خداوند حلیل در نجات بنی اسرائیل و عقابی فرعون در دیائے نیل

قال الله تعالى وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْبِغْ لِعِبَادِي ... إِلَىٰ ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (رابطہ) مقابلہ میں جب موسیٰ علیہ السلام غالب آگئے اور اللہ کی حجت اور برہان سب پر قائم ہو گئی۔ مگر باوجود اس کے فرعون اور اسکی قوم عناد پر قائم رہی اور ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تو اب انعام حجت کے بعد سوائے وبال و نکال اور عذاب و عقاب کے کچھ باقی نہ رہا تو مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ اس ظالم سے انتقام لیا جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ رات کے وقت بنی اسرائیل کو نکال لے جائیں اور بتلادیا کہ تمہارے خروج کے بعد فرعون کا لشکر تمہارا تعاقب کریگا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اہل ایمان خاص عزت و کرامت کے ساتھ نکل جائیں اور ان کے بعد جب فرعون کا لشکر دریا میں داخل ہو تو اسکو غرق کر دیا جائے اس طرح سے اسکو ملک سے نکال باہر کیا جائے اس لیے ان آیات میں بنی اسرائیل کی عجیب طرح نجات کی کیفیت اور عجیب طرح سے فرعون کی ہلاکت کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح کامیابی اور اس طرح کی غرقابی کرشمہ قدرت تھا جو رب العالمین کی ربوبیت کی دلیل تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا جو انکی صداقت اور رسالت کی دلیل تھا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا معجزہ تھا۔ اس کے بعد فرعون اور اسکی قوم پر طوفان اور خون وغیرہ کی بلائیں مسلط کی گئیں جنکا سورۃ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے۔ ابتدا میں قوم پر یہ بلائیں اور آفتیں مسلط کی گئیں تاکہ ہوش میں آجائیں۔ لیکن کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور نہ دیگر مصائب سے عبرت ہوئی نہ بنی اسرائیل کے ظلم و ستم سے وہ دست کش ہوا بلکہ جو ساحر ایمان لے آئے تھے انکو قتل کر کے پھانسی پر لٹکا دیا تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس حکم بھیجا کہ تم رات کے وقت بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے چلے جاؤ اور یہ بھی بتلادیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی جب فرعون کو تمہارے نکل جانے کی خبر ہوگی تو وہ تمہارا تعاقب کریگا چنانچہ حسب الحکم موسیٰ علیہ السلام راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر چل دیئے جب صبح ہوئی تو یہ خبر مشہور ہوئی اور فرعون کو اسکا علم ہوا تو فرعون نے انکے تعاقب کا ارادہ کیا۔ جس کی تدبیر یہ کی کہ ملک کے

مختلف شہروں میں شکر جمع کرنے کے لیے آدمی بھیج دیتے جب جمع ہو گئے تو یہ منادی کرانی کہ تحقیق یہ لوگ یعنی بنی اسرائیل ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ شمار کے اعتبار سے بھی تلیل ہے اور ساز و سامان کے لحاظ سے بے سرو سامان ہے جن کو ہماری فوج سے کوئی نسبت نہیں اور انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہم کو غصہ دلایا ہے اور بے شک ہم سب بڑے سلاح پوش اور ہتھیار بند لوگ ہیں یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ غرض یہ کہ دو تین روز میں سامان کر کے ان کے تعاقب میں نکلے اور یہ خبر نہ تھی کہ اب اسکو مصر لوٹنا نصیب نہ ہو گا۔ پس ہم نے ان بدکاروں کو ان کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکال دیا۔ یعنی ہم نے انکے دل میں نکلنے کا داعیہ پیدا کر دیا کہ خود بخود اپنے باغوں اور محلوں سے نکل کھڑے ہوتے دیکھ لو کہ خدا کا نکالنا ایسا ہوتا ہے کہ خود انکے دل میں نکلنے کا پختہ ارادہ پیدا کر دیا کہ سب چیزوں کو چھوڑ کر خود بخود نکل کھڑے ہوئے اور بعد چندے ہم نے ان محلوں اور باغوں کا وارث اور مالک بنی اسرائیل کو بنا دیا اور چند دنوں کے بعد وہ ان تمام اموال اور املاک پر قابض ہو گئے۔ یہ توجہ معترضہ تھا اب آگے باقی قصہ کا بیان ہے پس فرعون کے لشکر نے سوچ نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور پیچھے سے انکو جا پکڑا یعنی انکے قریب پہنچ گئے اور یہ وقت اشراق کا تھا۔ پس جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ لوگ تو ہمارے سر پر پہنچ گئے اب تو ہم پکڑ لیے گئے۔ یعنی اب فرعون ہمیں پکڑے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہرگز نہیں یعنی وہ ہمیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ اس لیے کہ تحقیق میرا پروردگار میرے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہوا سے کوئی نہیں پکڑ سکتا جیسا کہ ہجرت کے قصہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ وہ عنقریب مجھے اس منحصہ سے خلاصی کی راہ بتائے گا تم گھبراؤ نہیں چونکہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ آگے دریا تھا اور پیچھے دشمن تھا اس لیے اصحاب موسیٰ علیہ السلام مضطرب تھے۔

آخرا ب جانا کہاں ہے پس اس اضطراب اور پریشانی کے وقت میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا اس دریا پر مارو چنانچہ انہوں نے بحکم خداوندی اپنا عصا اس پر مارا۔ پس فوراً وہ دریا پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور پانی کئی جگہ سے ادھر ادھر ہو گیا جس سے بارہ سڑکیں پیدا ہو گئیں۔ سو پانی کا ہر ایک ٹکڑا مثل ایک بڑے پہاڑ کے کھڑا ہو گیا اور بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لیے بارہ راستے ہو گئے جو بحکم خداوندی سب خشک تھے کچھ نہ رہا اور اطمینان کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر دریا سے پار ہو گئے۔ کما قال تعالیٰ فَاضْرِبْ لَهُم مِّنْ قَبْلِهِ الْيَمِينَ لَا يَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ دو۔ وَاتْلُ الْآنحُرَّ لَهُمْ رَهْوَ إِنْهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُونَ۔ جو خدا خشکی میں راستے بنا سکتا ہے وہ تری میں بھی بنا سکتا ہے اسکی قدرت کے اعتبار سے ہر اور بحر سب برابر ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام تو ان دریائی راستوں کو خشک چھوڑ کر پار ہو گئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور بعد ازاں ہم نے دوسرے لوگوں کو یعنی فرعونیوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا۔ چنانچہ فرعونیوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے لیے خشک راستے کھلے ہوئے ہیں تو نشا داں و فرحاں ان میں گھس پڑے۔ پانی بحکم خداوندی رواں ہو گیا اور سارا لشکر اندر غرق ہو گیا اور یہ تمام رب العالمین کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور انکے ساتھیوں کو بچا لیا اور صحیح سالم انکو دریا سے پا کر دیا۔ پھر انکے پار ہو جانے کے بعد دوسروں کو دریا میں غرق کر دیا کہ جب فرعون اپنی

قوم سمیت دریا میں داخل ہوا تو دریا کے تمام ٹکڑے آپس میں مل گئے اور سب غرق ہو گئے جو لوگ کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے غرق میں سب شریک ہوئے۔ حالانکہ ان کے طالع مختلف تھے۔ فرعون کو دریائے نیل اور مصر کی نہروں پر فخر تھا اور بطور فخر یہ کہا کرتا تھا اَلَيْسَ لِي مُلْكٌ مِّصْرَ وَ هَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي۔ اس لیے من جانب اللہ اس کے قابل فخر دریا اور نہر میں اسکو غرق کیا گیا کہ دیکھ لے کہ وہ قابل فخر نہر یہ ہے اور بیشک اس واقعہ میں اللہ رب العالمین کی قدرت کی اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت نبوت کی اور اہل ایمان کی نصرت و حفاظت کی، اور منجربین اور کافروں کی ہلاکت کی بہت بڑی نشانی ہے اور باوجود ان روشن نشانیوں کے قوم فرعون میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے بیشک تیرا پروردگار جو ہے وہی غالب ہے اور بڑا مہربان ہے اسی انفلاق بحر کے واقعہ سے اسکی شان عزت و غلبہ اور شان رحمت ظاہر ہو گئی کہ اہل ایمان کو نجات دی اور اہل کفر و تکبر کو غرق کیا۔

لطائف و معارف

حق جل شانہ نے ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزوں کا ذکر فرمایا۔ معجزہ عصا، اور معجزہ ید بیضا اور معجزہ انفلاق بحر۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات معجزات اور کرامات کے منکر ہیں اور انکو محال بتلاتے ہیں اور موجودہ زمانے کے نئے چہرے یہ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں قانون فطرت کے خلاف ہیں۔

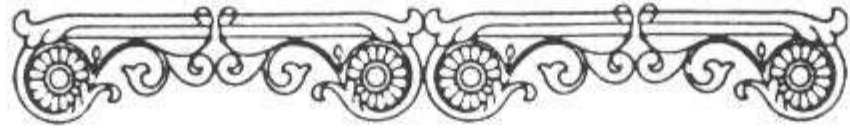
سو جاننا چاہیئے کہ فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کے معجزات کا وقوع عقلاً محال ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

جواب

آج تک کوئی دلیل انکے محال ہونے پر قائم نہ ہو سکی۔

جمادات اور نباتات کے اندر حیوانات کا پیدا ہو جانا اور زمین میں حشرات الارض کا پیدا ہونا روزمرہ کا مشاہدہ ہے پس اگر ایک نباتاتی چیز (یعنی عصا) بحکم خداوندی حیوان بن جائے تو عقلاً ممکن ہے بسا اوقات لکڑی کے اندر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور کسی جسم کا روشن ہو جانا عقلاً محال نہیں۔ آفتاب اور مانتاب خدا کے پیدا کردہ جسم ہیں ان میں جو روشنی ہے وہ بھی خدا کی پیدا کردہ ہے آفتاب اور مانتاب خود بخود اپنی طبیعت اور اپنے ارادہ اور مشیت سے روشن نہیں ہو گئے پس جس خدا نے آفتاب اور مانتاب کو روشنی بخشی وہی خدا اپنے کلمہ کے ہاتھ کو بھی روشنی بخش سکتا ہے نفس جمیئت کے لحاظ سے آفتاب اور موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ برابر ہیں اور قدرت خداوندی کے اعتبار سے بھی سب یکساں ہیں اور علیٰ ہذا انفلاق بحر بھی عقلاً محال نہیں کیونکہ پانی بھی عام اجسام کی طرح بہت سے اجزاء سے مرکب ہے اور قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفلاق کی پوری صلاحیت اور استعداد موجود ہے جیسے موسم سرما میں بڑے بڑے دریا منجمد ہو جاتے ہیں اور حیوانات ان پر سے گزرتے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ پانی کا اتصال اور اس کا انفلاق اور انفصال پانی کی نفس ماہمیت کا ذاتی اور طبعی اقتضا نہیں کہ جو ناقابل تغیر و تبدل ہو سب قدرت خداوندی سے ہے پس اگر قدرت خداوندی سے موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا کا پانی تھوڑی دیر کے لیے پھٹ جائے اور تھم جائے اور پھر انکے گزر جانے کے بعد فوراً بہنے لگے تو یہ بات عقلاً محال نہیں البتہ خارق عادت ہو نیکی وجہ سے عجیب و غریب ضرور ہے اگر یہ کوئی امر عجیب نہ ہوتا تو پھر معجزہ ہی کیوں کہلاتا۔ پس جو کمر شتمہ قدرت خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ اس نبی کا معجزہ

کہلاتا ہے جو اس نبی کی صداقت اور حقانیت کی دلیل اور روشن علامت ہوتا ہے۔ پس یہ واقعہ چند حیثیت سے معجزہ ہو گیا۔
(۱) محض عصا کے مارنے سے دریا کا پھٹ جانا (۲) اور پھر اس میں بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے مطابق بارہ سرطکیں پیدا ہو جانا (۳) پھر بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا رواں ہو جانا۔



وَآتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ۖ إِذْ قَالَ

اور سنا انکو خبر ابراہیم کی۔ جب کہا اپنے

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا

باپ کو اور اسکی قوم کو، تم کیا پوجتے ہو؟ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو

فَنَظَلُّ لَهَا يَاسَ عِيفِينَ ۖ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ ۖ إِذْ

پھر سارے دن اس پاس لگے بیٹھے رہیں۔ کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا؟ جب

تَدْعُونَ ۖ ۚ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ۖ قَالُوا بَلْ

پکارتے ہو۔ یا بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا۔ بولے نہیں!

وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذِبًا يَفْعَلُونَ ۖ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا

پر ہم نے پائے اپنے باپ دادے یہی کرتے۔ کہا بھلا دیکھتے ہو؟ جن

كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ ۚ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ أَلَا قَدْ مَوَّٰنَ ۖ فَانْتَمِ

کو پوجتے رہے ہو۔ تم اور تمہارے باپ دادے اگلے۔ سو وہ

عَدُوِّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۖ ۚ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ

میرے غنیم ہیں مگر جہان کا صاحب۔ جس نے مجھ کو بنایا، سو وہی مجھ

يَهْدِيَنِي ۖ ۚ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِيَنِي ۖ ۚ وَإِذَا

کو سوجھ دیتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب

فَرَضْتُ فَهُوَ يَشْفِينُ ۝۸۱ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِيَنِي ۝۸۱

میں بیمار ہونا ہوں تو وہی چنگا کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھ کو مارے گا پھر جلاوے گا۔ ط

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۝۸۲

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر دن انصاف کے۔

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَاجْعَلْنِي بِالصَّالِحِينَ ۝۸۳ وَاجْعَلْ

اے رب! دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں۔ اور رکھ

لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ۝۸۴ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ

میر بول سچا پچھلوں میں۔ اور کر مجھ کو وارثوں میں

جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝۸۵ وَاعْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝۸۶

نعمت کے باغ کے۔ اور معاف کر میرے باپ کو، وہ تھا راہ بھولوں میں۔

وَلَا تَحْزِنْنِي يَوْمَ رِيَعَتُونَ ۝۸۷ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا

اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کراٹھیں۔ جس دن نہ کام آوے کوئی مال نہ

بَنُونَ ۝۸۸ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝۸۹ وَأُزْلِفَتِ

بیٹے۔ مگر جو کوئی آیا اللہ پاس، بیکر دل چنگا۔ اور پاس لائے

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝۹۰ وَبُرَزَاتِ الْجَحِيمِ لِلْغَاوِينَ ۝۹۱ وَقِيلَ

بہشت واسطے ڈر والوں کے۔ اور نکالی دوزخ سامنے بے راہوں کے۔ اور کہیے

لَهُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝۹۲ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۝۹۳ هَلْ

ان کو کہاں ہیں؟ جن کو پوجتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ کچھ

يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۝۹۴ فَاكْبُرُوا فِيهَا هُمْ وَ

مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے؟ پھر اونڈھے ڈالے اس میں وہ اور

الْغَاوُونَ ۹۴ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۹۵ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا

سب بے راہ۔ اور لشکر ابلیس کے سارے۔ کہیں گے جب وہ

يَخْتَصِمُونَ ۹۶ تَاللّٰهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۹۷ اِذْ

وہاں جھگڑنے لگیں۔ قسم اللہ کی! ہم تھے صریح غلطی میں۔ جب

نُسَوِّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۹۸ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمَجْرَمُونَ ۹۹

تم کو برابر کرتے تھے جہان کے صاحب کے۔ اور ہم کو راہ سے بھلایا سو ان گنہگاروں نے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ۱۰۰ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۱۰۱ فَلَوْ

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔ اور نہ کوئی دوست محبت کر نیوالا۔ سو کسی

أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰۲ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

طرح ہم کو پھر جانا ہو تو ہم ہوں ایمان والوں میں۔ اس بات میں

لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۱۰۳ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۰۴

زبردست رحم والا۔

قصہ دوم حضرت ابراہیم علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى وَاَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ... الخ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (ربط) گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا ذکر تھا اب اس کے بعد آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ انکو اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا ابتلا پیش آیا حضرت ابراہیم کو اپنے باپ کی گمراہی کا شدید رنج تھا حضرت ابراہیم کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی مذہباً صابی یعنی ستارہ پرست تھے اور بت پرست

بھی تھے کو اکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دلائل سے حق واضح کر دیا اور اپنے لیے خدا تعالیٰ سے قسم قسم کی دعائیں مانگی۔ لہذا اے نبی آپ بھی وہی طریقہ اختیار کیجئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی آپ ان لوگوں کے سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے۔ تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں انکو چاہیئے کہ اخلاص اور توحید اور توکل میں انکا اقتداء کریں اور شرک سے بیزاری ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سن کر ان پر حجت لازم ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اول ابطال شرک کے لیے بتوں کا عاجز ہونا بیان کیا۔ بعد ازاں اثبات توحید کے لیے رب العالمین کی صفات کمال کو بیان کیا کہ رب العالمین وہ ہے کہ بندوں کا پیدا کرنا اور انکو ہدایت دینا اور انکو رزق دینا اور مارنا اور جلانا سب اسکے اختیار میں ہے جو ذات ان صفات کے ساتھ موصوف ہو وہ مستحق عبادت ہے اور اسکی نعمتوں کا شکر فرض اور لازم ہے۔

از دست و زبان کہ بر آید ✽ کز عہدہ شکرش بدر آید

اور حضرت ابراہیم کا قصہ یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ تم کس بے حقیقت چیز کی پرستش کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ہم انکی عبادت پر جمے ہوئے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا یہ بت تمہاری بات کو سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو اور ان سے دعا مانگتے ہو یا تم کو کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں یا اگر تم انکو پوجنا چھوڑ دو تو وہ تم کو کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور نہ کسی نفع اور ضرر پر قادر ہو وہ کیسے قابل عبادت ہو سکتی ہے۔ بولے کہ یہ باتیں جو تم نے کہی ہیں وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائی پر ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے پایا۔ ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا بھلا تم نے جانا بھی ہے کہ جن چیزوں کو تم پوجتے رہتے ہو اور تمہارے بڑے بھی پوجتے چلے آئے۔ یہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے کہ اس کی عبادت تو حق ہے اور اسکے سوا کسی اور چیز کی عبادت باعث مضرت ہے بلکہ باعث ہلاکت ہے اور دشمن کا کام نقصان پہنچانا ہے۔ اس لیے انہیں دشمن فرمایا۔ کیونکہ کسی دشمن سے اتنا ضرر نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ بتوں کی عبادت سے پہنچتا ہے اور وہ رب العالمین جس کی عبادت کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں اسکی شان یہ ہے کہ اس نے مجھ کو پیدا کیا۔ پس وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے اور سیدھے راستے پر لے جا رہا ہے پہلے جملہ میں اللہ کی وحدانیت کو بیان کیا کہ وہی میرا خالق ہے اور دوسرے جملہ میں مقام نبوت کو بیان کیا کہ جدھر خدا مجھے لے جا رہا ہے میں ادھر جا رہا ہوں۔

سے می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے یعنی جس ذات نے پیدا کرنے کے بعد میرے لیے سامان زندگی بھی پیدا کیا۔ میرا وجود اور میری بقا سب اسکے اختیار میں ہے اور زندگی میں جو تغیرات اور انقلابات پیش آتے ہیں وہ بھی سب اس کے ہاتھ میں ہیں اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا دیتا ہے اور وہ ذات جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھ کو اپنے وقت پر موت دے گا۔ پھر قیامت کے دن مجھ کو زندہ کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں بھی حادث اور میری بیماری بھی حادث اور میری صحت بھی حادث اور میری موت بھی حادث اور میری حیات بھی حادث اور وہ ذات ہے کہ جس سے میں طمع لگائے ہوئے ہوں کہ روز جزا میں میری خطا معاف کرے۔ یعنی میری خطا پر مؤاخذہ نہ

کرے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل اور محصوم بندے تھے۔ مگر سہو و سیان سے کوئی بشر خالی نہیں اس لیے بطور تواضع و ادب اور لوگوں کی تعلیم کے لیے یہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنی خطاؤں اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں اور بتلایا ہے کہ لوگ جان لیں کہ خطاؤں کو معاف کرنے والا صرف وہی رب العالمین ہے۔ وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خدا وندیش کس نتواند کہ بجا آورد

یہاں تک ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے معبود برحق کی صفات بیان کیں کہ معبود برحق وہ ہے کہ جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہو۔ تمہارے تراشیدہ بت قابل عبادت نہیں اور اللہ تعالیٰ کے انواع و اقسام کے الطاف کا اعتراف کیا اب اس کے بعد ابراہیمؑ اپنی قوم سے منہ موڑ کر رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے دعا مانگتے ہیں اے میرے پروردگار مجھ کو علم اور حکمت عطا فرما اور مجھ کو اپنے خاص الخاص نیک بختوں میں شامل کرنے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا ہونا کسی سے ممکن نہیں اس لیے حضرات انبیاءؑ سب سے زیادہ لرزاں اور ترساں ہوتے ہیں۔ فقہ اکبر میں امام غزالیؒ سے مروی ہے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت جو اس عبادت کا حق ہے ادا نہیں کر سکتی لیکن بندہ اس کے حکم کی فرمانبرداری اور بجا آوری کرتا ہے حکم سے علم اور حکمت اور نبوت اور قوت علمیہ کا کمال مراد ہے اور صلاح سے قوت عملیہ کا کمال مراد ہے اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دونوں دعائیں قبول کیں۔ انکو علم و حکمت اور رسالت اور خلقت سے سرفراز فرمایا اور صالحین میں سے بنایا۔ کما قال تعالیٰ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ اور اے میرے پروردگار میرا ذکر خیر سچائی کے ساتھ پچھلے لوگوں میں جاری رکھ کہ پچھلے لوگ میرے طریقے پر چلیں اور انکی نیکیوں سے مجھ کو بھی حصہ ملے اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامًا وَعَلَىٰ اٰبْرٰهِيْمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ جس قدر ادیان سماویہ ہیں سب میں انکا ذکر خیر ہوتا ہے اور امت محمدیہ کو یہ حکم ہوا کہ النبیات میں جب درود پڑھا کریں تو اس کے ساتھ کما صلیت و بادکت علیٰ ابراہیم و علیٰ الٰہ ابراہیم۔ پڑھا کریں۔ اور اے الہی مجھ کو جنت النعیم کے داروں میں سے کر دے جو تیری نعمت اور کرامت کا باغ ہے یعنی بغیر تعب اور مشقت کے مجھ کو جنت عطا فرما۔ جیسے میراث بدون تعب اور مشقت کے ملتی ہے اور اے اللہ میرے باپ کی مغفرت فرما دے وہ گمراہوں میں سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی اور باپ کو چھوڑ کر چلے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ اسکو ایمان اور ہدایت کی توفیق نصیب فرما تاکہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ انکو یہ امید تھی کہ شاید وہ زندگی میں اسلام لے آئے لیکن جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے ایمان نہیں لائے گا یا یہ معلوم ہو گیا کہ اسکا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو اس سے بیزار ہو گئے جیسا کہ سورہ توبہ میں گزر چکا ہے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِحَبِيْبِهِ الْاَعْنِ مَوْجِدَةً وَ عَذٰهَا اٰيٰةٌ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو مقام رجا و طمع سے متعلق ہیں اب آئندہ آیت میں

اس دعا کا ذکر کرتے ہیں جو مقام عظمت و ہیبت اور مقام خوف و خشیت سے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے پروردگار مجھے اس دن رسوا نہ کرنا جس دن مردے قبروں سے اٹھاتے جائیں گے لفظ اخْزِئْ خِزْیٰ سے مشتق ہے خِزْیٰ کے معنی ذلت اور خواری کے ہیں اور خِزْیٰ آیت کے معنی ندامت اور شرمساری کے ہیں آیت میں دونوں معنی درست ہیں سبحان اللہ جب ابراہیم خلیل اللہ کا یہ حال ہے کہ وہ روزِ حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں تو کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بے فکر ہو جائے اور وہ دن بڑا ہولناک ہو گا جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے لیکن اس دن کی پریشانی اور رسوائی سے وہ شخص بچ سکے گا جو اللہ کے پاس کفر اور شرک اور شکوک و شبہات سے دلِ سلامت لیکر حاضر ہو گا۔ جو شخص ایسا ہو گا تو لامحالہ اس نے اپنا مال خدا کی راہ میں لگایا ہو گا اور اپنی اولاد کو دین کی تعلیم دی ہو گی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن مال اور اولاد سے نفع پہنچے گا۔ جنید فرماتے ہیں کہ تسلیم کے معنی لغت میں مار گزیدہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ خوفِ خداوندی کی وجہ سے جس دل کی یہ کیفیت ہو کہ وہ مار گزیدہ کی طرح تملتا رہے تو وہ قیامت کے دن کامیاب ہو گا۔ اور وہ دن نہایت ہولناک اور ہیبتناک ہو گا اس دن جنت میدانِ حشر میں متقیوں کے قریب کر دی جائے گی جو خزانہ ہے منافع اور فوائد کا تاکہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی جنت کو دیکھ کر خوش ہو جائیں کہ ہمیں اس مقام پر جانا ہے اور جہنم گمراہوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی جو مخزن ہے تمام مصیبتوں اور ذلتوں اور آفتوں کا تاکہ اس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ اب ہمیں یہاں جانا ہے اور یہ ہمارا دائمی ٹھکانہ ہے یہ دیکھ کر انکے خوف اور ناامیدی اور پریشانی میں اور زیادتی ہو گی۔ کما قال تعالیٰ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ اس طرح سے جنت کو قریب کرنا مسلمانوں کے سرور کا باعث ہو گا اور دوزخ کا قریب کرنا کافروں کے رنج و غم کا باعث ہو گا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۱۸)

اور ذلت و مصیبت کا مخزن دکھلانے کے بعد گمراہوں کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائیگا کہ کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنکو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کیا وہ اس وقت تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا اپنا ہی کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں کیا اپنے آپکو عذاب سے بچا سکتے ہیں پھر اس کہنے کے بعد وہ معبود یعنی بت وغیرہ اور بت پرست اور گمراہ اور ابلیس کا سب لشکر دوزخ میں اندھے منہ ڈال دیئے جائیں گے سب کے سب دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اور غوطے دیئے جائیں گے اور بت اور شیاطین اور گمراہوں کے سردار جنہوں نے انکو گمراہی پر آمادہ کیا تھا وہ اپنے پیروی کرنے والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور نہ خود اپنے کو عذاب سے بچا سکیں گے نہ ناصر ہونگے اور نہ منتصر اور یہ عابد و معبود وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑائیں گے۔ عابدین اپنے معبودین سے کہیں گے۔ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی میں تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تمکو جہانوں کے پروردگار کی برابر ٹھہرتے تھے۔ اور خدا کی طرح بے چون و چرا تمہارے حکم کو مانتے تھے اور نہیں گمراہی میں ڈالا ہم کو مگر ان بڑے مجرموں نے جو اس گمراہی کے بانی تھے ان مجرموں نے جو باتیں ہم کو سکھائی وہ ہم نے مانی جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَاءَنَا فَأَضَلُّوْنَا السَّبِيلَ۔ بالآخر اس طرح سے وہ اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے پس اس وقت حسرت سے یہ کہیں گے کہ افسوس ہمارا کوئی سفارشی نہیں جیسے مؤمنوں کے سفارشی فرشتے اور انبیاء رہیں اور نہ کوئی شفیق اور مہربان دوست ہے کہ دسوزی اور اظہارِ ہمدردی ہی کرے

www.ahlehaq.org

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۳ إِنَّ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝۱۱۵ قَالُوا

والا نہیں ایمان لانے والوں کو۔ میں تو یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ بولے

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَنُوحٌ لَّنْكَوْنَنَّ مِنَ الرُّجُومِينَ ۝۱۱۶ قَالَ

اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح! تو سنگسار ہوگا۔ کہا

رَبِّ إِنِّي قَوْمِي كَذَّابُونَ ۝۱۱۷ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

اے رب! میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا۔ سو فیصلہ کر میرے انکے بیچ کسی طرح کا فیصلہ

وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۸ فَأَنجَيْنَاهُ

اور بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے۔ پھر بچا دیا ہم نے

وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلِ الْمَشْحُونِ ۝۱۱۹ ثُمَّ أَخْرَقْنَا بَعْدَهُ

اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی کشتی میں۔ پھر ڈبا دیا پیچھے ان ہے

الْبَاقِينَ ۝۱۲۰ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

ہوؤں کو۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے۔ اور وہ بہت لوگ نہیں

مُؤْمِنِينَ ۝۱۲۱ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱۲۲

ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا۔

قصہ سوم حضرت نوح علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۲۱ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱۲۲

یہ تیسرا قصہ نوح علیہ السلام کا ہے اس سے مقصود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ نوح علیہ السلام

نے ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کیا۔ نوح علیہ السلام نے اول اپنی قوم کو خدا سے ڈرایا۔

أَلَا تَتَّقُونَ ۝۱۲۰ بعد ازاں اپنی رسالت اور امانت کو بتلایا۔ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُولٌ ۝۱۲۱ آمین ۝۱۲۲۔ کیونکہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم میں امانت و صداقت کے ساتھ مشہور و معروف تھے چنانچہ فرماتے ہیں قوم نوحؑ نے سائے رسولوں کو جھٹلایا۔ کیونکہ سب رسولوں کا دین ایک ہے اور ایک کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے جبکہ اس قوم کے سبھی بھائی نوح علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت ان سے کہا کیا تم لوگ خدا سے ڈرنے نہیں کہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو یہاں نسب کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد ہے قوم اور وطن کے اعتبار سے بھائی ہونا مراد نہیں تحقیق میں تمہاری طرف خدا کا پیغام لے کر آیا ہوں اور امانت دار ہوں جیسا کہ تمہیں میری امانت و صداقت خوب معلوم ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو شرک اور بت پرستی کو چھوڑو اور ایمان لاؤ۔ اور اس نصیحت میں میری کوئی غرض نہیں میں اس دعوت و نصیحت پر اور تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا جزو صرف رب العالمین پر ہے میں تم سے کسی قسم کے نفع کا طلبگار نہیں میرا مقصود تو صرف تمہاری نصیحت اور خیر خواہی ہے پس تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرو اور بے چون و چرا میری اطاعت کرو تاکہ عذاب جہنم سے بچ سکو اور ثواب جنت حاصل کر سکو۔ مگر بڑے سنگدل تھے کہ اس مشفقانہ اور ہمدردانہ نصیحت پر کان نہ دھرا اور بولے کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ کینوں اور رذیلوں نے تیرا تابع کیا ہے۔ چند غریبوں اور چند پیشہ وروں نے تیری پیروی کی ہے جن کو دنیا کی کوئی عزت اور وجاہت حاصل نہیں یہ ناقد رے اور بے حیثیت لوگ ہیں ظاہر میں تیرے تابع ہیں اور باطن میں تیرے مخالف ہیں ایسے غریبوں اور ناداروں کے ساتھ بیٹھنے میں ہم جیسوں کو عار آتی ہے۔ نوح علیہ السلام نے کہا مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں اخلاص کی راہ سے کرتے ہیں یا نفاق کی راہ سے میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤں مجھے ان کے باطن کی تحقیق کی ضرورت نہیں جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے باقی ان کے باطن کا حساب سودہ صرف میرے پروردگار کا کام ہے جو ان کے باطن پر مطلع ہے کاش تم یہ بات سمجھو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے اعمال و افعال سے بحث نہیں اور نہ مجھے ان کے باطنی افلاک اور نفاق کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ میرا حکم ظاہر پر چلتا ہے میرا کام تو حق کی دعوت دینا ہے جو ایمان لائے اور میری اطاعت کرے وہ میرا ہے اور میں اسکا ہوں خواہ وہ شریف ہو یا کینہ امیر ہو یا فقیر آخرت کا معاملہ ایمان اور اطاعت پر ہے وہاں کسی پیشہ کے فرق کو دیکھ کر معاملہ نہ ہو گا۔ آخرت کی عزت و ذلت ایمان اور کفر سے وابستہ ہے صنعت و حرفت اور مال و دولت سے اسکا کوئی تعلق نہیں اب رہی یہ بات کہ یہ لوگ اخلاص سے ایمان لائے یا کسی دنیاوی منفعت کے لیے سو یہ کام میرے متعلق نہیں دل کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے اور وہی حساب لینے والا ہے کفار کے اس کلام سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ اگر آپ ان رذیلوں اور کینوں کو اپنے پاس سے نکال دیں یا ہٹا دیں تو ہم آپ کی طرف توجہ کر سکتے ہیں اس لیے نوح علیہ السلام نے فرمایا اور میں ایمان لانے والوں کو اپنے پاس سے ہٹانے والا نہیں خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ میں تو صرف ڈرانے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو حق کی دعوت کے لیے بھیجا ہے مجھے امیر اور فقیر سے کوئی بحث نہیں تو وہ کافر بولے کہ اے نوحؑ اگر تو اپنی دعوت اور تبلیغ سے باز نہ آیا تو ضرور سنگسار شدہ لوگوں میں سے ہو جائیگا یعنی تجھ کو ضرور سنگسار کر دیا جائیگا نوح علیہ السلام یہ بات سن کر ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو یہ دعا مانگی اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا اور اس درجہ تکذیب پر تل گئی ہے کہ اب اس کے بعد تصدیق اور ایمان کا کوئی امکان نظر نہیں آتا پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے یعنی ان سے میرا انتقام لے لیجئے

جیسا کہ دوسری جگہ ہے — اِنِّیْ مُغْلُوْبٌ فَانْتَصٰی۔ اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو مسلمان ہیں انکو اپنے قہر اور عذاب سے نجات دے تب ہم نے اسکو اور جو اس کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے انکو نجات دی پھر ان کے نجات دینے کے بعد ہم نے باقیوں کو غرق کر دیا بے شک اس واقعہ میں خدا کی قدرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور اے نبی بیشک تیرا پروردگار وہی ہے زبردست مہربان کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور تمام کافر قہر الہی کے طوفان اور سیلاب میں بہا کر ہلاک کر دیئے گئے۔



كَذَبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اٰخُوهُمْ

جھٹلایا عاد نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا انکو انکے بھائی ہود نے

هُودٌ اِلَّا تَتَّقُوْنَ ۖ اِنِّیْۤ اَنْۢیُّ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ۝۱۲۵

کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اطِيعُوْنَ ۖ وَمَاۤ اَسْأَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر

اَجْرًا اِنْ اَجْرِیْۤ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۖ اَتَبْنُوْنَ

کچھ نیگ۔ میرا نیگ ہے اسی جہان کے صاحب پر۔ کیا بناتے ہو

بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۖ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصٰنِعَ

ہر ٹیلے پر ایک نشان کھیلنے کو؟ اور بناتے ہو کاریگریاں، شاید

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۖ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَارِیْنَ ۖ ۝۱۲۹

تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پیچھے مارتے ہو ظلم سے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اطِيعُوْنَ ۖ وَ اتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا

سو ڈرو اللہ سے، اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچایا ہے جو

تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَيْنِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنَّتْ

کچھ جانتے ہو۔ بہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے۔ اور باغ

وَعَيُونَ ﴿۱۳۴﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

اور چشمے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی

عَظِيمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ

آفت سے۔ بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ

تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِينَ ﴿۱۳۶﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳۷﴾

بنے نصیحت کرنے والا۔ اور کچھ نہیں یہ عادت ہے لگے لوگوں کی۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي

اور ہم کو آفت نہیں آنے والی۔ پھر اسکو جھٹلانے لگے تو ہم نے انکو کھپادیا۔ اس بات

ذَلِكَ لَآيَةٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

میں البتہ نشان ہے۔ اور وہ لوگ بہت نہیں مانتے والے۔ اور تیرا رب وہی

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

ہے زبردست رحم والا۔

قصہ چہارم حضرت ہود علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ اِلَى لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے جو قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے یہ قوم بڑی مالدار اور صاحب سلطنت تھی۔ محض اپنی بڑائی اور نام آوری کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بناتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے انکو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری پر آگاہ کیا مگر وہ لوگ مال و دولت کے نشہ میں مست تھے کب سننے والے تھے بالآخر عذاب الہی سے نیست و نابود

کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں قوم عاد نے ایک ہود علیہ السلام کو کیا جھٹلایا۔ سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام نے ان سے کہا کیا تم کفر اور شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ بیشک میں تمہارے لیے معتبر اور امانت دار پیغمبر ہوں تم کو بھی میری امانت اور صداقت معلوم ہے پس تم اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور جس بات کی طرف تم کو بلانا ہوں اس پر عمل کرو۔ اور میں تم کو خالص اللہ کے لیے نصیحت کرتا ہوں اس دعوت اور نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا اجر تو صرف پروردگار عالم کے ذمہ ہے کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کا نشان بناتے ہو تاکہ خوب بلندی سے نظر آئے محض عجبث اور بے کار کام کرتے ہو۔ جس کی ضرورت نہیں محض نام و نمود کے لیے بناتے ہو یا یہ معنی ہیں کہ وہاں بیٹھ کر تم کھیل اور تماشا کرتے ہو اور سہرا چلنے والوں پر ہنستے ہو اور بڑے بڑے عالی شان محل یا مضبوط قلعے یا بڑی بڑی حوضیں یا زیر زمین پانی کی نہریں بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور ان مکانات میں ہمیشہ رہو گے اور تم کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ کیونکہ ایسے محکم اور مضبوط مکانات بنانا طولِ اہل اور غفلت پر دلالت کرتا ہے تم کو موت کی اور مابعد موت کی کوئی فکر نہیں اور تمہارے تکبر اور تجسس کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو اور اس کو پکڑتے ہو تو ظالم اور سرکش ہو کر اس کو پکڑتے ہو جس میں رحم و کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ پس اللہ سے ڈرو اور سرکشی کو چھوڑو اور میرا کہا مانو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان سے مدد کی جن کو تم جلتے ہو یعنی جس خدا نے تمہارے موشیوں سے اور بیٹوں سے اور باغوں سے اور چشموں سے تمہاری مدد کی یعنی جس خدا نے تم کو یہ نعمتیں دی اس سے ڈرو کہ کہیں وہ اپنی نعمتیں تم سے چھین نہ لے مجھے تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ لوگ بولے ہم پر برابر ہے کہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں میں سے ہم اپنا طریقہ نہیں چھوڑیں گے یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں ہیں اور انکی ڈالی ہوئی عادت ہے اور ہم کو کوئی عذاب نہیں آئے گا غرض یہ کہ ان لوگوں نے ہود علیہ السلام کو جھٹلایا پس ہم نے انکو آندھی سے ہلاک کر دیا کہ انکا اور انکے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ اور اس ماجرے میں اللہ کی بڑی نشانی ہے کہ نبی کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے اور قوم عاد میں کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بیشک تیرا رب دہی بڑا زبردست عزت والا اور رحمت والا ہے کہ دشمنوں کو ہلکتا دیتا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ

جھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان کو ان

أَخُوهُمْ صَلِّهِ إِلَّا تَتَّقُونَ ﴿١٣٢﴾ إِنِّي لَكُمْ

کے بھائی صالح نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم پاس

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿١٣٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

پیغام لانے والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٥﴾

تم سے اس پر کچھ نیک۔ میرا نیک ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

أَتَتْرَكُونَ فِي مَا هُنَا أَمِينٌ ﴿١٣٦﴾ فِي جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٧﴾

کیا چھوڑ دیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں نڈر؟ باغوں میں اور چشموں میں۔

وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٣٨﴾ وَتَنَحُّتُونَ مِنْ

اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جنکا گابھا ملائم۔ اور تراشتے ہو پہاڑوں

الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِهِينَ ﴿١٣٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ج

کے گھر تکلف سے۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٤٠﴾ الَّذِينَ يَفْسِدُونَ فِي

اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا۔ جو بگاڑ کرتے ہیں

الْأَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ ﴿١٤١﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ

ملک میں اور سنوار نہیں کرتے۔ بولے، تجھ پر کسی نے

الْمُسْحَرِينَ ﴿١٤٢﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ

جادو کیا ہے۔ تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم۔ سو لے آ کچھ نشانی، اگر

كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ

تو سچا ہے۔ کہا یہ اونٹنی ہے! اسکو پانی پینے کی

وَلَكُمْ شِرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿١٤٤﴾ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ

ایک باری، اور تمکو باری ایک دن کی مقرر۔ اور نہ چھیڑو اسکو بُری طرح

فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٤٥﴾ فَعَقَرُوهَا فَاصْبَحُوا

پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی۔ پھر کاٹ ڈالی وہ اونٹنی پھر کل کو

نِدَامِينَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ط

وہ گئے پچھتاتے۔ پھر پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۹﴾

زبردست رحم کرنے والا۔

قصہ بنجم صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قال الله تعالى كَذَبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ... الى ... لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔
یہ پانچوں قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عرب کے شمال کنارہ پر آباد تھی اور یہ خطہ نہایت سرسبز و شاداب تھا چشموں اور باغوں سے معمور تھا مگر یہ بد بخت قوم بت پرست تھی اور رہنری اور دیگر فواحش میں مبتلا تھی۔ قیامت اور روز جزا کی منکر تھی۔ قوم ہود پر تو تکیہ اور تبحر اور تعلی اور تفاخر کا غلبہ تھا کہ بڑی بلند عمارتیں بناتے تھے اور قوم صالح پر لذات حسیہ اور شہوات طبعیہ کا غلبہ تھا کھانے پینے کی طرف زیادہ راغب تھے۔ یہ لوگ بڑے آسودہ حال تھے حضرت صالح علیہ السلام نے انکو اللہ کی اطاعت کا حکم دیا اور دنیاوی عیش و عشرت کی ناپائیداری بیان کی۔ انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا انکی طلب کے مطابق ایک اونٹنی پتھر سے نمودار ہوئی انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور مورد غضب الہی ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں قوم ثمود نے ایک صالح علیہ السلام کو کیا جھٹلایا سارے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے انکے سببی بھائی صالح علیہ السلام نے کہا کیا تم اللہ کی نافرمانی سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بن کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس تبلیغ و دعوت پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم ان نعمتوں میں جو یہاں (دنیا میں) تمکو حاصل ہیں اسی حالت میں بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تم پر نہ کوئی آفت آئے گی اور نہ تم کو بیماری اور موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا مقضایہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اس منعم حقیقی نے تم کو باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم اور نازک اور پاکیزہ ہیں۔ رکھ دیئے ان عظیم نعمتوں کا شکریہ تم پر واجب ہے اور کیا تم اس لیے بے فکر ہو کر پہاڑوں میں سے ترشش کر سکنات بناتے ہو۔ درآغالبیکہ تم اتراتے ہو پس اللہ سے ڈرو وہ اس بات پر قلعہ ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے اور میری اطاعت کرو تا کہ اللہ کے عذاب سے مامون ہو جاؤ اور ان لوگوں کی بات

نہ مانو کہ جو نجات کی وجہ سے دائرہ عبودیت سے باہر نکلنے والے ہیں جو لوگ زمین میں فساد کرتے ہیں اور تباہی مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے فساد سے اللہ کی نافرمانی اور اصلاح سے اللہ کی فرمانبرداری مراد ہے وہ لوگ بولے کہ تجھ پر تو بس کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لیے تو بھی ہلکی خارج از عقل باتیں کر رہا ہے تو تو کچھ بھی نہیں ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تو اللہ کا رسول کیسے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا رسول ہوتا تو فرشتہ ہوتا ہم جیسا ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ بے عقلی ہے اور بے دلیل ہے پس اگر تو سچوں میں ہے تو اپنے دعوائے نبوت پر کوئی دلیل لا صالح علیہ السلام نے کہا کہ اچھا کیا نشانی مانگتے ہو انہوں نے فرمائش کی کہ خاص اس پتھر میں سے ایک اونٹنی نکال حضرت صالح علیہ السلام نے غار پر ٹھوکر دعا مانگی اسی وقت پہاڑ میں ایک پتھر مثل حاملہ عورت کے تھرا یا اور شق ہو کر اس میں سے ایک اونٹنی برآمد ہوئی صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ ہے اونٹنی جو تم نے مانگی تھی اور اس اونٹنی کے کچھ حقوق ہیں منجملہ انکے یہ ہے کہ پانی پینے کے لیے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقرر دن تمہارے مولیشی کے پانی پینے کی باری ہے اسکی باری کے دن تم اپنے جانوروں کو نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ پانی نہیں پیئے گی اور ایک حق اسکا یہ ہے کہ اس کو برائی اور تکلیف دہی کی نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا مبادا تم کو کسی بڑے بھاری دن کا عذاب آپکڑے سوا انہوں نے باوجود معجزہ کے نہ تو صالح علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کا حق ادا کیا بلکہ اس اونٹنی کو کاٹ ڈالا پھر جب آتار عذاب نمودار ہوئے تو اپنے کیے پر نادم ہوئے پھر کچھ لیا انکو عذاب نے جسکا ان سے وعدہ کیا گیا تھا زمین کو سخت زلزلہ آیا کہ گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑے اور جبریل امین نے ایک چیخ ماری جس سے انکے جگر پھٹ گئے اور سب مر گئے۔ تحقیق ان قوم خود کی سرگزشت میں بڑی عبرت ہے اور ان میں کے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہوئے اور بے شک تیرا رب عزیز اور رحیم ہے یعنی وہ غالب ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا اور مہربان ہے جب تک جرم کا پیمانہ بھری نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب نازل نہیں کرتا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ

جھٹلایا قوم لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا ان

لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَّا تَتَّقُونَ ۖ (۱۶۱) ۚ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

کے بھائی لوط نے کیا تم کو ڈر نہیں؟ میں تم کو پیغام لانے

أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ (۱۶۲) ۚ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ

والا ہوں معتبر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور مانگتا نہیں میں تم سے

مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ (۱۶۳) ۚ أَتَأْتُونَ

اس پر کچھ نینگ۔ میرا نینگ ہے اسی جہان کے صاحب بے۔ کیا دوڑتے ہو

الذِّكْرَانِ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝۱۶۵ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

جہان کے مردوں پر - ؟ اور پھوڑتے ہو جو تم کو بنا دیں

رَبُّكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝۱۶۶

تمہارے رب نے تمہاری جوڑیوں سے ؛ بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے۔

قَالُوا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ۝۱۶۷

بولے۔ اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکالا جاوے گا -

قَالَ إِنِّي يَعْمَلُكُم مِّنَ الْقَالِينَ ۝۱۶۸ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں - اے رب ! خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر

مِمَّا يَعْمَلُونَ ۝۱۶۹ فَجَنَيْنَاهُ وَاهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝۱۷۰ إِلَّا

والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں - پھر بچا دیا ہم نے اس کو، اور اسکے گھر والوں کو سارے - مگر ایک

مَجْزُؤًا فِي الْغُبَرِ ۝۱۷۱ ثُمَّ دَمَرْنَا الْآخِرِينَ ۝۱۷۲ وَ

بڑھیا رہی رہنے والوں میں - پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان دوسروں کو - اور

أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۝۱۷۳ إِنَّ

برسایا ان پر ایک برساؤ سو کیا بُرا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا - البتہ

فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝۱۷۴ وَ

اس بات میں نشانی ہے اور وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے - اور

إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۱۷۵

تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا -



قصہ ششم حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى كَذَبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ... الى... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔
 یہ چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف بھیجے گئے سدوم شام کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے یہاں کے لوگ بت پرست ہوئے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے اور خاص طور پر لواطت میں مبتلا تھے لوط علیہ السلام نے انکو نصیحت کی مگر ان بدلتخوں نے ایک نہ سنی بالآخر سب ہلاک کر دیئے گئے چنانچہ فرماتے ہیں۔ لوط کی قوم نے بھی سارے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے رسول امین بنا کر بھیجا گیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تمہارا خیر خواہ اور بے غرض ناصح ہوں میں تم سے اس دعوت اور نصیحت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میری اجرت اور میرا اجر تو اللہ رب العالمین پر ہے کیا سارے جہان میں تم ہی ایسے ہو کہ مردوں اور لڑکوں سے فضاہ شہوت کرتے ہو اور چھوڑتے ہو تم اپنی بیبیوں کو جن کو تمہارے لیے تمہارے رب نے پیدا کیا ہے اور اس فعل شنیع کے ارتکاب سے تم فقط گناہ گار نہیں بلکہ حدود انسانیت سے تجاوز کرنے والے ہو بیبیوں کو چھوڑ کر مردوں سے مباشرت کرنا فضاہ شہوت نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی خباثت ہے اور سر شیطانیت ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا تو البتہ ہو جائیگا تو نکالے ہوئے لوگوں میں سے یعنی تجھ کو بستی سے نکال دیا جائے گا۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا میں تمہاری اس دھمکی سے نہیں ڈرتا تحقیق میں تمہارے اس عمل بد سے بغض اور نفرت رکھنے والوں میں سے ہوں اور تمہارے کام سے بالکل بیزار ہوں اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے خاص متعلقین کو اس بُرے کام کے وبال اور عذاب سے بچا جو ان پر آنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی پس نجات دی ہم نے اسکو اور اسکے سب متعلقین کو سوائے ایک بڑھیا کے جو حضرت لوط کی بد قسمت بی بی تھی کہ جو پیچھے رہنے والوں میں رہی پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک اور تباہ کر دیا اور ان پر ایک خاص قسم کا برساؤ کیا یعنی پتھر دھوپس کیا ہی بڑا برساؤ تھا ان لوگوں کا جن کو عذاب الہی سے ڈرایا گیا۔ یعنی ان کی بستیاں زمین سے اوپر لے جا کر اسط دی گئیں اور آسمان سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ ڈھیر ہو کر رہ گئے مفصل قصہ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ بیشک اس قصہ میں نشانی اور عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور تیار پروردگار زبردست ہے اور رحم والا ہے کہ دشمنوں کو ہلاک کیا اور لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ عُيُكَةَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤٦﴾ إِذْ قَالَ

جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو۔ جب کہا

لَكُمْ شُعَيْبٌ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

ان کو شعیب نے، کیا تم کو ڈر نہیں۔ میں تم کو پیغام لانے والا ہوں

أَمِينٌ ﴿١٤٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

مقبّر۔ سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو۔ اور نہیں مانگتا میں تم

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنَّا جَرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٦﴾

سے اس پر کچھ نیک۔ میرا نیک ہے اسی جہان کے صاحب پر۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٤٧﴾ وَزِنُوا

پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے۔ اور تولو

بِالْقِسْطِ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٨﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

سیدھی ترازو۔ اور مت گھٹا دو لوگوں کو انکی چیزیں

وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٤٩﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

اور مت دوڑو ملک میں خرابی ڈالتے۔ اور ڈرو اس سے جس

خَلَقَكُمْ وَابْتَلَاكُمْ ۖ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٥٠﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ

نے بنایا تمکو اور اگلی خلقت کو۔ بولے تجھ کو تو کسی نے جادو

الْمُسْحَرِينَ ﴿١٥١﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ

کیا ہے۔ اور تو یہی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں

لَمِنَ الْكَذِبِينَ ﴿١٥٢﴾ فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ

تو تو جھوٹا ہے۔ سو دے مار ہم پر کوئی ٹپرا آسمان کا

إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٥٣﴾ قَالَ رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَا

اگر تو سچا ہے۔ کہا میرا رب خوب جانتا ہے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط

جو تم کرتے ہو۔ پھر اسکو جھٹلایا پھر پکڑا انکو آفت نے سامناں والے دن کی۔

إِنَّهُ كَانَ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَ

بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا۔ البتہ اس بات میں نشانی ہے اور

مَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

وہ بہت لوگ نہیں ماننے والے۔ اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيمُ ﴿۱۹۱﴾

رحم والا۔

قصہ مفتی اصحاب الایکہ

قال الله تعالى كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ... وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ
یہ ساتواں قصہ اصحاب ایکہ کا ہے جن کی طرف شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے یہ لوگ علاوہ شرک کے ناپ تول میں بہت کمی کرتے حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا بالآخر ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں ایکہ کے لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو نہیں بلکہ سارے رسولوں کو جھٹلایا ایکہ کے معنی بن کے ہیں۔ ایکہ ایک جنگل تھا جو مدین کے قریب تھا اس جنگل میں درخت اور پھل بہت تھے۔ ایکہ مدین کے متصل ایک مقام کا نام ہے حضرت شعیب علیہ السلام من جانب الشرقین کی طرف مبعوث ہوئے ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک مدین کی طرف یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ بدکار اور اوباش نھے کیل اور وزن میں کمی کرتے تھے جس پر بقار باہمی کا دار و مدار ہے جبکہ شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس وعظ اور تبلیغ پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو صرف رب العالمین پر ہے میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا حق ربا بیت ادا کرو اور بندوں کی حق تلفی نہ کرو۔ پیمانہ پورا بھر کر دیا کرو اور نقصان پہنچانے والوں اور حق کم کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور سیدھی ترازو سے تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھرو۔ ماپ تول میں کمی کرنا یہ بھی ایک قسم کا فساد ہے بلکہ چوری اور رہبری کا ایک نمونہ ہے اور اس خدا نے بڑے ڈر جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تم کو اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا اور تم کو عدم سے وجود میں لایا اور وہ تمہارے مٹانے اور فنا کرنے

پر بھی قادر ہے لہذا تم پر اس کی فرمانبرداری لازم ہے۔ اہل ایکہ حضرت شعیب علیہ السلام کی اس نصیحت کے جواب میں بولے اور بطور حقارت ان سے یہ کہا کہ جزا میں نیست کہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن پر جادو کر دیا گیا اس لیے تو بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ تو رسول الہی کیسے ہو سکتا ہے اور نہیں ہے تو مگر ہم ہی جیسا ایک آدمی ہے تجھے ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے ان نادانوں نے ظاہری صورت و شکل کی مماثلت سے یہ سمجھا کہ ہم اور وہ برابر ہیں۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ صورت اور شکل کے اعتبار سے تو عاقل اور غافل اور عالم اور جاہل میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا اور بولے کہ ہم تو بلاشبہ تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں پس اگر تو دعوائے نبوت میں سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا ہم پر گرا دے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تو سچا نبی ہے اور تیری تکذیب کی وجہ سے ہم پر یہ بلا نازل ہوئی شعیب علیہ السلام نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو وہ نہیں تمہارے اعمال کی سزا دینگا مگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ تم کو کیا سزا دیگا بالآخر انکو یہی سزا مل گئی جو انہوں نے مانگی تھی۔ پس اس قوم نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا پس پکڑ لیا انکو سائبان والے دن کے عذاب نے سیاہ ابر سائبان کی شکل میں نمودار ہوا جس میں سے آگ برسی اور سب جل گئے۔

قائد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا ایک اصحاب ایکہ کی طرف اور ایک اہل مدین کی طرف۔ اصحاب ایکہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب ظلمہ سے ہلاک کیا اور اہل مدین پر جبریل امین نے ایک چنچ ماری جس سے سب کے کلبے پھٹ گئے جیسا کہ سورہ ہود میں اہل مدین کے عذاب کے بارے میں ہے **وَ أَخَذَتِ الذِّیْنِ ظَلَمُوا الصِّیْحَةَ** کہ اہل مدین کو ایک چنچ اور چنگھاڑنے پکڑ لیا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا اس قوم پر سات دن تک سخت گرمی پڑتی رہی کسی چیز سے انکو تسلی نہیں ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک بادل کا ٹکڑا بھیجا اس کو غنیمت سمجھ کر اس کے سائے میں آئے اور سب اسکے نیچے جمع ہو گئے۔ بادل میں سے آگ برسنی شروع ہوئی۔ سب جل کر مر گئے۔ اصحاب مدین قوم ثمود کی طرح صیحمہ سے ہلاک ہو گئے اور اصحاب ایکہ عذاب یوم ظلمہ سے ہلاک ہوئے۔ بیشک قوم ایکہ کی اس سرگذشت میں اللہ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور باوجود اس کے ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ ہوئے اور بے شک نیزا پروردگار وہی غالب اور مہربان ہے کہ اہل ایمان کا کافروں سے اس طرح انتقام لیتا ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۹۲ نَزَلَ بِہٖ

اور یہ قرآن ہے اتارا جہان کے صاحب کا۔ لے اترا ہے

الرُّوْحِ الْاَمِیْنِ ۝۱۹۳ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝۱۹۴

اسکو فرشتہ معتبر۔ تیرے دل پر کہ تو ہو ڈر سنانے والا۔

بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝۱۹۵ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبْرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝۱۹۶

کھلی عربی زبان سے۔ اور یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں۔

أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ أَنْ يَأْتِيَهِمْ عَلَيْهَا بَنِي

کیا ان کو نشانی نہیں ہو چکی؟ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لوگ

إِسْرَءِيلَ ۖ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ۖ

بنی اسرائیل کے۔ اور اگر اتارتے ہم یہ کسی ادھیری زبان والے پر۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ۖ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ

اور وہ اس کو پڑھنا، تو بھی اس کو یقین نہ لاتے۔ اسی طرح پڑھایا ہم

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۖ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوْا

نے اسکو گناہ گاروں کے دل میں۔ وہ نہ مانیں گے اسکو، جب تک نہ دیکھیں گے

الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۖ فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۖ

دکھ کی مار۔ پھر آوے ان پر اچانک، اور انکو خبر نہ ہو۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ۖ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۖ

پھر کہنے لگیں کہ بھی ہم کو فرصت ملے۔ کیا ہماری مار جلد مانگتے ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ۖ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا

بھلا دیکھ تو! اگر برتنے دیا ہم نے انکو کئی برس۔ پھر پہنچا ان پر جس کا ان سے

يُوعَدُونَ ۖ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَعْوُونَ ۖ وَ

وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا ان کے جتنا برتنے رہے۔ اور

مَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۖ ذِكْرًا

کوئی بستی نہیں کھپائی ہم نے جس کو نہ تھے ڈر سنانے والے۔ یاد دلانے کو

وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ۖ وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۖ

اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا۔ اور اس کو نہیں لے اترے شیطان۔

وَمَا يَتَّبِعِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝۲۱۱ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ

اور ان سے بن نہ آوے، اور وہ کر نہ سکیں۔ ان کو تو سننے کی جگہ

لَمَعَزُؤُونَ ۝۲۱۲ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونُ مِنَ

سے کٹا کر دیا ہے۔ سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم، پھر تو تم پڑے

الْمُعَذِّبِينَ ۝۲۱۳ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝۲۱۴ وَ

عذاب میں۔ اور ڈر سنا دے اپنے نزدیک ناتے والوں کو۔ اور

أَخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲۱۵

اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہوں ایمان والے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝۲۱۶ وَتَوَكَّلْ

پھر اگر تیری بے حکمی کریں تو کہہ دے میں الگ ہوں تمہارے کام سے۔ اور بھروسہ

عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝۲۱۷ الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ۝۲۱۸ وَ

کر اس زبردست رحم والے پر۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے۔ اور

تَقَلُّبِكَ فِي السُّجُودِ ۝۲۱۹ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۲۲۰ هَلْ

تیرا پھرنا نمازیوں میں۔ وہ جو ہے وہی ہے سنا جانتا۔ ہیں

أُبَدِّلُكُمْ عَلَى مَنْ تَنْزِلُ الشَّيَاطِينُ ۝۲۲۱ تَنْزِلُ عَلَى كُلِّ

بتوں تم کو؟ کس پر اترتے ہیں شیطان۔ اترتے ہیں ہر جھوٹے

أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝۲۲۲ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝۲۲۳ وَ

گناہ گار پر۔ لا ڈالتے ہیں سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں۔ اور

الشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝۲۲۴ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ

شاعروں کی بات پر چلیں وہی، جو بے راہ ہیں۔ تو نہیں دیکھنا؟ کہ وہ ہر میدان میں سر

يٰۤهَيِّسُوْنَ ۝۲۳۵ وَ اَنَّهُمْ يَقُولُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝۲۳۶ اِلَّا

مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

جو یقین لائے اور کیں نیکیاں اور یاد کی اللہ کی بہت

وَاَنْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظَلَمُوْا ۚ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ

اور بدلہ لیا پیچھے کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور اب معلوم کریں گے

ظَلَمُوْا اَيُّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۳۷

ظلم کرنے والے، کس کر دٹ اٹھتے ہیں۔

خاتمہ سورت مضمون تحانیّت قرآن

برائے اثبات رسالت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم

قال الله تعالى وَاِنَّهٗ لَكَنْزٌ لِّرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ... اِلَى... وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيُّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ
(ربط) ابتداء سورت میں تحانیّت قرآن کا مضمون تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا
ثابت کرنا مقصود تھا۔ اس وجہ سے منکرین نبوت اور منکرین رسالت کے واقعات ذکر کیے۔ اب اخیر میں پھر اسی مضمون
سابق کی طرف عود کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ لہذا
آپ اسکی تبلیغ اور دعوت میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور ان مشرکین کی پرواہ نہ کیجئے عنقریب ان
ظالموں کو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائیگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ
ہے جس سے مقصود بندوں کی تربیت ہے روح الامین یعنی جبریل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر اسکو آپ کے
قلب پر اترے ہیں جو بندوں کے لیے روح ہدایت اور سامان حیات ہے جبریل اللہ کے امانت دار فرشتہ ہیں جس
طرح انہوں نے کلام اور پیغام کو سنا بلا کم و کاست اسی طرح آپ کے قلب پر اتارا۔ روح الامین نے اللہ کی یہ امانت آپ کے
قلب مبارک پر لا کر اتاری تاکہ کلام خداوندی کے انوار و برکات آپ کے قلب میں راسخ اور مرتکز ہو جائیں اور قلب مبارک
اس قرآن کو اچھی طرح سمجھ لے اور خوب محفوظ کر لے کہ جس میں سہو اور نسیان اور بھول چوک کا امکان باقی نہ رہے۔ قرآن

کریم کا نزول اول قلب مبارک پر ہوا اور پھر قلب سے حواس ظاہر اور حواس باطنہ اور باقی اعضاء اور جوارح تک پہنچا۔ عقل اور ادراک کا منبع اور سرچشمہ دل ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنْ كَفَىٰ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ۔

اس لیے اللہ کا کلام آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص فضیلت ہے کہ قرآن پاک آپ کے قلب پر نازل ہوا بخلاف دیگر انبیاء و رسل کے انکی کتابیں بشکل الواح و صحف نازل ہوئیں پس انکا نزول حضرت انبیاء کی ظاہری صورتوں پر ہوا نہ کہ انکے قلوب پر۔ اور جبریل امینؑ یہ قرآن صاف اور واضح عربی زبان لیکر آپ کے قلب پر نازل ہوئے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں جس طرح انبیاء سابقین نے منکرین اور مکذبین کو خدا کے قہر سے ڈرایا۔ اسی طرح آپ بھی نہ ماننے والوں کو ڈرائیں۔

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اسکی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور بے چون و چگون ہے۔ بندوں کی ہدایت کے لیے اسکو حروف عربیہ کے لباس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امینؑ نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اسکو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۹ ج ۳ اور دیکھو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں یہ قرآن آپ کے قلب پر نازل کیا ہے اور اس قرآن کے الفاظ اور معانی سب القاء ربانی ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ فصحاء عرب نظم قرآنی کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے کسی بشر کا کلام نہیں اور اگر باوجود اس واضح اعجاز کے کوئی کور باطن قرآن کی حقانیت اور کلام خداوندی ہونے کا انکار کرے تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ اس قرآن کی اور اسکے لئے والے کی خبر پہلے لوگوں کی آسمانی کتابوں

عہ قال ابن الشیخ فهو علیہ افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلیة والكرامة السنية من سائر الانبياء فان كتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهي منزلة علی صورهم وظاهرهم علی قلوبهم حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۹ ج ۳ و کذا فی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶۔

عہ اشارہ اس طرف ہے کہ بلسان عربی تنزیل کے متعلق اور بعض علماء نے اسکو من المذہبین کے متعلق کہا ہے والا دل ہوا لظہر۔

عہ قال ابن الشیخ فالقرآن کلام اللہ وصفة القائمة به کساة کسوة الالفاظ المركبة من الحروف العربية ونزله الی جبریل وجعله امینا لتلايته تصرف فی حقائقه ثم نزل به کما هو علی قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتعرفوا یتخلق بخلقہ یتنوی بانوارہ یتحلی بحقائقہ ففهم وتمکن من تفہیمہ یفسی۔ ۱۸ حاشیہ شیخ زادہ ص ۴۹ ج ۳۔

میں موجود ہے کہ یہ قرآن اخیر زمانہ میں پیغمبر آخر الزمان پر نازل ہوگا۔ نزول قرآن سے قریباً ۱۰۰۰ سال پہلے انبیاء سابقین کی کتابوں میں اس خبر کا مذکور ہونا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ قرآن بجانب اللہ اور منزل من اللہ ہے کسی سے پڑھ کر یا کسی سے سمجھ کر آپ یہ آئین تبادلت نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ اس قرآن کی حقانیت اور صداقت کا انکار کرتے ہیں کیا ان کے پاس اسکی صداقت اور حقانیت کی یہ نشانی موجود نہیں کہ علماء بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے چنانچہ بہت سے یہود اور نصاریٰ اسی بنا پر مسلمان ہوئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر توریت اور انجیل اور زبور اور دیگر آسمانی کتابوں میں دی گئی جیسے عہد اللہ بن سلام وغیرہ۔ اور بہت سے علماء یہود اور نصاریٰ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر اپنی خصوصی مجلسوں میں اسکا اقرار کرتے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں اور یہ وہی کتاب ہے کہ جس کے ظہور اور نزول کی خبر آسمانی صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ جن یہود اور نصاریٰ میں ذرا بھی انصاف تھا۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہماری کتابوں میں موجود ہے اور زمانہ نزول میں کسی یہودی اور نصرانی عالم کی یہ جرأت نہیں کہ وہ قرآن کے ان آیات کی تکذیب اور انکار کر سکے۔ توریت اور انجیل میں اگرچہ بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے لیکن اب بھی ان میں قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں موجود ہیں جنکو تفصیل کے ساتھ ہم نے سیرۃ المصطفیٰ کے حصہ چہارم میں ذکر کر دیا ہے اور بشائر النبیین بظہور خاتم الانبیاء والمرسلین کے نام سے علیحدہ بھی طبع ہو چکی ہے چنانچہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب درس ۱۸ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں "ان کے لیے (یعنی بنی اسرائیل) کے لیے انکے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسمعیل میں سے) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا" انتہی اس بشارت میں موسیٰ جیسے نبی کے برپا کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی طرف اشارہ ہے اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالنے سے نزول قرآن کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ علماء بنی اسرائیل اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اس قرآن کی خبر اگلی کتابوں میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی مذہب کا عالم کسی بات کی گواہی دیتا ہے تو اس چیز کا یقین ہو جاتا ہے لہذا اہل مکہ کو اس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور انکو چاہیئے کہ اس پر ایمان لے آویں۔ لیکن یہ لوگ حد درجہ کے معاند ہیں۔ بالفرض اگر ہم اس عربی کتاب کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی بولنے پر قادر نہ ہوتا۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا جس سے اس کا اعجاز اور ظاہر ہو جاتا تو یہ عنادی لوگ تب بھی اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ منترکین عرب یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور اس نبی کی زبان بھی عربی ہے ممکن ہے کہ اس شخص نے خود اس قرآن کو بنالیا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسکا جواب دیا کہ یہ لوگ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ اگر ہم اس قرآن عربی کو کسی عجمی شخص پر نازل کرتے جو عربی کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا اور وہ اس قرآن کو ان پر نہایت صحیح طریقہ سے پڑھتا تو تب بھی عنادی وجہ سے ایمان نہ لاتے حالانکہ اس وقت اس میں دو اعجاز جمع ہو جاتے۔ ایک اعجاز تو خود قرآن کا اور ایک اعجاز اس عجمی کی قرارت کا۔ کیونکہ عجمی شخص پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس عجمی نے خود اس نظم عربی کو بنالیا ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو لغتِ عجم میں کسی غبی پر اتارتے اور پھر وہ انکو اپنی زبان میں پڑھ کر سنانا تو تب بھی ایمان نہ لاتے اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس زبان کو نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔
وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ -

غرض یہ کہ نہ ماننے کے سو بہانے لہذا سب سے نبی آپ انکے ایمان لانے کی امید نہ رکھیے دیکھ لیجئے کہ ہم مجرموں کے دلوں میں اس طرح انکار اور تکذیب کو اتار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ پچھلی امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پھر وہ عذاب دنیا ہی میں ان پر اچانک آجاتے اور انکو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہو۔ پھر کہنے لگیں کہ کیا کچھ ہم مہلت دیئے جائیں گے کہ ایمان لاسکیں لیکن یہ وقت مہلت کا نہیں۔ مہلت کا وقت تو گزر چکا اب تو سر پر مصیبت آ رہی ہے یہ مجرمین پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ ہم پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بطور تہدید اور استنذار ان کے جواب میں فرماتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ہمارے عذاب میں جلدی مچاتے ہیں اور ہمارے نبی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ بتلایئے کہ ہم پر کب عذاب آئیگا اور کہتے ہیں کہ رَبَّنَا كَجَلِّ لَنَا قِطْنًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ اور اَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اور فَاْتِنَا جَمًا تَعْدُنَا۔ اور حال یہ ہے کہ عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔ عذاب کی تعجیل تو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی بات کو غلط سمجھتے ہیں اور مہلت مانگنا اس کی دلیل ہے کہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہے ہیں اے نبی دیکھیئے تو سہی اگر ہم انکو عمر دراز دیکر سالہا سال بہرہ مند کر دیں پھر مدت دراز کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے۔ جس کا ان سے وعدہ تھا تو وہ سالہا سال کی بہرہ مندی انکو کچھ کام نہ آئے گی۔ اور عذاب کو ان سے دفع نہ کر سکے گی۔ اور ایک لمحہ کا عذاب لاحق۔ سالہا سال کے عیش و عشرت اور سابق تمنع کو یکلخت ختم کر دے گا۔

اور ہم نے کسی بستی کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا مگر وہاں لوگوں کو عذاب الہی سے ڈرانے والے موجود تھے۔ بطور نصیحت انکو حق کی طرف بلاتے تھے جب جہت پوری ہو گئی تب عذاب آیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکا یک عذاب نازل کر دیں۔

ابطال کہانت

وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ اَلْهَمُّ عَنِ السَّمْعِ لَمْعَزُولُونَ۔
گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کا نازل فرمودہ ہے جس کو جبریل امینؑ لیکر آپ کے قلب پر اتارے ہیں۔ اب آگے ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن جن اور شیاطین کا القاء ہے۔ جیسے شیاطین کا ہنوں پر القاء کرتے ہیں یہ بھی اسی قسم کا کلام ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اتارے جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں بلکہ اس قرآن کو تو جبریل امینؑ خدا تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں اور نہ شیاطین کے لیے یہ سزاوار ہے کہ وہ ایسی کتاب ہدایت کو لیکر آئیں یہ کتاب تو سرچشمہ ہدایت ہے اور شیاطین سرچشمہ ضلالت و شقاوت

ہیں وہ اس کو کس طرح انار سکتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ تحقیق وہ فرشتوں کے کلام سننے سے دور رکھے گئے ہیں۔ ملا اعلیٰ اور خطیرۃ القدس تک انکی رسائی نہیں تو پھر وہ قرآن کو کس طرح سن سکتے ہیں۔ ترمذی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے جنات آسمان پر جایا کرتے تھے اور وہاں سے کوئی بات سن کر آتے تھے تو ساحروں اور کاہنوں پر اترتے اور انکو القاء کرتے وہ اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی بنائے گئے اور آپؐ پر نزول قرآن شروع ہوا تو آسمانوں پر پہرے لگا دیئے گئے کہ شیاطین وہاں جا کر کوئی حرف نہ سن سکیں اگر وہاں جاتے ہیں تو ان پر شعلے برسائے جاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاَهَا مِلْمَةً حَرِّ سَا شَدِيدًا وَّ اَنَّا كُنَّا لَفَعْدٌ مِنْهَا مَقَاعِدٌ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعُ لَانَ يَجِدُ لَهُ شَهَابًا رَّصَدًا وَّ قَالَ تَعَالٰی فَاِنَّهٗ يَسْمَعُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَّ مِنْ خَلْفِهٖ رَّصَدًا۔

ان غیبی پہروں کے ہوتے ہوئے شیاطین کا وہاں گزر نہیں تو پھر وہ کیسے کوئی حرف اچک سکتے ہیں۔ یہ قرآن القاء عانی ہے نہ کہ القاء شیطانی۔ اس لیے کہ جس بارگاہ سے یہ قرآن نازل ہو رہا ہے شیاطین وہاں تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ دوم یہ کہ القاء شیطانی نفوسِ نجسہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوسِ قدسیہ پر۔

غرض یہ کہ قرآن کریم نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے شیاطین کے القاء سے بالکل محفوظ ہے۔ سوائے نبی حبیب ہدایت قرآن تم توحید کی دعوت میں لگے رہو اور خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارو مبادا کہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے مگر مراد دوسرے لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بفرض محال اگر نبی بھی شرک کرنے لگے تو اس پر بھی عذاب آئے تو دوسروں کی کیا حقیقت ہے اور اے نبی آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمارے عذاب سے ڈیئے چنانچہ آپ نے اپنے خویش و اقارب کو جمع کر کے عذاب الہی سے ڈرایا اور پوری طرح حکم خداوندی کی تعمیل کی اس آیت میں کفار اور مشرکین کو عذاب الہی سے ڈرانے کا حکم دیا۔ اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کی مدارات اور ان کے ساتھ تواضع کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اے نبی آپ اپنے بازو کو ان مسلمانوں کے لیے پست کر دیجیئے جو آپ کے پیروں چکے ہیں۔ اور آپ کے نقش قدم پر آپچے پیچھے چلتے ہیں پس اگر آپ کی قوم والے آپکی نافرمانی کریں اور آپکی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ کھد بجیئے کہ میں بُری اور بنیرا ہوں اس کام سے جو تم کر رہے ہو اور انکی طرف سے ایذا اور ضرر کا خطرہ دل میں نہ لائیئے بلکہ ان پر بھروسہ رکھیئے جو غالب اور مہربان ہے اور آپکا نگہبان ہے جو آپکو دیکھتا ہے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور تہجد کے لیے اٹھتے ہیں اور نیز دیکھتا ہے وہ آپکی نشست و برخاست کو سجدہ کرنے والوں میں یعنی جب آپ جماعت میں رکوع و سجدہ کرتے ہیں اللہ اس سے بھی واقف ہے اس سے جماعت کی فضیلت نکلتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز میں سجدہ ایک خاص شان رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو خاص طور پر دیکھتا ہے جب آپ تنہا نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور جب آپ جماعت میں ہوتے ہیں تب بھی آپکو دیکھتا ہے اور نماز کے علاوہ اور حالات میں بھی آپکو دیکھتا ہے غرض یہ کہ ہر حال میں آپ کی نظر عنایت ہے۔ بیشک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے کوئی حالت اس کے علم محیط سے خارج نہیں۔

اور بعض سلف یہ کہتے ہیں کہ ساجدین سے حضور پر نورؐ کے اباؤ اجداد مراد ہیں اور یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

آدم علیہ السلام اور حوا سے لیکر حضور کے والدین تک آپ کی روح پاک کو ایک ساجد اور موحّد سے دوسرے ساجد اور موحّد کی طرف منتقل فرمایا اور آپ کے سلسلہ نسب میں کوئی مشرک نہ تھا اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد آزر تو بنص قرآنی مشرک تھے بعض نے اس کا یہ جواب دیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد نہ تھے بلکہ چچا تھے اور مجازاً چچا پر بھی باپ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور بعض نے یہ کہا کہ آزر کے شرک کرنے سے پہلے نور نبوت منتقل ہو چکا تھا۔

تتمہ ابطال کہانت

گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن کہانت نہیں اور آنحضرت کا ہن نہیں اب آئندہ آیت میں اسی کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن وحی الہی ہے اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ اے نبی آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تم کو خبر دوں کہ کس قسم کے شخص پر شیاطین نازل ہوتے ہیں تاکہ تم پر وحی ربانی اور وحی شیطانی کا فرق واضح ہو جائے۔ سوسن لو شیاطین ہر جھوٹے فریبی بدکار پر اترتے ہیں جیسے میلہ کذاب اور دیگر کاہن اس قسم کے جھوٹے اور مکار لوگوں پر شیاطین اترتے ہیں اور یہ شیاطین فرشتوں سے کوئی سنی ہوئی بات ان کا ہنوں پر لا کر الفار کرتے ہیں اور ان کا ہنوں میں کے اکثر لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ کفار یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کر جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ شیاطین تو جھوٹے بدکاروں پر آتے ہیں اور پوری چھپے ہو کوئی ایک ادھی بات فرشتوں سے سن بھاگتے ہیں وہ ان کا ہنوں پر الفار کر دیتے ہیں پھر وہ بدکار کاہن اس میں سو جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر اسکو مشہور کر دیتے ہیں۔ راست بازوں اور حق پرستوں کے پاس شیاطین کا کیا کام۔ انکے تو سایہ سے بھی وہ بھاگتے ہیں اور ہمارے نبی تو صدق مجسم ہیں انکی زبان سے تو کوئی جھوٹ حرف نکل ہی نہیں سکتا پس معلوم ہوا کہ یہ قرآن شیاطین کا کلام نہیں۔ خدا کا کلام ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں یلقون کی ضمیر افاکین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جھوٹے اور بدکار لوگ ہمہ تن شیاطین کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں جو کچھ ان سے مل جاتا ہے اس میں سو جھوٹ ملا کر آگے چلنا کرتے ہیں اور برخلاف حضور پر نور ص کے آپ نے جو پیش گوئیاں کی ہیں اور آئندہ کی خبریں دی ہیں وہ حرف بحرف صحیح نکلیں ان میں ذرہ برابر جھوٹ کی ملاوٹ نہیں۔

ابطال شاعری

کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن بتاتے اور کبھی شاعر بتاتے۔ گزشتہ آیات میں آپ کے کاہن ہونے کی تردید کی اب آئندہ آیت میں آپ کے شاعر ہونے کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ قرآن کو شعر کہنا اور حضور پر نور کو شاعر کہنا منکرین کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور شاعروں کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر لوگ جو خیالی اور نفسانی چیزوں کے دلدراہ ہوتے ہیں برخلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والوں کے، کہ وہ نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں اور آخرت

کے طلبکار اور دنیا سے بیزار ہیں۔

پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہوتے اور شاعروں کی طرح نفسانی اور خیالی باتیں کیا کرتے تو آپ کے پیروی کرنے والے فسق و فجور سے بیزار نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ آپ شاعر نہیں اس لیے کہ آپ کا کلام ہادیانہ اور ناصحانہ ہے اور آپ کے پیرو آخرت کے طلبکار ہیں اور فسق و فجور سے نفور اور بیزار ہیں۔ اے دیکھنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ شاعر لوگ خیالی مضمون کے ہر جنگل میں حیران و سرگرداں لکڑیوں پر مارے پھرتے رہتے ہیں کبھی مدح اور کبھی قدح اور کبھی ہجو اور کبھی خوشامد اور کبھی عشق بازی اور ہر ایک میں جھوٹ اور مبالغہ کسی کی تعریف پر آتے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور جس کی برائی پر آئے اس میں دنیا بھر کے عیب ثابت کر دیتے۔ ہر وقت بیا بان خیال میں گھومتے اور جھومتے رہتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ محفل گرم ہو جائے اور تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کی زبان پر واہ واہ آجائے۔ غرض یہ کہ انواع کذب و دروغ میں کوئی نوع ایسے نہیں چھوڑتے جس میں نہ گھستے ہوں۔ جھوٹ کی گھاٹیوں میں سے ہر گھاٹی میں داخل ہوتے ہیں۔ **فِي كُلِّ وَادٍ يَهْتِمُونَ**۔ کاہی مطلب ہے کہ فحش اور بے حیائی اور باطل اور یہودگی کی ہر وادی میں حیران اور سرگرداں پھرتے ہیں اور اسی لیے شاعر لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں یعنی اکثر اقوال میں جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ بسا اوقات شعراء اپنے اشعار میں تعالیٰ کے طور پر ایسی باتیں کہتے ہیں جو واقعہ میں اس سے صادر نہیں ہوتیں چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر کر خراب ہو جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھر جائے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ قرآن کلام الہی ہے اور جس پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ کا رسول ہے نہ کاہن ہے اور نہ شاعر ہے کیونکہ آپ کا حال کاہنوں اور شاعروں کے بالکل خلاف ہے۔ کاہن تو مکار اور بدکار ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں اور دروغ گو اور بدکار ہوتے ہیں جن کی پیروی کرنے والے گمراہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر وادی خیال میں حیران اور سرگرداں ہوتے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن از قبیل شعر و اشعار نہیں کیونکہ شعراء کا کام مبالغہ اور افراط و تفریط ہے جس کو اصلاح اخلاق و اعمال سے مناسبت نہیں اور اس وحی الہی میں ہدایت اور اصلاح اخلاق و اعمال بر وجہ اتم و اکمل مرکوز ہے۔

حکایت

محمد بن اسحاق اور محمد بن سعد نے کتاب الطبقات میں ذکر کیا ہے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظمؓ نے نعمان بن عدیؓ کو صوبہ بصرہ کے ضلع ميسان کا عامل مقرر کر کے بھیجا اتفاق سے نعمان شاعر تھے شعر کہا کرتے تھے انہوں نے یہ شعر کہے۔

الاهل اتى الحسناء ان خيلها : بميسان يستقى في زجاج و حذته
کیا اس جینہ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اسکا دوست مقام ميسان میں رہتا ہے اور اسکا حال یہ ہے کہ اسکو شیشہ میں اور سبز کوزے میں شراب پلائی جاتی ہے۔

اذا شئت غلقت دهاقين قریۃ ۝ ورقاصۃ تحثو علی کل مبسم
جب میں چاہتا ہوں تو بستی کی عورتیں مجھے گانا سناتی ہیں اور ایک رقصہ رقص کرتی ہے اور اس رقصہ کے ناچنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ ہر ایک منہ پر خاک ڈالتی ہے۔

فان كنت ندما فی فبالا کبر استقنی ۝ ولا تسقنی بالاصغر المتثلیم
پس اگر تو میرا ندیم اور شراب میں ہم نشین بنتا ہے تو مجھ کو بڑے پیالہ سے شراب پلا اور چھوٹے پیالے سے جس میں کوئی رخنہ پڑا ہوا ہو شراب نہ پلا۔

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ۝ تناد منا بالجوسق المتهدم
مجھے ڈر ہے کہ شاید امیر المؤمنین عمر کو گری پڑی جھوٹپڑی میں ہماری یہ ہم نشینی ناگوار گذرے۔
اتفاق سے یہ شعر فاروق اعظم کو پہنچ گئے سنتے ہی فرمایا ای واللہ انتہ لتسوءنی و من لقیہ فلیخبر
انی قد عن لتہ۔ ہاں خدا کی قسم یہ بات مجھے بری معلوم ہوئی اور جو شخص اس سے ملے تو اسے خبر کر دے کہ میں نے اسکو معزول کر دیا اور ایک فرمان اسکے نام جاری کیا وہ یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ حَمْدُ تَنْزِیْلِ الْکِتَابِ مِنْ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ
غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَیْهِ
الْمَصِیْرُ۔ اما بعد فقد بلغنی قولک ۝

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ۝ تناد منا بالجوسق المتهدم
وایم اللہ انتہ یسوءنی وقد عن لتک۔ انتہی
ان آیات کے لکھنے کے بعد لکھا کہ مجھے تیرا یہ قول پہنچا لعل امیر المؤمنین یسوءہ خدا کی قسم مجھے تیرا یہ قول ناگوار گزرا اور میں نے تجھے معزول کیا۔

بعد ازاں نعمان بن عدی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو اس شعر پر سخت ملامت کی۔ نعمان بن عدیؓ نے عذر کیا اور عرض کیا کہ قسم ہے خدا کی۔ میں نے کوئی قطرہ شراب کا نہیں پیا اور یہ شعر بطور لغو میری زبان سے نکل گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا نعمان بھی یہی ہے لیکن واللہ اسکے بعد میرا عامل اور حاکم نہیں بن سکتا جبکہ تو کہہ چکا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۴ ج ۳)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس قسم کے میا کا نہ شعر کی وجہ سے اسکو عہدہ سے معزول تو کر دیا۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان پر حد شراب جاری کی یا نہیں حالانکہ اشعار میں شراب غوری کا اقرار موجود ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اسی آیت میں شعراء کے متعلق یہ آیا ہے۔ وَ اِذْهُمْ یَقُولُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ۔ کہ شعراء اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں کہ جو کرتے نہیں اس لیے حضرت عمرؓ نے ان پر حد نہیں لگائی فقط ملامت کی اور انکو معزول کر دیا۔

شان نزول

جب یہ آیت وَالشُّعْرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْخَاوِفُ۔ نازل ہوئی تو حسان بن ثابتؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ

اور کعب بن مالکؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے تو کیا ہم بھی اس عموم میں داخل ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت یعنی إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَحَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ گزشتہ آیت کے عموم سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے چنانچہ فرماتے ہیں کہ گزشتہ آیت میں جو حالت بیان کی گئی وہ حالت شعراء کفار بدکردار کی ہے اور اس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے وہ ہر وادی خیال میں نہیں گھومتے اور نہ انکا قول انکے فعل کے خلاف ہوتا ہے اور انہوں نے اللہ کو کثرت سے یاد کیا یعنی اپنے اشعار میں اللہ کی عظمت اور جلال کو ذکر کیا اور آخرت کو یاد کیا اور اگر اپنے اشعار میں کسی کی ہجو کی تو ذاتی عداوت کی بنا پر نہیں کی بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دشمنان اسلام سے بدلہ لیا بعد اسکے کہ ان پر ظلم کیا گیا یعنی کفار نے جو اسلام اور مسلمانوں اور اللہ اور اس کے رسول کی ہجو کی تھی اسکا جواب دیا اور ظالم سے بدلہ لینا عقلاً و شرعاً جائز ہے اس لیے اس قسم کے شعراء اسلام حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے ان شعراء اسلام پر اسکی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ تم ہو یعنی اس آیت میں جن مؤمنین صالحین اور ذاکرین اور متصرین کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا اس کے مصداق تم ہو۔ نہ تم گمراہ ہو اور نہ گمراہوں کے پیرو ہو بلکہ مظلوم ہو تم نے ظالموں سے اپنا انتقام لیا ہے اور عنقریب یہ ظالم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف شعر اور کہانت کی نسبت کرتے ہیں۔ جان لیں گے کہ وہ کس کردار پر ملٹتے ہیں اور انکا کیا ٹھکانہ ہے یعنی عنقریب انکو اپنے ظلم و ستم کا انجام معلوم ہو جائے گا کہ ہم نے اللہ کے رسول اور اس کے ماننے والوں پر کیا ظلم کیا ان ظالموں کا ٹھکانہ آتش دوزخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لطائف و معارف

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لیے حقانیت قرآن کا ذکر فرمایا جو آپؐ کی نبوت و رسالت کی سب سے روشن دلیل ہے اور پھر آپؐ کی تسلی کے لیے اور منکرین نبوت کی تہدید کے لیے سات پیغمبروں کے قصے ذکر فرمائے اب خاتمہ سورت پر اسی سابق مضمون کی طرف عود فرماتے ہیں اور قرآن کریم کی حقانیت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو بواسطہ جبریل امینؑ آپؐ کے قلب مبارک پر نازل کی گئی پھر اسکی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ علماء اہل کتاب اس کتاب کی حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں انکو خوب معلوم ہے کہ اس کتاب کے نزول کا ذکر زبورِ اولین یعنی انبیاء سابقین کے صحیفوں میں موجود ہے کہ نبی آخر الزمانؐ پر ایسی اور ایسی کتاب نازل ہوگی جیسا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے بعثت کا ذکر ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى الذِّكْرُ الْاٰخِرُ الَّذِي يَجِدُ ذِكْرَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَ هُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانْجِيلِ۔ اسی طرح توریت اور انجیل میں نزول قرآن کا بھی ذکر ہے پھر قرآن کے عربی میں نازل ہونے کی وجہ بیان فرمائی پھر یہ بیان فرمایا کہ یہ قرآن وحی ربانی ہے نہ کہ الفارشیطانی۔ اور اسکی دو وجہ بیان فرمائی ہیں۔

اول یہ کہ ملا اعلیٰ تک جو احکام الہیہ کے نزول اور نفاذ کا عمل ہے وہاں تک شیاطین پہنچنے سے محروم ہیں۔
دوم یہ کہ سنت اللہ جاری ہے کہ انقاء شیطانی نفوس خبیثہ پر ہوتا ہے نہ کہ نفوس قدسیہ پر کیونکہ مفید اور مستفید کے درمیان وجہ مناسبت ضروری ہے والا انادہ واستفادہ محقق نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عالی نفوس قدسیہ میں سے تھا جو غایت درجہ اخلاقی اور اعمالی طہارت کے ساتھ موصوف تھا۔

نیز یہ بیان فرمایا کہ قرآن مجید از قبیل اشعار نہیں کیونکہ شعائر کا کام افراط و تفریط ہے اس لیے وہ اصلاح اخلاق و اعمال اور ہدایت خلق اللہ سے فی الجملہ بھی مناسبت نہیں رکھتے اور وحی الہی میں ہدایت اور اصلاح اعمال و اخلاق بروجہ اتم مرکوز کی گئی ہے کما لا یخفی بعد ازاں یہ حکم دیا کہ بالخصوص اپنے خویش و اقارب کو اور قریبی قبائل کو عذاب الہی سے ڈرائیں اور جو لوگ آپ کے تابع اور پیرو ہیں ان کے ساتھ تطف اور مدارات کا معاملہ فرمائیں اور ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور چونکہ سورۃ شعائر میکہ ہے لہذا اس آیت میں مؤمنین سے بلحاظ نزول آیت وحی ہاجرین اولین مراد ہیں۔ وہو المقصود۔
(ماخوذ از ازالۃ الحفار)

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ مابین دفنی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں دو دفنوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ نہ مانے وہ کافر ہے لیکن وہ اسی مصحف کے نقوش کتابیہ اور حروف مطبوعہ کو قدیم نہ مانے تو اس انکار سے وہ کافر نہ ہوگا۔ جن الفاظ قرآن کو اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآن کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ وہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن ہمارے لیے یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اسکی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور سماعت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اسکو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں اور بندہ کی صفت میں فرق ہو جائے مطلقاً کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

الحمد لله تفسیر سورۃ شعائر بتاریخ ۹ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۹۱ھ تمام ہوئی واللہ الحمد والمنۃ
اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور تفسیر کے اتمام و اکمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

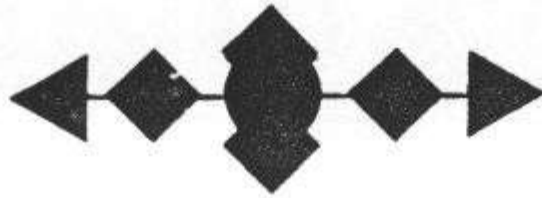
سُورَةُ النَّمْلِ

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَسَبْعٌ وَرَكْعَتَانِ

تفسیر سورۃ النمل

یہ سورت مکی ہے اس سورت میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔ نمل عربی زبان میں چوہنی کو کہتے ہیں چونکہ اس سورت میں چوہنی کا قصہ مذکور ہے اس لیے یہ سورۃ سورۃ النمل کے نام سے موسوم ہوئی اور چوہنی کا یہ قصہ سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے جیسے بوقت ہجرت غار ثور میں مکڑی کا جالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھی۔ ہڈ ہڈ کے خط لیجانے کا واقعہ اور بلقیس کے تخت حاضر کرنے کا واقعہ وغیرہ وغیرہ یہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اور براہین تھے اور اس سورت میں سلیمان علیہ السلام کی دعوت اور تبلیغ کا طریقہ بھی ذکر کیا اور چوہنی کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی اس بات کا علم ہے کہ حضرات انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحاب کرام اس سے منزہ ہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف پہنچائیں جیسا کہ نمل کے قصہ میں یہ آیت آنے والی ہے۔ قَالَتْ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔

(الخط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن و اثبات وحی رسالت سے ہوا اور اسی مناسبت سے بعض انبیاء سابقین کے قصے مذکور ہوئے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور دلائل توحید کا مضمون بیان ہوا۔ جو قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ۔ سے شروع ہوا اثبات رسالت اور اثبات توحید کے بعد جو تیسرا مضمون بیان فرمایا وہ اثبات معاد اور ان شرائط ساعت یعنی علامات قیامت اور جزا و سزا کے آخرت کے متعلق بیان فرمایا جو قُلِ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ سے شروع ہو کر ختم سورت تک چلا گیا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پانچ قصے ذکر کیے اول قصہ موسیٰ علیہ السلام دوم قصہ سلیمان علیہ السلام، سوم قصہ ملکہ سبار چہارم قصہ صالح علیہ السلام پنجم قصہ لوط علیہ السلام



آیات ۹۳ = ۲۷ = سُورَةُ النَّبْلِ مَكِّيَّةٌ : ۲۸ رُكُوعَاتُهَا ۷
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

طَسَّ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ① هُدًى

یہ آیتیں قرآن اور کھلی کتاب کی۔ سوچھ

وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ

اور خوشخبری ایمان والوں کو۔ جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور

يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ③ إِنَّ

دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ پہچلا گھر یقین جانتے ہیں۔ جو

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زِينَتًا لَّهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ

لوگ نہیں مانتے آخرت کو انکو بھلے دکھائے ہیں ہم نے انکے کام

يَعْمَهُونَ ④ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

سو وہ بہکے۔ وہی ہیں جن کو بُری طرح کی مار ہے اور

فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسِرُونَ ⑤ وَإِنَّكَ لَتُلْقَى الْقُرْآنَ

آخرت میں وہی ہیں خراب۔ اور تجھ کو تو قرآن

مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥

مِلنا ہے ایک حکمت والے خبردار سے۔

تھانیت قرآن اثبات رسالت و ترغیب بر اعمال آخرت

قال الله تعالى طَسَّ تِلْكَ آيَةُ الْقُرْآنِ... إِلَى... وَإِنَّكَ لَتُلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ.

طس۔ اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ یہ سورت۔ آیتیں ہیں قرآن کی اور کتاب مبین کی یعنی ایسی کتاب کہ جو حق اور باطل کو واضح کرنے والی ہے اور یہ آیتیں ہدایت اور بشارت ہیں ایمان والوں کے لیے حق کا راستہ بتلاتی ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتی ہیں اور ان مومنین کی صفات یہ ہیں کہ وہ نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں جو عبادت بدنیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور زکوٰۃ دیتے ہیں جو عبادت مالیہ میں عظیم ترین عبادت ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں آخرت ہر وقت انکی نظروں کے سامنے رہتی ہے اور خوف عاقبت انکو دامنگیر رہتا ہے اور آخرت کا یقین اور اسکی فکر یہی تمام عقائد اور اعمال صالحہ کی روح رواں ہے البتہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے انکا حال یہ ہے کہ ہم نے انکی نظر میں انکے اعمال قبیحہ کو مزین اور خوبصورت کر دیا ہے کہ وہ اپنے قبیح افعال کو اچھا سمجھتے ہیں یعنی بُرے اعمال کو ان کے لیے بالطبع مرغوب اور محبوب بنا دیا کہ وہ بُرے کام انکو اچھے نظر آتے ہیں۔ پس یہ لوگ نفسانیت اور شہوانیت میں گرفتار ہیں۔ نفسانیت اور شہوانیت نے انکو اندھا بنا دیا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ دنیا کی محبت خود ایک منتقل عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں نوبالکل ہی خسارہ میں ہو چکے جس کے بعد کسی کامیابی کی امید نہیں اور تحقیق آپ پر یہ قرآن القا کیا جاتا ہے ایسی ذات والا صفات کی طرف سے جو بڑا دانا اور حکمت والا ہے جس کا ہر حرف عین علم اور عین حکمت ہے جو شہوت پرستوں اور نفس پرستوں پر ناگوار ہے ہر نفس فرعون کا نمونہ ہے تکبر اور غرور کے نشہ میں چور ہے حق کو سننا نہیں چاہتا اور قرآن کریم کا اسرار علم و حکمت پر شتمل ہونا بھی اسی حقانیت کی دلیل ہے اب اسکے بعد پانچ قصے ذکر فرماتے ہیں جو سب کے سب علم و حکمت پر شتمل ہیں اور آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔

اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاٰهْلِهٖ اِنِّىۤ اَنْسَتُ نَارًا ط

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو، میں نے دیکھی ہے آگ

سَاتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اَتِيكُمْ بِسِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر، یا لاتا ہوں انگارے سدا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ اَنْ

کر، شاید تم تپاؤ۔ پھر جب پہنچا اس پاس آواز ہوئی کہ

بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

برکت رکھتا ہے جو کوئی آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے اور پاک ہے ذات اللہ کی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾ يٰمُوسٰى اِنَّ اللّٰهَ الْعَزِيْزَ الْحَكِيْمَ ﴿۹﴾

جو صاحب سارے جہان کا! اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا -

وَأَلْقَ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ

اور ڈال دے لاٹھی اپنی۔ پھر جب دیکھا اسکو پھن پھناتے جیسے سانپ کی سٹک، پھرا

مُدْبِرًا وَلَمْ يَعْقِبْ يَمُوسَىٰ لَا تَخَفْ ۚ إِنِّي لَا يَخَافُ

پیٹھ دیکر اور پیچھے نہ دیکھا اے موسیٰ! ڈر نہ کھا۔ میں جو ہوں میرے پاس

لَدَى الْمُرْسَلُونَ ۚ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ

نہیں ڈرتے رسول۔ مگر جس نے زیادتی کی پھر بدل کر

حَسَنًا بَعْدَ سُوِّ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۱ وَأَدْخِلْ

نیکی کی برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور ڈال ہاتھ

يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخَرُّبَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوِّ ۚ فِي تِسْعِ

اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے چٹا، نہ کچھ برائی سے۔ یہ مل کر نو نشانیاں

آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

فرعون اور اسکی قوم کی طرف۔ بیشک وہ تھے لوگ

فَاسِقِينَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا

بے حکم۔ پھر جب پہنچیں ان پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو، بولے یہ

سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝۱۳ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ

جادو ہے صریح۔ اور ان سے منکر ہو گئے اور انکو یقین جان چکے تھے اپنے جی میں

ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

بے انصافی اور غرور سے۔ سو دیکھ کیسا ہوا آخر بگاڑنے

الْمُفْسِدِينَ ۝۱۴

والوں کا۔



ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباسؓ سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ درحقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان کا کیا غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے **حجابہ النار**۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا منظر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ **مَنْ فِي النَّارِ**۔ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت **وَسُبْحَانَ اللَّهِ ذُبُّ الْغَالِبِينَ** میں اسکی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ اس جملہ سے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ کوئی اس آگ کو اللہ کا مکان نہ سمجھے بلکہ اسکی تجلی کا ایک آئینہ سمجھے جس میں اسکا نور ظاہر ہو رہا ہے اور محل اور منظر میں اہل عقل کے نزدیک فرق ظاہر ہے محل کے معنی مکان کے ہیں جسکے اندر ممکن موجود ہوتا ہے منظر کے معنی جاتے ظہور کے ہیں جیسے آئینہ اور ظاہر ہونے والی چیز منظر (آئینہ) کے اندر موجود نہیں ہوتی بلکہ اس سے باہر ہوتی ہے الحاصل یہ تجلی تھی۔ حلول اور نزول نہ تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ندائی تو کہا کہ یہ ندا کرنے والا کون ہے تو پھر یہ ندا آئی کہ اے موسیٰ تحقیق یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب اور کلام کر نیوالا میں ہی ہوں اللہ جو تیرا پروردگار ہوں زبردست حکمتوں والا جس نے یہ ندا کر کے تجھ کو اپنی تکلیف سے عزت بخشی اور تجھ کو اپنا نبی اور رسول بنایا اور میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھ کو کچھ معجزات بھی عطا کر دوں جو مہتمای نبوت اور رسالت کی دلیل و برہان بنیں۔ پس اے موسیٰ تم اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ حسب الحکم جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو اپنے ہاتھ سے زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ ہو گیا۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام نے اس عصا کو سانپ کی طرح ہلنے اور چلنے دیکھا تو ڈر کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا یہ خوف طبعی اور بشری تھا اس قسم کا خوف نبوت کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ کچھ خوف نہ کرو ہم نے تم کو پیغمبری دی ہے اور ہمارے حضور میں پیغمبر نہیں ڈرا کرتے ہم نے یہ معجزہ تم کو فرعون کے لیے دیا ہے۔ تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے خوف سے میرے رسول بالکل مامون ہیں مگر وہ شخص کہ جس نے اپنی جان پر کسی قسم کا ظلم یا زیادتی کی ہو اور اللہ کی نافرمانی کی ہو وہ اگر ڈرے تو اسکا ڈرنا ٹھیک ہے پھر اگر اسی شخص نے برائی اور ظلم اور زیادتی کے بعد اپنی برائی کو نیکی سے بدل لیا ہو یعنی توبہ کر لی ہو تو اس پر بھی کوئی خوف و خطر نہیں۔ بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا اور مہربان ہوں توبہ سے اسکا گناہ معاف کر دیتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ کہ خدا کے حضور میں اندیشہ صرف اس شخص کو ہے کہ جس نے کسی ظلم و ستم یعنی کسی مصیبت کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے لیے بھی قاعدہ یہ ہے کہ اگر تو بہ کر لے تو پھر اس کو خوف اور اندیشہ نہیں رہتا لہذا تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر تم سے کوئی خطا بھی ہوئی ہے جس کی بنا پر تم ڈر رہے ہو تو ہم معاف کر دیں گے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت یعنی لَا يَخَافُ لَذَاتِ الْمُرُوءَاتِ میں خوف مواخذہ کی نفی مراد ہے۔ اللہ کی عظمت و جلال کے خوف کی نفی مراد نہیں۔ کما قال اللہ تَعَالَى إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے ڈالنے کا حکم اس لیے دیا کہ جب اس کو شتمہ قدرت اور خارق عادت کو دیکھیں تو پہچان لیں کہ یہ کلام کرنے والا اور نڈا دینے والا رب العالمین ہے۔ ان آیات میں معجزہ عصا کا ذکر فرمایا اب اسکے بعد دوسرے معجزہ کے اظہار کا حکم دیتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے موسیٰ اس معجزہ عصا کے سوا ایک اور بھی معجزہ ہے جو ہم تجھ کو عطا کرتے ہیں وہ یہ کہ تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال اور پھر اس کو نکال تو وہ بلا کسی عیب اور بلا کسی مرض کے یعنی بلا برص وغیرہ کے نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل کے نیچے لے جا کر نکالا تو نہایت دلکش نور کے ساتھ ظاہر ہوا کہ آنکھوں کو اپنی طرف جذب کرتا تھا اور خوب ہلہکتا تھا آفتاب کی روشنی اگرچہ بہت تیز ہے مگر گرم ہے آنکھوں کو چند ہیانے والی ہے کچھ دلچسپ نہیں اور مانتا ہے کہ روشنی اگرچہ ناگوار نہیں مگر اس میں ملاحظت اور دلکشی نہیں۔

اے موسیٰ ان دونوں نشانیوں کو من جملہ نو نشانیوں کے جو ہم نے تجھ کو عطا کر کے ہیں ان کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کی طرف لے جا یہ نشانات دیکر تجھ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑے ہی بدکار لوگ تھے۔ اور حد سے نکل گئے تھے۔

نو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ کے تحت گزر چکا ہے اور ان کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے دو نشانیاں تو یہ ہوتیں۔ عصا اور ید بیضاء۔ تیسری انفلاق بحر۔ دریا کا پھٹ جانا۔ چوتھی طوفان۔ پانچویں جراد یعنی ٹڈی ٹھٹی قمل یعنی چھڑیاں۔ ساتویں صفادع یعنی مینڈک۔ آٹھویں دم یعنی خون۔ نویں طس اموال کما قال اللہ تَعَالَى رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَيَّ اَمْوَالِيْهِمْ۔ دسویں جذب یعنی خشک سالی۔ گیارھویں نقصان اثمار و مزارع جن کا بیان سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔

پس جب اس قوم کے پاس ہماری نشانیاں پہنچیں جس سے آنکھیں کھل جائیں تو بولے یہ تو کھلا جادو ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداء دعوت میں موسیٰ علیہ السلام کو دو معجزے عطا فرمائے پھر وقتاً فوقتاً اور معجزات دیئے مگر ان معاندین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور ان لوگوں نے ازراہ ظلم و تکبر زبان سے ان معجزات کا انکار کیا و لیکن ان کے دلوں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ یہ نشانیاں اللہ کی طرف سے ہیں جادو نہیں یعنی فرعون کو اور اس کی قوم کو دل سے یقین کامل ہو گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور جادو گر نہیں مگر محض عناد اور سرکشی کی بنا پر انکار کرتے تھے۔ پس دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیا ہوا کہ سب بحر قلزم میں غرق ہوئے اور ساری سرکشی خاک میں مل گئی اور دنیا کا جاہ و جلال اور مال و منال سب ختم ہوا۔ متنبہ رہیں کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ عِلْمًا

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم۔

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى

اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بڑھایا اپنے

كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ

بہت بندوں ایمان والوں پر۔ اور وارث ہوا سلیمان داؤد

وَقَالَ يَٰ أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مَنَطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا

کا اور بولا لوگو! ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا

مِن كُلِّ شَيْءٍ ط إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَحِشْرُ

ہم کو ہر چیز میں سے۔ بیشک یہی ہے بڑائی صریح۔ اور جمع

لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

کیے سلیمان کے پاس اسکے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور، پھر انکی

يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادٍ النَّسِلِ لَا قَالَتْ

مثلیں بٹیں۔ یہاں تک کہ جب پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر۔ کہا ایک

نَمْلَةٌ يَٰ أَيُّهَا النَّسِلُ ادْخُلُوا مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِئُكُمْ

چیونٹی نے، اے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے گھروں میں۔ نہ پیس ڈالے تم کو

سُلَيْمَانَ وَجُنُودُهُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٨﴾ فَتَبَسَّمَ

سلیمان اور اسکے لشکر، اور ان کو خبر نہ ہو۔ پھر مسکرا کر

ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ

ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے رب! میری قسمت میں دے کہ شکر

نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

کروں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر، اور یہ کہ کروں کام

تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ①۹

نیک، جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی مہر سے اپنے نیک بندوں میں۔

قصہ دوم داؤد علیہ السلام اجمالا و سلیمان علیہ السلام تفصیلاً

قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا ۖ إِلَىٰ دَاوُدَ أَخْلَيْنَا بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۚ
ان آیات میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ان دینی اور دنیوی احسانات اور انعامات کا ذکر کرتے ہیں جو منجانب اللہ ان دونوں پیغمبروں پر مبذول ہوئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت اور علم شریعت کے علاوہ سلطنت عطا کی اور خارق عادت طریقہ پر زہ سازی کی صنعت بتلائی تاکہ کافروں سے جہاد میں مدد ملے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر اور تسخیر جن اور تسخیر ہوا کا معجزہ عطا فرمایا جن اور انس کو انکا تابع فرمان بنایا اور چرند اور پرند کی زبان کا علم انکو عطا فرمایا اور علاوہ ازیں یہ قصہ عجیب و غریب خوارق پر مشتمل ہے جو سب کے سب سلیمان علیہ السلام کے معجزات اور دلائل نبوت تھے منطق الطیر اور تسخیر ریح اور تسخیر جنات اور واقعہ عرش بلقیس سلیمان علیہ السلام کے معجزات تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ بے مثال سلطنت سے نوازا اور جس قسم کی سلطنت ان دونوں پیغمبروں کو عطا کی وہ درحقیقت ان دونوں کا معجزہ تھی۔ اور انکی نبوت کی دلیل اور برہان تھی کہ لوگ اس بے مثال سلطنت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ سلطنت اس قسم کی نہیں کہ جو دنیا کے بادشاہوں کو حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ من جانب اللہ ہے کہ جس میں دنیا اور آخرت اور نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک خاص علم عطا کیا جو قانون شریعت اور قانون حکومت دونوں کا جامع تھا۔ اور دین و حکمت اور قضاء و سیاست دونوں پر مشتمل تھا۔ اصلی علم شریعت اور نبوت کا تھا اور حکومت اسکی خادم تھی اور داؤد اور سلیمان نے اس نعمت عظمیٰ کے شکر میں یہ کہا۔ شکریہ اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی کہ نبوت در رسالت کے ساتھ سلطنت بھی عطا کی اور جنات اور شیاطین کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور ہمارے بندوں کو ہمارے لیے مسخر کر دیا اور مزید برآں ہم کو ان نعمتوں کے شکر کی توفیق عطا فرمائی جو خود ایک مستقل نعمت ہے اور داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد انکے بیٹے سلیمان انکے وارث ہوئے داؤد علیہ السلام کے تمام بیٹوں میں سے صرف سلیمان نے نبوت اور سلطنت کی وراثت پائی۔ نبوت کے ساتھ سلطنت بھی ملی جو کمالات باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید یعنی سلیمان کو بھی ملے اس آیت میں

وراثت سے علم و حکمت اور کمالات نبوت کی وراثت مراد ہے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ باجماع اہل تاریخ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے تو پھر سلیمان علیہ السلام کی کیا خصوصیت۔ مال و دولت کی وارث تو ساری ہی اولاد ہوتی ہے اس خبر دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ وراثت سے علم و حکمت اور نبوت کی وراثت مراد ہے جس میں ان کے دوسرے بھائی شریک نہ تھے نیز بیٹا تو باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے اس میں کوئی خاص فضیلت نہیں اور یہ جملہ۔ یعنی وَرِثَتُكَ بِسُلَيْمَانَ حضرت سلیمان کی مدح اور تعریف کے لیے لایا گیا ہے پس اگر اس آیت میں مال و دولت کی وراثت مراد لی جائے تو پھر اس جملہ کا مقام مدح اور تعریف میں ذکر کرنا فضول ہے۔ ہر بیٹا اپنے باپ کا وارث ہوا ہی کرتا ہے۔ اس میں کمال ہی کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت میں مال کی وراثت ہرگز ہرگز مراد نہیں جیسا کہ شیعوں کا گمان ہے بلکہ علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ بیٹا باپ کے علم و حکمت کا بھی وارث بنے۔ شیعہ لوگ لفظ وراثت کو مال کی وراثت کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں سو یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَكُنَّا نَخْنُ الْوَارِثِينَ۔ ہم ان کے وارث ہوئے تو کیا شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ بھی کسی کے مال و دولت کے وارث بنتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کے علم و حکمت کا وارث بنے اس لیے اس آیت وَرِثَتُ سُلَيْمَانَ داؤد میں یہ بتلایا کہ سلیمان علیہ السلام اپنے باپ کے بعد ان کے علم و حکمت اور نبوت کے وارث ہوئے اور باپ کی طرح بیٹے کو بھی من جانب اللہ معجزات اور کرامات عطا ہوئے اس لیے سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی نعمتوں کا شکر کیا اور اس کی حمد و ثناء کی اور بطور تحدیث نعمت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے کہ پرندے جو آپس میں بولتے ہیں ہم انکی بولی کو سمجھتے ہیں جو ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں اور علاوہ ازیں ہم کو ہر قسم کی نعمت سے ایک خاص حصہ دیا گیا ہے۔ یعنی مجھ کو اور میرے والد داؤد علیہ السلام کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں میں سے ہر قسم کی چیز دی گئی جس کی ہم کو ضرورت تھی یعنی نبوت اور علم و حکمت کے ساتھ سلطنت اور مال و دولت اور تسخیر جن و انس اور تسخیر طیر و ہوا بھی مجھ کو عطا ہوئی کہ سب میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں اور عجیب عجیب صنعتوں کے لیے جنات کو میرے لیے مسخر کیا ہے شک یہ کھلا ہوا فضل الہی ہے جس شخص کو ذرا بھی عقل ہے جب وہ ان چیزوں پر نظر کرے تو اس پر ظاہر ہو جائے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے جس میں بندہ کے کسی سبب اور اختیار کو ذرہ برابر دخل نہیں مقصود یہ تھا کہ یہ جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ سب فضل الہی ہے اور اکرام خداوندی ہے لہذا تم کو چاہیے کہ ان غیبی کرامتوں کو دیکھ کر مجھ پر ایمان لاؤ اور سلیمان علیہ السلام نے یہ کلمہ بطور تشکر کہا نہ کہ بطور فخر۔

پرندوں کی بولی سمجھ لینا عقلاً کوئی محال امر نہیں۔ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح و تحمید کو نہیں سمجھتے وَ اِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ۔ اور ہر چہ پرند پرند اپنی تسبیح سے واقف ہے۔ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ تَسْبِيحَهُ۔ پس اگر خداوند قدیر اس علم میں کا کوئی حصہ اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو عطا فرمادے تو کوئی محال نہیں۔ حیوانات کا تکلم اور جمادات کی تسبیح اور حضور پر نور کو شجر و حجر کا سلام کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولی سمجھنے کے واقعات کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔

غرض یہ کہ نبوت اور سلطنت دونوں چیزوں کا ملنا بلاشبہ فضل الہی ہے اور بڑی فضیلت اور بزرگی ہے۔

ذکر قصہ شکر دیگر

اب آئندہ آیات میں سلیمان علیہ السلام کی دوسری نعمت پر شکر گزاری کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے مختلف قسم کے شکر جمع کیے گئے از قسم جن اور از قسم انسان اور از قسم پرند اور پھر روانگی سے قبل وہ ٹھہرائے جاتے تھے تاکہ پیچھے آنے والے بھی شامل ہو جائیں۔ کوئی رہ نہ جائے۔ اور سب باقاعدہ جمع ہو کر روانہ ہوں۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی چنانچہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام اس شان سے اپنے لشکریوں کو لیکر روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے میدان پر پہنچے تو ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے یہ کہا اے چیونٹیاں اپنے بلوں میں گھس جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر تم کو کچل دے اور انکو خبر بھی نہ ہو اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اسکے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے یہ چیونٹی رافضیوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام سے بدگمان ہیں اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کی آل و اولاد پر جان کر ظلم کیا۔ معلوم ہوا کہ حیوانات کو بھی اسکا علم ہے کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب سے دیدہ و دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے دور سے اسکی آواز کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اسکی اس بات سے مسکراتے ہوئے ہنسنے لگے اور خوش ہوئے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے نیز جانوروں کی بولی سمجھ لینا حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آ گئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مناجات میں مشغول ہو گئے اور کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر برابر انکا شکر کرتا رہوں۔ آپ نے اپنی رحمت سے مجھ کو منطق الطیر کے علم جیسی نعمت عطا کی۔ اب درخواست یہ ہے کہ ان نعمتوں پر شکر کرنے کی توفیق بھی عطا فرما اور اس بات کی بھی توفیق دے کہ ایسے نیک کام کرتا رہوں جس سے آپ راضی ہوں۔ بغیر آپ کی رضا کے سب سچ ہے اور مجھ کو اپنی رحمت اور عنایت سے اپنے خاص نیک بندوں کے زمرہ میں داخل فرما یعنی تیری بارگاہ سے جو الطاف و عنایات عباد صالحین پر مبذول ہوئے ہیں مجھ کو بھی ان میں شریک فرما۔ نیک بندوں سے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں جیسے حضرت ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

گزشتہ آیات میں **فَهُوَ يُوْزَعُونَ** کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں **دَبَّ** اور **زَعْنَى** آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکارہے اور میں اسکو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کما فی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفه واربطه لا ینفلت عنی حتی لا الفک شاکر اللہ انتہی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدًى هُدًى أَمْ

اور خبر لی اڑتے جانوروں کی، تو کہا، کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُد کو؟ یا ہو

كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ۲۰ لَاُعَذِّبُهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ

رہا ہے وہ غائب۔ اس کو مار دوں گا زور کی۔ یا

لَا أَذْبَحُ بَحْنَهُ أَوْ لِيَأْتِيَنِي بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۲۱ فَكَثَّ غَيْرُ

ذبح کر ڈالوں گا یا لاوے میرے پاس کوئی سند صریح۔ پھر بہت دیر

بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تَحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ

نہ کی کہ آکر کہا، میں نے آیا خبر ایک چیز کی، کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا

سَبَإٍ بَنِيَّ يَقِينٍ ۲۲ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ

ہوں تیرے پاس سب سے ایک خبر لیکر۔ تحقیق میں نے پائی ایک عورت اُن کے راج پر اور

أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۲۳ وَجَدْتُمَا

اس کو ہر چیز ملی ہے اور اسکا ایک تخت ہے بڑا۔ میں نے پایا کردہ

وَقَوْمًا يُسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمْ

اور اسکی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوا۔ اور بھلے دکھائے ہیں انکو

الشَّيْطٰنُ أَعْمٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا

شیطان نے انکے کام پھر روکا ہے ان کو راہ سے، سو وہ راہ

يَهْتَدُونَ ۲۴ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ

نہیں پاتے۔ کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا

چیز آسمانوں میں اور زمین میں، اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو

تُعَلِّمُونَ ۲۵) اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۲۶)

کہہ لیتے ہو۔ اللہ ہے! کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا صاحب تخت بڑے کا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۲۷)

کہا ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔

إِذْ هَبَّ بِكِتَابِي هَذَا فَاَلَيْقَهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظَرُ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ

مَاذَا يَرْجِعُونَ ۲۸) قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِنِّي أَتَى إِلَى

وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کہنے لگی، اے دربار والو! میرے پاس ڈال دیا ہے۔ ایک

كِتَابٌ كَرِيمٌ ۲۹) إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ

خط عزت کا۔ وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے۔ اور وہ ہے شروع اللہ کے

الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۳۰) أَلَّا تَعْلَمُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ ۳۱)

نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابل اور چلے آؤ حکم دار ہو کر۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً

کہنے لگی اے دربار والو! مشورہ دو مجھ کو میرے کام کا۔ میں مقرر نہیں کرتی کوئی

أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُونِ ۳۲) قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو

کام جب تک تم حاضر نہ ہو۔ وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت

بَأْسٍ شَدِيدٌ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ۳۳)

لڑائی والے۔ اور کام تیرے اختیار ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے۔

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَ

کہنے لگی بادشاہ جب پیٹھیں کسی بستی میں اس کو خراب کریں اور

جَعَلُوا أَعِزَّةً أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۳﴾ وَ

کر ڈالیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کریں گے۔ اور

إِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ ۚ فَنَظَرَةٌ أُنَظِرُهُ أَسْمُرُ

میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کیا جواب بیکر پھرتے ہیں

الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَنُ قَالَ أَسْبَدُ وَإِنْ يُبَالِ

بھیجے ہوئے پھر جب پہنچا سلیمان پاس، بولا کیا تم میری رفاقت کرتے ہو مال سے؟

فَمَا آتَيْنَاكَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكَ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ

سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا۔ نہیں تم اپنے تحفہ سے

تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾ أَرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ

خوش رہو۔ پھر جا انکے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جنکا سامنا

لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً ۚ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۳۷﴾

نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے انکو وہاں سے بے عزت کر کر اور وہ خوار ہوں گے۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِلَيْكُمْ يَأْتِيَنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ

بولا اے دربار والو! تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اسکا تخت پہلے اس سے

يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عَفَرْتُ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا

کہ وہ آویں میرے پاس حکمراں ہو کر۔ بولا ایک راکس جنوں میں سے۔ میں لا

أَتَيْكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَإِنِّي

دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تواٹھے اپنی جگہ سے۔ اور میں اس

عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ

کے زور کا ہوں معتبر۔ بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم

مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ

کتاب کا۔ میں لا دیتا ہوں تجھ کو وہ پہلے اس سے کہ پھر آوے تیری طرف

طَرَفُكَ فَلَمَّا رَأَاهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ

تیری آنکھ۔ پھر جب دیکھا وہ دھرا اپنے پاس۔ کہا یہ میرے رب

فَضِيلَ رَبِّي ۖ يُبَلِّوُنِي ۖ ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ

کے فضل سے۔ میرے جا بچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو کوئی

فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ

شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے۔ سو میرا رب بے پردا ہے

كَرِيمٌ ۖ قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ

نیک ذات۔ کہا روپ بدل دکھاؤ اس عورت کو اس کے تخت کا ہم دیکھیں سو جھ

تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ۖ فَلَمَّا جَاءَتْ

پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کو سو جھ نہیں۔ پھر جب آ پہنچی کسی نے

قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۖ وَأُوتِينَا

کہا، کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت؟ بولی، گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم ہو

الْعِلْمُ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ۖ وَصَدَّهَا مَا

چکا آگے سے، اور ہم ہو چکے حکم بردار۔ اور بند کیا اس کو ان

كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ

چیزوں سے، جو پوجتی تھی اللہ کے سوا البتہ وہ تھی منکر لوگوں

كُفْرَيْنَ ۖ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ

میں۔ کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو

حَسِبْتَهُ كُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِيهَا قَالَتْ إِنَّهُ

خیال کیا کہ وہ پانی ہے کھڑا۔ اور کھولیں اپنی پنڈلیاں۔ کہا یہ تو ایک

صَرَخٌ مُّسَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ ۖ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ

محل ہے جڑے ہوئے اس میں خیشے۔ بولی اے رب! میں نے بُرا کیا ہے

نَفْسِي ۖ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۴۷

اپنی جان کا اور حکمِ دار ہوئی ساتھ سلیمان کے، اللہ کے آگے جو رب سارے جہان کا۔

قصہ سوم ملکہ سبا برائیت ہدھ

قال الله تعالى وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدًى هُدًى... اِلَى... وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(ربط) اب ان آیات میں ملکہ سبا کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو بظاہر اس سورت کا تیسرا قصہ ہے مگر درحقیقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا قصہ ہے سلیمان علیہ السلام کے پاس تین قسم کے لشکر تھے ایک آدمیوں کا اور ایک جنوں کا اور ایک پرندوں کا۔ جو روانگی کے وقت سلیمان علیہ السلام کے تخت پر سایہ کرتے تھے۔ ایک دن سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کے ایک لشکر کی جانچ پڑتال کی تو اس نے ہڈ ہڈ کو نہ پایا جو ہڈ ہڈوں کا سردار تھا۔ فرمایا جب وہ آئے گا تو اس سے پوچھوں گا کہ کیوں غیر حاضر تھا اگر اس نے کوئی معقول وجہ بیان کی تو خیر ورنہ اسکو ذبح کر ڈالوں گا۔ ہڈ ہڈ۔ سلیمان علیہ السلام کا مہندس (انجینئر) تھا۔ سلیمان علیہ السلام جب بیابان میں ہوتے تو اسکو طلب فرماتے۔ ہڈ ہڈ زمین پر چوچ رکھ کر بتلا دیتا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے تو زمین کھود کر پانی نکال لیا جاتا۔ جنوں کو حکم دیتے وہ کھود کر پانی نکال لیتے۔ سلیمان علیہ السلام ایک بیابان میں تھے کہ ہڈ ہڈ کو نہ دیکھا تو دریافت فرمایا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو اس سے دریافت کیا اس نے بتایا کہ ملک سبا میں ایک ملکہ ہے جسکا نام بلقیس ہے میں نے اس ملکہ کو اور اسکی قوم کو سولج کا سجدہ کرتے دیکھا ہے اس خطہ کے لوگ مذہباً مجوسی تھے۔ شرک اور کواکب پرستی میں مبتلا تھے۔ سلیمان علیہ السلام کو اس خطہ کا حال معلوم نہ تھا۔ ہڈ ہڈ سے سُن کر یہ حال معلوم ہوا۔ تو ملکہ سبا کے نام دعوتِ اسلام کا ایک خط لکھا کہ تو غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دے اور مسلمان ہو کر میرے حضور میں حاضر ہو جا اور یہ خط دیکر ہڈ ہڈ کو روانہ کیا کہ یہ خط لے جا کر ملکہ سبا کو پہنچا دے گویا کہ بارگاہِ نبوت سے ایک جانور کو سفارت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جا رہا ہے۔ یہ بارگاہِ نبوت ہے۔ بادشاہت جس کی خادم اور غلام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہڈ ہڈ سلیمان علیہ السلام کا مہندس یعنی انجینئر تھا۔ زمین پر چوچ مار کر بتلا دیتا تھا کہ پانی اتنی گہرائی پر ہے اس کے بتلانے پر سلیمان علیہ السلام زمین کھدوا کر حسبِ ضرورت پانی نکلا لیتے تھے۔ سبحان اللہ ایک پرندہ ہے جو بارگاہِ نبوت کا مہندس یعنی انجینئر ہے اب اسی پرندہ کو سفیر بنا کر دو سرے ملک میں بھیجا جا رہا ہے اب ان آیات میں تفصیل کے

ساتھ اسی قصہ کو بیان کرتے ہیں جو ایک اعتبار سے کرمہ قدرت ہے اور ایک اعتبار سے کرمہ نبوت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مقام پر سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا یعنی اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا تو ہڈ ہڈ کو نہ پایا تو فرمایا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں ہڈ ہڈ کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا میری نظر خطا کر رہی ہے یا وہ غائبین میں سے ہے یعنی وہ غیر حاضر ہے اس لیے دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ میں اسکو سخت سزا دوں گا جس سے دوسرے پرندوں کو عبرت ہو یعنی اسکے بال و پر کاٹ دوں گا یا اسکو قفس میں بند کر دوں گا یا میں اسکو ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے کوئی واضح دلیل اور معقول عذر لیکر آئے تو پھر میں اس کو چھوڑ دوں گا۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہڈ ہڈ حاضر ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تجھے کہاں دیر ہوئی تو اس نے عرض کیا کہ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپکو معلوم نہیں یعنی میری یہ غیر حاضری کسی غفلت کی بنا پر نہیں بلکہ آپ ہی کی خدمت اور مصلحت کے لیے تھی اور میں اس وقت آپ کے پاس شہر سب سے ایک یقینی خبر لیکر آیا ہوں جس کا انتظام مقاصد نبوت سے اور لوازم سلطنت سے ہے وہ خبر یہ ہے کہ تحقیق میں نے ملک سب میں ایک عورت کو لوگوں پر سلطنت کرتے پایا کہ وہ لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس ملکہ کو سلطنت کے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس ملکہ کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جو سونے کا ہے اور جواہرات اور موتیوں سے جڑا ہوا ہے یہ تو اسکی دنیاوی شان و شوکت کا حال ہے اور اس کے دین کا حال یہ ہے کہ میں نے اس ملکہ کو اور اسکی قوم کو اس حال میں پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ بلیقیں اور اسکی قوم مجوسی بھی جو سورج کو پوجتی تھی اور شیطان نے انکے اعمال بد کو انکی نظروں میں اچھا کر کے دکھلایا ہے پس اس طرح شیطان نے انکو راہ حق سے روک دیا ہے پس وہ لوگ راہ یاب ہوتے نظر نہیں آتے۔ شیطان نے انکے اعمال بد کو مزین کر دیا ہے کہ سارا عالم آفتاب سے روشن اور منور ہے لہذا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔ آفتاب کے سجدہ کو انکی نظروں میں خوب کر کے دکھایا ہے اور اس بات کو خوب کر کے دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں جو محبوب حقیقی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے یعنی آفتاب کی چمک اور دمک پر تو نظر گئی مگر اس پر نظر نہ کی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے نباتات اگاتا ہے یہ تو اسکی قدرت کا حال ہے اور اس کے علم کا حال یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے کہ جن کو تم چھپاتے ہو اور جن کو ظاہر کرتے ہو پس ایسی چیز کو پوجنا چاہیے جس کی قدرت اور اسکا علم کامل اور محیط ہو اور سورج کو پوجنا بیکار ہے جسے نہ علم ہے اور نہ قدرت ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق الوہیت اور مستحق عبادت نہیں وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ بلیقیں کے تخت کو اسکے عرش عظیم سے کیا نسبت۔ ہڈ ہڈ کا مطلب یہ تھا کہ یہ ملکہ اور اسکی قوم کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ اور توحید سے منحرف ہے ایسی قوم سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ حیوانات کو اور پرند اور پرند کو اللہ کی معرفت حاصل ہے وہ توحید اور شرک کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لیے ہڈ ہڈ نے اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کیے جن سے اللہ کے کمال قدرت اور کمال علم کو ثابت کیا۔

ہڈ ہڈ کے قصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کا علم محیط نہیں۔ اس جزئی واقعہ کی اطلاع ہڈ ہڈ نے دی جس کا پہلے فائدہ (۱) سے سلیمان علیہ السلام کو علم نہ تھا۔

یہ آیت سجدہ کی ہے اسکے پڑھنے والے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ جب ہڈ ہڈ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلیقیں کے حال کی خبر دے دی تو سلیمان علیہ السلام نے اس کی

فائدہ (۲)

بات سن کر یہ فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنے قول میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے اور فرمایا کہ فی الحال تو میرا یہ خط لیکر جا اور لے جا کر ان کے سامنے ڈال دے پھر ان کے سامنے خط ڈال کر ذرا ان سے علیحدہ ہو جانا پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں چنانچہ ہد ہد سلیمان علیہ السلام کا سر پر خط لیکر بلقیس کے پاس پہنچا اور در پہنچے سے اس کے کمرہ میں داخل ہوا تو اس کو سوتے ہوئے دیکھا۔ ہد ہد نے اس خط کو اسکے سینہ پر رکھ دیا اور حسب ہدایت **ثُمَّ تَوَلَّى عَنهُمُ**۔ ادب اور احترام کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ ملکہ بیدار ہو گئی دیکھا کہ ایک سر پر خط اسکے سینہ پر رکھا ہوا ہے اور ایک پر ند ادب و احترام کے ساتھ قریب میں کھڑا ہوا ہے۔ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور دیکھی دل میں ہول اور خوف سما گیا۔ خط کو اٹھایا اور اس کی مہر کھول کر اس کو پڑھا۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۱ ج ۳۔ اور ارکان دولت کو جمع کیا اور بولی اسے اشرف قوم اور اے ارکان دولت میری طرف ایک بزرگ خط یعنی گرامی نامہ ڈالا گیا ہے جس کا حال عجیب ہے کہ اس کو ایک پرند لیکر آیا ہے اور وہ پرند نہایت مہذب اور مؤدب ہے کہ خط کو میرے سینہ پر رکھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس خط کا مضمون بھی عجیب ہے تحقیق وہ خط سلیمان کی طرف سے ہے جس کے شروع میں **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** ہے اور اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ میرے مقابلہ میں تکبر اور سرکشی نہ کرو اور خدا کا فرمانبردار ہو کر گردن جھکائے ہوئے میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ غایت درجہ مختصر تھا اور بجا و کمال اختصار کے تمام مقاصد کو شامل تھا **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ**۔ میں ذات الہی اور اس کی صفات کاملہ کو بیان کیا بعد ازاں تکبر اور سرکشی کی ممانعت فرمائی جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور پھر اسلام کا حکم دیا جو تمام فضائل اور شمائل اور خیرات و برکات کو جامع ہے۔

امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لیے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لیے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائے بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز بے نام تو نامہ کے کنم آغاز

آرائش نامہا است نامت آرائش سینہاست کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لیکر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہان عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لیے اس نے ارکان دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔ ملکہ بلقیس نے کہا اے سرداران قوم اور اشرف ملک اس معاملہ میں مجھ کو فتویٰ دو۔ یعنی مشورہ دو۔ ملاء کے معنی اشرف قوم کے ہیں ملتو سے مشتق ہے جس کے معنی بھر دینے کے ہیں چونکہ یہ لوگ اپنی عزت و ثروت کی وجہ سے اپنی قوم کی آنکھوں میں بھرے ہوئے اور سمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لیے اشرف قوم کے لیے لفظ ملاء استعمال ہوتا ہے اور فتویٰ کے معنی حکم قوی کے ہیں کہ جو کسی مشکل کے حل اور سلجھانے کے لیے دیا جائے لہذا مطلب یہ ہوا کہ ملکہ بلقیس نے اہل دربار سے یہ کہا کہ اے اشرف قوم مجھے اس مشکل میں ایسی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے اور یہ عقدہ کھل جائے اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانہ سے لیکر اب تک ہمیشہ میری یہ شان اور عادت رہی ہے کہ میں کسی معمولی بات کا بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم

لوگ حاضر نہ ہو جاؤ یعنی میں نے تو کسی معمولی اور حقیر کام میں بھی بغیر تمہارے مشورہ کے قطعی فیصلہ نہیں کیا اور یہ معاملہ تو بہت اہم ہے ارکان سلطنت ملکہ کے جواب میں بولے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں اور سخت لڑائی لڑنے والے ہیں یعنی ہم کو قوت اور طاقت بھی حاصل ہے اور بہت دشجاعت اور لشکری کثرت بھی حاصل ہے جنگ اور سامان جنگ کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہم مقابلہ کے لیے ہر طرح حاضر اور مستعد ہیں اگر آپ ہم کو حکم دیں تو ہم ان سے لڑنے کے لیے تیار ہیں اور حکم اور اختیار سب آپ کے حوالہ ہے پس آپ جو حکم دینا چاہیں اسکو سوچ لیں ہم حضور کے تابع فرمان ہیں ہم آپ کے حکم کی اطاعت کریں گے خواہ صلح کیجئے یا جنگ کیجئے۔

نظم

اگر جنگ خواہی نبرد آوریم * دل دشمنان را برد آوریم

وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم * بتسلیم حکمت سرا فکندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لیے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا۔ مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے مین مین ایک صورت اختیار کی۔ بہر حال بلقیس نے ارکان دولت کے جواب سے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جنگ پر آمادہ ہیں تو یہ رائے اسکو پسند نہ آئی اور بولی کہ فی الحال لڑنا مصلحت نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ تحقیق بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی شہر میں بارادہ جنگ داخل ہوتے ہیں تو اس شہر کو خراب اور برباد کر ڈالتے ہیں اور معززین کو ذلیل کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے ہیں اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ ان کی حکومت قائم ہو اور اگر تم نے سلیمان سے جنگ کی تو ممکن ہے کہ یہ بھی ایسا کریں اس لیے بے ضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں معلوم ہوتا اور سردست مناسب یہ ہے کہ میں انکی طرف ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لیکر آتے ہیں قاصدوں کی واپسی کے بعد دوبارہ غور کر لیا جائیگا میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے اسکی حاجت نہیں کہ فوراً ان کی اطاعت قبول کر لوں۔ ہدیہ بھیج کر سلیمان کو آزماتی ہوں کہ وہ نبی ہے یا بادشاہ ہے اگر وہ بادشاہ ہے تو میرا ہدیہ قبول کر لے گا۔ اور جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے گا اور اگر نبی ہے تو میرا ہدیہ قبول نہیں کرے گا اور جب تک ہم اسکا دین قبول نہ کر لیں وہ کبھی ہم سے راضی نہیں ہو گا چنانچہ ملکہ بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیے اور تحفے بھیجے جن کی تفصیل کتب تفاسیر میں مذکور ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے سب کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ ملکہ بلقیس نے قسم قسم کے جواہرات اور موتی اور سونے اور چاندی کی اینٹیں بھیجیں جنہیں دیکھ کر آدمی حیران رہ جائے مگر سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ہدیہ اور تحفہ کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ وہ اللہ کے نبی تھے انکی نظر میں تمام دنیا کا سونا اور چاندی اور جواہرات سب بیچ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پھر جب وہ ایچی حضرت سلیمان کے پاس آیا اور ملکہ کی طرف سے تحفے اور ہدیے پیش کیے تو آپ نے اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کی بلکہ اس حرکت پر ناخوشی اور ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کیا تم لوگ مجھے اس دنیا سے فانی کے مال سے مدد دینا چاہتے ہو سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کیا ہے کہ جن و انس اور چرند اور پرند کو میرے لیے مسخر کیا ہے وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے جو تم کو دیا ہے تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دنیا ہے اور محمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے بلکہ تم ہی اپنے اس ہدیہ پر خوش رہو۔ یہ ہدیہ تمہاری خوشی کے لائق ہے میری خوشی تو اس میں ہے کہ تم اسلام لے آؤ اور خدا کے سامنے گردن ڈال دو۔ بعد ازاں

قاصدوں کے سردار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا تو مع ان تحفوں اور ہدیوں کے اپنی ملکہ اور ارکان دولت کی طرف واپس لوٹ جا رہیں اسکی کوئی پرواہ نہیں اور صاف فرمادیا کہ اب اگر وہ ایمان لے آویں تو نبھا۔ ورنہ ہم ان پر ضرور ایسے لشکروں کے ساتھ چڑھائی کریں گے جنکے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں اور ہم انکو ملک سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور حکومت و سلطنت سے دستبردار ہونے کے بعد ذلیل و خوار ہونگے مسلمانوں کی رعیت بن کر رہنا ہوگا۔ جب قاصد واپس ہوئے اور سب پہنچ کر ملکہ کو بتلایا کہ حضرت سلیمانؑ نے تمام ہدیے اور تحفے واپس کر دیئے ہیں اور ان کا پیغام پہنچا یا کہ یا تو اسلام لے آؤ ورنہ فوج کشی کے لیے تیار ہو جاؤ تو ملکہ اور تمام ارکان دولت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ ہے خدا کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے اس کے مقابلہ میں کسی قوت اور طاقت کا زور نہیں چل سکتا سلامتی اسکی اطاعت اور فرمانبرداری میں ہے۔ چنانچہ ملکہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں اطاعت کے ارادہ سے حاضری کے لیے روانہ ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی کے یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ ملکہ بلقیس ملک سبا سے اسلام میں داخل ہونے کے ارادہ سے روانہ ہو گئی تو یہ چاہا کہ بلقیس کا تخت جس کو وہ سات قفلوں میں مقفل کر کے آرہی ہے اسکے یہاں پہنچنے سے پہلے میرے سامنے حاضر کر دیا جائے تاکہ ملکہ یہاں آکر اپنے تخت کو دیکھے تو سمجھ لے کہ یہ شخص دنیاوی بادشاہوں کی طرح محض بادشاہ نہیں بلکہ قدرت خداوندی اسکی پشت پناہ ہے اور یہ شخص خداوند قدیر کا برگزیدہ اور فرستادہ ہے جس کے ہاتھ پر ایسے عجائب قدرت کا ظہور ہو رہا ہے چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے اہل دربار سے فرمایا اے اہل دربار کون شخص تم میں سے ایسا ہے کہ بلقیس کا تخت میرے سامنے لا کر حاضر کر دے قبل اسکے کہ وہ لوگ مسلمان ہو کر میرے پاس آویں وہ عرش میں میں تھا اور سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ مقصود یہ تھا کہ بلقیس پر حق تعالیٰ کی کمال قدرت کا اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا معجزہ ظاہر ہو جائے اور اس غیبی کرشمہ کو دیکھ کر ملکہ یہ سمجھ جائے کہ بارگاہ نبوت کے سامنے بڑی سے بڑی سلطنت اور بڑی سے بڑی شان و شوکت بیچ ہے اور دنیا سے اسکا دل بیزار ہو جائے اور تخت اور سلطنت سے اسکا دل خالی ہو جائے اس لیے تخت مذکور کے منگوانے کا ارادہ فرمایا۔ جنوں میں ایک دیو نے کہا کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا موجود کروں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی اس جگہ سے اٹھیں اور بیشک میں اس پر قادر ہوں اور امانت دار ہوں یعنی میں اس تخت کو آپ کے دربار پر خاست کرنے سے پہلے لے آؤں گا اور جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کرونگا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتا ہوں تو بولا وہ شخص جس کے پاس آسمانی کتاب کا علم تھا اور اسم اعظم جانتا تھا کہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اس تخت کو آپ کے پاس لا کر رکھ دوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف واپس آئے یعنی آپ نظر اٹھا کر جہاں تک دیکھ سکتے ہیں دیکھیں اور آپ کی نظر اپنی جگہ واپس آنے سے پہلے ہی میں اس تخت کو آپ کے سامنے حاضر کر دوں گا اللہ نے مجھے اتنی قوت اور قدرت دی ہے کہ میں اسکو اس قدر جلد لا سکتا ہوں اور امین ہوں اللہ نے مجھ کو امانت کی صفت بھی عطا کی ہے میں اس تخت کے لعل و جواہر میں کسی قسم کی خیانت نہ کروں گا یہ شخص اولیاء اللہ میں سے تھا اللہ ہی کو معلوم ہے کہ وہ کون سی کتاب تھی اور کون سا علم تھا اسکی تحقیق ناممکن اور محال ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام اصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الہیہ کا عالم تھا اور اسماء الہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۹ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دعا فرمائیے آپ اگر اللہ سے دعا کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا۔ دیکھو زاد المسیر ص ۱۷۵ ج ۶۔

پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس تخت کو طرفۃ العین میں اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ سب میرے پروردگار کا فضل اور احسان ہے کہ اس طرح طرفۃ العین میں میرے ایک خادم کے ذریعہ تخت میرے سامنے لا کر رکھ دیا گیا یہ محض اسکا فضل ہے جس میں اسباب ظاہری کو بالکل دخل نہیں تخت کا اس طرح یکدم حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور انکے ایک صحابی کی کرامت تھی اور یہ امر کوئی محال نہیں بلقیس کا تخت بیشک ایک بڑا جسم تھا مگر کرۂ آفتاب سے تو بڑا نہ تھا پس جو خدا کرۂ شمس کو ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی حرکت دے سکتا ہے تو اسے ایک تخت کو حرکت دینا کیا مشکل ہے کیونکہ تخت کو آفتاب سے وہ نسبت بھی نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہے الغرض سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ تاکہ میل امتحان کرے کہ میں اسکی نعمت کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرے وہ اپنے فائدہ کے لیے کرے گا کیونکہ شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے اور عاقبت میں اسکا صلہ بہشت ہے اور جو ناشکری کرے تو وہ میرے پروردگار کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیونکہ میرا پروردگار بے نیاز اور بے پردا ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں اور وہ بڑا کرم کرنے والا ہے بلا کسی استحقاق کے کرم کرتا ہے۔

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور انکے صحابی کی کرامت تھی کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تاکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آرہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرح تخت کا سامنے لا کر رکھ دیا جانا اللہ کی عظیم نعمت تھی سلیمان علیہ السلام اسی وقت نعمت سے منعم کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسکے شکر میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ بتلا گئے کہ منعم حقیقی کو ہمارے شکر کی حاجت نہیں وہ تو غنی کریم ہے ہم جو شکر کر رہے ہیں وہ اپنے فائدہ کے لیے کر رہے ہیں اور جو نعمت مل رہی ہے وہ محض اس کا کرم ہے خدا پر کسی کا کوئی حق نہیں۔

اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدا سے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔

فائدہ

پس جب وہ تخت ملکہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے حضرت سلیمان کے حضور میں پہنچ گیا تو فرمایا کہ تخت کی وضع اور ہیئت کو بلقیس کے امتحان کے لیے بدل ڈالو تاکہ دیکھیں کہ آیا وہ اپنے تخت کو پہچان لیتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو اس قسم کے تغیر و تبدل سے شناخت نہیں کر سکتے دیکھیں کہ اس کی عقل کی رسائی ہوتی ہے یا نہیں۔

نکتہ عرش اور تخت سلطنت اور بادشاہت کی صورت ہے حضرت سلیمانؑ نے اس تخت کی ہیئت بدلنے کا حکم دیا۔ اشارہ اس طرف تھا کہ سابق سلطنت کی ہیئت اب بدل چکی ہے۔ کفر کی گزشتہ سلطنت ختم ہوئی اب حضرت سلیمانؑ کی طرف سے بلقیس کو یہ جدید سلطنت عطا کی جا رہی ہے کہ جو اسلامی ہے اور سلیمانؑ کے زیر سایہ ہے بخاشی شاہ حبشہ کے مسلمان ہو جانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بادشاہت کو برقرار رکھا۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے اسکی سلطنت اور بادشاہت کو برقرار رکھا۔

پس جب بلقیس آگئی اور سلیمان علیہ السلام کے حضور میں پہنچ گئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے جس کو تو اپنے محل میں چھوڑ کر اور جس پر قفل لگا کر آئی ہے اور جس پر پہرے لگا کر آئی ہے تو بلقیس نے بہت ہوشیاری سے جواب دیا اور بولی گویا کہ وہی ہے نہ یہ کہا کہ بعینہ وہی ہے اور نہ یہ کہا کہ یہ وہ نہیں۔ گویا کی قید اس لیے لگائی کہ بہمہ وجہ وہی نہ تھا کیونکہ اس کی ہیئت بدلی ہوئی تھی اس سے اس کی عقل اور فراست ثابت ہوئی کہ اہل دربار میں سے کوئی اس کو جھٹلانہ سکے اگر وہ یہ کہہ دیتی کہ ایسا ہی ہے یا ایسا نہیں ہے تو لوگوں کو اس کے جھٹلانے کا موقع مل جاتا اس لیے اس نے یہ جواب دیا کہ گویا یہ وہی تخت ہے اور بعد ازاں یہ کہا اور ہم کو اس معجزہ سے پہلے ہی آپ کی نبوت اور حقانیت کا اور خدا کی قدرت کا کہ وہ جہاں چاہے کسی کے تخت کو منتقل کر دے علم ہو چکا تھا ہمیں اس معجزہ کی چنداں حاجت نہ تھی۔ ہم کو آپ کی نبوت کا اور خدا کی قدرت اور وحدانیت کا پہلے ہی یقین ہو گیا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے یہ بھی اس کے فہم اور فراست کی دلیل ہے کہ اس نے معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی سمجھ لیا کہ یہ برگزیدہ ہستی خدا کا نبی ہے اور حاضری سے پہلے اس کی تصدیق کی اور اسلام لے آئی اور اب تک تو جو ایمان لانے میں دیر ہوئی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نے اور جھوٹے معبودوں کی پرستش نے اور قومی تقلید نے اسکو ایمان لانے سے باز رکھا۔ بے شک اب سے پہلے کافروں کی قوم سے تھی۔ قوم کو دیکھا کفر اور شرک میں مبتلا تھی مگر عاقل تھی جب تنبیہ کی گئی تو متنبہ ہو گئی اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ بلقیس پر شان نبوت اور شان معجزہ کرامت تو ظاہر ہو چکی ہے لہذا اب اسکو سلطنت کی بھی شان و شوکت دکھانی چاہیے تاکہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ میری سلطنت اسکی سلطنت کے سامنے ہیچ ہے چنانچہ ایک شیش محل تیار کرایا اور اسکا فرش صاف اور شفاف شیشہ کا بنوایا اور اسکے نیچے پانی بھر کر اس میں مچھلیاں چھوڑ دیں۔ چنانچہ صحن میں پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب پانی ہے۔ درمیان صحن کے سلیمان علیہ السلام کا تخت رکھا گیا اور بلقیس کو اندر بلایا گیا بلقیس جب دروازہ پر پہنچی تو کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو پھر جب بلقیس نے اس صحن کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے یعنی پانی کا حوض ہے اس لیے اس نے اندر گھسنے کے لیے اپنے پائنیچے اوپر اٹھائے اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھولیں سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تحقیق یہ محل ہے جو سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے پانی نہیں اس سے اسکو اپنی عقل کا قصور معلوم ہوا۔ اور یہ

پتہ چلا کہ جس شاہانہ ساز و سامان پر مجھ کو ناز تھا یہاں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر موجود ہے اور عجب نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شیشہ کے فرش سے اسکو متنبہ کیا ہو کہ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر انکو خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسا کہ آدمی شیشہ کی چمک کو دیکھ کر پانی گمان کرے۔ كَسَى ابٍ بِقِيعَتٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ هَاءً شَيْشَةً پانی نہ تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا۔ اسی طرح آفتاب اور مانتاب نور الہی کا مظہر اور آئینہ ہیں۔ معاذ اللہ خدا انہیں اس پر بلیقہس بولی کہ اسے میرے پروردگار بیشک میں نے سورج کو پوج کر اپنی جان پر ظلم کیا کہ اسکی ظاہری چمک کو دیکھ کر اسکو معبود بنا لیا اور اب میں کفر اور شرک سے تائب ہو کر سلیمان کے ساتھ مل کر اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بن گئی تاکہ اللہ کے نبی کی محبت اور مرافقت سے مجھ کو دین اور دنیا کی اور مزید نعمتیں ملیں۔

غرض یہ کہ ملکہ سبا مسلمان ہو گئی اور مسلمان ہونے کے بعد واپس ہو گئی۔ یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہوا باقی ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد کیا ہوا تو قرآن وحدیث میں اسکی کوئی تصریح نہیں البتہ علماء تفسیر وسیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرمایا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ اور نکاح کے بعد اس کو اپنے ملک جانے کی اجازت دیدی اور گاہے گاہے خود وہاں تشریف لے جاتے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لطائف معارف

حق جل شانہ نے اس قصہ میں سلیمان علیہ السلام کے جن معجزات اور کرامات کا ذکر فرمایا اس قسم کے معجزات بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حق تعالیٰ نے عطا فرمائے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ سے کلام کرنا۔ اور آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظم کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمر کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا اور حضرت ساریہ کا میدان کارزار میں حضرت عمر کی آواز سننا روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف کیے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہو گئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے۔ دریائے نیل خشک ہو گیا تھا حضرت عمرؓ کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنِ اعْبُدُوا

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف ان کا بھائی صالح کہ بندگی کرو

علم والمشہور انہ علیہ السلام تنزیہا والیہ ذہب جماعة من اهل الاخبار تفسیر روح المعانی ص ۱۸۹ ج ۱۹۔

اللَّهُ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَيْنِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٣٥﴾ قَالَ يُقَوْمٌ لِمَ

اللہ کی، پھر وہ تو دو جتھے ہو کر لگے جھگڑانے۔ کہا اے قوم! کیوں

تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

شتاب مانگتے ہو بُرائی پہلے بھلائی سے۔؟ کیوں نہیں

تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٣٦﴾ قَالُوا أَطِیرْنَا

گناہ بخشواتے اللہ سے؟ شاید تم پر رحم ہو۔ بولے ہم نے بد قدم دیکھا

بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۖ قَالَ طَیْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ

تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو۔ کہا، تمہاری بُری قسمت اللہ کے پاس ہے، کوئی نہیں تم لوگ

قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٣٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ

جانچے جاتے ہو۔ اور تھے اس شہر میں نو شخص خرابی کرتے

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يَصْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا اتَّقَاسُوا

ملک میں اور سنوار نہ کرتے۔ بولے آپس میں قسم

بِاللَّهِ كُنُبَيْتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

کھاؤ اللہ کی، مقرر رات کو پڑیں ہم اس پر اور اسکے گھر پر، پھر کہیں گے اسکا دعویٰ کر نیوالے

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٣٩﴾ وَمَكْرُؤًا مَكَرًا وَ

کو۔ ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اسکا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور

مَكْرَنَا مَكَرًا ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

ہم نے بنایا ایک فریب، اور ان کو خبر نہیں۔ پھر دیکھ! کیسا ہوا آخر ان کے

عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤١﴾ فَبَلَكَ

فریب کا؟ کہ اکھاڑ مارا ہم نے انکو اور انکی قوم کو ساری۔ سو یہ پڑے

يُوتَهُمْ خَاوِيَةً يَبَاظِلُوهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ

ہیں ان کے گھر ڈھے ہوئے انکے انکار سے۔ البتہ اس میں نشانی ہے ایک لوگوں

يَعْلَمُونَ ﴿۵۲﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۳﴾

کو۔ جو جانتے ہیں۔ اور بچا دیا ہم نے انکو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے۔

قصہ چہارم حضرت صالح علیہ السلام با قوم او

قال الله تعالى وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُ صَالِحًا... إِلَى... وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (ربط) حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مکہ بلقیس باوجود کہ ایک عورت تھی مگر اسکو ایک چھوٹے جانور یعنی ہڈ ہڈ سے ہدایت ہو گئی اور قوم ثمود کو باوجود مرد ہونے کے ناقہ جیسے بڑے حیوان سے ہدایت نہ ہوئی کہ چند مفسدوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر شیخون مارنے کا ارادہ کیا مگر انکو قضائے الہی کی خبر نہ تھی کہ وہ انکی گھات میں ہے کہ بکا ایک قضائے الہی نے ان پر شیخون مارا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے اس قصہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اب آئندہ آیات میں لوگوں کی عبرت اور نصیحت کے لیے صالح علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کی طرف انکے برادری کے بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اور یہ پیغام دیکر بھیجا کہ تم لوگ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ سو چاہیے تو یہ تھا کہ سب کے سب ایمان لے آتے مگر خلاف توقع چانگ ان میں دو فریق ہو گئے جو دین کے بارہ میں جھگڑنے لگے ایک فریق کہتا تھا کہ صالح علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں ان پر ایمان لے آنا چاہیے اور دوسرا فریق یہ کہتا تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے بہر حال ایک فریق ایمان لے آیا اور دوسرے فریق نے تکذیب کی۔ صالح علیہ السلام نے منکرین اور مکذبین کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ سرکشوں نے کہا کہ وہ عذاب کہاں ہے جس سے تم ہم کو ڈراتے ہو جیسا کہ سورۃ اعراف میں گزرا۔ قَالُوا يَا صَالِحُ اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ صالح علیہ السلام نے فریق مکذب سے کہا اے میری قوم بھلائی سے پہلے عذاب کے مانگنے میں کیوں جلدی کرتے ہو عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ تم اللہ سے رحمت مانگو۔ بلا اور عذاب کیوں مانگتے ہو۔ استعجال عذاب کی بجائے استعجال رحمت کیوں نہیں کرتے تم لوگ اپنے کفر سے بارگاہ خداوندی میں توبہ اور استغفار کیوں نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو اور تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ صالح علیہ السلام انکو نصیحت کرتے جاتے تھے مگر وہ گمراہی میں بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بولے کہ اے صالح ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو منحوس پایا جب سے یہ مذہب نکلا ہے اس وقت سے قوم میں نفرت پڑ گیا اور قوم میں نا اتفاقی ہو گئی جس کا اصل سبب تم ہو۔ تمہاری وجہ سے قوم میں پھوٹ پڑ گئی یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری نحوست سے ہم قحط میں مبتلا ہو گئے۔ صالح علیہ السلام نے کہا کہ تمہاری نحوست کا اصل سبب تو اللہ ہی کے علم میں ہے

میں تو اللہ کی طرف سے حق اور ہدایت لیکر آیا ہوں اور ظاہر ہے کہ حق اور ہدایت تو سرِ امر موجب خیر و برکت ہے۔ البتہ حق اور ہدایت سے انحراف اور حق کی تکذیب اور اسکی مخالفت نحوست کا سبب ہے لہذا نحوست کا الزام مجھ پر اور اہل ایمان پر غلط ہے۔ نا اتفاقی وہ مذموم ہے کہ جو حق اور ہدایت کی مخالفت سے پیدا ہو۔ تمہاری ساری نحوست اور قحط کی مصیبت تمہارے اعمالِ کفریہ و شرکیہ کی وجہ سے ہے جو ایمان اور توبہ اور استغفار سے دور ہو سکتی ہے۔ ایمان اور ہدایت نحوست کا سبب نہیں بلکہ تم لوگ آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہو کہ دیکھیں کہ تم توحید کو اختیار کرتے ہو یا شرک کو۔ بیشک مصائب تقدیر الہی کے موافق جاری ہوتے ہیں لیکن ان سے مقصود بندوں کی آزمائش اور امتحان ہوتا ہے۔ اور اس شہر میں کافر اور منکر تو بہت تھے لیکن کافروں کے سرغنہ اور سرداروں کو شخص تھے جو ملک میں فساد ڈالتے تھے اور ذرا بھی اصلاح نہیں کرتے تھے۔ اگر فساد کے ساتھ کچھ اصلاح بھی ملی ہوئی ہو تو کچھ امید کی جاسکتی ہے مگر یہ لوگ تو خالص مفسد تھے آپس میں کہنے لگے تم سب اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم ضرور بالضرور رات میں صالح پر اور اسکے متعلقین اور توسلین پر چھا پڑیں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے پھر جب مقتول کا دلی اور وارث ہم سے خون کا مطالبہ کرے گا تو ہم اس سے یہ کہہ دیں گے کہ ہم وہاں موجود ہی نہ تھے اور قسم کھا کر یہ کہہ دیں گے کہ ہم بالکل سچے ہیں اور ان مفسدوں نے اس طرح سے ایک مکر کیا یعنی صالح علیہ السلام کے قتل کرنے کی ایک خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی انکے مقابلہ میں ایک تدبیر کی اور وہ ایسی خفیہ تھی کہ وہ بالکل اس سے آگاہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ مکر کے معنی لغت میں تدبیر خفی کے ہیں انہوں نے حضرت صالحؑ کے قتل کی تدبیر کی اور ہم نے اسکے برعکس انکے ہلاک کرنے کی تدبیر کی۔ پس دیکھ لو کہ ان کے مکر اور تدبیر کا کیا انجام نکلا اور انکی توقع کے بالکل خلاف نتیجہ نکلا کہ ہم نے انکو اور تمام قوم کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ یہ نو آدمی جو صالح علیہ السلام کی گھات میں بیٹھے تھے ان پر تو پہاڑ سے ایک پتھر آکر گرا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اور باقی قوم آسمانی عذاب سے یعنی فرشتہ کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوئی۔

کَمَا قَالَ قَالُوا فَاخْذْ لَهُمُ الرَّجْفَةَ ۖ وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ ۖ

دیکھ لو کہ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے کفر اور شرک کی نحوست کی وجہ سے خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو ہماری قدرت کو کچھ جانتے ہیں اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ چار ہزار تھے۔



وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ

اور لو ط کو جب کہا اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی؟ اور تم

تُبْصِرُونَ ﴿۵۳﴾ اَيْبَكُمُ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

دیکھتے ہو۔ کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر لپچا کر عورتیں

دُونِ النِّسَاءِ ۖ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ

چھوڑ کر۔ کوئی نہیں! تم لوگ بے سمجھ ہو۔ پھر اور جواب

جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ

نہ تھا اسکی قوم کا مگر یہی کہ بولے نکالو لوط کے گھر والوں کو

قَرَيْتُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۵۶﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

اپنے شہر سے۔ یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو

إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ قَدْ رَنَّاهَا مِنَ الْغَيْرِينَ ﴿۵۷﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

اور اسکی گھر کو، مگر اسکی عورت۔ ٹھہر دیا تھا ہم نے اسکو رہ جانے والوں میں۔ اور برسایا ہم نے ان پر

مَّطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۵۸﴾

برساؤ۔ پھر کیا بُرا برساؤ تھا ان ڈراتے ہوؤں کا۔

قصہ پنجم حضرت لوط علیہ السلام باقوم او

قال الله تعالى وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ الى فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ
(ربط) حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی قوم بھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوئی اور ناگہانی عذاب ان پر نازل ہوا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الہی سے ڈرایا۔ جب باز نہ آئے تو ہلاک کر دیئے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اسے بنی آپ لوگوں کے سامنے لوط علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیجیے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم اس بے حیائی کے کام کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے جاتے ہو۔ یہ بے حیائی کی حد ہے کہ کھلم کھلا ایک دوسرے کے سامنے اغلام اور لواطت کرتے ہو اور ذرا شرماتے نہیں۔ کیا تم ازراہ شہوت عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت رانی کرتے ہو۔ جو سراسر عقل اور فطرت کے خلاف ہے جس کی قباحیت اور خباثت میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔ تم کو لذت کی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ عورت سے جماع کرتے وقت رحم منی کو جذب کرتا ہے جو باعث لذت ہوتا ہے اور لواطت میں یہ انجذابی

کیفیت نہیں ہوتی بلکہ محل نجاست ہونے کی وجہ سے موجب نفرت و کراہت ہے۔ پس کچھ نہیں تھا ان کی قوم کا جواب سوائے اس قول کے کہ نکال دو لوط کے کنبہ کو اس بستی سے یہ لوگ بہت پاک بنتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محل نجاست میں قصار حاجت کرنا طہارت اور نظافت کے خلاف ہے اور اپنے آپ کو پاکیزہ جانتے ہیں اور ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ پس ہم نے بھی اس بستی کی تطہیر کا ارادہ کر لیا کہ لوط کو اور ان کے متعلقین کو اس بستی سے نکال لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ جس کے بیٹے ہم نے مقدر کر دیا تھا کہ وہ ان باقی رہنے والوں میں سے ہے جو عذاب میں مبتلا ہوئے اور ہم نے اس قوم پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی یعنی ان پر پتھر برسائے پس بہت بری بارش ہوئی ان لوگوں پر جن کو نزول عذاب سے ڈرایا گیا۔ مگر انہوں نے اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے ڈرانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔

مشروع سورت سے لیکر یہاں تک نبوت و رسالت اور دلائل نبوت اور براہین رسالت یعنی معجزات کی بحث تھی۔ اب آگے الوہیت اور وحدانیت کی بحث ہے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ دلائل توحید کو بیان کیا گیا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی ط

تو کہہ، تعریف ہے اللہ کو، اور سلام ہے اسکے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔

اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ط

بھلا اللہ بہتر یا جنکو وہ شریک کرتے ہیں۔

خاتمہ قصص بر حمد و شکر بر ہلاکت اعدائنا و سلام بر

برگزیدگان خداوندانام

قال الله تعالى قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی ط اللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ط
یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے دشمنوں کی ہلاکت اور بربادی کے چند واقعات ذکر کیے اب یہ حکم دیتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خدا کا شکر کرو کہ کفار اور مشرکین ہلاک اور برباد ہوئے خدا کے نافرمانوں کی ہلاکت اور بربادی اور اہل حق کی فتح و نصرت حق جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے اور سلام بھیجو خدا کے ان برگزیدہ بندوں

پر جن کو اللہ نے عزت دی اور دشمنوں کے مقابلہ میں انکو کامیاب فرمایا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر سلام بھیجا جائے اور چونکہ یہ لوگ کفر اور شرک کی بنا پر ہلاک ہوئے اس لیے آئندہ آیات میں انواع و اقسام کے دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ دیکھو صادی ص ۳۱ ج ۳۔

اس سورت کے نصف اول میں انبیاء کرام کے قصے ذکر فرمائے اب اسکے بعد نصف دوم میں دعوت و تبلیغ کا طریقہ اور دلائل توحید اور مبدء اور معاد کو بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی جب یہ واقعات آپ نے بیان کر دیئے اور انکو سنا دیئے تو کہیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کیا اور اللہ کے ان بندوں پر سلام ہو جنکو اس نے منتخب کیا یعنی انبیاء کرام پر اور انکے اصحاب پر جنکی بدولت یہ گندگی اور نجاست دور ہوئی۔ ان واقعات میں غور کر کے بتلاؤ کہ کیا وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے یا وہ چیزیں بہتر ہیں جنکو تم الوہیت میں خدا کا شریک ٹھہراتے ہو یعنی ظاہر ہے کہ قادر مطلق بلاشبہ عاجز مطلق سے بہتر ہے پس اس عقلی دلیل سے بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اب آئندہ آیات میں چند کمالات قدرت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ مشرکین ان میں غور کر کے بتلائیں کہ اللہ بہتر ہے یا یہ بت بہتر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس سورت میں قوم ثمود اور قوم لوط کے ہلاکت کا ذکر کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیجیے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو اشیاء کو ہلاک کرتا ہے اور انبیاء و مرسلین کی مدد کرتا ہے اور اے پیغمبر یہ بھی کہہ دیجیے کہ اللہ دونوں جہان کی سلامتی ان لوگوں کو دیتا ہے کہ جو اسکی بارگاہ میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں اور اس اصطفاء اور برگزیدگی کے مدارج اور مراتب ہیں۔ مرتبہ اعلیٰ انبیاء و مرسلین کی برگزیدگی کا ہے بعد ازاں ان مسلمانوں کی برگزیدگی کا ہے جنہوں نے انبیاء و مرسلین کی مدد اور نصرت کر کے اعلیٰ کلمۃ اللہ کیا اور بالخصوص جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کی اور اسکا اولین مصداق ہاجرین اولین ہیں پھر انصار کرام اور مہاجرین اولین کے مقابلہ میں وہ اشیاء کفار ہیں جو اعلیٰ کلمۃ الکفر میں ساعی اور کوشاں رہے۔

الغرض اصطفاء کے درجات میں اصطفاء کا اعلیٰ درجہ حضرات انبیاء کرام کے لیے ہے اور دوسرے درجہ صحابہ کرام کے لیے کما قال اللہ تعالیٰ **ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا** اِلٰی الْاٰخِرِ الْاٰیۃ اس لیے اس قسم کے تمام آیتوں کی تفسیر سلف صالحین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے ساتھ کی ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور سفیان ثوریؒ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا گیا ہے کہ **وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی** سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مراد ہیں۔ (ازالۃ الخفاء)

الحمد لله کہ انیسویں پارہ کی تفسیر سے اخیر ذی الحجۃ الحرام ۱۳۹۱ھ میں فراغت نصیب ہوئی

فَلَلهُ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا

الحمد للہ پانچویں جلد مکمل ہوئی۔ چھٹی جلد بیسویں پارے سے شروع ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن، بنام مکتبہ المعارف شہدادپور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب جو کہ دارالعلوم المحمدیہ (شہر)
شہدادپور والے حضرات خود دوبارہ لکھوا یا ہے اور چھپا یا ہے ۔

ہماری طرف سے اجازت ہے ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپائیں اور فروخت کریں

27/1/99



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

تصدیق نامہ

مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور کے مطبوعہ تفسیر معارف القرآن
جلد پنجم مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے
پارہ ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ - ۱۹ کا متن قرآن کریم بغور پڑھا۔
تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم
میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی
نہیں ہے۔ واللہ اعلم

علیمہ النہال شہید ادپور
۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ

